فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	انتساب	۵
۲	دعائیہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۶
۳	دعائیہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	۷
۴	تقریظ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند	۸
۵	تقریظ مرشد الامت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم	۱۰
۶	تقریظ فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہم	۱۴
۷	پیش گفتار ڈاکٹر الیاس احمد الاعظمی	۱۸
۸	پیش لفظ	۲۳
۹	کچھ صاحب مقالات کے بارے میں (حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ)	۴۵
۱۰	(۱) اسلامی قانون کی ضرورت اور اہمیت	۱۵۳
۱۱	(۲) سیاست وتعمیر ملت	۲۰۹
۱۲	(۳) قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت	۲۳۲
۱۳	(۴) نفاذ شریعت بل	۲۴۴
۱۴	(۵) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معاشی نظام	۲۴۸
۱۵	(۶) مملکت خداداد عطیہ الٰہی	۲۶۸
۱۶	(۷) اسوۂ نبویہ اور عصری شہریت	۲۷۲
۱۷	(۸) سرکاری ملازم اور اس کے کردار کی اہمیت	۲۷۷
۱۸	(۹) تہذیب حاضر اور مسلمان	۲۸۶

۱۹	(۱۰) رومی کا پیام عصر حاضر کے نام	۳۵۴
۲۰	(۱۱) خودی وقرآن	۳۵۳
۲۱	(۱۲) اسلامی تقویم قمری کی اہمیت	۳۷۳
۲۲	(۱۳) اسلام میں مسجد کی اہمیت	۳۸۶
۲۳	(۱۴) اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مرد مسلم	۳۹۱
۲۴	(۱۵) موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل	۳۹۶
۲۵	(۱۶) علوم دینی اور دنیوی کا تلازم	۴۲۰
۲۶	(۱۷) تعلیمی پالیسی اور چند مشورے	۴۳۲
۲۷	(۱۸) دیوبندی مدرسۂ فکر	۴۳۷
۲۸	(۱۹) استعمار کی کہانی اور جامعہ امداد العلوم کی تاسیس	۴۶۳
۲۹	(۲۰) ارمغان سلیمان پر ایک نظر	۴۶۷

❀❀❀

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

انتساب

بندہ اپنی اس کاوش کو سیدی ومرشدی ملجائی ومولائی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم کے نام کرتا ہے، جن کی صحبت بابرکت میں اپنے اکابر کے ذوق ومزاج، تقویٰ وطہارت، خدمت دین کے جذبۂ بے تاب، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا اصل رنگ دیکھا اور یہ ادنیٰ سی کوشش انہی کی دعا وتوجہ کا ثمرہ ہے۔ اللہ رب العزت حضرت ڈاکٹر صاحب کا سایہ تادیر ہم پر قائم ودائم رکھے، اور ان کے فیوض وبرکات سے پورے عالم کو مستفید فرمائے۔ آمین

محمد طفیل کوہاٹی

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

دعائیہ

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

بندہ کے سلسلہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ حضرت مولانا طفیل صاحب اس میں بیعت ہیں۔ موصوف نے خوب محنت کرکے بندہ کے بیانات کی ترتیب و تدوین کا کام کیا۔ اس سے بڑھ کر ان کا سلسلہ پر یہ احسان ہوا کہ بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب سلیمانی پشاوری رحمہ اللہ کے مقالات مختلف رسالوں اور مسودوں سے خوب محنت اوعرق ریزی سے جمع کرکے مرتب کیے۔ یہاں تک کہ آپ کے تین اہم عدالتی بیان کے قدیم مخطوطات کی بھی تدوین کی۔ کچھ مقالات ہندوستان کے رسائل میں شائع ہوئے تھے، کوشش کرکے انہیں بھی حاصل کیا اور اس مجموعہ کا حصہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ حضرت مولانا صاحب کے فیض کے عام ہونے کا ذریعہ بنائے اور مولانا محمد طفیل صاحب کے لیے سرمایہ آخرت بنائے۔

ڈاکٹر فدا محمد

۹ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دعائیہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

عزیز گرامی قدر سلمکم اللہ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ قحط الرجال کے اس دور میں ان گنی چنی ہستیوں میں سے تھے، جن کا تصور کر کے اپنے عہد کے افلاس کا احساس کم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وفضل کے مقام بلند کے ساتھ ساتھ قلب کا سوز وگداز اور اپنی معرفت کی دولت سے نوازا تھا۔ وہ اپنے مرشد حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وعملی جانشین اور ان کے قوت افادہ کی مجسم دلیل تھے۔

بندہ کو جب بھی حضرت قدس سرہ سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا، ہر بار محسوس ہوا کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق کی ایک آگ سلگ رہی ہے جو بعض اوقات آہوں کی شکل میں ظاہر ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدمت دین کا جذبہ بے تاب نصیب فرمایا تھا، اس لیے جب بھی ضرورت پیش آئی ملکی وملی مسائل میں دلچسپی لی اور اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ عدالت عالیہ میں رجم کے مسئلہ پر باوجود معذوری کے پہیوں والی کرسی پر تشریف لائے اور اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔

آپ نے حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی قدس سرہ کے مقالات کی جمع وترتیب کا جو کام کیا ہے، وہ بہت ضرورت کا اور نہایت مفید کام ہے۔ بندہ کو اس کی اشاعت کا اشتیاق ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کام کو بعافیت تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

والسلام

محمد تقی

۲۴۔۳۔۴۰ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

جناب مولانا محمد طفیل کوہاٹی زید فضلہ، ایک تازہ دم صاحب قلم ہیں جن کی متعدد تالیفات، منظر عام پر آچکی ہیں اور بعض کتب پر وہ احقر سے بھی رائے لکھوا چکے ہیں۔ اب ان کی تازہ کاوش سامنے آئی ہے جس میں انہوں نے حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقالات کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد کا عنوان ''تہذیب وتمدن اور تعلیم وسیاست'' ہے، دوسری جلد ''دعوت وارشاد''، تیسری جلد ''سیر وسوانح'' اور چوتھی جلد ''عدالتی مقالات'' کے نام سے موسوم ہے۔

جہاں تک صاحب مقالات کی شخصیت کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ احقر اب تک ان کی عظیم شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ اب جو ان کے مقالات کی فہرست اور دیگر علماء کے تاثرات نیز ان کی مختصر سوانح، مولانا طفیل کوہاٹی صاحب نے ارسال کی، اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا سلیمانی رحمہ اللہ کی شخصیت ایک جامع اور فعال وبافیض شخصیت تھی، وہ بیک وقت سلوک وتصوف اور تعلیم وسیاست کے متضاد میدانوں میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ تحریر وقلم سے ان کا رشتہ مضبوط تھا۔ افراد سازی کا سلیقہ بھی ان کو آتا تھا۔ دعوت وتبلیغ کی لائن سے بھی انہوں نے خدمات انجام دیں اور باطل افکار کی تردید میں بھی تحریری اور عملی کام کیا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

4

ان کی شخصیت کی اصل پہچان، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے خاص تربیت یافتہ اور جانشین کی رہی۔ اسی نسبت سے انہوں نے ''سلیمانی'' کا لفظ اپنے نام کا جزو بنالیا، اور اسی مبارک واسطہ سے ان کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا روحانی فیض پہنچا، جس کو انہوں نے علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے اپنی شخصیت میں جذب کیا، جس کا ظہور ان کی کتاب ''سلوک سلیمانی'' (بعد میں شاہراہ معرفت ۳؍جلد) کی شکل میں ہوا۔

اب ان کے مقالات کا یہ مجموعہ سامنے آیا ہے جس سے ان کی وسعت علم، بیدار مغزی، متنوع معلومات اور دردمندی واضح ہوتی ہے۔ اور سوانحی تحریر سے جو یہ بات سامنے آئی کہ وہ جسمانی معذوری کا بھی شکار تھے تو بلاشبہ ان کی خدمات ایک کرامت سے کم نہیں ہیں۔

میں مولانا طفیل کوہاٹی صاحب کو اس کتاب کی ترتیب پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ ان کی وجہ سے ایک بافیض شخصیت سے واقفیت کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطاء فرمائے۔ آمین

والسلام

ابودرع نعمانی غفرلہ

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۵؍۱۰؍۱۴۴۰ھ

تقریظ

مرشدالامت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد بن عبداللہ الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ علم وتحقیق، ارشاد وتربیت، ملی قیادت، اجتماعی رہنمائی، ربانیت صادقہ، زہد وعبادت، تسبیح ومناجات اور وسعت آفاق میں تکبیر مسلسل کی حامل اور جامع صفات ہستیوں میں وہ نادرۂ روزگار شخصیت تھے جو اپنی جامعیت، رسوخ فی العلم، ملی شعور وآگہی، دینی بصیرت وفراست میں اپنی عالمانہ شان کے ساتھ اس طرح نظر آتے تھے کہ ان کو کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اولین وقابل رشک وافتخار فرزندوں میں ان کا شمار تھا اور ملی رہنماؤں میں وہ صف اول کے قائدین ومفکرین میں دیکھے جاتے تھے، ان کے تربیت یافتہ لوگوں میں کئی اہم شخصیتیں سامنے آئیں، ان میں مولانا شاہ معین الدین ندویؒ، مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا مسعود عالم ندویؒ کے نام اور کام زیادہ نمایاں ہوئے۔

پاکستان میں ان کے دو مشہور مسترشد مولانا پروفیسر محمد اشرف خان سلیمانی پشاوری (سابق صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی) اور مولانا ڈاکٹر غلام محمد حیدرآبادی (کراچوی) اپنے کام اور ان کے سلسلہ میں اجازت وخلافت سے بہرہ ور ہونے کی وجہ سے زیادہ نمایاں ہوئے اور ان دونوں بڑے عالم فاضل محقق مسترشدوں نے ان پر الگ الگ نوعیت کا کام بھی کیا جن میں ان کی سیرت کے مختلف گوشوں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کوسامنے رکھتے ہوئے مولانا ڈاکٹر غلام محمد کراچوی کی کتاب ''تذکرۂ سلیمان'' ایک منفرد کتاب ہے اور سلوک وتصوف، ارشاد وتربیت اور تزکیہ واحسان کے پہلو کو پیش نظر رکھ کر مولانا پروفیسر محمد اشرف خان سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سلوک سلیمانی شاہراہ معرفت'' تین جلدوں میں پاکستان کے مکتبات سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوکر مقبول ہوئی جس کی تلخیص بھی شائع کی گئی ہے، اس میں سلوک وتصوف اور دینی واجتماعی زندگی میں رہنمائی چاہنے والے مسترشدین کے خطوط کے اصلاحی جوابات ہیں اور وہ خطوط بھی ہیں جن پر وہ جوابات لکھے گئے ہیں، یہ کتاب حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کو ایک عظیم مربی ومرشد کے طور پر پیش کرتی ہے اور ان کے اس امتیاز کو ظاہر کرتی ہے کہ تاریخ وجغرافیہ، علم وادب اور قرآنیات کے موضوع پر اپنے رسوخ اور اشتغال کے ساتھ نفس کے مکائد اور تلبیسات پر ان کی کیسی گہری نظر تھی اور علم وتحقیق کی وادیوں میں رہ کر انہوں نے تصوف وسلوک کی گھاٹیوں کو کیسے سیر کیا تھا، پروفیسر مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کمال اور تصنیفی ہنر کہا جائے گا کہ انہوں نے ان کے مکاتیب ورسائل اور کتابوں سے کس کامیابی اور دیدہ ریزی کے ساتھ ان کے اس پہلو کو روشن کرکے دوسروں کے سامنے پیش کیا ہے۔

پروفیسر مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے ان صاحب تحقیق علماء میں تھے جو مختلف علمی، دینی اور تاریخی موضوعات پر برصغیر کے مستند رسائل ومجلّات میں اپنے علمی تحفے پیش کرتے رہتے تھے جن میں ''معارف'' اعظم گڑھ، ''برہان'' دہلی، ''الفرقان'' لکھنؤ، ''صدق جدید'' لکھنو، ''البلاغ'' کراچی، ''البیان'' پشاور، ''بینات'' کراچی، ''الحق'' اکوڑہ خٹک اور ''الرشید'' لاہور وغیرہ مجلّات شامل ہیں، ان کا تعلق اگرچہ پشاور (پاکستان) سے تھا؛ لیکن ان کے علمی روابط ان کے اپنے ملک اور ملک سے باہر وسیع پیمانہ پر تھے اور ان کا حلقۂ استرشاد بھی وسیع تھا اور وہ ان دونوں میدانوں میں اپنے مربی وشیخ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین سمجھے جاتے تھے اور ان کی طرف وہ انتساب بھی سلیمانی لکھ کر کرتے تھے اور اسی سے معروف ہوئے، اسی نسبت سے ان کا ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار المصنفین اعظم گڑھ سے بھی گہرا اور علمی وروحانی تعلق تھا اور ان کی کی یہاں تشریف آوری بھی ہوئی، دار العلوم ندوۃ العلماء میں انہوں نے طلبہ واساتذہ سے خطاب بھی فرمایا، وہ اگرچہ چلنے پھرنے سے معذور

ہوگئے تھے، لیکن اللہ تعالی نے ان کو ایسے سعادت منداور مزاج شناس خدام ورفقاء عطا کیے تھے جو دل وجان سے ان کی خدمت کرتے تھے اور اپنی عالی حوصلگی سے وہ معذوری کے باوجود اپنے علمی ودعوتی سفر کرتے اور جلسوں وکانفرنسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔

دینی حمیت اور ملی واسلامی غیرت نے ان سے ان موضوعات پر لکھوایا جو بعض حلقوں کے ان خیالات ورجحانات کے رد میں لکھے گئے جن سے بعض اسلامی ودینی حقائق پر ضرب پڑتی تھی، جیسے شاتم رسول کی سزا، رجم کے ثبوت اور قادیانیت کی تکفیر پر مبسوط مقالات ہیں جن سے پاکستانی عدالت نے اپنے فیصلہ میں نظیر حاصل کی اور رہنمائی لی، آپ نے پشاور سے علمی وتحقیقی، دینی واصلاحی مجلہ ''البیان'' کے نام سے اردو میں نکالا اور اپنے شیخ ومرشد حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے علوم ومعارف اور افادات وتحقیقات کی اشاعت کے لیے سلیمان اکیڈمی بھی قائم کی اور اس کے لیے انہوں نے جو خاکہ تیار کیا تھا اس میں ان کو حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ سے رہنمائی حاصل ہوئی تھی اور اس کا بنیادی خاکہ انہی کے مشورے سے ترتیب دیا تھا۔

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیچھے تلامذہ اور مسترشدین کی ایک اچھی جماعت چھوڑی جو ان کے مشن کو آگے بڑھانے کا کام اچھے انداز سے کررہی ہے، جو ایک طرح سے علامہ سید سلیمان ندوی کا مشن ہے اور ندوۃ العلماء ودار المصنفین کا مشن اور کارواں ہے، ان کے ان مسترشدین میں مکہ معظّمہ میں مقیم انجینئر عبدالمنان صاحب ہیں جنہوں نے ان کے تربیت وارشاد کے میدان کو اختیار کیا اور دوسرے مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب ہیں جو ''ندوۃ التحقیق الاسلامی'' (کوہاٹ پاکستان) کے مدیر ہیں جو اپنے شیخ ومرشد کی کتابوں، مقالات اور مضامین سے استفادہ کی صورتیں پیش کرتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی کوششیں بڑی لائق قدر ہیں، پیش نظر مجموعہ مقالات ومضامین ان کا ایک نیا کام ہے جس میں انہوں نے ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۹۵ء تک مختلف رسائل ومجلّات میں حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی پشاوریؒ کے لکھے گئے گرانقدر علمی وتحقیقی مقالات جمع کیے ہیں اور ان کو موضوعات کے اعتبار سے چار جلدوں میں مرتب کیا ہے، پہلی جلد کو ''تہذیب وتمدن اور تعلیم و سیاست''، دوسری جلد کو ''دعوت وارشاد''، تیسری جلد کو ''سیر وسوانح'' اور آخری جلد کو ''عدالتی مقالات''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے معنون کیا ہے۔

مرتب مجموعہ جناب مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب نے راقم الحروف سے بھی اس کے لیے خصوصی تحریر چاہی، میرے دل میں حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی کے متعلق جو قدر و تعلق پایا جاتا ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ میں ان کے متعلق فرمائش پر عمل کروں، اس لیے یہ چند سطریں اس کام کی قدر کے طور پر پیش ہیں اور اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنائے اور قبول فرمائے۔

۳/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ
۱۲/نومبر ۲۰۱۸ء

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنو

تقریظ

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہم

ناظم المعہد العالی حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے ماضی قریب کے بزرگوں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شخصیت گنے کی طرح تھی، جیسے گنے کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی مٹھاس اس کے پورے وجود میں رچی بسی ہوتی ہے، نہ کہیں پھیکا پن ہوتا ہے اور نہ کڑواہٹ، اسی طرح حضرت تھانویؒ کی شخصیت مجمع محاسن تھی، خواہ علوم اسلامی کی کوئی بھی شاخ، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، عقیدہ، اور دعوت و اصلاح کا کوئی بھی طریقہ ہو، وعظ و تلقین، مجادلہ حسنہ یا تزکیۂ و احسان، وہ ہر میدان کے صرف راہی نہ تھے، رہنما تھے، اللہ نے ان کو تلمیذ و ارادت مند بھی ان ہی کے شایان شان عطا فرمائے، جن لوگوں نے ان کے ہاتھوں پر تربیت پائی، نہاں خانۂ دل کو روشن و مزکیٰ کیا، وہ سب اپنی اپنی جگہ درخشاں ستارے ہیں، اس کہکشاں میں ایک بہت ہی نمایاں نام حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ہے، ان کی خوش نصیبی، سعادت بختی اور سرفرازی کا اس سے بڑھ کر کیا رُتبہ ہوتا کہ وہ اپنے شیخ کے محب بھی تھے اور محبوب بھی، حضرت تھانویؒ کو شعر گوئی سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی؛ لیکن وہ سید صاحب کے اس درجہ قدر شناس تھے کہ خوبصورت اشعار کے ذریعہ ان سے محبت کا اظہار کیا اور قدر دانی فرمائی۔

حضرت تھانویؒ بہت کم کسی کو بیعت فرماتے تھے، اچھے اچھے اہل علم کو بار بار واپس کرتے، اور بہ مشکل ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے شیخ کے اس مزاج کو اپنا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

طریقۂ عمل بنایا، وہ کم ہی کسی کی بیعت کی درخواست قبول کرتے، اور میرے علم کے مطابق انہوں نے صرف مولانا ڈاکٹر اشرف سلیمانیؒ ہی کو اپنی اجازت وخلافت سے نوازا، اس سے خود حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ کے جوہر قابل کا اندازہ ہوتا ہے، پھر بعد میں انہیں کئی بزرگوں سے خلافت حاصل ہوئی، جن میں حضرت مولانا فقیر محمد پشاوریؒ کا نام نامی خصوصیت سے قابل ذکر ہے، وہ ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۹۹۵ء میں وفات پائی، پشاور آپ کا وطن مالوف تھا، پشاور یونیورسٹی سے ایم اے کیا، کسی دینی درس گاہ میں باضابطہ تو داخلہ نہیں لیا؛ لیکن مختلف اساتذہ سے درس نظامی کی اہم کتابیں پڑھیں، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی آپ کے اساتذہ اور قدردانوں میں تھے۔

وہ ایک طرف میدان سیاست کے مجاہدین میں بھی تھے اور ایک زمانہ میں مسلم لیگ کے تحت عملی سیاست میں حصہ لیا؛ لیکن پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ نے جو کسی زمانہ میں اسلامی طرز حکومت کا نعرہ لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ، اس نے اپنی تحریک کی بنیادی دعوت سے منہ پھیر لیا تو بددل ہو گئے اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

دوسری طرف آپ کا گہرا تعلق تبلیغی جماعت سے بھی تھا، اور جماعت کے بزرگوں حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ وغیرہ سے برادرانہ روابط رہے، اور طویل عرصہ تک پشاور میں تبلیغی جماعت کے امیر رہے، ہندوستان کے علماء میں یوں تو اکثر اہل علم ان کے قدر شناس تھے؛ لیکن خاص کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ان کے بڑے معترف تھے اور بڑا احترام کرتے تھے۔

مولانا کا قلم بہت شستہ اور شائستہ ہے، ان کی علمی یادگاروں میں ایک ''عرب اور ہندوستان کے تعلقات'' ہے، جو انگریزی زبان میں ہے، اس طرح گویا انہوں نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مشہور خطبات ''عرب وہند کے تعلقات'' کی علمی کاوش کو آگے بڑھایا، میری نظر میں ان کی بڑی اہم کتاب ''شاہراہ معرفت'' ہے، جو سلوک سلیمانی کے نام سے تین جلدوں میں دارالمصنفین سے طبع ہو چکی ہے، ویسے تو اس کتاب میں تصوف سے متعلق سید صاحبؒ کے افادات کو پیش کیا گیا ہے؛ لیکن تصوف کی حقیقت اور اس کے اعمال واشغال پر خود آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بڑے پایہ کی چیز ہے، ڈاکٹر

صاحب نے فارسی زبان میں فضائل اعمال کا بڑے اہتمام کے ساتھ ترجمہ فرمایا، یہ ان کے لئے بہترین صدقۂ جاریہ ہے، ان کے بہت سے مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے تھے، یہ اصلاً تو پاکستان کے رسائل کے لئے لکھے جاتے تھے؛ لیکن ہندوستان کے رسائل بھی انہیں شائع کیا کرتے تھے، اور ہم جیسے دور افتادگان کو گاہے گاہے آپ کی تحریروں سے استفادہ کا موقع مل جایا کرتا تھا؛ لیکن معلوم ہوا کہ محترم المقام جناب مولانا ڈاکٹر محمد طفیل کوہاٹی صاحب ان مقالات کے مجموعہ کو چار ضخیم جلدوں میں مرتب کر رہے ہیں، ان شاء اللہ اس طرح آپ کی تحریریں محفوظ ہو جائیں گی۔

مجھ کو حضرت مولانا پروفیسر اشرف صاحب کی جو بات بہت متأثر کرتی ہے، وہ ہے اسلام کا دفاع اور باطل کے مقابلہ کا غیر معمولی جذبہ، ان کی تحریروں اور تحریکی کوششوں میں زیادہ تر یہی روح کارفرما نظر آتی ہے، انہوں نے کمیونزم کے فتنہ کا مقابلہ کیا، روس کے خلاف افغان مجاہدین کو بھرپور تقویت پہنچائی، قادیانی فتنہ کا مقابلہ کیا، فری میسن تنظیم سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے چہروں سے پردہ ہٹایا، اور اس باطل تحریک سے وابستہ بہت سے لوگ آپ کے ہاتھوں پر تائب ہوئے، ۱۹۷۴ء کی ختم نبوت تحریک میں بھرپور حصہ لیا، اور پشاور میں آپ ہی اس تحریک کے روح رواں بنے رہے، شاتم رسول کی سزا، مسئلہ رجم اور امتناع قادیانیت آرڈیننس کے سلسلہ میں قانونی جدوجہد کی، اور اپنی محققانہ تحریروں کے ذریعہ مسلمانوں کے موقف کو قوت پہنچائی، پشاور یونیورسٹی کے نصاب سے مستشرقین کی کتابوں کو نکال کر ان کی جگہ عربی ادب کے حوالہ سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے قصائد شامل نصاب کئے، غرض کہ اسلام کے خلاف جب بھی کوئی فتنہ اٹھتا، آپ کا جذبۂ ایمان سے معمور دل اور حمیت اسلامی سے مخمور دماغ بے قرار ہو جاتا، اور کسی کی شخصیت کی پروا کئے بغیر شمشیر حق بے نیام ہو جاتی۔

جغرافیائی فاصلہ اور قانونی مشکلات کی وجہ سے چوں کہ پاکستان جانا دشوار ہوتا ہے؛ اس لئے مولانا اشرف صاحب سے کچھ زیادہ استفادہ کا موقع نہیں ملا؛ لیکن ایک بار آپ کی حیدرآباد تشریف آوری ہوئی، غالباً یہ آمد ادب اسلامی سیمینار اورنگ آباد میں شرکت کی مناسبت سے ہوئی، باطنی نظافت کا حال تو اہل دل کو معلوم؛ لیکن ظاہری وجاہت اور چہرہ پر نورانیت بھی ہم جیسوں کے لئے قابل دید تھی، اس موقع پر آپ نے تزکیۂ نفس کے موضوع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پر خطاب فرمایا اور نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی بڑی دلنشیں تشریح فرمائی، اور یہ بھی واضح فرمایا کہ کس طرح نفس امارہ سے نفس لوامہ اور نفس لوامہ سے نفس مطمئنہ کی طرف ترقی ہوتی ہے، آج بھی آپ کے اس خطاب کا ماحصل لوح قلب پر مرتسم ہے اور یہ حقیر بعض دفعہ اپنی ہفتہ واری اصلاحی مجلسوں میں اس کو بیان کرتا رہتا ہے۔

یہ حقیر فاضل گرامی جناب ڈاکٹر محمد طفیل کوہاٹی صاحب کو دل کی گہرائی سے مبارکباد پیش کرتا ہے کہ وہ مولانا پروفیسر محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ کے مقالات ومضامین کا مجموعہ طبع کر رہے ہیں، اس طرح اخلاف کو اپنے اسلاف سے مربوط کرنے میں مدد ملے گی اور لوگ اپنے بزرگوں کے نقوش قدم کو اپنے لئے نشان راہ بنا سکیں گے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۵/ مارچ ۲۰۱۹ء — (خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

تاثرات

ڈاکٹر الیاس احمد الاعظمی

رکن دار المصنفین اعظم گڑھ

جانشین سلیمان مولانا پروفیسر محمد اشرف سلیمانی (۱۹۲۵ء۔۱۹۹۵ء) ایک جامع الصفات شخص تھے۔ صاحب زہد وورع وتقویٰ تھے۔ داعی اسلام تھے۔ ممتاز اہل قلم تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ ایسے اہل علم وعمل اور ہمہ جہت اشخاص میں تھے جو صفحہ گیتی پر مدتوں میں جنم لیتے ہیں۔

مولانا مرحوم کی ہشت پہل شخصیت اور ان کے فکر عمل کا دائرہ متنوع اور گوناگوں ہے۔ ان کے نقوش زندگی بھی انمٹ اور لازوال ہیں، جس میں پند ونصائح، سبق آموزی اور بصائر وعبر کی گوناگوں صفات وکیفیات ثبت ہیں، جن سے ہم اپنی زندگی کو بنا اور سنوار سکتے ہیں۔ بڑی بات یہ بھی ہے کہ وہ جہاں بھی رہے اور جس عہدہ پر رہے ہر دور میں ان کا تعلق مع اللہ نہ صرف مضبوط ومستحکم رہا بلکہ وہ بہمہ وجوہ حرارت ایمانی سے سرشار رہے۔

وہ ایک ایسے طالب علم رہے جن کی علمی تشنگی کبھی سرد نہیں ہوئی۔ بچپن میں علم ومطالعہ کا جو چسکا لگا یا جو جذبہ پیدا ہوا وہ کبھی معدوم نہیں ہوا۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں وہ مدۃ العمر سرگرداں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علم میں گہرائی وگیرائی تھی۔ اعلیٰ ظرفی تھی۔ تفقہ فی الدین کی مثالی بصیرت تھی۔ انہوں نے علوم دینیہ میں مہارت کے ساتھ عصری علوم میں بھی دستگاہ حاصل کی تھی۔ عالم سے پروفیسر تک کا سفر جدوجہد اور محنت وحوصلہ سے عبارت ہے۔ اس طرح ان کی ذات میں قدیم وجدید دونوں دریاؤں کے دھارے آکر مل گئے تھے۔ گویا وہ مجمع البحرین تھے۔ یہی وہ خوبی ہے جو انہیں دبستان شبلی سے قریب تر کر دیتی ہے۔ حالانکہ وہ ہمیشہ علمائے دیوبند کے قریب تر رہے اور انہیں سے فیض حاصل کرتے رہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مولانا اشرف سلیمانی نے جس عہد میں آنکھیں وا کیں وہ عہد غلامی یعنی انگریزوں کے ظلم و جبر کا دور تھا۔ دور شباب تک پہنچتے پہنچتے انہیں حالات کی سنگینی کا گہرا مشاہدہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ ابتدائی زندگی ہی میں جہاد سے سرشار ہو گئے اور اس جہاد میں شعوری طور پر حصہ لیا جو برصغیر کو بالآخر غاصب انگریز حکمرانوں سے نجات دلانے میں کامیاب رہا۔ اس زمانہ میں ان کا یہ جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک موقع پر انہوں نے اپنے رفقا کے ساتھ جان کی بازی لگا دی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سرخرو کیا۔ اس دور جہاد میں انہوں نے بڑی جدوجہد کی۔ حتی کہ ظلم و جبر کے خلاف گرنیڈ تک اپنے ہاتھوں سے پھینکے۔ ان کی یہ سرفروشی مسلمانوں کے بقا و تحفظ اور اسلام کی سربلندی کے لئے تھی اور اسی کے لئے انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی، مگر افسوس جن مقاصد کے پیش نظر انہوں نے یہ خدمات سرانجام دی تھیں، ان میں کامیابی نہیں ملی اور اسلامی حکومت کا خیال محض خواب و خیال ثابت ہوا۔ دراصل جن اشخاص اور تنظیموں نے یہ نعرہ بلند کیا تھا وہ غالباً مخلص نہیں تھے یا وہ اسلام کے نظام حکومت کے قائل نہیں تھے۔ بہرحال وہ اسلامی احکام کے نفاذ میں قاصر رہے۔ چنانچہ مولانا اشرف سلیمانی نے ان سے خود کو علاحدہ کر لیا اور اپنی قوت و توانائی دوسری سمت میں لگا دی، جس میں وہ بڑی کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ حالانکہ وہ مسلم کے صف اول کے لوگوں میں تھے۔ قائداعظم کی پہلی سرحد آمد پر استقبالیہ انہیں نے پیش کیا۔

وہ ایک بڑے داعی تھے۔ عرصہ حیات تک وہ تبلیغی جماعت کے ذمہ دار رہے۔ انہیں یہ ذمہ داری ان کی بلند پایہ داعیانہ حیثیت کی بنا پر تفویض کی گئی تھی۔ اسے انہوں نے بخوبی نبھایا۔ یہاں بھی ان کی ذات وصفات سے ملت کو گراں قدر اور وقیع فائدہ پہنچا۔ بے شمار افراد ان سے مستفید ہوئے اور اپنی زندگیاں سنواریں۔

وہ اگرچہ علم و عمل کے بلند مقام پر فائز تھے تاہم ان میں وضع داری اور خاکساری کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اہل علم بالخصوص علما کے درمیان رہنا پسند کرتے، متعدد اہل علم اور ارباب کمال سے ان کے گہرے مراسم رہے، ان میں مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا عبدالباری فلسفی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد یوسف بنوری کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے تو وہ دست گرفتہ ہی تھے۔ ان کے رابطے میں آئے تو پھر انہی

کے ہو کر رہ گئے۔ تصوف و سلوک اور شاہراہ معرفت کے بلند درجات انہیں کے فیض سے حاصل کئے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہیں مولانا سید سلیمان ندوی سے ایسا والہانہ لگاؤ تھا کہ اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ ان کی نسبت سلیمانی اسی عقیدت کا مظہر ہے۔ سلیمان اکیڈمی کا قیام بھی اسی نسبت و تعلق کا حصہ ہے۔

ان کی کتاب سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرف سے جو تین حصوں میں شائع ہوئی ہے، بخوبی واضح ہوتا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کے تصوف و سلوک کے وہ نہ صرف سب سے بڑے متبع تھے بلکہ اس کے سب سے بڑے رمز آشنا اور واقف کار بھی تھے۔ ان سے انہیں ایسی عقیدت تھی کہ ان کے سامنے سارے جلوے ہیچ معلوم ہوتے تھے۔ وہ دو مرتبہ اپنے شیخ کی یادگار دارالمصنّفین اعظم گڑھ دیکھنے آئے اور اس حال میں آئے کہ کہیں اور جا نہیں سکتے تھے۔ پاؤں سے بالکل معذور بلکہ آدھا بدن مفلوج، باوجود اس کے انہوں نے دارالمصنّفین کا کونہ کونہ اسی عقیدت و احترام سے دیکھا جس احترام سے وہ حضرت صاحب کی زیارت کیا کرتے تھے۔ حضرت سید صاحب کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے وہ سلوک سلیمانی کے مقدمہ میں واضح ہے۔ پورا مقدمہ والہانہ جذبات سے عبارت ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

محقق شہیر، فاضل کبیر، متکلم عصر، شیخ وقت، حضرت سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ ان نادرہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جو قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ان کی آمد عالم کے لئے بہار تازہ کا پیغام لاتی ہے:

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا بزم عشق یک دانائے راز آید برو

ان کا وجود اپنے گوناگوں فضائل و کمالات، جامعیت و برکات، علوم و معارف، خدمات دینی و ملی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک مستقل نشانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز خاص تھا۔ آپ کی جلالت شان، عظمت دینی، فضیلت علمی، نزہت اخلاقی، رفعت عرفانی اور خدمت ملی سے کون ناواقف ہے۔ عصر حاضر میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔

علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد، صرف خالص دینی علوم قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ، تصوف و کلام

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور سیرت میں امامت وسیادت کا مقام رکھتا تھا بلکہ ان کی ہمہ گیری قدیم معقولات کے دفتر اور جدید معاشرتی ونظری علوم کے معتد بہ حصہ کو اپنے پہلو میں سمیٹے ہوئے تھی۔ وہ تاریخ اسلامی وعلوم ملی کے دقیقہ رس، باریک بیں، رمز آشنا اور وسیع النظر مورخ تھے۔ علوم وفنون اسلامیہ کے گوشے گوشے پر ان کی گہری نگاہ تھی اور ان کے ارتقائی منازل وتاریخی مدارج پر عمیق نظر تھی۔ مختلف ادیان وملل کی تاریخ پر ان کی محرمانہ نگاہ تھی۔ اسلامی تاریخ پر وہ حجت تھے۔ قرآنی علوم پر ان کا مطالعہ انتہائی وسیع، گہرا، متنوع اور اچھوتا تھا۔ وہ ایک ناقد مفسر اور متبحر محدث تھے''۔ **(سلوک سلیمانی حصہ اول ص ۴۹۔۵۰)**

سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت حصہ اول کا پورا دیباچہ خاص طور پر لائق مطالعہ ہے۔ اس میں انہوں نے سید صاحب کی جامعیت کے ایک ایک پہلو کی وضاحت کی ہے۔

پروفیسر محمد اشرف سلیمانی مرحوم ایک بڑے اہل قلم اور مصنف بھی تھے۔ انہوں نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں متعدد مضامین اور کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی پہلی تصنیف (Early Indo Arab relation) دراصل ایم اے عربی کے لیے لکھا گیا مقالہ تھا۔ ان کی ایک اہم قلمی کاوش تبلیغی نصاب کا فارسی ترجمہ بھی ہے۔ یہ پورا ترجمہ باوضو کیا گیا۔ مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا یوسف بنوری کے عربی قصائد کی شرح بھی انہوں نے کی ہے۔ چہل حدیث کا ایک مجموعہ بھی انہوں نے طلبہ کے لئے تیار کیا تھا۔

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر پچاسوں علمی، دینی اور تحقیقی مقالات سپرد قلم کئے ہیں جو ملک کے موقر رسائل وجرائد کی زینت بنے۔ بعض طویل مقالے کتابچے کی صورت میں شائع ہوئے، جنہیں بے حد پسند کیا گیا اور بلاشبہ ان کے مشمولات بہت وقیع ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض مقالات کی افادیت میں ابتک کسی طرح کمی واقع نہیں ہوئی۔ ان کی عصری معنویت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

پروفیسر اشرف سلیمانی کا اسلوب نگارش بڑا شاندہے۔ انتہائی صاف وشفاف زبان، جس میں سلامت وروانی، برجستگی اور لطافت وشیرینی کے متنوع عناصر جمع ہو گئے ہیں۔ اس اسلوب بیان کی وجہ سے ان کی تحریروں کی افادیت میں بڑا اضافہ ہوا اور ان سے بے شمار افراد نے استفادہ کیا۔ ضرورت تھی کہ رسائل میں منتشر ان تحریروں کو یکجا شائع کیا جائے، تاکہ ان سے عام استفادہ کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس اہمیت کے پیش نظر عالی جناب مولانا طفیل محمد کوہاٹی مدظلہ نے بڑی محنت وتحقیق سے ان

مقالات کو چار جلدوں میں مرتب کیا ہے۔

مولانا اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقالات کے موضوعات میں بہت تنوع ہے۔ اس میں اسلامی قوانین کا بھی ذکر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی نظام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تہذیب حاضر کا بھی ذکر ہے اور قومی تعمیر کے طریقہ کار کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک طرف اسلامی نظام تعلیم کا ذکر ہے تو دوسری طرف رومی کے پیغام کی بھی تشریح ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کا بیان بھی ہے۔ اور اسوہ نبوی کو نہ صرف قابل عمل اور قابل تقلید نمونہ قرار دیا گیا ہے بلکہ انسانیت کے فلاح وبہبود اور کامرانی کے اصولوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ ملک وملت کی متعدد ممتاز شخصیات اور سلف صالحین کے اقوال اور احوال وآثار جن سے زندگیاں سنواری جاسکتی ہیں بیان کئے گئے ہیں۔ بعض اسلام مخالف فرق مثلاً قادیانیت اور بعض دوسرے عناصر کی بیخ کنی بھی ان کے مقالات کا ایک موضوع ہے۔ غرض علم وعمل اور اخلاق وشریعت کے متعدد عنوانات پر مولانا اشرف سلیمانی نے قلم اٹھایا ہے۔ ان مقالات کی طبع واشاعت سے اب بھی فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مقالات ومضامین کی جمع وتدوین کے اس اہم، مفید اور وقیع کام کے لئے جناب مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب لائق ستائش اور قابل مبارک باد ہیں۔ امید ہے اشاعت کا یہ سلسلہ ان شاء اللہ آئندہ بھی جارے رہے گا۔ اہل علم اور ارباب ذوق بالخصوص تصوف وسلوک کے دلدادگان کے لئے پروفیسر اشرف سلیمانی کے مقالات کی اشاعت کسی بڑی بشارت سے کم نہیں۔ یقین ہے اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔

دبستگان شبلی کے گل سرسید علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس روشن چراغ کی ضیائے وجیہ کو روشن رکھنا اور اس سے استفادہ کی عام صورت پیدا کرنا صدقہ جاریہ سے کم نہیں۔

میں مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب مدظلہ کی استقامت اور سعی وکوشش کی مقبولیت کے لئے خاص طور پر دعا گو ہوں۔ جزاک اللہ

مورخہ یکم مئی ۲۰۱۹ء

محمد الیاس الاعظمی
رفیق اعزازی دارالمصنفین اعظم گڑھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیش گفتار

باسمہٖ سبحانہٗ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہٖ الکریم، امابعد!

عارف باللہ حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان سلیمانی پشاوری رحمہ اللہ کے گراں قدر مقالات کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ حضرت مولانا اپنے عہد کے نابغہ روزگار اہل علم و احسان میں سے تھے۔ آپ نے اپنی پرسوز دعوت، طویل تعلیم وتدریس، مؤثر اصلاح وارشاد، پرشکوہ خطابت، انتھک سیاسی جدوجہد، سیل رواں قلم اور پیہم روحانی وعرفانی فیض رسائی کے ذریعے نصف صدی سے زائد عرصہ اہل اسلام کی دینی ودنیاوی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔

فقیر کا حضرت مولانا کی ذات گرامی اور افادات سے ابتدائی تعارف اپنے شیخ ومرشد حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کی وساطت سے ۲۰۱۱ء میں ہوا۔ اپنی حاضری کے ابتدائی ایام میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہم کی مجالس میں حضرت مولانا کی شخصیت کا والہانہ وعاشقانہ تذکرہ بار بار سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس تذکار سے حضرت مولانا کا جو ابتدائی نقش ذہن میں بیٹھا وہ یہ تھا کہ حضرت مولانا داعیانہ سوز وساز کے حامل ایک بلند پایہ روحانی وعرفانی شخصیت ہوگزرے ہیں جن کی لسانی دعوت اور روحانی تربیت سے خلق کثیر کو استفادہ کا موقع ملا ہے۔

اس دوران مرشدی حضرت ڈاکٹر صاحب کی تحریر کردہ حضرت مولانا کی سوانح مردِ درویش پڑھنے کا موقع میسر آ گیا، جس میں حضرت مولانا کی زندگی کے کئی روشن پہلوؤں مثلاً تعلیم وتربیت، جہد وجہاد، تصنیف وتالیف، قلم وکتاب سے ٹھوس وابستگی، اہل علم وفن اور معاصر اہل کمال سے افادہ واستفادہ کا تسلسل، سیاسی وقانونی کاوشیں، ملی وملکی مسائل میں دلچسپی، استیصال باطل کی کوششیں، دینی تحریکات میں عملی سرگرمی، وطن خداداد میں نفاذ شریعت کی جدوجہد، تصوف وسلوک، رجال سازی، دعوت وتبلیغ اور

وسیع پیمانے پر رفاہی وسماجی خدمات کا مختصر مگر جامع تذکرہ پڑھ کر اس چشمۂ حیوان کی حیات آفرینی اور آسمان رشد وہدایت کی ہمہ گیریت کا اندازہ ہوا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے آپ کی شہرہ آفاق تصنیف سلوک سلیمانی کی تینوں جلدیں بھی عنایت کیں، جن کے مطالعہ سے آپ کے ندویانہ اسلوب بیان، زورِ قلم، ادبی طرز نگارش، تصنیفی مہارت اور قوت استدلال واستنتاج کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ گرامی کی ذات میں کامل فنائیت، تصوف کے رموز واسرار سے گہری واقفیت اور تحریر میں دل موہ لینے والی تاثیر کا حیرت انگیز مشاہدہ ہوا۔ کتاب کے بعض مقامات پڑھ محسوس ہوتا ہے کہ سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی علمی گہرائی وگیرائی، عمیق تجزیہ کی صلاحیت، داعیانہ سوز اور مثالی اسلوب بیان مولانا سلیمانیؒ نے اپنے اندر پوری طرح جذب کرلیا ہے اور آپ کا قلم سلیمانی نسبت کا مظہر اتم، تصویر کامل اور عکس جمیل بن چکا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے حضرت مولانا کے ساتھ عجیب قلبی وابستگی پیدا ہوئی، چونکہ بندہ نے آپ کی سوانح میں پڑھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے قائم کردہ تصنیفی واشاعتی ادارے سلیمان اکیڈمی سے ایک اردو ماہنامہ البیان کا اجرا فرمایا تھا جو کچھ عرصہ چلنے کے بعد بند ہوگیا تھا۔ لہٰذا آپ کی تحریروں کے شوق میں البیان کی فائلیں تلاشنا شروع کردیں، تلاش بسیار کے بعد البیان کی مکمل فائلیں دستیاب ہوگئیں، جو فروری ۱۹۸۳ء سے جون ۱۹۸۶ء تک چھپتا رہا۔ ان میں حضرت مولانا کے نادر ونایاب مضامین کے علاوہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، علامہ ابوالحسن علی ندویؒ، ڈاکٹر حمید اللہؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ اور دیگر اکابر اہل علم کی بھی گراں قدر چیزیں چھپتی رہی ہیں اور البیان اپنے عہد کا ایک قدآور مجلہ شمار ہوتا رہا ہے۔

ان تمام فائلوں کی پی ڈی ایف تیار کرکے اسے اپنے ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کی ویب سائٹ پر مہیا کر دیا گیا اور حضرت مولانا کے مضامین کو الگ سے نئی کمپیوٹر کتابت کروا کر محفوظ کردیا گیا، کچھ مضامین اپنے زیر ادارت مجلہ المظاہر کوہاٹ کے مختلف شماروں میں بھی چھاپے۔ لیکن اس بات کا افسوس رہا کہ ہمارے نئے فضلا کا اس قیمتی ذخیرے سے تعارف ہے اور نہ اس تک رسائی کا کوئی عام اور آسان ذریعہ۔

اس سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت مولانا کے قلم سے نکلے ہوئے تمام درنایاب اور رشحات زریں ازسرنو جمع کرکے شائع کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لیے ان تمام رسائل ومجلّات کی فائلیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کنگھالنا شروع کیں جن میں حضرت مولانا ایک طویل عرصہ تک لکھتے رہے۔ ماہنامہ بینات کراچی میں حضرت مولانا کے مضامین کا اشاریہ برادر گرامی قدر مولانا یاسر عبداللہ حفظہ اللہ کے تعاون سے مل گیا، جب کہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں شائع شدہ مضامین کا اشاریہ برادر عزیز مولانا محمد اسلام حقانی سلمہ نے مہیا کیا، جس پر ہر دو حضرات شکریہ وسپاس کے مستحق ہیں۔

ان دو رسائل کے علاوہ ماہنامہ الفرقان لکھنو، صدق جدید لکھنو، البلاغ کراچی، الرشید لاہور، عزم نو لاہور، معارف اعظم گڑھ اور البعث الاسلامی لکھنو سے بھی مولانا کے کئی اہم مقالات ملے۔ تین سال کی متواتر کوشش کے بعد بحمداللہ تمام رسائل میں شائع شدہ مضامین اکٹھے ہو گئے اور چار جلدوں کا مواد جمع وترتیب اور کتابت کے تمام مراحل سے بخوبی گزر کر مدون ہو گیا۔

حضرت مولانا کی یہ تحریریں ۱۹۵۳ء سے ۱۹۹۶ء تک کے دورانیہ پر مشتمل ہیں۔ گو کہ آپ کی وفات ۱۹۹۵ء میں ہوئی لیکن ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں آپ کا ایک مضمون وفات کے بعد بھی شائع ہوا ہے، جو بقول مدیر الحق ان کے پاس بصورت مخطوط محفوظ تھا۔

ان فائلوں کی تلاش میں کئی احباب نے تعاون کیا، حضرت مولانا کی ذاتی لائبریری میں الہلال، معارف، بینات، صدق جدید، الحق، الرشید، خدام الدین، برھان، ترجمان اسلام اور البلاغ کے کئی سالوں کے رسائل موجود ہیں۔ ان میں سے کئی رسائل کی فائلیں اس کام کے دوران ہی مرتب ہو گئیں۔ معارف، بینات اور صدق جدید کے اکثر شمارے تو فائلوں میں مرتب مل گئے تھے جو شاید حضرت مولانا کی نگرانی میں ان کی زندگی میں بن گئی تھیں۔ لیکن زیادہ تر رسائل بلاترتیب گودام میں لفافوں کے اندر بھرے ہوئے تھے۔ کچھ مضامین حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ کی لائبریری سے ملے۔ ایک بڑا حصہ نیٹ پر دستیاب الحق، الفرقان اور الرشید کے شماروں سے حاصل کیا۔ الحق کے کئی مضامین مولانا یاسر نعمانی مدظلہ کے تعاون سے ملے۔ کئی تحریرات تک محترم شبیر میواتی حفظہ اللہ کے ذریعے رسائی ہوئی۔ الفرقان کی کچھ قدیم فائلیں ہندوستان کے ایک صاحب علم دوست نے مہیا کیں۔ مختلف مراحل پر علمی تعاون کرنے والے ان تمام احباب کا بندہ تہہ دل سے ممنون ہے، ان شاء اللہ اس کام میں ایسے تمام احباب کا حصہ ہے اور وہ اس صدقہ جاریہ کے اجر وثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

ماہنامہ الحق کے اشاریہ کے بارے میں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ بندہ نے الحق کے اشاریہ کے مطابق متعلقہ شماروں سے مضامین کی نقول حاصل کیں، تو ایک دو تحریروں کے بارے میں شک ہوا کہ یہ حضرت مولانا کے اسلوب تحریر سے میل نہیں کھاتیں۔ بعد میں مزید تحقیق سے واضح ہوا کہ ان میں سے ایک تحریر جو تصحیح نسب ولقب کے نام سے (ماہ اکتوبر ۱۹۹۵ء بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ، جلد:۳۱، شمارہ نمبر:۱، میں) شائع ہوئی ہے، مولانا محمد اشرف مہتمم جامعہ مدنیہ ضلع ٹانک کی ہے۔ دوسری تحریر لات ومنات اور عزی: ایک مذہبی اور تحقیقی جائزہ (جو ماہ جون ۱۹۹۶، بمطابق صفر المظفر ۱۴۱۷ھ، جلد:۳۱، شمارہ نمبر:۹ میں شائع ہوئی ہے) بھی اپنے اسلوب تحقیق اور تحریر کے اعتبار سے مذکورہ مولانا محمد اشرف صاحب کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ چند قوی قرائن ایسے ہیں جن کی بنیاد پر بندہ کو پوری تسلی ہے کہ یہ تحریر حضرت مولانا کی نہیں۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اپنے قلم سے اپنے شائع شدہ مضامین کی جو فہرست بنائی ہے اس میں اس مضمون کا کوئی ذکر نہیں۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کے کئی مضامین کی پوری یا ناقص نقول آپ کے ذخیرہ میں موجود ہیں لیکن اس مضمون کی کوئی مکمل یا ناقص نقل بندہ کو حضرت کے ذخیرہ سے نہیں ملی۔

نیز حضرت مولانا کی تمام اہم تحریریں الحق کے ساتھ ساتھ بینات اور الرشید میں بھی آگے پیچھے چھپتی رہی ہیں لیکن یہ تحریر کسی اور جگہ مطبوع بھی نہیں ملی۔

اس کے علاوہ الحق میں مولانا کی تمام چیزیں پروفیسر مولانا محمد اشرف خان سلیمانی کے نام سے چھپتی رہی ہیں، جب کہ ان دو تحریروں کے ساتھ محض مولانا محمد اشرف نام لکھا ہوا ہے۔

ایک ٹھوس قرینہ یہ بھی ہے کہ یہ مضمون حضرت مولانا کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے، الحق میں آپ کی وفات کے بعد شائع ہونے والی چیزوں کے ساتھ رحمہ اللہ کا لاحقہ بلکہ مدیر کا تنبیہی نوٹ بھی موجود ہے لیکن اس مضمون کے ساتھ لاحقہ یا نوٹ موجود نہیں۔

بہرحال بندہ کے خیال میں مرتب اشاریہ کو یہاں غلطی لگی ہے اور ان دو مضامین کو نام کے اشتراک کی وجہ سے حضرت مولانا کی فہرست مضامین میں شامل کر دیا گیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے مکاتیب مشاہیر کے حاشیہ میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ جن حضرات کی چیزیں الحق میں شائع ہوئی تھیں، ان کے خطوط شائع کرتے وقت ان کے مضامین کی فہرست بھی حاشیہ میں مہیا کردی۔ حضرت مولانا اشرف صاحب کے مکاتیب پر تعارفی حاشیہ میں مضامین کی جو فہرست ہے غالباً وہ بھی الحق کے اشاریہ سے ماخوذ ہے، اس لیے اس میں بھی بعینہٖ یہی غلطی موجود ہے۔

آغاز میں حضرت مولانا کے نام سے جن رسائل میں مقالات ملتے گئے، انہیں جمع کرتا گیا لیکن ترتیب وتدوین کے دوران تفصیلی مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ ان میں کئی مضامین و مقالات مکرر مختلف ناموں سے بھی چھپے ہیں، مثلاً ''اکرام مسلم'' کے نام سے ایک مضمون الفرقان لکھنو میں اور البیان پشاور میں چھپا ہے، نیز حضرت مولانا کے ایک رسالہ ''قرآن وسنت کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کے تقاضے'' جو چھ تبلیغی نمبروں پر مشتمل ہے، میں بھی شامل ہے۔ لیکن یہی مضمون ماہنامہ بینات کراچی (جولائی، اگست ۱۹۷۳ء) میں ''اسلامی اخوت اور اس کے حقوق'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا کا شہرہ آفاق مقالہ ''اسلام کا نظریہ عدل وسزا'' جس کی بنیاد آزاد کشمیر میں ایک کانفرنس کے دوران فی البدیہہ تقریر بنی، اسی نام سے ماہنامہ بینات کراچی اور صدق جدید لکھنؤ میں شائع ہوا، لیکن تمہید اور آخری حصے کے حک وترمیم کے ساتھ ''اسلامی قانون کی اہمیت وضرورت'' کے نام سے البیان پشاور میں بھی چھپا ہے۔ نیز اس کا بڑا حصہ ''شرعی سزاوں کی اہمیت'' کے نام سے عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان نے رسالہ کی شکل میں بھی چھاپا ہے۔

اسی طرح صدق جدید لکھنؤ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ایک مضمون پر حضرت مولانا کا ایک مبسوط مقالہ بطور تبصرہ ''نیا طوفان اور اس کا مقابلہ: تبصرہ وتاثرات'' کے نام سے شائع ہوا ہے لیکن وہی مضمون معمولی تبدیلی کے ساتھ ''تہذیب حاضر اور مسلمان'' کے نام سے البیان پشاور میں بھی چھپا ہے۔

بعض مضامین ایسے بھی ہیں جو طویل مقالات کا حصہ ہیں لیکن جزوی طور پر مختلف رسائل میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً ''موجودہ دینی انحطاط کا بڑا سبب'' کے نام سے ایک تحریر ماہنامہ الحق میں شائع ہوئی لیکن یہی مضمون حضرت مولانا کے طویل مقالہ ''پیام رساں امت'' کا بھی حصہ ہے جو اکتوبر اور نومبر ۱۹۶۴ء میں بینات میں دوقسطوں میں شائع ہوا۔ اسی طرح ''دینی دعوت اور اس کے تقاضے''

بعض رسائل میں علیحدہ سے بھی چھپا ہے لیکن وہ ''پیام رساں امت'' کا بھی حصہ ہے۔

حضرت مولانا البیان میں ''آغاز بیان'' کے نام سے اداریہ لکھتے تھے، اس اداریہ کے بھی کئی ایک مضامین طویل مقالوں کے جزوی حصے ہیں، مثلاً ''شریعت بل'' کے نام سے آپ کے اداریہ کا قریباً آدھا حصہ آپ کے مبسوط مقالہ ''قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت''، جو الحق میں ''پاکستان کی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' کے نام سے شائع ہوا ہے، کا حصہ ہے۔ اسی طرح کئی اداریے قادیانیت کے حوالے سے آپ کے طویل عدالتی بیان کے جزوی حصے ہیں۔ بندہ نے ایسے تمام مضامین کے بجائے اصل مقالات ہی کی ہیئت برقرار رکھی ہے اور ان جزوی حصوں میں اگر کہیں مفید جملوں کا اضافہ یا ترمیم کی گئی تھی تو اسے اصل مقالہ میں نافذ کردیا ہے۔

اس پہلی جلد میں حضرت مولانا کے بیس گراں قدر مقالات شامل ہیں۔ جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہیں۔

(۱) پہلا مقالہ ''اسلامی قانون کی اہمیت وضرورت'' کے نام سے معنون ہے۔ یہ عجالہ ایک فی البدیہہ تقریر کی بنیاد پر مرتب ہوا، حضرت مولانا اس کے ابتدائیہ میں اس کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> ''وسط جون ۱۹۶۸ء میں ایک دینی مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے سلسلہ میں مظفر آباد (آزاد کشمیر) کا سفر جناب مولانا عبدالقدوس صاحب صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی کی رفاقت میں پیش آیا۔ مظفر آباد میں داعیانِ جلسہ جناب مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب اور جناب مولانا مظفر حسین شاہ صاحب ندوی کی عنایت سے کئی مجالس کو خطاب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سفر میں ''حلقہ فکر و دانش'' مظفر آباد نے وہاں کے دانشوروں اور تعلیم یافتہ حضرات کی ایک مجلس میں فقیر سے اسلامی نظریۂ عدل و قانون کے بارے میں استفسارات کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ ''اسلام کا نظریۂ عدل وسزا کیا ہے؟ اور اسلام میں وحشیانہ، بہیمانہ اور ظالمانہ (جیسا کہ معترضین کہتے ہیں) سزائیں کیوں ہیں؟'' ہیچمدان نے فی البدیہہ (extempore) جو گذارشات پیش کیں، انھیں رفیق سفر عزیزی شیر حسن خان صاحب (لیکچرر ایگریکلچرل کالج پشاور) نے اسی وقت قلمبند کرلیا تھا۔ (عزیز موصوف کی اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عنایت کا ممنون ہوں)۔تقریر بحمداللہ تعالیٰ پسند کی گئی اور اس کو دک ناداں قانون وفقہ سے نابلد کی بات کو سراہا گیا اور اشاعت کی خواہش کی گئی۔جس سے اپنی کم سوادی کو منظر عام پر لانے کی جرأت ہوئی۔اللہ تعالیٰ اسے ہم سب کے لیے نافع بنائے۔آمین۔نظر ثانی میں حوالوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔''

یہ مقالہ ماہنامہ بینات کراچی میں ستمبر ۱۹۶۸ء تا اپریل ۱۹۶۹ء بمطابق رمضان ۱۳۸۸ھ تا محرم ۱۳۸۹ھ ''اسلام کا نظریہ عدل وسزا'' کے نام سے پانچ مبسوط قسطوں میں چھپتا رہا۔ نیز صدق جدید لکھنو میں بھی پانچ قسطوں میں شائع ہوا۔ بعدازاں عربی زبان میں ترجمہ ہوکر ''نظرۃ الاسلام الی العدل والعقوبات الجنائیۃ'' کے نام سے ماہنامہ البعث الاسلامی لکھنو (محرم ۱۳۸۹ھ) میں بھی شائع ہوا۔حضرت مولانا کے زیر ادارت نکلنے والے ماہنامہ البیان (جولائی تا ستمبر ۱۹۸۴ء) میں تین اقساط میں یہ مقالہ شروع اور آخری حصہ کے حک وترمیم کے ساتھ ''اسلامی قانون کی اہمیت و ضرورت'' کے نام سے شائع ہوا۔ہم نے اس مجموعہ میں مکمل مقالہ شامل کیا ہے۔

اس مقالہ میں حضرت مولانا نے قانون کی اہمیت وضرورت، اسلام کے ماخذ قانون، اسلامی قانون کی قوانین اقوام عالم پر بالاتری، اسلامی قانون کی خصوصیات، مزایا اور امتیازات، گناہ اور سزا کی حقیقت، مغربی اور اسلامی قانون کا تقابلی جائزہ، اسلامی سزاؤں کے اسرار وحکم اور اس حوالے سے ہونے والے اعتراضات کا مسکت جواب قرآن وسنت اور عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں فراہم کیا ہے۔

آپ نے واضح کیا ہے کہ قانون بنانے کا اختیار صرف ذات خداوندی پاس ہے جو انسانی مصالح کا علم کلی رکھتے ہیں۔انبیاء کرام بھی قانون الٰہی کی تبیین وتشریح اور تنفیذ کا فریضہ انجام دینے تشریف لاتے ہیں، وہ اس معنی میں شارع ہیں کہ قانون خداوندی کی توسیع وتشریح کریں اور توثیق خداوندی سے قانون کی تعبیر وتبیین کا فریضہ ادا کریں۔انسانی مصالح کی کامل رعایت خودساختہ انسانی قوانین کے بس میں نہیں، انسان اپنے خیالات ورجحانات کے اثر سے مطلقاً آزاد ہوکر کوئی قانون بنا ہی نہیں سکتا۔وہ جب بھی قانون سازی کرے گا اس کے خاص رجحانات، ماحول، سوسائٹی اور وقتی مصالح وتقاضے اس کے

فیصلوں پر اثر انداز ہوں گے۔مولانا واضح کرتے ہیں کہ اسلام نے کڑی سزائیں اس لیے مقرر کی ہیں کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم رہے۔اسلام کے ہاں شخصی مصالح سے زیادہ سماج ومعاشرت کا حق عزیز ہے اور ریاستی سطح پر امن وامان کی بقا اور انسانی جان ومال کی حفاظت اسلام کی ایسی اولین ترجیح ہے کہ اسے پامال کرنے کے سارے چور دروازے بند کرنا ہی اس کے پیش نظر ہے۔

غرض یہ پورا مقالہ اسلام کے نظریہ عدل وسزا کا جامع مرقع ہے اور بقول حضرت مولانا عبد القدوس صاحب یہ محض ایک تحقیقی کاوش نہیں بلکہ الہامی بیان تھا جسے آپ کی زبان پر من جانب اللہ جاری کیا گیا۔

(۲) دوسرا مقالہ ''سیاست وتعمیر ملت'' حضرت سید الملت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے سیاسی افکار کی وضاحت کرتا ہے۔یہ مقالہ ماہنامہ بینات کراچی میں نومبر ۱۹۷۲ء تا فروری ۱۹۷۳ء، بمطابق رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ تا ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ چار قسطوں میں جب کہ ماہنامہ الحق میں فروری تا جون ۱۹۶۶ء شائع ہوا ہے۔حضرت مولانا اور آپ کے شیخ ومربی کا سیاسی مسلک بڑا دوٹوک اور واضح ہے۔آپ کی نظر میں مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا حل اور اقوام عالم پر سیاسی برتری محض مادی ترقی اور مغرب کی نقالی سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس کے لیے روحانی کمال اور وہ اخلاقی روح پیدا کرنا ضروری ہے جس کی طرف قرآن مجید نے بار بار متوجہ کیا ہے۔آپ کی نظر میں اسلام محض سیاسی نظام نہیں بلکہ سیاست عالمگیر دعوت خیر کا ایک جزء ہے۔ایک موقع پر اپنے شیخ کے ایک قول کو پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اسلامی سیاست 'دعوت' کے بعد پیدا ہوتی ہے۔دعوت میں سیاست خود بخود آجاتی ہے۔حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فائنینس (FINANCE) کے وزیر اور سیاسی قوتیں جمع نہیں کیں، نہ یہ کہا کہ آؤ مل کر حکومت قائم کریں۔صرف کلمہ کی طرف لوگوں کو بلایا۔دین کی دعوت دی، سیاست ذیل میں خود بخود آگئی، گو اسلام میں سیاست و دعوت علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں، لیکن سیاست کے منافع اور ضرر سے دعوت پر بھی اثر پڑتا ہے۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

15

آپ کی نظر میں سیاسی انقلاب مروجہ نظاموں میں صرف شخصیات کے چہرے بدلنے سے قطعاً نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لیے دین اسلام سے کامل وابستگی اور ہر شعبہ زندگی میں احیاء دین کی جدوجہد لازمی ہے۔ایک جگہ اپنے شیخ کا قول پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب تک ہمارا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین نہ ہوگا اور اسی کے لئے روٹھنا اور منانا اور مرنا اور جینا نہ ہوگا۔ہم اسی طرح ممبریوں اور وزارتوں اور لیڈریوں کے لئے آپس میں لڑتے، مرتے اور کٹتے رہیں گے۔کیونکہ ہم نے اپنا مقصود انہی شخصی اعزازات اور اسی جاہ ومنصب کے حصول کو بنا رکھا ہے اور اسی کا نام ہم نے اسلامی ترقی رکھ چھوڑا ہے۔ ضرورت ہے کہ عقائد وعبادات کے ساتھ اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات، اسلامی طریق تجارت، اسلامی اصول مضاربت (یعنی سرمایہ اور مزدوری کے طریق تعاون)، اسلامی طریق کاشتکاری، اسلامی طریق کارخانہ داری، کسانوں اور مزدوروں کے اسلامی حقوق، اسلامی لین دین اور معاملات کے مسائل اور دیگر تمام ضروری امور کے متعلق خالص اسلامی حل لوگوں کے سامنے رکھا جائے اور اس کے قبول وعمل کی دعوت دی جائے جس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہو اور مسلمان مسلمان بن کر دنیا میں ظاہر ہوں''۔

آپ کی نظر میں سیاست میں مغرب کی نقالی وہ عفریت ہے جو مسلمانوں کو نگل رہا ہے۔آپ احیاء خلافت کے داعی تھے اور سیاسی میدان میں مسلمانوں کا اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہی سیاسی گرداب سے نکلنے کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ایک مقام پر اپنے شیخ کا قول پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اہل سیاست کو موجودہ مغضوب و دجال قوموں کے مذموم تمدن وتہذیب اور بے آئین نظام سلطنت وحکومت، ظالمانہ طریق حکمرانی وفرمانروائی، گمراہانہ طریق تعلیم وتربیت، فاسد اخلاق وکردار اور قزاقانہ اقتصاد ووحشیانہ طاقت اور مجرمانہ سیاست پر افسوس نہیں، بلکہ اس پر حسرت ہے کہ اس مجرم گنہگار، عریاں خوشنما، فاسدالاخلاق، قزاق اور وحشی طاقت کے حکمران و فرمان روا اور ظالم نظام اقتصاد اور فاسد اصول قضا وعدالت کے مالک ہم کیوں نہ ہوئے، ان کو یہ افسوس نہیں کہ شیطان کا یہ تخت جبروت کیوں بچھا ہے۔بلکہ یہ افسوس ہے کہ ہم اس پر

کیوں نہیں بیٹھے۔ان کو شیطان کے تخت الٹنے کی فکر نہیں بلکہ اس پر جلوس فرمانے کی فکر مستولی ہے۔مسلمان مدت سے اس حال میں ہیں کہ وہ اپنے کو بھول گئے ہیں اور دوسری قوموں کی نقالی میں مصروف ہیں۔اسلام ایک مستقل نظام حیات، نظام اقتصاد، نظام سیاست اور نظام اخلاق کا نام ہے۔خود اپنے نظامات سے روگرداں ہو کر یا ان میں ترمیم و تبدیلی کر کے دنیا کے دوسرے ناقص و فاسد نظامات کو اختیار کرنے میں اپنی زندگی کی نجات جانتے ہیں۔''

(۳) تیسرا مقالہ ''قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' ماہنامہ بینات میں جون ۱۹۷۲ء بمطابق ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ اور ''پاکستان کی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' کے نام سے ماہنامہ الحق میں اپریل ۱۹۷۲ء کو شائع ہوا ہے۔یہ مقالہ دراصل پاکستان اکادمی برائے دیہی ترقی پشاور کے علماء پراجیکٹ کے منعقد کردہ علماء کنونشن میں ۲۹ر فروری ۱۹۷۲ء کو پڑھا گیا تھا، جو بعد ازاں ان مجلّات میں افادۂ عام کے لیے شائع کیا گیا۔اس مقالہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ بانیان پاکستان کے پیش نظر ملک کی تشکیل کے وقت ہی اسلامی نظام حیات کے تحت زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرنا تھا اور اسی دائرے میں ملک کی سیاسی، تعلیمی، عدالتی، اقتصادی اور جملہ شعبہ ہائے زندگی کی تعمیر وتشکیل کا فریضہ مرحلہ وار انجام دینا تھا۔کیونکہ اس خطہ میں رہنے والے لوگوں کا ایک مخصوص مزاج اور ترجیحات ہیں، جن کے رو سے وہ اسلامی طرز زندگی کی نجی، معاشرتی وسیاسی سطح پر بحالی کے بجز کوئی دوسرا آپشن قابل قبول نہیں سمجھتے۔لہٰذا ملکی تعمیر نو میں اگر مذہب کو اہمیت دی جائے گی تو مملکت خداداد کے حصول کا مقصد پورا ہوگا اور تعمیر وترقی کی راہ کھلی گی۔اس کے بجز تعمیر وطن کی کوئی دوسری صورت مقاصد کی تکمیل نہیں کر پائے گی۔

(۴) چوتھا مقالہ ۱۵ جولائی ۱۹۸۵ء کو سینٹ میں مولانا قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق شہید کی طرف سے پیش کردہ ''شریعت بل'' کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔یہ مقالہ بنام ''شریعت بل'' ماہنامہ البیان کے اداریہ کے طور پر لکھا گیا، اس کا ابتدائی حصہ ''پاکستان کی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' نامی مقالہ کے ایک طویل اقتباس پر مشتمل تھا، جسے تکرار کے پیش نظر حذف کر دیا اور اس کے اضافی حصہ کو اس مقالہ کے معاً بعد مستقل طور شامل کر لیا گیا۔نفاذ شریعت بل پاکستان میں نفاذ شریعت کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کوششوں کے حوالے سے ایک اہم سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا کی بھی یہی رائے ہے جو مقالہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(۵) پانچواں مقالہ ''حضور انور ﷺ اور معاشی نظام'' حکیم سعید مرحوم کی دعوت پر ہمدرد اکیڈمی کے ایک سیمینار میں پیش کیا گیا۔ بعدازاں اگست ۱۹۷۰ء بمطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ کو ماہنامہ بینات کراچی، جولائی ۱۹۷۰ء کو ماہنامہ الحق اور صدق جدید لکھنو میں شائع ہوا۔ حکیم سعید مرحوم کی مرتبہ کتاب ''تذکار محمد ﷺ'' (ناشر: ہمدرد کراچی) میں بھی یہ مقالہ شامل ہے۔ آخری دو مواضع اشاعت میں اس کا نام ''آنحضرت ﷺ بحیثیت دہندہ نظام معاشی واقتصادی'' درج ہے۔

یہ مقالہ اپنی وسعت معلومات، زور بیان، قوت استنتاج اور طرز استدلال میں اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت مولانا نے انسان کی بنیادی معاشی ضروریات کا کفیل خداوند کریم کو بتلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کی اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کا لائحہ عمل اور طریق بھی خداوند کی طرف سے ہونا ضروری ہے ورنہ بصورت دیگر اس کے نتائج سنگین معاشی ناہمواریوں کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ آپ نے سرمایہ دارانہ نظام جو سرمایہ کی معبودیت اور پرستش پر قائم ہے کی تکییف قرآن مجید کے پیش کردہ قارونیت واکتنازیت کے نظریہ کے طور پر کی ہے، جس میں دولت چند ہاتھوں میں گردش کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں بدترین معاشی ناہمواری وانسانی استحصال کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے ردعمل میں اٹھنے والی اشتراکیت واشتمالیت کا بھی تعاقب کیا ہے اور اسے بھی اسلامی روح کے منافی قرار دیا ہے۔ اس مقالہ میں آنحضرت ﷺ کے دیئے گئے معاشی رخ اور اسلام کے نظام تقسیم دولت پر بھی سیر حاصل بحث موجود ہے جو معاش واقتصاد کے پہلو سے اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے کافی ووافی ہے۔

(۶) چھٹا مقالہ ماہنامہ البیان کا اداریہ ہے جو بلاعنوان تھا، بندہ نے موضوع کی مناسبت سے اسے ''مملکت خداداد: عطیہ خداوندی'' کا عنوان دیا۔ اس مقالہ میں وطن خداداد کے حصول کی تحریک کی تاریخی بنیادیں، دوقومی نظریہ اور اس کی سالمیت وبقا کے راز یعنی اسلامی نظام کے نفاذ اور بالادستی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۷) ساتواں مقالہ ''اسوۂ نبوی اور عصری شہریت'' ماہنامہ الحق مئی ۱۹۶۶ء میں چھپا۔ یہ مقالہ بھی

پاکستان اکادمی برائے دیہی ترقی پشاور کے سیمینار کے لیے لکھا گیا تھا۔ حضرت مولانا اسوۂ نبوی کی روشنی میں شہریت کے خدوخال واضح کرتے ہیں کہ مخلوق ساری کے ساری اللہ کا کنبہ ہے، اس میں بنیادی تقسیم اللہ کے مطیع وفرماں بردار اور نافرمان کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس عالمگیر خلافت کی بنیاد ڈالی اس میں نقل وحمل اور سفر وقیام کی مکمل آزادی تھی۔ آپ نے حقوق طلبی سے زیادہ فرض شناسی اور فرض دہی پر زور دیا، ایک طرف انسانوں کے جملہ طبقات حتی کہ جانوروں تک کے حقوق متعین کیے تو دوسری طرف ان کی ادائیگی کو اہم فریضہ قرار دے کر اس پر وعدووعید کے ذریعے متنبہ کیا۔ آپ ایک باکمال شہری کی صفات کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی پوری عمر جس ضبط نفس، بے نفسی اور اخلاص کے ساتھ گزاری اس کا تذکرہ سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ آپ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ دین کے فروغ اور پھر اسلامی مملکت اور خلافت الٰہیہ کی بقا کے لیے صحابہ کرام نے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ہر شہری پر دینی خدمت اور ملکی حفاظت کے لیے جہاد لازم ٹھہرا اور آزادیٔ گفتار اور ضمیر کی وہ آزادی عطا ہوئی کہ ایک بڑھیا اور ایک دیہاتی بدوی امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک دیتا ہے اور وہ جب تک اپنی صفائی نہیں پیش کرتے دوسری بات نہیں کر پاتے۔ معاشرتی مساوات کا یہ حال ہے کہ آقا وغلام، امیر ومحکوم، شاہ وگدا میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ معاشی مساوات اس حالت پر ہیں کہ جو ادنی مسلمان کو میسر آتا ہے۔ سردارِ عالم ﷺ اور ان کے خلفاء اس سے کم لیتے اور نوش فرماتے ہیں۔ بنیادی ضروریات زندگی کی فراوانی کا یہ حال ہے کہ بے سروسامان اور فاقہ کش عرب، شہر انسانی کی اس خدائی قلم رو میں بیس سال کے عرصہ میں فارغ البالی کے اس مقام پر پہنچتے ہیں کہ صدقہ وزکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا۔''

(۸) آٹھواں مقالہ ''سرکاری ملازم کے کردار کی اہمیت'' بندہ کو مخطوط شکل میں ملا، جو بعد میں ماہنامہ غزالی پشاور میں بھی چھپا۔ یہ مقالہ پاکستان اکادمی برائے دیہی ترقی کی درخواست پر پیش کیا گیا۔ اس مقالہ میں حضرت مولانا نے ملازم کے دائرہ عمل کی تین اسلامی بنیادیں اور ملازم کی چار صفات کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بڑے بسط وتفصیل سے کھولا ہے اور موجودہ مادی فلسفہ اور تہذیب میں ملازم کے بندۂ نفس ہونے کا جو تصور سامنے آیا ہے اور اس کے نتیجے میں ملازم کے عمل کا جو منفی اثر معاشرے اور اس کی ذات پر مرتب ہوا ہے، اسے بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ آپ نے ملازم کے عمل کے لیے تین تدریجی بنیادیں ذکر کی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ خدا کا بندہ ہے اس لیے اس کے ہر عمل میں حق خداوندی اور حکم خداوندی مقدم ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ملک کا ملازم اور وفادار ہے لہٰذا اپنے دائرہ عمل میں ملکی مفادات کو دوسرے درجے میں پیش نظر رکھنا اس پر لازم ہے۔ تیسری یہ کہ ملازمت اس کا معاشی وسیلہ ہے لہٰذا تیسرے مرحلے پر اپنے ذاتی مفاد کی فکر بھی اس کے لیے ناگزیر ہے۔ اگر وہ ان تینوں بنیادوں کو اپنی اپنی جگہ رکھے اور مؤخر کو مقدم نہ کرے تو وہ ایک کامیاب ملازم کا کردار پیش کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ملازم کے اندر چار صفات بھی ہونا ضروری ہیں۔ پہلی صفت کام کی قوت و برداشت، دوسری صفت امانت داری، آپ نے ان دو صفات کا قرآنی ماخذ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام سے معاہدۂ اجارہ قرار دیا، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثالی ملازم ہونے کے بارے میں آپ کی دو صفات کا اظہار کیا گیا۔ اِنَّ خَیرَ مَنِ استَاجَرتَ القَوِیُّ الاَمِین۔ تیسری صفت حفاظت اور چوتھی علم واستعداد۔ ان دو صفات کا قرآنی ماخذ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قبولیت منصب کے وقت انی حفیظ علیم کا ارشاد قرار دیا۔

(۹) نواں مقالہ ''تہذیب حاضر اور مسلمان'' حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے شہرہ آفاق مقالہ ''نیا طوفان اور اس کا مقابلہ پر تبصرہ وتاثرات'' کے عنوان سے صدق جدید لکھنو میں ۲۰ مئی تا ۱۷ جون ۱۹۶۰ء پانچ اقساط میں شائع ہوا، بعد ازاں ''تہذیب حاضر اور مسلمان'' کے نام سے البیان پشاور (نومبر ۱۹۸۳) میں بھی شائع ہوا۔ اس مقالہ میں مغرب کے لادینی ودجالی تہذیب جو عالم اسلام پر تعلیم سائنس وٹکنالوجی، سوشل سائنسز اور معاشی استبداد کے راستے سے پوری طرح حملہ آور ہے اور نئی نسلوں کو فکری ارتداد کے بھنور میں پھانس چکی ہے، کا بھرپور محاکمہ کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ لادینی نہاد تہذیب اپنی اصل میں تمام تر قابل ترک اور جاہلیت قدیمہ کا مظہر ہے، جس کے عفریت نے انسانیت کا لہو چوس کے رکھ دیا ہے۔ آپ نے اس تہذیب کے شکار عالم اسلام کے مختلف خطوں میں

فرنگی آبی کے مشاہدات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تباہ کن اثرات کے انسداد اور مقابلہ کے لیے پانچ تجاویز بھی پیش کی ہیں جو اس مقالہ کی جان کہے جا سکتے ہیں۔

(۱۰) دسواں مقالہ ''رومی کا پیام عصر حاضر کے نام'' کے تعارف میں حضرت مولانا خود لکھتے ہیں:

> یہ تقریر ۲۹ مئی ۱۹۷۱ء کو شعبہ انگریزی پشاور یونیورسٹی کے زیر اہتمام بعد از نماز عصر ہوئی۔ تقریب کے روح رواں عزیزی وجیہی سید مسرت حسین شاہ البخاری صدر ''بزم انگریزی'' تھے۔ بندہ عزیزم شیر حسن خان سینئر لیکچرار ایگریکلچر کالج پشاور کا ممنون ہے کہ انہوں نے فقیر کی اس فی البدیہہ تقریر کو لکھ لیا۔ اب تبییض کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔

یہ مقالہ ماہنامہ بینات کراچی میں (دسمبر ۱۹۷۱ تا اپریل ۱۹۷۲ء) پانچ مبسوط اقساط میں شائع ہوا۔ نومبر ۱۹۷۱ء میں اسے انگلش لٹریری کلب پشاور نے کتابی صورت میں بھی شائع کیا، نیز سلیمان اکیڈمی پشاور سے بھی کتابی صورت میں طبع ہوا۔ یہ مقالہ حضرت مولانا کے رومی شناسی کا شاہکار ہے، شاید ہی آپ کے معاصر اہل علم میں کوئی اتنا بڑا رومی شناس پایا جاتا ہو۔ یہ مقالہ رومی کے انقلاب باطنی کے اسباب، مادیت سے روحانیت کی طرف سفر اور عقل جزی سے عقل کلی کے مدارج تک رسائی کی مکمل کہانی خود رومی کی زبانی پیش کرتا ہے۔ کلام رومی سے عصر حاضر کے مادی بحرانوں کا باریکی وعرق ریزی سے حل کشید نا، عقلی شبہات وتسویلات کی بے مائیگی واضح کرنا اور موجودہ مادیت زدہ بیمار انسان کے لیے رومی کی روحانیت سے آب شفاء کی تصویر کشی اپنی مثال آپ ہے۔ یہ مقالہ مادیت کے بحرانوں کے مقابلہ کے لیے خود انسان کے باطن کے اس خوابیدہ جوہر کو بیدار کرتا ہے جس کے سامنے مادی طوفان محض تار عنکبوت دکھائی دیتے ہیں۔ بندہ کے ناقص خیال میں اس مجموعہ کی جان یہی مقالہ ہے۔

(۱۱) گیارہواں مقالہ ''خودی اور قرآن'' کے عنوان سے معنون ہے، یہ مقالہ حکیم محمد سعید صاحب کی دعوت پر شام ہمدرد کے بزم میں پیش کیا گیا، بعد ازاں ماہنامہ البیان مارچ ۱۹۸۴ء پشاور میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کے تصور خودی کا قرآنی حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ حضرت مولانا علامہ اقبال کے تصور خودی کا تعارف کرتے ہوتے رقم طراز ہیں:

> اقبال کے نزدیک خودی ایک حقیقت ثابتہ اور ایک مستقل ضابطہ حیات ہے، جو طے شدہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نوامیس وقوانین زندگی سے عبارت ہے۔جس کا تانا بانا بناءِ وجود،نشوونما وارتقا،مؤمنانہ عقائد ویقین،اخلاق وصفات،مزایا وکمالات،اسلامی علوم واقدار،دینی تعلیمات وافکار اور قرآنی احکام وہدایات پر مبنی ہے،گویا'خودی'خود ایک مستقل دستورِ حیات،لائحہ عمل اور طے شدہ منہج اخلاق اور طرز ماندوبود ہے۔

اس تصور کی وضاحت میں آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی محنت اور قرآنی حقائق کو بسط وتفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(۱۲) بارہواں مقالہ ''اسلامی قمری تقویم کی اہمیت'' ماہنامہ البیان اکتوبر ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا، اس مقالہ میں قمری تقویم پر عبادات کے مدار اور شمسی تقویم کے مقابلے میں اس کی خصوصیات ومزایا کو واضح کیا ہے۔حضرت مولانا قمری تقویم کے نفاذ ورواج کو تہذیبی پس منظر میں دیکھتے ہیں اس لیے رقم طراز ہیں:

امت جب زندہ تھی، پورے عالم میں جہاں بھی وہ بستی تھی، اسی اسلامی قمری تقویم کو اپنائے ہوئے تھی۔ جب مغرب کے استعمار واستیلا نے اپنا صور پھونکا تو جہاں اسلامی تشخص کی دوسری چیزیں ملت کے ایک بڑے طبقے نے گم کر دیں، وہاں ''قمری'' تاریخ کا رواج بھی چند محدود طبقات اور صورتوں میں منحصر ہو کر رہ گیا۔ ہمارا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ کاش اس نئے سال کی ابتدا سے امت کا ہر طبقہ اور گروہ انفرادی واجتماعی طور پر اس ''اسلامی قمری تقویم وحساب'' کو اپنا معمول اور شعار بنالے۔

(۱۳) تیرہواں مقالہ ''اسلام میں مسجد کی اہمیت'' بندہ کو بشکل مخطوط دستیاب ہوا، یہ مقالہ پشاور یونیورسٹی میں حکومت شارجہ کی طرف سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر پیش کیا گیا۔ اس میں حضرت مولانا نے اسلام کے نظام مساجد اور مسلمانوں کی زندگی میں مسجد کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر کردار پر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

مسجد صرف ان کی عبادت گاہ ہی نہ تھی بلکہ وہی ان کا دارالامارت تھا۔ وہی دارالشوریٰ تھا، وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہی درسگاہ وہی خانقاہ اور وہی معبد

تھا۔مسجد سے ہی مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم تھی اور مسجد ہی مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز تھا۔اور نماز اس مرکزی اجتماع کی مرکزی رسم تھی۔

آپ نے مسلمان بادشاہوں کی مساجد کے ساتھ شغف کی تاریخ پیش کرنے کے بعد اس بات کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ اس دورِ زبوں پیہم میں معاشرے کی اسلامی ساخت کی بحالی اسی طرز پر ممکن ہے کہ مسجد کو اس کا کردار واپس کر دیا جائے۔

(۱۴) چودہواں مقالہ ''اقبال کا مردِ مسلم'' ماہنامہ الحق اپریل ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔اس مقالہ کا موضوع کلام اقبال سے ان منتخب اشعار کی تشریح ہے جن میں بندۂ مؤمن کی جلالی وجمالی صفات کا بیان ہے۔حضرت مولانا نے واضح کیا ہے کہ مؤمن کی یہ صفات متضادہ دراصل صفات الٰہیہ کا اثر ہے جو خدائی رنگ (صبغة الله) چڑھنے کے بعد مؤمن میں نمو پاتی ہیں اور انہی صفات کا حامل مؤمن ہی صفحہ گیتی پر اپنا نقش دوام ثبت کرتا ہے۔قہاری وغفاری اور قدوسی وجبروت جیسی صفات اس کا خمیر ہیں اور انہی عناصر سے ڈھلا انسان ہی نیابت خداوندی کے منصب جلیل کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

(۱۵) پندرہواں مقالہ ''موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل'' جیسا کہ اپنے عنوان سے ظاہر ہے، موجودہ نظام تعلیم کی خرابیوں اور ان کی اصلاح کی تجاویز اور متبادل نظام تعلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ عزم نولاہور کے تعلیم نمبر ۱۹۷۰ء کے لیے لکھا گیا بعد ازاں ماہنامہ البیان جنوری ۱۹۸۴ء میں بھی شائع ہوا۔اس مقالہ میں حضرت مولانا نے اقبال اور رومی کے کلام سے ایک ٹھوس اسلامی تعلیمی نظام کی ساخت وخصوصیات کا نقشہ کھینچا ہے۔ پھر واضح کیا ہے کہ نظام تعلیم کی اصل خرابی سائنس و ٹیکنالوجی سے آگے بڑھ کر عمرانی علوم یعنی سوشل سائنسز میں مغرب پر ہمارا انحصار ہے۔دوسرا المیہ یہ ہے کہ نظام تعلیم میں تعلیم کو مضبوط اخلاقی بنیادیں فراہم کرنے میں بدترین تساہل سے کام لیا گیا ہے، اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

موجودہ نظام تعلیم میں اخلاق کے بچاؤ یا سنوارنے کے لئے کوئی بنیاد قائم نہیں تھی، جو مغرب کے بے خدا اور بے حیا نظام تعلیم کا ایک خاصہ ہے۔اس کے چلن ورواج سے ہمارے نوجوانوں میں اخلاقی انتشار اور بے راہ روی پیدا ہوگئی۔ ہمارے مرحوم نظامِ تعلیم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں جو فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، ان میں گلستان، پنج گنج، بوستان جیسی اخلاق کے پیدا کرنے والی کتابیں تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہم اپنے علمی، اخلاقی ورثہ اور اقدارِ ملی سے محروم ہوگئے اور مغرب کی تعلیم نے ہمارے اس اخلاقی خلا اور دینی اضمحلال کا مداوا نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت کا تعلیم یافتہ، ذہین طبقہ ایسی ذہنی کشمکش اور انتشار میں مبتلا ہوگیا، جس نے مذہب کے بارے میں ہولناک، خطرناک اور بھیانک ارتیاب اور تذبذب کی کیفیت پیدا کردی اور ایک جدید فرقہ ارتیابیہ (Agnostics) پیدا ہوگیا اور اسلام جو زرا یقین تھا اور جس کی کتابِ مُنزَل کا پہلا فقرہ "لا ریب فیہ" تھا، اس طبقے نے اسے ریب و شک سے دیکھا اور یقین کی بے بہا دولت سے محروم ہوگیا اور وہ ورثۂ ملی اور دینی اقدار جس سے ملت کا نظام قائم تھا، اس کی نگاہوں میں مضمحل و متزلزل بلکہ اوجھل ہوگیا اور یہ اتنا بڑا ملی حادثہ ہے جس سے ملت کی چولیں ہل گئیں اور امت بے زمام و بے مقصد ہو کر رہ گئی۔

ان خرابیوں کی وضاحت کے بعد آپ نے متبادل نظام کے طور پر ابتدائی، ثانوی اور جامعاتی تعلیم کے لیے ایک مؤثر اور قابل عمل خاکہ پیش کیا ہے اور اس میں نصاب تک کے خطوط اور طرز تعلیم کی رہنمائی کی ہے، نیز ذریعہ تعلیم کے لیے اردو زبان کی بحالی پر زور دیا ہے۔ اگر اس متبادل خاکہ میں پیش کردہ خطوط پر کچھ مخلص اور ماہر لوگ کام کریں تو ایک اسلامی مملکت کے لیے ٹھوس اور نتیجہ خیز نظام تعلیم کی تشکیل کا معرکہ سر کر سکتے ہیں۔

(۱۶) سولہواں مقالہ "دینی و دنیوی علوم کا تلازم" اپنے حساس موضوع کے اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ البیان اکتوبر ۱۹۸۳ء، ماہنامہ الرشید اور ماہنامہ الحق مئی ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ ماہنامہ الرشید میں اسے "ہمارے تعلیمی مسائل" اور ماہنامہ الحق میں اسے "دینی تعلیم اور عصری تقاضے" کے عنوان سے معنون کیا گیا۔ ہمارے ہاں بعض عناصر دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی علوم کے اشتراک کے داعی ہیں لیکن اس انداز سے کہ دینی تعلیم کی محض پیوندکاری ہو اور اصل دنیاوی علوم و فنون ہوں۔ حضرت مولانا نے اس مقالہ میں واضح کیا ہے کہ ہمارے علوم کی بنیاد اور اساس علوم معاد ہے، علوم معاش محض ضرورت ہیں۔ لہٰذا اصل کو اصل ہی کے درجے پر رکھنا ضروری ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

علوم دنیاوی کی ترقیات، جدید ایجادات و اکتشافات دنیا کا رنگ بدلتے رہتے ہیں اور ہر جدید ہر قدیم کی جگہ لے لیتا ہے اور اس "تغیر آباد عالم" میں ان لازوال علوم کی امین و حامل امت کو نئے حالات سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور علوم نبوت کی محافظ و داعی ہونے کی حیثیت سے ہر زمانہ کے تقاضوں، اس کی للکار و تحدی (چیلنج) کا مقابلہ اس صورت سے کرنا پڑتا ہے کہ "اصل علوم نبوت" پر آنچ نہ آنے پاوے۔ چنانچہ ہر دور میں اساطین امت نے زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کے باوجود تعلیمی خاکوں میں جو رنگ بھرا اور حذف و اضافہ، حک و ترمیم کا جو عمل بھی اختیار فرمایا۔ انہوں نے اس میں اصل امانت یعنی "منصوص و منقول" علوم معاد کی لفظاً و معناً کلی حفاظت کی اور اس کی روح کی بقا کا پورا پورا اہتمام فرمایا اور کسی صورت "علوم نبویہ" کے مقام و حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔

دوسرا اہم نکتہ آپ نے یہ واضح کیا ہے کہ موجودہ دور کے تحدیات کا مقابلہ کرنے کے لیے دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم کا حصول از حد ضروری ہے، علوم کے ارتقاء نے اب یہ گنجائش نہیں چھوڑی کہ محض قدیم نصاب سے ایک جامع فاضل کی تیاری کی ضرورت پوری ہو۔ نیز قدیم نصاب جو یونانی فلسفہ تعلیم کے اثرات سے متاثر ہے کو اس گرداب سے نکالنے کی ضرورت ہے، دینیات یعنی قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم میں یونانی فکر و فلسفہ کے جو جراثیم در آئے ہیں سے خلاصی از حد ضروری ہے اور دینیات کی تعلیم اصل ساخت پر بحال کرنا لازمی ہے جس کے لیے نصاب میں متاخرین کی بجائے متقدمین کی کتب سے اعتنا لابدی ہے۔ اسی طرح عربی ادب میں بھی مقاماتی طرز نگارش اور اسلوب بیان کو ترک کر کے قرآن و حدیث کے ذخیرے سے استفادہ کی حاجت ہے۔

آپ کی نظر میں قدیم دینی نصاب کو یونانی اور عصری علوم کے نصاب کو فرنگی و مغربی اثرات سے آزاد کیے بغیر ایک مؤثر اور مفید تعلیمی نظام کی تشکیل مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مدارس میں اصل جوہر یعنی تعلق مع اللہ کی وہ کیفیت برقرار ہو جو ایک مسلمان کو کامل اور مفید مسلمان بناتی ہے۔ تو یہ علوم قدیم و جدید اپنے بہتر نتائج دے سکتے ہیں۔ اس نکتے کی طرف آخر میں اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہمارے مدارس علوم دینی و دنیوی کے عظیم الشان ادارے بن جائیں۔علوم جدیدہ وقدیم کے سمندر ہوں،علوم باطلہ کے ابطال کے مضبوط قلعے ہوں۔لیکن اہل مدرسہ کے دل کمالِ یقین وایمان،معرفت وللہیت،اخلاص وتقویٰ،حب الٰہی،خشیتِ ربانی اورفکرِ آخرت وطلب رضائے حق سے سرشار نہ ہوں،تو کیا مدرسے پھر کامل دینی مدارس کہلائے جاسکتے ہیں؟

(۱۷)سترہواں مقالہ''تعلیمی پالیسی اور چند مشورے '' ماہنامہ بینات ستمبر ۱۹۶۹ءاور ماہنامہ الحق میں شائع ہوا۔اس میں اس وقت کی حکومت کی طرف سے نظام تعلیم کی بہتری کے لیے بنائی گئی پالیسی پر نقد اور مشورے دیئے گئے ہیں۔اس میں اہم نکتہ مدارس کے حوالے سے یہ ہے کہ حضرت مولانا نے مدارس کو بالکلیہ ملکی نظام تعلیم میں مدغم کرنے کی مخالفت کی ہے اور مشنری سکولوں کو حکومتی تحویل میں لینے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

(۱۸)اٹھارہواں مقالہ''دیوبندی مدرسہ فکر'' ماہنامہ الرشید لاہور کے دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۹۷۶ء کے لیے لکھا گیا، بعدازاں ماہنامہ بینات اپریل ۱۹۷۶ءمیں بھی شائع ہوا۔اس مقالہ میں دیوبندی مکتب فکر کے بانیان کے ورع وتقوی اور علم وفضل کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کی مسلک اہل السنہ والجماعہ سے وابستگی اور ہندوستان میں علوم دینیہ کی بقاوترویج،دعوت دین کے لیے تبلیغی وتصنیفی مساعی،ہندوستان میں اسلامی معاشرت کی بقا کی جدوجہد اور خلاصی وطن کے لیے کوششوں میں نمایاں اور اساسی کردار کا تذکرہ ہے۔

(۱۹)انیسواں مقالہ'' استعمار کی کہانی اور جامعہ امداد العلوم کی تاسیس '' ماہنامہ البیان نومبر ۱۹۸۳ءکا ایک اداریہ ہے جو آغاز بیان کے نام سے شائع ہوتا تھا،موضوع کی مناسبت سے مرتب نے اس کو یہ عنوان دیا ہے۔اس مقالہ میں انگریز کے برصغیر پر غاصبانہ تسلط،اس کے خلاف علماء کے جہد وجہاد، جہاد کی ظاہری ناکامی کے بعد انگریز کی مشنری سازشوں اور اہل ایمان کے ارتداد کے لیے کوششوں کا تذکرہ ہے۔اسی ضمن میں پشاور میں قائم یہودی ٹمپل کے فری میسن نمائندوں کی توبہ اور اس جگہ جامعہ امدادالعلوم کے قیام کی مکمل تاریخ پیش کی گئی ہے۔

(۲۰)اس جلد کا آخری اور بیسواں مقالہ''ارمغان سلیمان پر ایک نظر '' ماہنامہ الحق میں نومبر ۱۹۶۶ءسے جنوری ۱۹۶۷ءتک تین قسطوں میں شائع ہوا، یہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے شاعری مجموعہ مرتبہ:مولانا غلام محمد حیدرآبادی کراچوی پر تبصرہ ہے۔کتاب پر تبصرہ سے زیادہ اپنے شیخ کی اشعار کی معنوی خوبیوں اور مختلف النوع اصناف پر مشتمل ہونے کی وضاحت کی گئی ہے اور بلاشبہ حضرت سید صاحب کی شاعری کا فنی کمال اور معنوی گہرائی کا عمدہ ترین تعارف پیش کیا گیا ہے۔کتاب کا تعارف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

ارمغان سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اور اس کی تقریب مرتب کی اپنے شیخ سے محبت ولگن کا نشان اور ان کے مذاق سلیم،سخن فہمی وسخن سنجی پر شاہد ہے۔مجموعہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ادوارِ زندگی کی رعایت سے دو حصوں پر مشتمل ہے:ا۔غزل الغزلات۔ ۲۔دورِ اول کا کلام۔

غزل الغزلات حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عارفانہ کلام کا نام ہے جو حکیم الامۃ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسے ارادت کے بعد کہا گیا۔حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفۂ عہد عتیق کے نام کی رعایت وموزونیت سے''غزل الغزلات''خود تجویز فرمایا تھا۔یہ حصہ ارمغان کے صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے۔سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے اپنی شاعری کا حاصل سمجھتے تھے۔فرماتے تھے''میری شاعری (عارفانہ والہامی۔اشرف) حضرت والا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے شروع ہوئی اور ان کے وصال پر ختم ہوگئی۔''

لیکن دور اول کی شاعری بھی ایمانی غیرت اور ایقان کا مرقع ہے،اس کا تعارف کرتے ہوئے حضرت مولانا لکھتے ہیں:

بہرحال دورِ اول کا کلام جو فاضل مرتب کی مساعی سے مجموعہ کی زینت بن سکا ہے،وہ ایک نعت،چوبیس غزلوں،نو منظومات،چند رباعیات وقطعات اور طالب علمی کے ایک استاذانہ فارسی قصیدہ پر مشتمل ہے،جو اس ہونہار شاگرد نے اپنے استاذ شبلی مرحوم کی مدح میں کہا تھا۔۔۔۔۔دور اول کے کلام میں جو منظومات ہیں وہ بھی شاعر کی غیرت وحمیت ملی کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نشان، حقائق کا بیان اور اصلاحی رنگ کو لیے ہوئے ہیں، سیاسی نظموں میں بلا کی ایمائیت ہے اور یہ نظمیں سیاسی فراست وبصیرت کا آئینہ ہیں۔

حضرت مولانا کے ان مقالات کی کتابت وترتیب کے دوران آیات کریمہ، احادیث مبارکہ اور دیگر ماخذ کے حوالوں کو از سرنو دیکھنے اور جانچنے کا اہتمام کیا گیا، جہاں کتابتی غلطیاں تھیں انہیں دور کیا گیا ،لیکن حوالہ پیش کرنے کے طریقہ کو وہی رکھا گیا جس کا التزام حضرت مولانا نے کیا تھا اور آج کل کے مروجہ مینول کی پابندی کو لازم نہیں سمجھا گیا۔

بندہ نے اس کام کی توثیق حسب دستور اپنے شیخ ومرشد حضرت ڈاکٹر پروفیسر فدا محمد صاحب مدظلہم سے لی اور حضرت ہی کی توجہات اور دعاؤں سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ درحقیقت بندہ کی نااہلی اور کاہلی ہمیشہ حضرت سیدی کے دامن توجہ میں پوشیدہ رہ جاتی ہے اور کام بخوبی منزل تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنہ

اس کام کے دوران اپنے بعض اکابر کے نام دعا وتوثیق کے لیے خطوط بھی لکھے۔ استاد گرامی قدر حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی ادام اللہ ظلہم کو اس حوالہ سے دو خطوط لکھے، دونوں خطوط میں اس کام سے متعلق گفتگو کے مضمون کو یکجا کر کے دعائیہ کے عنوان سے آغاز کتاب میں بطور تبرک شامل کیا گیا۔ مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت فیوضہم نے شفقت وعنایت کی انتہاء فرمائی، باوجود ضعف اور عالمی سطح کی مصروفیات کے مبسوط تقریظ سے نوازا۔ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہم نے بھی حسب سابق اپنی شفقت سے نہال فرمایا۔ شبلی شناس اور عصر حاضر کے نامور مؤرخ ڈاکٹر الیاس احمد اعظمی مدظلہ بھی شکریہ وسپاس کے مستحق ہیں جنہوں نے علالت اور گوناگوں مشاغل کے باوجود دارالمصنفین اعظم گڑھ کی نمائندگی فرمائی اور اپنی تحریر سے نوازا۔ سیدی ومرشدی حضرت ڈاکٹر فدا صاحب مدظلہم نے صاحب مقالات حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کی سوانح پر مشتمل مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا، نیز کتاب اور کام کی اہمیت پر دیباچہ بھی لکھا۔ مجھ جیسے مبتدی اور تہی علم وعمل طالب علم کی ان جبال علم وتقویٰ کی طرف سے حوصلہ افزائی پر دل تشکر وامتنان سے لبریز ہے، اللہ رب العزت ان تمام اکابر کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ ان کی جان، مال، علم اور عمر کی برکات سے

ہمیں بیش از بیش مستفید ہونے کی توفیق بخشیں اور اس کام کو فقیر، اس کے والدین اور اساتذہ ومشائخ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور اپنے دربار میں قبول ومنظور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

احقر العباد

محمد طفیل کوہاٹی

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

۵ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ بروز جمعہ المبارک، خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کچھ صاحب مقالات کے بارے میں

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ)

خاندانی حالات:

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش پشاور شہر کے محلہ مقرب خان میں محمد اکبر خان صاحب کے ہاں ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ جو مومند قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ مومند پشاور اور مضافاتِ پشاور میں آباد ہے۔ یہ قبیلہ پٹھانوں کی دینداری، جفاکشی، سادہ مزاجی، بہادری اور مہمان نوازی کی روایات کا بدرجۂ اتم حامل ہے۔

محمد اکبر خان صاحب ایک پابندِ صوم وصلوٰۃ، صالح، ذاکر وشاغل اور باشرع بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کاروبار میں بہت برکت دی ہوئی تھی۔ پشاور، دہلی، شملہ اور دارجیلنگ میں ان کی قالینوں کی دکانیں تھیں۔ جو کامیابی سے چل رہی تھیں اور خوب متمول حالات میں زندگی گذر رہی تھی۔ مخیر آدمی تھے۔ مہمانوں کی آمدورفت اور آباد دسترخوان کے مالک تھے۔ پشاور سے جانے والے پٹھانوں کی رہائش و خوردونوش، دہلی اور شملہ میں انہی کے ہاں ہوتی تھی۔ ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ مشہور خدائی خدمت گار تحریک کے بانی خان عبدالغفار خان جب دہلی وشملہ آتے تو ہمارے ہاں ہی ٹھہرتے اور والد صاحب خاص طور سے ان کے مطالبے پر ان کے لئے پائے پکواتے تھے۔

ایک دفعہ حضرتؒ کے ساتھ ۱۹۷۵ء میں کراچی جانا ہوا۔ وہاں ایک سیٹھ صاحب کے ہاں مہمان ہوئے جنہوں نے دن رات دست بستہ بہت زیادہ خدمت کی۔ بندہ کے معلوم کرنے پر پتا چلا کہ میزبان کے والد صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب کے ساتھ ملازم رہے ہیں اور وہاں سے قالینوں

کے کاروبار کا ایسا تجربہ حاصل کیا کہ اب ان لوگوں کا اپنا کارخانہ ہے۔ اس وجہ سے حضرت سے بہت عقیدت اور محبت کا معاملہ فرمارہے تھے۔

حضرت کی والدہ صاحبہ جنھیں بڑھاپے میں بندہ نے دیکھا اور ان کا معالج بھی رہا، بہت زیادہ بابرکت عورت تھیں۔ شروع دور میں پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئیں۔ پیر صاحب کی وفات کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئیں۔ صوم وصلوٰۃ اور پردہ کی انتہائی پابند تھیں۔ بڑھاپے میں بھی، جبکہ پردہ کے احکامات شریعت کی رو سے کم ہوجاتے ہیں، سر کے بال گردن وغیرہ خوب ڈھانپ کر اپنے علاج کے سلسلے میں ملتیں۔ خاص طور پر ذاکر وشاغل عورت تھیں۔ تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ اس ضعف اور بڑھاپے کے باوجود آخری سال کے روزے بھی پورے رکھے۔ بہت صدقہ وخیرات کرنے والی خاتون تھیں۔ حضرت کے دسترخوان پر روزانہ دو چار سے لے کر پندرہ بیس تک اور خاص موقعوں پر چالیس پچاس تک مہمان ہوتے تھے۔ اس سارے بندوبست کی خود نگرانی فرماتی تھیں۔ کئی بچیوں کو گھر میں رکھا اور بالغ ہونے پر شادیاں کرا کے اپنے اپنے گھروں میں آباد کیا۔ ان کی وفات پر خود بندہ نے ان کے ملازمین کو روتے دیکھا۔ بشیر طارق صاحب کی روایت کے مطابق مرحومہ محترمہ نے اپنے ماموں سے درسِ نظامی کی کتب بھی پڑھی ہوئی تھیں۔

حضرت کے والد اور والدہ صاحبہ دونوں اس قدر سمجھدار لوگ تھے کہ اُس دور میں اپنے بچے بچیوں کو خوب پڑھایا لکھایا۔ چنانچہ حضرت کے سب سے بڑے بھائی جناب محمد اکرم صاحب ایئر فورس میں سکواڈرن لیڈر تھے۔ آرمی کے کوٹہ پر فارن سروس میں بڑے درجے کے افسر رہے۔ بہت صحت مند و خوش پوش شخصیت کے مالک تھے۔ بندہ سے فرمایا کہ دوسری جماعت سے جو نماز شروع کی ہے اب تک کبھی قضا نہیں ہوئی۔ نیز فرمایا کہ ہر وقت باوضو رہتا ہوں۔ انتہائی دیانت داری اور فرض شناسی سے کام کرتے رہے۔ بہت نرم دل تھے، دینی مجلس میں اُن کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

دوسرے بھائی اسلم خان صاحب کو اُس دور میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں پڑھایا۔ وہ فوجی ملازمت میں شامل ہوئے اور میڈیکل کور میں ایر وائس مارشل تک پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ دورانِ سروس صوبہ سرحد کی حکومت نے ان کی خدمات بطور ہیلتھ ڈائریکٹر اور ہیلتھ سیکریٹری حاصل کیں۔ ہر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دوجگہ فرض شناسی اور دیانتداری کا ریکارڈ قائم کیا۔ پابندِ صوم وصلوٰۃ شخصیت تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد صوبہ سرحد کی حکومت نے دوبارہ ایڈمنسٹریٹر لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور متعین کیا۔ زندگی کے آخری ایام میں سعودی ہلال احمر تنظیم میں افغان مہاجرین ہسپتالوں کے ڈائریکٹر رہے۔

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ بڑے بھائی کو ڈاکٹر بنانے کے بعد والد صاحب مجھے انجینئر بنانا چاہتے تھے اس لئے میٹرک میں ڈرائنگ کا مضمون رکھا۔ اس زمانے میں میٹرک کی ڈرائنگ صرف ماڈل ڈرائنگ نہیں تھی بلکہ ساتھ ساتھ انجینئرنگ کا ایک مضمون Scale Drawing بھی اس میں شامل ہوتا تھا۔ فرمایا: لیکن خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا، اس لئے ان کی وفات پر سائنسی مضامین چھوڑ کر صرف بی۔اے کیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دینی تعلیم:

اس دور میں بچپن میں ابتدا دینی تعلیم سے کی جاتی تھی۔ حضرت کے بچپن کے دور میں ان کی مسجد میں ایک بلند پایہ عالمِ دین قاضی نورالاعظم باجوڑی امام تھے۔ ان کی نظر اس ہونہار بچے پر پڑی تو دینی فراست سے بچے کی خوش بختی کو بھانپ لیا اور خود پیشکش کر کے حضرت کو پڑھانا شروع کیا اور کامل بارہ سال پڑھایا جس میں ابتدائی عربی فنون سے لے کر حدیث تک سوائے ابن ماجہ کے اکثر کتابیں پڑھائیں۔ حضرت اپنے استاد کے بہت مدّاح تھے۔ فرماتے تھے کہ قاضی صاحب اس قدر محتاط اور متقی بندے تھے کہ عشاء کے بعد مسجد کا بلب بجھا دیتے تھے اور دورانِ تعلیم اپنا چراغ جلا کر پڑھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ مسجد کا بلب ان لوگوں کی طرف سے جو چندہ دیتے ہیں صرف نماز کے اوقات میں جلانے کی اجازت ہے اس لیے دوران تعلیم اس کا جلانا جائز نہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت کی والدہ صاحبہ نے قاضی صاحب کو ایک نیا چغہ دیا جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب کے لیے بنایا گیا تھا لیکن وفات کی وجہ سے انہیں پہننے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ قاضی صاحب نے قبول کرنے سے انکار فرمادیا کہ کہیں تعلیم کا معاوضہ نہ ہوجائے، نیز میراث کی تقسیم سے پہلے وفات پا جانے والے آدمی کی کسی چیز کو استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قاضی صاحب کی وفات بھی بڑی عجیب ہوئی جو بظاہر ان کے مقبول عنداللہ

ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ دورانِ حج میدانِ عرفات میں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

قاضی صاحب سے حضرت نے بخاری شریف پر مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حواشی بھی محنت سے پڑھے تھے۔ بخاری شریف خوب مستحضر تھی۔ ایک دفعہ راقم ایک جگہ تبلیغی سلسلہ کی تقریر کر رہا تھا جس میں کہہ دیا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ مجمع میں شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر مولوی محمد عمر صاحب (Ph.D) بیٹھے تھے۔ جو علاوہ ایم۔اے اسلامیات کے دارالعلوم میں بھی پڑھے ہوئے تھے۔ بندہ نے بعد بیان کے ان سے عرض کیا کہ اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو اصلاح فرمادیں۔ انھوں نے فوراً فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: الایمان لا یزید و لا ینقص (ایمان نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے) لیکن ڈاکٹر صاحب آپ نے تو کہا کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ بندہ کو جواب معلوم نہیں تھا۔ حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی اور یہ سوال پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا: میری بخاری شریف لاؤ۔ اس کا صفحہ نکال کر حاشیہ پر اپنی پنسل سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی اور فرمایا: دوران درس اس نکتہ کو میں نے پنسل سے لکھ لیا تھا۔ وہاں لکھا تھا کہ اصل ایمان نہ تو بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے کیونکہ وہ تو خاص عقائد کا نام ہے، اگر وہ ہیں تو ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک سے بھی انکار ہو جائے تو کُفر ہے۔ البتہ ایمان شرعی یعنی قوتِ ایمان میں کمی اور بیشی ہوتی رہتی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ استاد صاحب نے بخاری شریف کے ختم پر پشتو میں فرمایا "بچیہ دا بخاری شریف داسے مبارک کتاب دے چہ اُس چرتہ بہ نہ بندیگے"۔ نیز مزاحاً فرمایا "اُس مُلا شوے رزق دے فراخ شو"۔ یعنی بیٹا یہ بخاری شریف ایسی مبارک کتاب ہے کہ اب کہیں نہیں رکو گے اور مزاحاً فرمایا کہ اب مولوی ہو گئے ہو اب تمہاری روزی فراخ ہوگئی۔

آپ کا علمی ذوق اور چسکہ اتنا شدید تھا کہ ساری عمر ہی سیکھنے کے مواقع ہاتھ سے جانے نہیں دیے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ پروفیسر خلیل صاحب کے والد جناب مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ (جو فاضلِ دیوبند اور کُہنہ مشق مدرس عالم تھے نیز موصوف حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے) جب پشاور منتقل ہوئے تو اپنے خاص ساتھیوں کے ہمراہ ہدایہ اور جلالین ان سے مکمل کی۔ یہ وہ دن تھے جب آپ عربی کے پروفیسر، صدرِ شعبہ اور شیخ المشائخ تھے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے ہاں کراچی تشریف لے جاتے اور طویل قیام فرماتے۔ اس قیام میں ان کے حدیث

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے درسوں میں حاضری فرماتے۔ دورانِ درس ایسے ایسے سوالات پوچھتے کہ مدرسین اور طلباء ششدر رہ جاتے۔ ایک سندِ حدیث، محدثِ عصر حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اپنے دست مبارک اور اپنے ذاتی قلم کی تحریر کے ساتھ عطا فرمائی تھی۔

حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت کو بہت زیادہ محبت تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کو بہت چاہتے تھے۔ ان کی طرف سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث مسلسل بالمحبۃ بھی حاصل تھی۔ اس کا پتہ بندہ کو اس طرح چلا کہ ایک معمّر عالم آپ سے ملنے تشریف لائے۔ وہ ایک مدرسے کے مہتمم بھی تھے اور کسی بزرگ کے خلیفہ بھی تھے۔ وہ بڑے باادب اور عاجزانہ طریقے سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ملے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے حدیثِ مسلسل لینے کے خواہاں ہیں۔ بندہ نے سوال کیا کہ حدیث مسلسل بالمحبۃ کیا ہے؟ تو پتہ چلا کہ ایک مرتبہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خوش ہو کر فرمایا: ''اے معاذ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، سب نمازوں کے بعد اللّٰھم اعنی علی ذکرك وشکرك و حسن عبادتك پڑھنا نہ بھولا کرو''۔ یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مسلسل چلتی ہوئی آئی ہے کہ جب کسی شیخ کو اپنے مرید اور شاگرد کے لیے تعلق کی وہ کیفیت محسوس ہوئی ہے تو شیخ نے اس وقت مرید کو حدیثِ مسلسل عطا کی ہے۔ مذکورہ معمر عالم کو آپ نے عطا نہیں فرمائی کیونکہ یہ صرف زبان کے بول نہیں ہوتے بلکہ قلب کی ایک کیفیت ہوتی ہے۔ بندہ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ایک دن حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ مسلسل بندہ کو عطا فرمائی۔ حضرت کے خلیفہ حسن خان صاحب نے بتایا کہ حدیثِ مسلسل انھیں بھی عطا ہوئی ہے اور حضرت مولانا احمد جان صاحب کو بھی عطا ہوئی ہے۔

آپ کا مسلک:

آپ سختی سے علمائے دیوبند کے مسلک کے پابند تھے اور ائمہ مجتہدین (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) کی تقلید کو واجب گردانتے تھے۔ ایک وقت میں ایک امام کی تقلید ہی اشد ضروری ہوتی ہے۔ کوئی مسئلہ ایک امام سے لے لینا، کوئی دوسرے سے لے

لینا، اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ اطاعت نہ ہوئی بلکہ خودرائی اور نفس پرستی ہوئی۔ اس سے زیادہ خطرناک اس بات کو جانتے تھے کہ نہ تو علمی استعداد ہو، نہ فہم ہو اور نہ خوفِ خدا و تقویٰ ہو اور آدمی خود ہی احادیث سے مسائل کا استنباط شروع کر دے۔

ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں رات کو تراویح ہونے والی تھی کہ ڈاکٹر میاں سیّار صاحب سوات سے طویل سفر کر کے تھکے تھکائے حضرت کے ہاں پہنچے۔ انھوں نے بندہ سے کہا کہ اتنا تھکا ہوا اور بے دم ہوں کہ نمازِ عشاء کے علاوہ تراویح پڑھنے کی بالکل ہمت نہیں ہو رہی۔ بندہ نے جواباً کہا: ''اللہ کے بندے کچھ ہمت کرو''۔ اس نے کہا کہ بالکل بے دَم ہوں۔ بندہ نے پھر کہا کہ شروع تو کرو اگر کچھ نہ ہو سکے تو آٹھ رکعت تو کم از کم پڑھ لو۔ اس بات کو ایک ساتھی نے شکایتاً حضرت مولانا صاحب سے کہہ دیا کہ ڈاکٹر فدا نے ڈاکٹر سیّار سے کہا ہے کہ تراویح آٹھ رکعات پڑھو۔ تراویح کے بعد حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آگے بندہ کی پیشی ہوگئی۔ حضرت اگرچہ بہت نرم مزاج تھے لیکن ایسی باتوں پر غصّے کا اظہار فرماتے تھے۔ بندہ کی ڈانٹ ڈپٹ فرمائی اور ترکِ تقلید پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ نیز فرمایا: ''اگر ایک آدمی ایک امام کی تقلید کو چھوڑ کر کوئی مسئلہ دوسرے امام سے لے لے تو اس کی بھی شرعاً یہ سزا ہے کہ اس کے دانت نکالے جائیں''۔

بھانت بھانت کے نئے طریقے جو وجود میں آگئے ہیں اور اپنے آپ کو مسلک دیوبند کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں ان کو آپ پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ اس کے قائل تھے کہ جو آدمی حدیث کا اشتغال طریقۂ حنفی کے مطابق نہ کرتا ہو، بیعت کے سلاسل کا قائل نہ ہو اور جہاد نہ خود کرتا ہو، نہ جہاد کی تائید کرتا ہو وہ دیوبندی نہیں ہے۔ گرد و پیش سے جو مختلف مولوی صاحبان کے جھگڑوں اور فسادات کی خبریں آتی تھیں، ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ کام کرنے والوں نے کسی کی تہہ نہیں کھائی۔ یعنی جس طرح کپڑا استری کی تہہ کھا لیتا ہے تو خوشنما ہو کر پہننے کے قابل ہو جاتا ہے، بھلا لگتا ہے اور ہر کسی کو پسند آتا ہے۔ اس طرح ان حضرات نے اپنی تربیت تو کروائی نہیں اور دینی کام شروع کر کے دوسروں کی تربیت شروع کر دی ہے۔ لہٰذا زمین جائیداد کے جھگڑے اور برادریوں کی چپقلشوں کی بجائے دینی جھگڑے وجود میں آگئے ہیں۔ یعنی نفس نے وہاں کام نہ کیا، یہاں کام کر لیا۔ اور دین کا کام کرنے والے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کواپنے زعم میں تسلی رہی کہ وہ دین کا کام کررہا ہے۔حیاتِ انبیاءعلیہم السلام (بعدِ وصال) کے ردکرنے والوں کوآپ بہت خطرے میں سمجھتے تھے۔

سیاسی زندگی:

یہ زمانہ سیاسی تحریکوں کے زور کا زمانہ تھا۔انڈین نیشنل کانگریس وجود میں آ گئی تھی اور کام کررہی تھی۔اس کی باگ ڈور مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے ہی ہاتھ میں رہی۔جمعیت العلماء ہند جوش وخروش سے کام کررہی تھی۔تحریک خلافت نے ہندوستان کو ہلا دیا تھا۔مسلم لیگ بھی وجود میں آ گئی تھی۔ہر سمجھدار اورحسّاس آدمی کا سیاسی شعور بیدار ہو چکا تھااوروہ کسی نہ کسی جگہ سیاسی طور سے وابستہ ہوگیا تھا۔

حضرت نے فرمایا: ایک دن انگریزوں کی پولیس ہمارے گھر شملہ آ گئی۔ہمارے والد صاحب کے بارے میں پوچھا جوعلاقہ اورمحلہ کی معزز شخصیت تھے۔معلوم ہوا کہ ان کے پاس رپورٹ ہے۔وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتے تھے۔جرم معلوم کیا تو پتہ چلا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کوخط لکھا ہے اور سیاست میں حصہ لیا ہے۔پولیس افسر جوحضرت مولانا کے والد صاحب کا واقف اور مدّاح تھا۔اس نے کہا: اوہو! یہ تو چھوٹا لڑکا ہے اس کا سیاست سے کیا تعلق؟ یوں یہ بلا ٹل گئی۔

ایک دفعہ فرمایا کہ میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ سے خود جا کر ملا اور ہندوؤں کے ساتھ رہ کر کام کرنے کے بارے میں اورمتحدہ ہندوستان کے فارمولے کے بارے میں بحث کی اور دلائل دئے۔ ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ جیسی تاریخ ساز شخصیت کو حیرت ہوئی اور شفقتِ بزرگانہ سے فرمایا: برخوردار! یہ باتیں آپ کے سوچنے کی نہیں ہیں۔ان کا وقت آنے پر بڑے فیصلہ کرلیں گے۔خیر جب مسلم لیگ ترقی کرنے لگی اورحضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے مریدین علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تائید مسلم لیگ کو حاصل ہوئی تو ہندوستان کا دینی ذہن اس طرف متوجہ ہوا۔ان حضرات کا مسلم لیگ پر اتنا احسان تھا کہ جب محمد علی جناح سے لوگوں نے کہا کہ آپ کو علماء کرام کی تائید حاصل نہیں ہے تو انہوں نے جواباً کہا کہ مجھے ایک ایسے عالم (مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کی تائید حاصل ہے، جن کا تقویٰ پورے ہندوستان کے برابر ہے۔علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے محمد علی جناح اتنے ممنونِ احسان تھے

کہ پاکستان کے جھنڈے کی پہلی پرچم کشائی مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مشرقی پاکستان میں علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست ہائے مبارک سے کرائی۔

ان حالات کے پیش نظر گریجویشن کے بعد حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رجحانِ طبع مسلم لیگ کی طرف ہوااور باقاعدہ شمولیت اختیار کرکے سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔اس قدر اخلاص اور جانفشانی سے کام کیا کہ پشاور مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد مسلم لیگ سینٹرل کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔(یاد رہے کہ اس کونسل کے پورے برصغیر سے صرف ستّر ممبر ہوتے تھے) خود فرماتے تھے کہ انگریزوں کے نظام کو فیل کرنے کے لیے انگریزی تنصیبات وعمارات میں دھماکے کرنے کے لیے مسلم لیگ کا ایک گروہ تیار کیا گیا۔بعض اوقات میں دونوں ہاتھوں میں گرنیڈ اٹھائے ہوئے آدھی رات کو اکیلے انگریزی تنصیبات وعمارات کی طرف بڑھ رہا ہوتا تھا۔اس زمانے میں ایک آزاد ریڈیو سٹیشن مسلم لیگ نے شروع کیا جو نو دس میل تک آزاد مملکت پاکستان کے نام سے نشریات نشر کرتا تھا۔یہ ریڈیو سٹیشن بھی حضرت ہی کے گھر پر چلتا تھا۔جب پولیس کا چھاپہ پڑتا تو مکان کی چھت پر چڑھ کر چھت کے راستے دوسروں کے گھر یہ سٹیشن منتقل کردیا جاتا تھا۔

آپ نے کئی مرتبہ یہ واقعہ سنایا کہ کانگریس کی منتخب صوبائی اسمبلی کا اجلاس، موجودہ ہائی کورٹ کی بلڈنگ (جو اس وقت کی صوبائی اسمبلی تھی) میں ہونے والا تھا۔مرکزی مسلم لیگی قیادت کا حکم تھا کہ اس اجلاس کو ہر صورت میں ناکام بنانا ہے۔جب مسلم لیگ جلوس لے کر نکلی تو قلعہ بالا حصار کے قریب جہاں اوپر سے ریل گزرتی ہے اور نیچے عام گاڑیاں چلتی ہیں، جسے عام طور پر پشاور والے 'سُورے پُل' (سوراخ والا پُل) کہتے ہیں، انگریزوں کی پولیس نے سرخ فیتا باندھا ہوا تھا۔اوراس بات کا اعلان ہو رہا تھا کہ جس نے اس فیتے کو پار کیا اس پر گولی چلا دی جائے گی۔چنانچہ جب مسلم لیگ کے جلوس نے اس کو پار کیا تو گولی چلا دی گئی۔دو آدمی شہید ہوئے اور چند زخمی ہوئے۔لیکن اس واقعے نے ہندوستانی سیاست کی کایا پلٹ دی۔یہ واقعہ حضرت نے کئی بار سنایا۔لیکن مجمل۔بندہ کے دل میں خیال آیا کہ اب کے جب آپ یہ واقعہ سنائیں گے تو میں پوچھوں گا کہ پھر وہ فیتا کس کس نے پار (Cross) کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب یہ واقعہ آپ نے سنانا شروع کیا تو بندہ نے سوال کیا کہ حضرت یہ فیتہ کس کس نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کراس کیا تھا اور کیسے کراس کیا تھا؟ تو اس پر فرمایا کہ جب جلوس وہاں پہنچا اور فیتے پر رک گیا تو میں نے نعرۂ تکبیر کہہ کر اس کو کراس کیا۔ ساتھ پیر مانکی شریف (امین الحسنات رحمۃ اللہ علیہ) نے پار کیا۔ ان کے ساتھ ان کے مریدوں نے پار کیا۔ اس پر گولی چلی، ان کے مریدوں میں سے ایک آدمی شہید ہوا اور ایک کے گھٹنے پر گولی لگی لیکن اس واقعہ نے پورے برصغیر میں ہلچل مچادی اور مسلم لیگ کے ساتھ لوگوں کی والہانہ وابستگی ہوگئی، یہاں تک کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ غرض اس طرح تن من دھن قربان کر کے پاکستان کیلئے کام کیا۔ اس سیاسی تگ ودو میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت دین کا کام کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: ''میں ساتھیوں سے مصر ہوا کہ اللہ کے بندو! مسلم لیگ کی رٹ لگاتے ہو۔ کم از کم نماز تو پڑھ لیا کرو، خاص طور سے آج جمعہ ہے آج تو نماز کے لئے چلے جاؤ۔'' اس پر ایک رکن نے جواب دیا: ''مولانا! بات تو نے اچھی کہی آج تو سارے ووٹ مسجد میں ہیں لہٰذا جمعہ کی نماز پڑھنی مفید ہوگی۔'' فرماتے تھے کہ بعض اوقات میں اذان دے دیتا تھا کبھی سردار عبدالرّب نشتر صاحب اور کبھی میں خود نماز پڑھا دیتا تھا۔

اللہ کا فضل ہوا پاکستان بنا تو فرماتے تھے کہ میں نے کونسل سے شرعی نظام کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ ایک لیڈر نے مجھ سے کہا کہ مولانا! تمہیں ریاست لسبیلہ دے دیں گے اس میں تجرباتی طور پر چلا کر دکھا دو۔ مسلم لیگ کو آپ کی خدمات کا پورا احساس تھا اور پوری کونسل آپ کی سرگرمیوں کی معترف اور قدردان تھی۔ چنانچہ پاکستان بننے کے بعد جب قائداعظم محمد علی جناح پہلی مرتبہ پشاور آئے تو سپاس نامہ پیش کرنے کا مسئلہ سامنے آیا۔ مسلم لیگ تین دھڑوں میں منقسم تھی اور ہر دھڑا دوسرے دھڑے کے فرد کے ذریعے سپاس نامہ پیش ہونے سے ناخوش تھا۔ آخر تینوں دھڑوں کا اتفاق آپ پر ہوا چنانچہ آپ نے محمد علی جناح کے سامنے صوبہ سرحد کی طرف سے پہلا سپاس نامہ پیش کیا۔ اخباری تصاویر اس وقت کے مسلم لیگی حضرات کے پاس بندہ نے بھی دیکھی ہیں جن میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سپاسنامہ پیش کر رہے ہیں۔

آپ کی قربانیوں کے پیشِ نظر پاکستان بننے کے بعد آپ کو ہندوؤں کی متروکہ جائیدادوں کی دیکھ بھال اور ان کی الاٹمنٹ کے لیے ان کا سب سے بڑا افسر (custodian) بنایا گیا۔ ایسی پوسٹیں

سیاسی کارکنوں کے لیے بہت زیادہ کشش کا ذریعہ ہوتی ہیں اور پارٹی والے جس پر خاص نوازش کریں اس کو ہی ایسی پوسٹیں دیتے ہیں اور یار لوگ ایسی پوسٹوں سے خوب اپنی تجوریاں بھرتے ہیں لیکن آپ کی فقیر منش طبیعت اور سیر چشم مزاج دوسروں کے لیے تو کیا اپنوں کے لئے بلکہ اپنی ذات کے لیے بھی ناجائز فیصلے کرنے کا روادار نہ تھا۔ اس لیے اس پوسٹ کو خیر باد کہہ دیا۔ باوجودیکہ خواجہ ناظم الدّین، سردار عبدالرّب نشتر اور خان عبدالقیوم خان کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے، اپنی ذات کے لیے کبھی مسلم لیگ یا مسلم لیگی حکومت سے کوئی مالی مفاد نہیں لیا۔

جب تقسیم ہند ہوگئی تو اکثر مسلمانوں نے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی۔ حضرت والا کا خاندان بھی پاکستان منتقل ہوا اور وسیع جائیداد دہلی، شملہ اور دارجلینگ میں رہ گئی۔ فرماتے تھے کہ یہاں Rehabilitation Department میں دعویٰ (Claim) داخل کروا کر ہندوستان کی جائیداد کے بدلے پاکستان میں ہندوؤں کی متروکہ جائیدادیں الاٹ ہو رہی تھیں۔ لیکن اس کے لیے قسم اٹھا کر حلفیہ بیان دینا ہوتا تھا۔ حلفیہ بیان میں آدمی جو Claim (دعویٰ) کرتا تھا اس کا آدھا دے دیا جاتا تھا۔ اس اصول کو جاننے کے باوجود حضرت نے فرمایا کہ بندہ سے دوگنی ملکیت پر قسم نہ ہوسکی۔ نتیجتاً ہندوستان کی جائیداد کے بدلے آدھی جائیداد یہاں ملی اور وہ بھی ۱۹۶۸ء میں ہوسکا جب کہ آپ کے ایک رشتہ دار سیّد یوسف علی شاہ صاحب مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر ہوئے۔

بعد میں آپ کی سیاسی وابستگی جمعیت علماء اسلام سے رہی۔ آپ کے دور میں جمعیت علماء اسلام اپنے پورے جوبن پر تھی۔ جسے مولانا عبداللہ درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے امیر ملے ہوئے تھے، جو حافظ الحدیث ہونے کے علاوہ ایک صاحبِ دل شخصیت تھے۔ پورے ملک میں ان کا سلسلہ بیعت پھیلا ہوا تھا۔ ناظمِ عمومی حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کا بغض فی اللہ، باطل شکن طبیعت اور فقرِ بوذری پورے ملک میں مشہور و معروف تھا۔ تیسری شخصیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو تقویٰ، تفقہ اور فہم وفراست کا مجموعہ تھے۔ اسی دور میں جمعیت نے الیکشن جیت کر صوبہ سرحد اور بلوچستان میں صوبائی حکومتیں بنائیں اور مرکزی حکومت میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ پشاور کے دورے پر ہوتے تو حضرت مولانا کے ہاں تشریف لا کر بیان فرمایا کرتے تھے۔ مجلس محرم ہونے کی وجہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے ایک عجیب ربودگی اور وارفتگی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ ایسے آدمی ہیں گویا ہر وقت عشقِ الٰہی کی بوتلیں چڑھائے ہوئے ہوں۔ حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لاتے تھے۔ جس وقت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد تھے اور انھوں نے مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کو مشاورت کے لیے پشاور بلایا ہوا تھا، یہ وہ دن تھے جب ملک کے وزیر اعظم نے جمعیت کی حکومت کو ناکام بنانے کے لیے علاوہ اور حربوں کے صوبہ سرحد میں چینی کا بحران پیدا کیا ہوا تھا۔ چنانچہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع بھیجی کہ علماء سے ملنے کے لئے تشریف لاویں اور ساتھ چینی بھی لیتے آویں کیونکہ صوبے میں چینی کی قلت کی وجہ سے ہمارے گھر میں بھی چینی نہیں ہے۔ یہ واقعہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بھی لکھا ہوا ہے۔ حضرت درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی کسی جگہ جلسہ کرتے تھے تو جلسے ہی جتنی اہمیت وہاں کے صاحبِ دعا حضرات کے ساتھ رابطے کو بھی دیتے تھے۔ ان حضرات کے بعد یہ بات باقی نہ رہی۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق:

سیاسی سرگرمیوں کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات کے سانحے کا تذکرہ ڈان اخبار میں آیا۔ یہ اخبار اس وقت مسلم لیگ کا آرگن تھا۔ حالات میں لکھا تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ چاروں سلسلوں کے شیخ طریقت بھی تھے، جن سے کثیر خلائق نے فیض پایا اور کئی حضرات ان سے صاحبِ خلافت ہوئے۔ ان کے خلفاء میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی آیا۔ چونکہ مسلم لیگ کی تحریک کے سلسلے میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ دونوں ناموں سے متعارف تھے اس لئے طبیعت اِدھر متوجہ ہوئی۔ ایک دن فرمایا کہ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیرت النبی پڑھ رہا تھا کہ اس میں صفات باری والا باب پڑھتے ہوئے اتنا متاثر ہوا کہ سید صاحب کو دل دے بیٹھا۔

بیعت کے سلاسل میں کہیں وابستگی نہیں تھی۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ سنا ہے کہ

آپ بیعت کرتے ہیں اس لئے مجھے بیعت فرمالیں۔ سید صاحب نے بذریعہ خط بیعت فرمالیا اور بیعت کی ترتیب یوں لکھی کہ جب یہ خط پہنچے دو رکعت پڑھ کر بیعت کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرلیں۔ چنانچہ اس حکم پر عمل کیا اور فرماتے تھے کہ ان الفاظ کو دھراتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا کہ کسی نے میرے سر پر ایک ٹوپی رکھ دی۔ حضرت کو روئیداد لکھی تو انھوں نے فرمایا ''ہاں پہلے زمانے میں جب سلسلہ میں داخل کرتے تو ایک ٹوپی پہنایا کرتے تھے''۔

بیعت سے پہلے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ جو کام مسلم لیگ میں کر رہے تھے وہ خالصۃً امتِ مسلمہ کی خیر خواہی اور مسلمانوں کیلئے ایک آزاد وطن کے حصول کے جذبے سے کر رہے تھے۔ بیعت کے بعد تو کلیۃً اس میدان میں کام آخرت کی نیت سے ہوگیا اور اپنی سرگرمیوں کے بارے میں حضرت سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے رہنمائی لیتے رہے۔ لیکن سیاسی رجحان آہستہ آہستہ دینی رجحان میں بدلنے لگا۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں رہ کر آپ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب کے مطابق جم کر کام کر کے راہِ سلوک طے کی۔ چنانچہ صفائی معاملات اور اس کے بعد فنا و بقا یعنی دفعِ رذائل (کبر، حسد وغیرہ) اور حصولِ فضائل (توحید، توکل، تواضع وغیرہ) کے لئے تفصیلی مجاہدہ کیا جس کے لئے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کئی کئی دن قیام فرماتے رہے اور خطوط کے ذریعے رہنمائی لیتے رہے۔ یہ خطوط آپ کی کتاب شاہراہِ معرفت کی تیسری جلد میں آئے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ چشتیہ طریقے کے اذکار خصوصاً دوازدہ تسبیحات کی ضربوں کی ایسی مشق کئے ہوئے تھے کہ ذکر گویا اعصاب میں رچا ہوا تھا۔

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک سے تعلق:

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری سالوں میں ان کی طرف تبلیغی جماعت والے حضرات کا رجوع ہوا۔ حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادے حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء اور مشائخ کا خاص اکرام فرمایا کرتے تھے، نیز مشاہیر علماء و اہل اللہ کی تبلیغی اجتماعات میں تشریف آوری کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ سید صاحب کی شفقت بھی اس کام کی طرف متوجہ ہوئی۔ سید صاحب اجتماعات میں تشریف لے جا کر تقاریر فرمانے لگے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شیخ کا اثر مرید پر ہوتا ہے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ بھی تبلیغی جماعت کی طرف مبذول ہوئی۔ حاجی ایوب صاحب تانبے کے برتنوں کے تاجر سے بندہ نے روایت سنی کہ ایک جماعت ہندوستان سے پشاور آئی جس میں بڑے درجے کے علماء کرام اور غالباً حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے دو خلفاء بھی تھے۔ یہ جماعت مسجد گنج علی خان میں ٹھہری۔ جمعہ کا دن تھا، گنج علی خان مسجد جو گھنٹہ گھر پشاور شہر کے قریب ہے۔ اس زمانے میں خاکساروں کے قبضہ میں تھی۔ مسلم لیگی اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جمعہ کی نماز میں دیر ہونے کے خطرہ سے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مجبوراً مسجد گنج علی خان میں جانا پڑا جو مسلم لیگ کے دفتر سے قریب ترین تھی۔ جمعہ کے بعد اعلان ہوا کہ باہر سے آئے ہوئے حضرات کچھ دین کی بات بیان کریں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں تشریف فرما ہوئے۔ بیان میں بیان کرنے والے صاحب نے فرمایا کہ اس دور میں تبلیغ کا کام نہ کرنا ایک طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عملی انکار کرنا ہے۔ اس بیان میں آپ نے ایک چلہ تبلیغی جماعت کے ساتھ لکھوایا۔ بقول حاجی ایوب یہ شہرت ہوئی کہ پشاور مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نے چلہ دیا ہے۔ چنانچہ لے جانے کے لیے اس وقت کے پاکستان کے امیر اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص ساتھی شفیع قریشی صاحب تشریف لائے۔ یہ چالیس دن مولانا شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گزرے۔ شاہ صاحب جیّد عالم دین، صاحبِ نسبت بزرگ اور شاہ یٰسین نگینوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ میانوالی کی شدید گرمی میں کچھ دن گزارنے کے بعد کوئٹہ تشریف لے گئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ سخی اور فراخ دستر خوان والی شخصیت تھے۔ بقول حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۹ء میں شاہ صاحب نے جماعت کو خوب کھلایا پلایا اور تقریباً بارہ سو روپے اپنی جیب سے جماعت والوں پر خرچ کیے۔ یاد رہے کہ اس دور میں گندم تقریباً پانچ روپے من ہوتی ہوگی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی جید علمی، ذاکر و شاغل اور فہم و فراست والی شخصیت کی صحبت نے تبلیغی تحریک سے گہری وابستگی پیدا کر دی۔

پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات کا سیاست میں زیادہ کام نہ رہا کیونکہ اب اقتدار ہاتھ میں آنے کے بعد طالع آزما اور مفاد پرست عناصر مسلم لیگ میں آگے بڑھنے لگے۔ متروکہ جائیدادوں کی بندر بانٹ شروع ہوگئی اور سیاست میں جھوٹ اور فریب کا دور دورہ ہوگیا

لہٰذا مولانا صاحب کا دل سیاست سے اچاٹ ہوگیا نیز سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت اور ذکر و اذکار میں مشغولیت باطن کا رخ آہستہ آہستہ موڑتی گئیں۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکومت پاکستان نے آئینی اور قانونی رہنمائی کے لیے پاکستان بلا لیا۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دن رات ایک کر کے قراردادِ مقاصد کے بائیس نکات پر ہر مکتبہ فکر کے علماء کو متفق کیا اور قرارداد کو بطور Resolution قومی اسمبلی سے منظور بھی کروایا لیکن سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو محسوس ہونے لگا کہ ان کی رہنمائی سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا بلکہ سیاسی حضرات ان کا وقت ہی ضائع کر رہے ہیں۔ حکومت نے کوئی معاشی کفالت بھی نہیں کی اور ایسی شخصیت جو پونا کالج کی پروفیسری، ریاست بھوپال کی قاضی القضاۃ (Chief Justice) کی پوسٹ، اعظم گڑھ کے دارالمصنفین جیسے اہم ادارے کو چھوڑ کر محض دینی جذبے سے تشریف لائی تھی، سے فائدہ نہ لیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ حکومت کوشش کرنے لگے کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی اچھی ملازمت دے کر یا راضی دے دلا کر راضی کر دیا جائے لیکن سید صاحب ان باتوں میں آنے والے نہیں تھے۔

ان ساری باتوں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت کو سیاست سے متنفر کر دیا۔ فرماتے تھے: جب سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضری ہوتی تو میں پوری سیاسی روداد سناتا۔ ایک دفعہ بطورِ افسوس عرض کیا کہ حضرت آپ کی مجلس میں ایسے غیر ضروری تذکرے بندہ سے ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: فکر نہ کریں یہ ساری باتیں قے ہو جائیں گی۔ عربی اور فارسی کی مناسبت بچپن سے تھی، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے اس پر اضافہ کیا۔ چنانچہ سید صاحب ہی کے مشورے پر پشاور یونیورسٹی بننے پر شعبۂ عربی کے پہلے طالب علم کے طور پر ۱۹۵۱ء میں باقاعدہ داخلہ لیا۔ اس وقت صدرِ شعبہ ایک مصری پروفیسر تھے۔ ان کی رہنمائی میں نمایاں کامیابی کے ساتھ ایم۔اے عربی کا امتحان پاس کیا اور اپنی پہلی تصنیف، جو ایم۔اے عربی کے امتحان کیلئے مقالہ (Desertation) کے طور پر پیش کی گئی، لکھی۔ یہ انگریزی میں Early Indo-Arab Relations کے نام سے ہے۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد ایم۔اے فارسی پنجاب یونیورسٹی سے کر لیا۔ اس اثناء میں آپ کا تبلیغی انہماک بہت بڑھ گیا اور اس کے لیے آپ نے دن رات ایک کر دیا۔ دور دراز کے سفر فرمائے۔ روزانہ بیس بیس میل پیدل سفر کر کے صوبہ سرحد بالخصوص اور باقی ملک میں بالعموم کام کیا یہاں تک کہ پوری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

زندگی رائیونڈ میں صرف کرنے کی نیت کر لی۔ اہلِ مشورہ حضرات نے مشورہ کرنے پر طے کیا کہ قابل اورنوجوان شخصیت ہیں، اگر کسی کالج میں پروفیسر ہوجائیں تو وہاں طلباء کو بہت زیادہ متاثر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس مشورہ پر اسلامیہ کالج شعبۂ عربی میں استاد (Lecturer) مقرر ہوئے۔ یہاں سے آپ نے اسلامیہ کالج اور پشاور یونیورسٹی میں خاص طور سے جبکہ پشاور شہر اور مضافاتِ پشاور میں عام طور سے تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں تبلیغی اکابر کا اتنا اعتماد حاصل ہوا کہ پشاور مرکز کے امیر مقرر ہوئے، آپ کی امارت تقریباً پچیس سال رہی۔ اس وقت کے کالجوں میں دینی لوگ اور خصوصاً اسلامیات والے حضرات ایک Apologetic (معذرت خواہانہ) زندگی گزار رہے تھے جن کے نزدیک اس ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر یہاں کے لوگوں کی طرح لباس ووضع قطع اختیار کر کے ان کی لایعنی گپ شپ میں شامل ہونا بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ اس طبقے کے بعض افراد کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے انتظامیہ کے کان بھرے کہ یہ شخص طلباء کا وقت ضائع کر رہا ہے چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ میری ان سرگرمیوں کو روکنے کے لیے ایک پرنسپل صاحب نے اتنی کلاسیں دیں کہ پورا دن مصروف کر دیا۔ بلکہ ایک موقعہ پر بیک وقت ایک کلاس عربی کی تھی اور ایک فارسی کی۔ فرمایا کہ میں پرنسپل صاحب سے ملا اور عرض کیا کہ ایک آدمی ہوتے ہوئے میں بیک وقت دو کلاسیں کیسے لوں تو وہ صاحب، جو بہت زیادہ سائنسی علوم کے مطالعہ اور تحقیقی سرگرمیوں سے ذہنی توازن پوری طرح بحال نہیں رکھ سکے تھے، فرمانے لگے: I don't know, you will have to manage it. (مجھے کچھ خبر نہیں آپ کو نبھانا ہوگا)۔ اس زمانہ میں اسلامیہ کالج کی مسجد کے صحن کے درمیان میں ایک حوض (تالاب) ہوتا تھا۔ بعض حضرات نے طلباء سے کہا کہ اگر یہ یہاں تبلیغ کے لیے آئے تو اسے تالاب میں پھینکا جائے۔ فرماتے تھے کہ اس مخالفت کی وجہ سے طلباء کو یونیورسٹی سے باہر ایگریکلچر ٹریننگ انسٹیٹیوٹ (ATI) کی مسجد میں جمع کرتے اور وہاں بیان کیا جاتا۔ یا اپنے گھر پر جمع کرتا اور پردے گرا کر بیان کیا جاتا۔ ان دنوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ جرمنی کا تبلیغی سفر کر کے واپس تشریف لائے تھے پرنسپل سے ہاسٹلوں میں جا کر طلباء کو جرمنی کے حالات سنانے کی اجازت مانگی، انہوں نے اجازت دے

دی، اس بہانے طلباء سے رابطہ ہوتا گیا اور طلباء مناسبت محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ طلباء حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اور مسجد کے بیانوں میں آنے لگے۔

ایک دن ایک اسرار نامی طالب علم (حالیہ پروفیسر آرکیالوجی) نے جوش میں آ کر کہا: 'حضرت مولانا صاحب آپ یہاں اسلامیہ کالج کی مسجد میں بیان فرمائیں۔ ہم دیکھتے ہیں کوئی مائی کا لال آپ کو روک لے۔ چنانچہ اسلامیہ کالج کی مسجد میں بیان شروع ہوا۔ فرماتے تھے کہ جب سے اسلامیہ کالج بنا ہے اس کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حضرت نے کچھ طلباء کو ساتھ لے کر اعتکاف فرمایا اور یوں اعتکاف کی متروکہ سنتِ مطہرہ اس ماحول میں زندہ ہوئی۔ ایک بار بلال مسجد پشاور یونیورسٹی اور ایک بار رائیونڈ کی مسجد میں بھی اعتکاف فرمایا۔ پشاور شہر، مضافاتِ پشاور اور یونیورسٹی میں تبلیغ کا مقامی کام کرنے کے علاوہ آپ نے پورے ملک میں لمبے لمبے سفر کئے۔ فرماتے تھے کہ بعض اوقات بیس بیس میل پیدل چلا ہوں، جب ٹانگوں کی معذوری شروع ہوگئی تو بعض اوقات گدھے اور ٹٹو کی پیٹھ پر بیٹھ کر بھی دور دراز دیہات میں تبلیغی جماعت کے ساتھ پہنچتا رہا۔ معذوری سے پہلے فلسطین، ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا اور جرمنی کا بیرونی سفر بھی کیا۔ آپ کا یہ سفر ۱۹۵۶ء میں ہوا، سفر میں حضرت مولانا ظاہر شاہ رحمۃ اللہ علیہ، میاں محمد انور صاحب (فیصل آباد) اور ضیاء الاسلام صاحب (مشرقی پاکستان) ہمراہ تھے۔

۶۷-۱۹۶۶ء میں جبکہ خواجہ معروف مسجد (تبلیغی مرکز) میں شبِ جمعہ کا کل مجمع تقریباً چھ سو ہوتا تھا اس میں دو سو کی تعداد اسلامیہ کالج اور پشاور یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ کی ہوتی تھی۔ باقی چار سو افراد پشاور شہر اور مضافات کے ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اسلامیہ کالج سے پہلی جماعت جب وصول ہوئی تو اس کو رائیونڈ رخصت کرنے کے لیے پنڈی تک ان کے ساتھ گیا۔ اس جماعت میں ایک طالبعلم احمد گل وزیر بھی گیا، جس کے اخراجات بھی بقول حاجی احمد خان حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہی برداشت کئے۔ احمد گل کو تبلیغ کا انہماک نصیب ہوا۔ موصوف نے ایک دفعہ خود بندہ سے کہا کہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ٹانگیں چلنے سے کمزور ہوگئیں تو میں نے سائیکل چلانا سیکھا تاکہ انھیں بیانات کے لیے سائیکل کے کیریئر پر بٹھا کر لے جا سکوں۔ احمد گل کو آپ نے اپنے ساتھ طالبعلمی کے زمانے میں ہی خود اخراجات دے کر حج کروایا۔ احمد گل صاحب نے زراعت میں B.Sc کی لیکن اتفاقاً

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ڈویژن تھرڈ آ گئی۔تبلیغ والے حضرات چاہتے تھے کہ ان کو زرعی کالج میں ہی ملازمت مل جائے لیکن یونیورسٹی کے قواعد وضوابط کے مطابق تھرڈ ڈویژن کو ملازمت نہیں مل سکتی تھی۔اس وقت زرعی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر شمس الاسلام صاحب تھے جو حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد تھے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ اس لڑکے کو ضرور ملازمت میں لینا ہے۔اس پر ڈاکٹر شمس الاسلام نے ایک تفصیلی نوٹ لکھا اور اس میں یہ نکتہ لکھا کہ ڈیمانسٹریٹر کی پوسٹ پر اگر فرسٹ ڈویژن B.Sc آئے تو وہ ٹھہرتا نہیں ہے جس کے نتیجے میں ہمارے پاس ہر وقت نئے آدمی آتے رہتے ہیں چنانچہ ان پوسٹوں پر ٹرینڈ آدمیوں کی کمی ہوتی ہے۔اس لیے اگر تھرڈ ڈویژن کو لے لیا جائے تو وہ کہیں جائے گا نہیں، ہمارے پاس رہ کر ٹرینڈ ڈیمانسٹریٹر بنے گا۔اس نکتہ پر یونیورسٹی نے احمد گل صاحب کو ملازمت دے دی۔ملازمت میں آنے کے بعد حاجی احمد گل صاحب پشاور مرکز کی شوریٰ کے رکن ہوئے۔

ایک طالبعلم شاہد کو چلہ کے لیے وصول کیا۔ان کے والد حکیم حامد سنجیدہ آدمی تھے جو اپنے بیٹے کو اکیلے دور کے سفر پر نہیں چھوڑتے تھے۔حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خط لکھ کر ان کے لیے اجازت حاصل کی۔شاہد صاحب بھی ملازمت میں آنے کے بعد تبلیغی مرکز میں شوریٰ کے رکن ہوئے۔

ایک نوجوان جن کا نام شماس گل اسی دور میں تبلیغی تحریک سے وابستہ ہوئے۔یہ دینی کتابیں بھی پڑھے ہوئے تھے۔موصوف خوب تبلیغی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔بعد میں انھوں نے اپنا نام تبدیل کر کے شمس الحق رکھا۔اندرون ملک اور بیرون ملک کے کئی تبلیغی سفر کئے۔یہ بھی مرکز کی شوریٰ کے رکن مقرر ہوئے۔اس طرح مرکز کی شوریٰ کے آدھے افراد گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے تبلیغ میں لگے۔

سالانہ چلے کے دوران بعض اوقات رائیونڈ سے ایسے علاقوں میں تشکیلیں ہوئیں جہاں تبلیغ والوں کو بریلوی حضرات کے ہاتھوں سخت رکاوٹ اور مشکلات کا سامنا ہوتا تھا۔ایسے علاقوں میں جب حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ شانِ رسالت بیان فرماتے تو مخالفین علماء نرم پڑ جاتے اور ان کے عوام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ایک بار بندہ کی جماعت کی وجہ سے باٹا پور لاہور کے علاقے سے دو بریلوی علماء رائیونڈ آئے۔ان کی آمد پر رائیونڈ میں صبح کا بیان حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طے ہوا۔بیان میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر بیان کیا۔بیان ایسا ہوا کہ

بریلوی علماء نے اپنے حلقوں میں کم ہی اس طرح کا بیان سنا ہوگا۔

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہو گیا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تجدیدِ بیعت اور تکمیلِ سلوک کی فکر دوبارہ دامن گیر ہوئی۔اس سلسلے میں دعائیں اور استخارے شروع کئے۔خواب میں اشارہ ہوا کہ پشاور سے چالیس میل کے فاصلے پر مقصود حاصل ہوگا۔بیدار ہونے پر آپ نے سوچا تو پشاور یونیورسٹی سے تقریباً چالیس میل دور اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ الجامعہ الاسلامیہ میں مدرس تھے،ان کا خیال آیا۔ان کی خدمت میں حاضری دی لیکن بیعت کی نوبت نہ آئی۔کچھ عرصہ بعد شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی سلسلہ میں کوہاٹ تشریف لائے۔حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹۴۹ء میں حضرت دعا جو رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بلوچستان میں چلہ کا سفر اکٹھا ہوا تھا،اس لئے ان سے پورا تعارف تھا۔کوہاٹ حاضری ہوئی تو حضرت مولانا کو اپنا خواب یاد آیا اور کوہاٹ پشاور سے چالیس میل ہے۔چنانچہ بیعت کی درخواست کی جس کے جواب میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً بیعت فرما لیا۔شاہ عبدالعزیز صاحب دعا جو رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے تعلق رکھتے تھے۔شاہ یٰسین نگینوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔شاہ نگینوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے منسلک تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے زمانے سے ہی ساری زندگی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کے لئے وقف کر دی تھی۔پاکستان بننے کے بعد پاکستان منتقل ہوئے اور تین جھونپڑے ڈال کر رائیونڈ کا مرکز شروع کیا۔کچھ عرصہ بعد ٹنڈو آدم منتقل ہوئے۔وہاں ایک دوسرا مدرسہ اور تبلیغی مرکز بنایا، وہیں وفات اور تدفین ہوئی۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت میں آپ ایسے وقت آئے جب کہ تربیت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل ہو چکی تھی لیکن سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی وجہ سے خلافت نہیں ہو سکی تھی۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ مجھ سے بیعت ہوئے ہو لیکن ہو سلیمانی ہی۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۶۲ء میں خلافت ملی۔خلافت کا قصہ خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی یوں سنا کہ ٹنڈو آدم میں اجتماع تھا جس کے لئے رائیونڈ کے اکابر شفیع قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ و دیگر تبلیغی علماء جمع تھے۔ایک دن اور ایک رات بیانات ہوئے لیکن لوگوں نے تبلیغی چلے کم لکھوائے۔آخری شب کا بیان مجھ سے کرایا جس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پر بہت زیادہ نام لکھوائے گئے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے، باقی اکابر کو رخصت فرمایا لیکن مجھے روک لیا اور دستار خلافت و دیگر تبرکات عطا فرمائے۔ اس دور میں تبلیغی تحریک میں کچھ لوگ جن کی سلوک و طریقت سے زیادہ مناسبت نہیں تھی اور تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے راہِ طریقت کو نقصان دہ سمجھتے تھے معترض ہوئے کہ ایک نوجوان کو خلافت دے دی۔ اگرچہ عمر اس وقت سینتیس سال تھی لیکن تقریباً پچاس سال تک اکثر بال داڑھی کے کالے تھے اور نوجوان نظر آتے تھے۔ خلافت ملنے کے بعد تبلیغی کام اور سلوک و طریقت دونوں کی گاڑی کو کھینچنے کا دور شروع ہوا اور ذاتی اعمال یعنی تہجد و نوافل ذکر و تلاوت میں انہماک حد سے بڑھ گیا۔ اس کثرت سے جہری ذکر کیا ہوا تھا کہ بے اختیار زبان مبارک سے اللہ کا نعرہ اس زور سے نکلتا تھا کہ مجمع پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور حاضرینِ مجلس اپنے قلب اور اعصاب میں ایک کھلبلی سی محسوس کرتے تھے۔ بیان، ذکر اور نعت خوانی میں یہ نعرہ زیادہ بلند ہوتا۔ دورانِ نعت خوانی اس زور سے نعرہ اللہ یا اِلا اللہ نکلتا کہ یوں محسوس ہوتا تھا گویا لنٹر والی چھت اُڑ جائے گی۔

ایک دفعہ کچھ نوعمر طلباء بیٹھے ہوئے تھے، بندہ بھی حاضر خدمت تھا، برادر معظم سید مسرت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: حضرت یہ ذکرِ قلبی کیا ہوتا ہے؟ حضرت نے مزاحاً فرمایا: تمہیں سناؤں! سب نے کہا: سنائیں۔ سب قریب ہوئے۔ حضرت نے زبان مبارک بند فرمائی اور اللہ اللہ کہنا شروع فرمایا۔ جہاں لطیفہ قلب ہوتا ہے وہاں سے گھڑی کی طرح ٹک ٹک کی آواز آنا شروع ہوگئی، جو بندہ نے خود سنی۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح ہمیں سنایا تھا۔ پھر فرمایا کہ یہ ذکرِ قلبی نہیں ہے۔ یہ محض کثرتِ ذکر اور مشق کا ایک اثر ہے جو بدن پر مرتب ہوتا ہے۔ ذکرِ قلبی یہ ہے کہ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے، بولتے تولتے، سنتے سناتے، لکھتے لکھاتے غرض ہر حال میں دھیان چھا جانا کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور یہ دھیان گناہوں سے روک لے اور نیکی پر جما دے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ پہلے حج کے دوران نقشبندیہ سلسلے کے فیض کی خاطر مدینہ منورہ میں حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حاجی غضنفر صاحب سناتے ہیں کہ مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے کسی مرید کے قلب کی طرف انگلی سے اشارہ فرماتے تو مرید کو یوں محسوس ہوتا کہ گویا دل اللہ اللہ کر رہا ہے۔ جب وہ

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کی طرف اشارہ کرتے تو حضرت کی زبان سے زور سے بے اختیار اللہ کا نعرہ بلند ہوتا۔ حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت کی اجازت حاصل تھی۔

آپ کے مواعظ اور آپ کی مجالس:

تبلیغی اجتماعات اور چلوں کے لیے دور دراز کے سفر اور یونیورسٹی کے ہاسٹلوں میں ہفتہ وار دو تین تقریریں، نیز پشاور شہر اور دیہات میں آمد و رفت بلاناغہ ہوتی رہی۔ سلوک و طریقت کے سلسلہ میں روزانہ عصر تا عشاء مجلس گھر پر ہوتی تھی۔ اس مجلس کا حال سننے کا نہیں دیکھنے کا ہوتا تھا۔ جس جوش و خروش، سوز و گداز، رقتِ قلبی، گہرے علوم و معارف کا مظاہرہ اس مجلس کا خاصہ تھا۔ دیوبند والوں کے علوم، حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے معارف اور چشتی سوز و گداز کا ایک بہتا دریا ہوتا تھا۔ مضامین کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ محققین بغیر تسلیم کئے نہیں رہ سکتے تھے کہ یہ عقلی و نقلی علوم نہیں ہیں بلکہ وہبی اور قلبی علوم ہیں۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

ترجمہ: اس کا بول درحقیقت اللہ کا بول ہوتا ہے اگرچہ وہ بندہ کے حلق سے ادا ہو رہا ہوتا ہے۔

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری

حاضرینِ مجلس کسی طرف غور نہیں کر سکتے تھے بلکہ ہمہ تن گوش حضرت میں گم ہو جاتے تھے۔

میں میں نہ رہوں تُو تُو نہ رہے
اِک دوسرے میں کھو جائیں

کا منظر ہوتا تھا۔ بطورِ ڈاکٹر بندہ کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ شخص بیان نہیں کر رہا بلکہ اپنے آپ کو جلا رہا ہے اور پگھلا رہا ہے اور اک شعلۂ جوالہ سے مجلس کو روشن کر رہا ہے اور دل کے ٹکڑے بکھیر رہا ہے۔

من قاش فروشِ دلِ صد پارہ ہستم

ترجمہ: میں سو حصوں میں تقسیم شدہ دل کے ٹکڑے فروخت کر رہا ہوں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دورانِ بیان اللہ تعالیٰ کا نام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آنے پر آپ کی زبان سے جذبات میں ڈوبا ہوا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ اسے حاضرینِ مجلس اپنے بدن اور اعصاب پر برقی رو (electric current) کی شکل میں محسوس کرتے تھے۔ اس کیفیت کو بارہا بندہ نے بھی محسوس کیا۔ ایک مرتبہ مفتی رفیع عثمانی مدظلہ ومولانا عبدالرحمان اشرفی رحمۃ اللہ علیہ حاضرِ مجلس تھے، حضرت نے اُن پر توجہ فرمائی۔ بندہ نے محسوس کیا کہ ایک تپش حضرت سے اٹھی جو ہر دو حضرات پر گری، ان سے بندہ پر آئی اور یوں محسوس ہوا کہ کمرہ کی دیواروں تک تپش پہنچ رہی ہے اور اس سے دل میں ایک رقت وسوز وگداز کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ اس پر مولانا عبدالرحمان اشرفی نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

ساقی تیرا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ مے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

اس شعر پر بندہ کو احساس ہوا کہ مولانا اشرفی نے بھی اس کیفیت کو محسوس کیا۔ ؎

فقیہ شہر نے تہمت لگائی ساغر پر
یہ شخص درد کی دولت کو عام کرتا ہے

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر ایک مجلس کے بارے میں بندہ کے بھتیجے مشتاق احمد نے بتایا کہ دورانِ دعا ایک تپش حضرت سے اٹھ کر پوری مجلس پر گری اور دیواروں تک پھیلتی ہوئی اس نے محسوس کی۔ ڈاکٹر حضرات اس بات کو جان سکتے ہیں کہ اس قدر ذوق وشوق، جوش وخروش اور سوز وگداز سے جو آدمی بات کرے تو اُس کے کتنے زیادہ بدنی عروق (Hormones) کا اخراج ہوتا ہے۔ واقعی ایسا آدمی اپنے آپ کو جلا رہا ہوتا ہے۔

کسی لمحے تو مجلس کا یہ رنگ ہوتا تھا کہ آدمی مارے جوش کے بلا اختیار ایک نعرہ لگا کر چھلانگ لگانے کے قریب ہو جاتا تھا۔ کبھی مارے سوز کے آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ ایسا نفیس، حسین اور معیاری مزاح بھی بیان میں شامل فرما دیتے تھے کہ مجلس تبسم ریز اور زعفران زار ہو جاتی تھی۔

شروع دور میں مضامینِ توحید زیادہ ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر مجلس میں شریک ہونے کے بعد اللہ کے غیر کی اہمیت اور خوف دل سے ایسے نکلتا تھا کہ غیر اللہ پر کاہ بھی نظر نہیں آتا تھا اور باطن اللہ تعالیٰ کی طرف

ایک کشش اور ایک وابستگی محسوس کرتا تھا۔ توحید کے صلہ میں توکل اور اخلاص کی ایک موج آتی محسوس ہوتی تھی۔ توحید کے سلسلے میں علاوہ اور اشعار کے کبھی کبھی مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

آخری دور میں مجلس میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرے زیادہ ہونے لگے تھے۔ اس کیفیت کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ نامی لیتے اور تذکرہ فرماتے تھے کہ مجلس میں سوز وگداز وعشق ومستی کی لہریں اور لپٹیں پھیلتی اور بکھرتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ بالِ جبریل کے یہ نعتیہ اشعار:

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکت سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمالِ بے نقاب

پڑھتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا۔ ایک فارسی نعتیہ شعر ؎

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیز دیگری

ترجمہ: دنیا جہان میں پھرا، بتوں کی محبت کو آزمایا، بہت حسینوں کو دیکھا لیکن تو تو کوئی اور ہی چیز ہے۔

بس یوں محسوس ہوتا کہ:

اک ہوک اُٹھے میرے سینے سے آئے پیغام مدینے سے
سرکار کرم کی بھیک ملے میں سائل ہوں تو داتا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(انما انا القاسم واللہ یعطی)

مجلس میں جب کبھی نعت خوانی ہوتی تو پوری مجلس پر ایک بے خودی اور وارفتگی طاری ہوجاتی کہ یادِ مدینہ اور حضور پُرنور ﷺ کی یاد میں ہوش وحواس گم ہوتے محسوس ہوتے اور چشتیہ حضرات کا وجد وہُوحق قابل دید ہوتا تھا۔ایک ہی مجلس تعلق مع اللہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کافی ہوتی تھی۔ موت وآخرت کو اس ذوق وشوق سے بیان فرماتے تھے کہ بے ساختہ محسوس ہوتا تھا۔

مزہ جو مرنے کا عاشق کبھی بیاں کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

اکثر موت کے سلسلہ میں اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ شعر پڑھتے۔

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے؟ سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں، کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

فرماتے تھے کہ قبر میں جو پہلے سوال وجواب کے وقت جنابِ رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوگا، اتنی بڑی دولت ہے کہ اس پر جان قربان ہوجانا سستا سودا ہے۔کبھی ایک آہ کے ساتھ یہ شعر پڑھتے۔

خرم آں روزکزیں منزلِ ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم و سوئے جاناں بروم

ترجمہ: وہ کیا خوشی کا دن ہوگا جب ویران منزل (دنیا) سے جائیں گے، جان کی راحت پائیں گے اور جانان کی طرف چلے جائیں گے۔

مجالس کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا تھا۔

نہیں فقرو سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپاہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

آپ کے علوم قدیم وجدید کا سنگم تھے، سلف صالحین اور خیرُ القرون سے سرِ مو تجاوز نہیں فرماتے تھے۔لیکن جدید سائنسی علوم سے اپنے آپ کو پورا باخبر رکھا ہوا تھا اور جدید عمرانی علوم (Social

Sciences) پر بھی دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ آپ کا بیان اور تحریر ان ساری باتوں کو بطریق احسن اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتے تھے۔جدید وقدیم تاریخ سے پورے باخبر تھے اور گذشتہ پچاس سال کے عالمی سیاسی اتار چڑھاؤ گویا آپ کی نگاہ کے سامنے تھے۔جنگِ عظیم دوم کے واقعات تو تاریخ وار ازبر تھے۔ یہ تجربات جب آپ کی تحریر وتقریر میں آتے تھے تو اس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صلابتِ رائے اور مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کا جوش وخروش جھلکتا محسوس ہوتا تھا۔

تبلیغی سلسلے میں آپ کے بیانات رائیونڈ کے اجتماع، مختلف اجتماعات اور پشاور کے شب جمعہ میں ہوتے تھے۔تھوڑی دیر میں آدمی محسوس کرنے لگتا تھا کہ آپ پورے مجمع کو ہوا میں اڑا رہے ہیں اور عالمِ ملکوت کی سیر کروا رہے ہیں۔ایک دفعہ خوازہ خیلہ علاقہ سوات میں اجتماع ہو رہا تھا۔حضرت کے بارے میں پشتو میں بیان کرنے کا طے ہوا۔باوجود مومند پٹھان ہونے کے، ہندوستان میں قیام کی وجہ سے پشتو اچھی طرح نہیں بول سکتے تھے۔خود فرماتے تھے: ''جن بزرگوں کے پاس بیٹھا اٹھا ہوں ان کا فیض اردو میں تھا وہ اردو میں ہی وارد ہوتا ہے۔'' اس بناء پر آپ پشتو میں بتکلف بیان فرما رہے تھے۔ بندہ اجتماع میں شامل تھا۔ بندہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا گویا ایک ٹھنڈی اور نرم لہر ہے جو نرم سفید بادل کی طرح اُن کی طرف سے آرہی ہے اور بندہ پر گر رہی ہے۔دل میں خیال ہوا کہ چونکہ ہمارا ان سے تعلق ہے اس لیے یہ محسوس ہو رہا ہے۔بندہ بیان کے خاتمے پر باہر نکلا تو دو آدمی بڑی عمر کے پشتو میں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ان میں سے ایک صاحب حاجی حاجت خان شنواری دوسرے آدمی سے پشتو میں کہہ رہے تھے کہ اس آدمی کے بیان میں تو عجیب بات تھی، اس سے کوئی چیز اٹھ اٹھ کر ہم پر گر رہی تھی۔ پھر وہ کہنے لگا: دراصل یہ ذاکر آدمی ہے، یہ کثرت ذکر کے اثرات تھے جو اس کے بیان میں تھے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک مرید مولوی عبدالغفور صاحب صدہ (کرم ایجنسی) والوں سے ملاقات ہوئی۔فرمانے لگے: ''میں پشاور میں دینی مدرسے کا طالبعلم تھا۔اتفاقاً شبِ جمعہ پر مسجد خواجہ معروف چلا گیا جو تبلیغی جماعت کا مرکز تھا، حضرت مولانا کا بیان سنا، ایسی کشش ہوئی کہ ہمیشہ شب جمعہ میں آکر بیان سننے کا معمول بنا لیا جس کی وجہ سے دورۂ حدیث کرنے کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ علماء کا نصاب پورا کر کے ہمیشہ کے لیے اس مبارک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کام کے ساتھ وابستگی پیدا ہوگئی۔‘‘

شب جمعہ کے بیانات کی وجہ سے کئی لوگوں کی زندگیاں بدلیں اور ہمیشہ کے لیے تبلیغی تحریک کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔تبلیغی بیانات کے علاوہ مختلف موقعوں اور مجمعوں میں آپ کے بیانات ہوتے رہے۔ان بیانات پر کٹر تبلیغی حضرات اعتراض بھی کرتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ تبلیغی آدمی کا ایسے مواقع پر جا کر بولنا اپنی قوت کو ضائع کرنا ہے۔لیکن ان بیانات نے بھی انمٹ اثرات چھوڑے۔ پروفیسر سحر گل صاحب جو محکمہ تعلیم میں فارسی کے پروفیسر ہیں نے بتایا کہ اکاؤنٹنٹ جنرل آفس والوں نے اپنے ادارے میں سیرت کا جلسہ منعقد کیا جس میں مولانا عبدالقدوس صاحب فاضل دیوبند وصدر شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی، مولانا سعیدالدین شیرکوٹی فاضل دیوبند ومقرر ریڈیو پاکستان پشاور اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدعو تھے۔تیسرے نمبر پر حضرت مولانا نے تقریر فرمائی جو بالکل منفرد تھی اور جذبۂ عمل ابھار رہی تھی۔ پروفیسر صاحب نے پوچھا کہ ان کی تقریر پھر کہاں سننا میسر ہوگی۔ پتہ چلا کہ تبلیغی مرکز مسجد خواجہ معروف میں شبِ جمعہ کے اجتماع میں ان کی تقریر ہوتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے مولانا صاحب کی تقریر سننے کے لیے آمدورفت شروع کردی جس کے نتیجے میں زندگی مکمل بدل گئی اور ہمیشہ کے لیے تبلیغ کے مبارک کام سے وابستگی ہوگئی۔

حکیم محمد سعید صاحب شہید کا ادارہ ہمدرد وقف ماہوار دینی تقاریر کا بندوبست کرتا تھا۔یہ تقاریر فائیو سٹار ہوٹلوں میں ہوتی تھیں جن میں بڑے اونچے طبقے کے لوگ مدعو ہوتے تھے۔اس طبقے کو عام دینی مواقع جو مساجد یا دینی اجتماعات میں مل سکتے ہیں میسر نہیں ہوتے تھے۔ان تقاریر کے ذریعے اس طبقے تک دین کی بات پہنچی۔اس طبقے کے لوگ حضرت سے بیعت ہوئے اور ان کی زندگیاں بدلیں۔

پاکستان رورل اکیڈمی پشاور میں سارے ملک کے پی۔سی۔ایس افسران کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ اکیڈمی نے ان حضرات کے سامنے مختلف دینی موضوعات پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی بیانات کروائے جن سے اس طبقے کی دینی ذہن سازی میں نمایاں کردار ادا ہوا۔

حکومت صوبہ سرحد ایک سیرت کا پروگرام منعقد کرتی تھی جس میں گورنر، وزیراعلیٰ اور وزیر مذہبی امور ہوتے تھے۔ان میں کئی مواقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تقاریر ہوئیں۔

ایک دفعہ آزاد کشمیر کی حکومت کی دعوت پر مظفرآباد میں ایک نمائندہ سرکاری مجمعے میں مولانا عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات ہوئے۔مجمعے میں سے ایک وکیل نے بہت کرخت اور دل آزار سوال کر ڈالا کہ اسلام میں وحشیانہ اور بہیمانہ سزائیں کیوں رکھی گئی ہیں؟ مولانا عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ فیڈرل شریعت کورٹ کے جج بھی رہے لیکن انھوں نے جواب دینے کے لیے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو کہا۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر فی البدیہہ تقریر فرمائی۔تقریر کے خاتمے پر مولانا عبدالقدوس صاحب نے فرمایا: ’’مولانا آپ کا جواب صرف علمی نہیں تھا بلکہ الہامی تھا۔‘‘ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ تقریر بہت پسند آئی۔انھوں نے اس کا عربی ترجمہ کروا کے مجلہ الداعی میں چھپوایا۔ چنانچہ باہر ممالک سے حضرت کو مبارکباد کے خطوط آتے رہے۔

ایک مرتبہ اہل تشیع نے پشاور یونیورسٹی کے کانوکیشن ہال میں یومِ شہیدِ کربلا منانے کی اجازت حاصل کر لی ان کو یہ اجازت اس صورت میں ملی کہ اس میں ایک تقریر حضرت مولانا کی ہو۔ان کے ذاکر نے بہت قافیہ بندی کی اور اشعار، لے اور سُر کا سہارا لے کر جذبات کو ابھارنے اور اچھالنے کی بہت کوشش کی لیکن جب حضرت مولانا نے سادہ اور پرخلوص انداز میں حقائق کو بیان کیا اور شعر

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حُسین ابتداء ہے اسماعیل

پڑھا تو شیعہ مجمع جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔

حضرت کی مجالس اور بیانات پر وفیسر سراج صاحب، پروفیسر شیر حسن صاحب اور پروفیسر میر حاتم صاحب نے لکھی ہیں۔اصحابِ تحریر نے اخلاص کے ساتھ پوری کوشش فرمائی ہے لیکن اردو کے اہلِ زبان نہ ہونے کی وجہ سے مذکر مؤنث کی پابندی نہیں ہوسکی، فارسی وار دو کے کئی اشعار رہ گئے ہیں نیز یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ مقرر کے جذبات قلب بند تو ہو سکتے ہیں لیکن قلم بند نہیں ہو سکتے۔اس سب کے باوجود پروفیسر شیر حسن صاحب یا پروفیسر میر حاتم صاحب جمعہ کی مجلس میں یہ بیانات پڑھ کر سناتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے۔اور بے ساختہ زبان پر آتا ہے:۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خدا جانے مجھے ساقی نے کیا دے کر پلایا ہے
وہ کب کا جا چکا لیکن نظر آتا ہے محفل میں

یا یہ شعر صفحہ خیال پر گذرتا ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

واضح رہے کہ اس شعر میں 'گویا' کے معنی 'بولتا ہوا' لئے جائیں۔ ان بیانات کو صاف کر کے شائع کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ ایک دو مجموعے شائع بھی ہو گئے ہیں۔

ابتلائیں اور آزمائشیں:

۱۹۶۲ء سے سخت آزمائشوں کا دور شروع ہوا۔ حدیث شریف میں ہے:

انّ اشدّ النّاس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔

سب سے زیادہ آزمائشیں اور بلائیں انبیاء علیہم السّلام پر آتی ہیں۔ پھر جو ان سے قریب ہے پھر جو اُن سے قریب ہے۔ چنانچہ یہ بلائیں شروع ہوئیں، جن میں خود اپنے ساتھیوں کی مخالفت، ظاہر بین نام نہاد علماء اور نام نہاد گدی نشین حاسدین کی مخالفتیں، بدنی بیماریاں، جنّات کی مقابلہ آرائیاں اور مخالفین کے سحر وغیرہ طرح طرح کے نامساعد حالات آتے رہے۔ ان کو یکے بعد دیگرے بندہ بیان کرتا ہے۔

بیماریاں:

ایک جان لیوا بیماری (Progressive Muscular Dystrophy) جو فالج کی طرح کی بیماری ہے اس بیماری میں ٹانگوں یا بازوؤں کے پٹھے نیز بدن کے دوسرے حصوں کے پٹھے کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بیماری تقریباً ۱۹۵۴ء میں شروع ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ ایک شدید بخار بنا۔ اس بخار کے دوران معمولات اور وضو وغیرہ میں ٹھنڈے پانی کا استعمال کرتے ہوئے بجائے رخصت کے عزیمت کی راہ اختیار کی۔ اس بیماری کی وجہ سے آہستہ آہستہ ٹانگوں میں کمزوری بڑھتی گئی۔ کچھ عرصہ بعد لاٹھی اور ایک آدمی کے سہارے چل سکتے تھے۔ اس دور میں موٹروں کا رواج نہیں تھا۔ اس معذوری کی

حالت میں سائیکل کے کیریئر پر بیٹھ کر مختلف ہاسٹلوں میں بیان کے لیے جاتے۔ کبھی یوں بھی ہوا کہ سائیکل والے سے سائیکل گری نیچے حضرت صاحب اوپر سائیکل اور اس کے اوپر سائیکل چلانے والا۔ لیکن پھر اٹھ کر کپڑے درست کر کے سنبھل کر چل پڑتے اور بیان کا ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ ایسے موقعوں پر کبھی کبھی فرماتے تھے۔

زخم پہ زخم کھا کے جی، اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی، عشق ہے یہ دل لگی نہیں

مجال ہے عزم واستقامت میں کچھ فرق آئے۔

زیارت گاہِ اہلِ عزم وہمت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے سکھایا رازِ الوندی

اپنے تبلیغ والے ساتھیوں نے تبلیغ کے ساتھ تصوّف کی سرگرمیوں کے بارے میں اس قدر مخالفتیں کیں کہ آپ کی صحت تک متاثر ہوئی۔ ایک دفعہ آپ کو امارت سے ہٹانے کے لیے ایک زبردست سازش بنی گئی اور آپ پر سنگین ترین اخلاقی الزام لگایا گیا، جس کی وجہ سے آپ صاحب فراش ہو گئے، بندہ نے از خود رائیونڈ تک اس ناروا ظلم کی فریاد پہنچائی، اکابر نے اس پر تسلی دی کہ یہ اہل حق پر آنے والی آزمائشوں کی ایک صورت ہے، اہل خانہ نبوی تک پر یہ آزمائش آئی ہے، اس سے ترقی درجات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ مخالفین ومنافقین پر حجت تام کر کے ان کے بدترین عاقبت کو آشکارا کرتا ہے۔ الحمدللہ ان الزامات کی سرمو بنیاد نہ ہونے کے باعث الزامات لگانے والوں کو کچھ حاصل نہ ہو سکا، الٹا وبال کا شکار ہوئے، بہت جلد سب کا منہ کالا ہوا اور معافیاں مانگتے پھرتے رہے، اس سے آپ کے ساتھ متعلقین کی محبت ووارفتگی میں مزید اضافہ ہوا، لیکن تبلیغی کام کو سخت نقصان پہنچا، عموماً ایسی سازشوں کی ضرورت وہاں پیش آتی ہیں جہاں کسی کے مالی وجاہی مفاد پر زد پڑ رہی ہو، یہاں بھی ایسے ہی تھا کہ بعض امیران صاحبان کے من مانیوں اور غیر شرعی ترمیموں کے لیے حضرت مولانا کی ذات بہت بڑی آڑ تھی، اور وہ اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

فرماتے تھے کہ ناگواریاں برداشت کر کر کے معدے میں زخم (Ulcer) ہوا اور خون کی قے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوئیں۔ایک موقع پر تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاید روح پرواز کر جائے گی۔ یہ معدے کی تکلیف ساری عمر ساتھ رہی اور اس کے لئے مستقل دوا ساری عمر استعمال فرماتے رہے بلکہ اس معدے کی تکلیف کی وجہ سے غذا بھی گویا بطورِ دوا کے استعمال فرماتے رہے جس کی مقدار بہت ہی قلیل ہوتی تھی۔اس غذا اور آپ کے چہرے کی سرخی سفیدی، شادابی اور رونق کو دیکھ کر نیز دینی سرگرمیوں میں جوش وخروش اور عزم و ہمت کو دیکھ کر واضح طور پر محسوس ہوتا تھا کہ یہ کرامت ہے۔بغیر کرامت کے اس قدر قلیل غذا کے ساتھ آدمی نہیں چل سکتا۔اسی دور سے بلڈ پریشر بھی زیادہ ہونا شروع ہوا اور دل بھی متاثر (Angina) ہو گیا ۔کچھ عرصہ بعد ذیابیطس (Sugar) بھی شروع گئی۔دمہ (Asthma) کی تکلیف ساری عمر ساتھ رہی۔کانوں کی تکلیف ہوئی۔جس کے نتیجے میں کان کے اندر تین ہڈیاں جن پر سماعت کا دارومدار ہے جام ہو گئیں۔اس کے بعد سماعتی مشین (Hearing Aid) کے ذریعے سنتے تھے۔ان چھ جان لیوا بیماریوں کے ساتھ جو وفات تک ساتھ رہیں اور جن کے لیے ساری عمر مسلسل علاج، معائنے، ہسپتالوں کے داخلے، ڈاکٹر حضرات کی آمدورفت اور لیباٹریوں کے ٹیسٹ جاری رہے اور یہ چیز کئی ڈاکٹروں، کمپاؤنڈروں اور ٹیکنیشنوں کے لئے فیض کا ذریعہ ہوئی۔لیکن یہ بیماریاں اور معذوریاں اس مردِ مجاہد اور اللہ کے شیر کے عزم وہمت کو شکست نہ دے سکیں۔گرمیوں میں رات بارہ بجے تک بیدار رہ کر بھی دو بجے تہجد کے لیے اُٹھنے میں فرق نہیں آتا تھا۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

بیماریاں بڑھتی گئیں لیکن عزم وہمت میں بھی نئی جوانی آتی گئی۔اس لئے پہلے ایک خادم پھر دو خادم پھر تین ان معمولات میں آپ کے ساتھ چل سکتے تھے اور وہ بھی اگر کچھ دن آرام کے لیے چھٹی نہ کرتے تو بیمار پڑ جاتے تھے۔اس معذوری میں کئی تبلیغی سفر اور تقریباً نو سفرِ حج کے ہوئے اور ایک عمرہ کا۔ان میں سے فقط پہلے سفرِ حج میں آپ خود چل سکتے تھے، باقی معذوری کی حالت میں ہوئے۔۱۹۷۱ء کے بعد پاؤں بالکل معذور ہو گئے۔اب وہیل چیئر (پہیہ والی کرسی) پر یا پیٹھ پر اٹھا کر ہی نقل وحرکت ہو سکتی تھی۔لیکن یہ سب رکاوٹیں کسی بھی معمول کو کم نہ کر سکیں۔

مخالفتیں:

ستیزۂ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بو لہبی

دستور ہے کہ حق کی مخالفت باطل کرتا رہا ہے۔ چنانچہ آپ کی وجہ سے جو دینی، تبلیغی نیز بیعت و تلقین کی فضا چل پڑی اس پر باطل بہت بپھرا اور طرح طرح کے نامساعد حالات پیش آئے۔

جس طرح انسانوں کی آبادیاں ہیں اور ان میں نیک و بد ہر قسم کے لوگ ہیں اسی طرح جنّات کی بھی آبادیاں ہیں اور اُن میں بھی نیک و بد ہر طرح کے لوگ ہیں۔جس طرح نیکی کے پھیلنے سے نیک لوگوں کو آخرت کے فوائد حاصل ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے لحاظ سے بھی ظاہری غلبہ اور معاشی و معاشرتی فوائد نیک لوگوں کے حصے میں آتے ہیں اور اس سے شر والے لوگوں کو سیاسی، معاشی و معاشرتی لحاظ سے نقصان ہوتا ہے۔اسی طرح برائی پھیلنے سے شر والے لوگوں کی آخرت تو تباہ ہو جاتی ہے لیکن سیاسی، معاشی و معاشرتی لحاظ سے فوائد ان کے حصہ میں آتے ہیں۔آخرت کی تو اُن لوگوں کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی لیکن دنیا کے نقصانات پر اُن کو بہت تکلیف ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اہلِ حق کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔یہ حقیقت جنّات کے بارے میں بھی صادق ہے جس کا جنّات کے عاملین کو واضح تجربہ ہے۔چنانچہ اہلِ باطل اور شرّی جنات بھی اہلِ حق کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ''اسلامیہ کالج کے مکان نمبر ۱۰ میں رہائش کے دوران ایک جن نے آ کر خوب پریشان کرنا شروع کیا۔اس سے پوچھا کہ تو کیوں پریشان کرتا ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا ''تم سے پہلے ایک معین الدّین ہندوستان آیا تھا۔اس نے بہت کام خراب کیا تھا۔اب اسی طرح تم بھی کام خراب کر رہے ہو۔'' یہ جن حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا تھا اور اس نے واضح طور سے کہا کہ تبلیغ وتصوّف کا کام بند کرو۔

فرمایا: ایک دفعہ آدھی رات کو دیکھا کہ کپڑے لٹکانے والی تار کے ساتھ کوئی چیز لٹک رہی ہے اور اس سے کچھ پڑھنے کی آواز آ رہی ہے۔قریب ہوا تو یہ لٹکنے والی مخلوق رام شام، رام شام کا ورد کر رہی تھی۔خیال ہوا کہ وہی جن ہے چنانچہ آیت الکرسی پڑھ کر اسے پکڑ لیا۔وہ بہت چلّایا کہ مجھے آزاد کر دو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں ایبٹ آباد کے غاروں سے آیا ہوں، وہاں سے تمہارے لئے ہیرے اور جواہرات لاؤں گا۔ فرماتے تھے: میں نے اس بات کو نہیں مانا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ وعدہ کرو کہ پھر نہیں آؤ گے تب چھوڑوں گا۔ اس پر اس نے وعدہ کیا۔

ظاہر بین علماء، دنیادار مشائخ بھی جگہ جگہ آپ کی مخالفت کرتے رہے۔ لیکن آپ نے کبھی کسی کے ساتھ محاذ آرائی والی ترتیب اختیار نہیں کی بلکہ ہمیشہ چشم پوشی نیز عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا۔

ملازمت کا شروع کا دور تکلیف کا رہا۔ جب معذوری بہت زیادہ ہوگئی تو انہی ایام میں پرنسپل اسلامیہ کالج کا تبادلہ ہوا اور جغرافیہ کے پروفیسر اشرف درّانی صاحب پرنسپل بنے۔ مخالفین ان کے بھی کان بھرنے لگے لیکن انھوں نے حالات کی تحقیق کرائی اور آپ کی معذوری اور بیماری کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا کہ آپ کی کلاس آپ کے گھر پر ہی ہوگی اور طلباء گھر پر ہی کلاس کے لئے آئیں گے۔ اسلامیہ کالج میں آپ شعبۂ عربی کے صدر رہے۔ اپنی پروموشن (ترقی) کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان دنوں پشاور یونیورسٹی کے رجسٹرار ایک قادیانی احمد حسن نامی ہزارہ کے ہوتے تھے۔ جب آپ کا سینئر لیکچرر سے ریڈر (ایسوسی ایٹ پروفیسر) کی پروموشن کا وقت آیا تو اس نے آپ کے کاغذات ایک ایسے ریفری کو بھیج دیے جو وفات پا چکا تھا۔ جب اس سے معلومات کریں تو وہ یہی جواب دے کہ ریفری سے کاغذات واپس نہیں ہوئے۔ خیر جب اپنے طور پر معلومات کروائی گئیں تو پتہ چلا کہ ریفری صاحب وفات پا چکے ہیں لہٰذا وہ قبر سے اٹھ کر کیا جواب دیتے۔ چنانچہ قادیانی کی یہ سازش معلوم ہوئی اور اس طرح کاغذات صحیح آدمی کو بھیجے گئے جس پر ریڈر کی پوسٹ پر ترقی ہوئی۔

اس کے بعد آپ کی تعلیمی سرگرمیوں اور تحقیقی مقالات کی بنا پر آپ کو پروفیسر کی 20 گریڈ کی پوسٹ ملی اور اسلامیہ کالج سے پشاور یونیورسٹی میں بطور صدر شعبۂ عربی آپ کا تبادلہ ہوا اور تاحیات صدرِ شعبہ رہ کر وہیں سے ریٹائرمنٹ ہوئی۔ اسی اثنا میں ڈین فیکلٹی آف عربک اینڈ اسلامک سٹڈیز کا موقع بھی آپ کو ملا لیکن یہ اضافی چارج اپنی صحت کے پیش نظر آپ نے نہیں لیا اور اپنے دوست اور صدر شعبۂ اسلامیات قاضی مجیب صاحب کے لئے چھوڑ دیا۔

اس زمانے میں علاوہ ایم۔اے عربی کے پی۔ایچ۔ڈی کی کلاس بھی شروع ہوئی۔ آپ کے دور میں قاضی مبارک صاحب، مولانا یوسف برجوی صاحب اور حسنات صاحب نے آپ کی نگرانی میں کام

کر کے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ قاضی مبارک صاحب کے خارجی ممتحن مشہور عربی عالم و محقق عبدالفتاح ابو غدہ تھے۔ جنہوں نے قاضی صاحب کے مقالہ کو معیاری قرار دیتے ہوئے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کا مستحق گردانا۔

ایک دفعہ بندہ سے فرمایا: ڈاکٹر صاحب کیا حال ہے؟ راقم نے عرض کیا کہ مولانا صاحب آج کل پوسٹ گریجویٹ کلاس پڑھاتا ہوں۔ اتنا کام کرنا پڑتا ہے اور ایسی مشکل ہوتی ہے کہ سر چکراتا ہے۔ اس پر فرمانے لگے کہ انڈر گریجوایٹ یا پوسٹ گریجوایٹ کلاس پڑھاتے وقت کبھی تیاری کی نوبت نہیں آئی۔

شعبۂ عربی کے نصاب سے آپ نے مستشرقین (Orientalist) کی وہ کتابیں جو لادینی مواد کی حامل تھیں نکالیں اور ان کی جگہ صلحاء کی معیاری تحریروں کو جگہ دی۔ چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک عربی قصیدہ داخل نصاب کیا اور خود فصیح عربی میں ان کی شرح تحریر فرمائی۔

مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ عربی، اسلامیات، اردو، تاریخ، نفسیات اور فلسفہ کے کئی طلباء نے آپ سے تحقیقی کاموں میں مدد لی نیز آپ کے کتب خانے کو استعمال کیا۔ آپ کے طلباء شاندار کامیابیاں حاصل کرنے والے ہوئے اور پشاور یونیورسٹی نیز پورے صوبہ سرحد کے کالجوں بلکہ ملکی اور غیر ملکی سطح پر اہم پوسٹوں پر آئے اور کام کئے۔ ڈاکٹر قاضی مبارک پروفیسر شعبۂ عربی، صدر شعبۂ عربی اور پھر ڈین فیکلٹی آف عربیک اینڈ اسلامک سٹڈیز رہے۔ ڈاکٹر سعید اللہ قاضی پروفیسر اسلامیات، ڈائریکٹر اسلامک سنٹر صدر شعبۂ اسلامیات اور ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ عربک رہے۔

پروفیسر محمد حنیف صدر شعبۂ اسلامیات و مدرس تھیالوجی اسلامیہ کالج رہے۔ اس کے علاوہ کئی حضرات جو گریجویشن لیول تک آپ کے عربی کے شاگرد رہے سی۔ایس۔ایس اور پی۔سی۔ایس کر کے ملک میں اہم پوسٹوں پر آئے۔ جو ایک دفعہ آپ کی کیمیاء اثر نگاہ کے سامنے سے گذرا اس نے کچھ نہ کچھ دینی اثر ضرور قبول کیا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آپ کا کتب خانہ:

کتابوں کا آپ کو بہت شوق تھا۔ازراہِ مذاق فرماتے تھے:''کسی کو کبوتر بازی کا شوق ہوتا ہے کسی کو بٹیر بازی کا شوق ہوتا ہے ہمیں کتاب بازی کا شوق ہے''۔لاکھوں روپوں کی مالیت کا آپ کا کتب خانہ ہے جس میں اکثر کتابیں آپ نے خود خریدی ہیں۔بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے بہت شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی تو کئی کتب ہدیہ میں ملتی رہیں۔خصوصاً مصنفین خود اپنی کتابیں بطورِ تعارف بھیجتے رہے۔چنانچہ کتب خانہ ہر قسم کی اردو عربی تفاسیر،شروحِ حدیث،فقہ،تصوّف،سوانح اور ادب کی قدیم اور جدید کتب سے معمور ہے۔کتب خانہ کی فہرست اس کتاب کے مرتب عزیزم مولانا طفیل کوہاٹی سلمہ نے مرتب کی ہے۔پاکستان اور ہندوستان کے اکثر دینی جرائد آپ کو اعزازی طور پر بھیجے جاتے تھے۔چنانچہ ہندوستان سے الفرقان،تعمیرِ حیات،الدّعوۃ،دیوبند کا رسالہ دارالعلوم اور الدّاعی جبکہ پاکستان سے بینات،البلاغ، الحق،الفاروق،الرشید اور دیگر کئی رسالے آپ کے کتب خانہ میں باقاعدہ آتے تھے۔

آپ کی خدمات کے پیشِ نظر آپ کو دوبار ملازمت میں توسیع دی گئی۔چنانچہ آپ باسٹھ سال کی عمر تک کام کرتے رہے اور باسٹھ سال کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔اس کے ڈیڑھ سال بعد تک آپ کو سرکاری مکان میں رہائش کی اجازت رہی۔ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کی خدمات کے پیشِ نظر آپ کو گورنر سرحد امیر گلستان جنجوعہ نے اپنے نمائندے کے طور پر پشاور یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کا ممبر نامزد کیا اور عرصہ تین سال آپ پشاور یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کے ممبر رہے۔اس عرصہ کو پورا کرنے کے بعد آپ کو انجینئرنگ یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کا ممبر نامزد کیا گیا۔ہر دو ذمہ داریوں کو آپ نے بطریق احسن سنبھالا اور پورا کیا۔

تصانیف وتالیفات:

آپ کے حالات ساری عمر ایسے رہے کہ ان حالات میں تصنیف وتالیف مشکل تھی۔ذکر واذکار کا گہرا انہماک،تبلیغ ودعوت کی والہانہ لگن اور مشغولیت،بیعت کے سلسلہ والوں کی آمدورفت،ملازمت، چھ جان لیوا بیماریاں،لیکن باوجود ان سب باتوں کے تصنیفی سلسلہ جاری رہا۔

سب سے پہلی تصنیف Early Indo-Arab Relations عرب اور ہندوستان کے

تعلقات انگریزی میں بطور مقالہ(Desertation)برائے ایم۔اے عربی دورانِ طالب علمی تصنیف کی۔علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ تربیت کے بارے میں ایک چھوٹی کتاب سلوک سلیمانی لکھی،جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوئی اور اس مجموعہ میں بھی شامل ہے۔بعد میں اسی مضمون کو تفصیل سے لکھا تو شاہراہِ معرفت کے نام سے تین جلدوں میں ایک ایسی جامع کتاب وجود میں آ گئی جس میں سیّد صاحب کے حالات،نظریات،تربیتی نظام،زندگی اور سلوک کے بارے میں ان کا طرزِ فکر اور تربیتی خطوط شامل ہیں۔کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے جسے پاکستان میں آپ کی اپنی سلیمان اکیڈمی نے شائع کیا اور ہندوستان میں دارالمصنفین اعظم گڑھ نے شائع کیا۔ تربیتی اور دینی معلومات کے علاوہ کتاب ایک بلند پایہ ادبی کارنامہ ہے جس کی تحریر ادبی لحاظ سے دارالمصنفین اور ندوۃ العلماء جیسے اداروں کے شایانِ شان ہے اور بندہ کی نظر میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کی صف میں نظر آتی ہے۔

اس کتاب کی رونمائی اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی کے خیبر یونین ہال میں ہوئی جہاں مختلف مقررین نے تقریریں کیں۔تقریب شروع ہونے سے پہلے مجمع میں موجود دوست تذکرہ کر رہے تھے کہ کتاب کے بارے میں بشارت ہوئی ہے کہ مقبول ہوگئی ہے۔دورانِ تقاریر ایک مقرر نے بتایا کہ صلحاء میں سے کسی کو بشارت ہوئی ہے کہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قبول ہوگئی ہے اور فلاں صفحہ کی وجہ سے قبول ہوئی ہے۔کتاب کے بارے میں یہ بشارت بہت بڑی سعادت تھی۔بندہ نے گھر آ کر اس صفحے کو نکالا تو اُس میں اتباعِ سنت کا مضمون لکھا ہوا تھا۔

تبلیغی نصاب کا فارسی ترجمہ:

رائے ونڈ کی شوریٰ نے حاجی بشیر صاحب امیر جماعت کی سرکردگی میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تبلیغی نصاب کے فارسی ترجمہ کے لیے منتخب کیا۔آپ نے فارسی ترجمہ لکھا۔یہ ترجمہ بندہ کے سامنے ہوا۔اس کا کوئی حصہ آپ نے بغیر وضو کے نہیں لکھا۔فجر تا اشراق آپ مولانا یوسف برجوی رحمۃ اللہ علیہ سے لکھواتے تھے۔اس کے شائع کرنے میں پہلے ایڈیشن میں ۹۰ ہزار روپے کا خسارہ برداشت کیا جو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اُس دور کے مطابق ایک خطیر رقم تھی۔ بعد کے ایڈیشنوں میں بمشکل یہ خسارہ پورا ہوسکا۔

شرح القصیدتین: امام انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے قصائد کی شرح جس کا ذکر ہو چکا یہ سلیمان اکیڈمی نے چھاپی۔

الاربعین: بی، اے کے نصاب کے لیے چالیس احادیث تعلیم، معاشرت، آداب اور معاملات کے موضوع پر جمع کر کے ان کا سہل ترجمہ درج کیا گیا، یہ کتابچہ بھی سلیمان اکیڈمی سے چھپا۔

نظام ہدایت: اصلاح انسانیت کا الوہی نظام اور دعوت وتبلیغ کے نبوی منہج کی وضاحت پر ایک مبسوط کتاب لکھی، جس کا مسودہ گم ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فیض حسن واشرف: سوانح حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: یہ کتاب دلچسپی کے لحاظ سے قابل دید ہے اور پڑھنے والے کے باطنی حال کے بدلنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس مجموعہ مقالات میں شامل ہے۔

سوانح مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ: حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کا یہ مسودہ بھی حوادث زمانہ کا شکار ہو چکا ہے اور تلاش بسیار کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ قدر اللہ ما شاء

آپ کی تصانیف کا بڑا حصہ رسائل کے لیے لکھے گئے مضامین سے وجود میں آیا۔ ''پیام رساں امت''، ''رومی کا پیام عصر حاضر کے نام'' اور ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیانہ اخلاق'' کے نام سے مبسوط مقالات اور چھ تبلیغی نمبروں کے حوالے سے ایک مجموعہ مضامین ''قرآن وسنت کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کے تقاضے'' سلیمان اکیڈمی سے طبع ہوئے۔ رسالہ 'الحق' نے ایک سوالنامہ 'میری مطالعاتی زندگی' کے حوالے سے بھیجا۔ اس پر لکھا جو بعد میں ایک علیحدہ رسالہ کی شکل میں دارلعلوم حقانیہ والوں نے ''حدیث ناگفتنی'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے علاوہ کئی مضامین ومقالات مختلف اداروں نے مستقل رسائل کی شکل میں طبع کرائے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی کی وفات پر ایک مضمون لکھا جسے الفرقان نے شائع کیا اور سب مضامین میں اونچے مقام کا مضمون متصور ہوا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ایک الفرقان رسالہ لکھنؤ کے لئے لکھا۔

سب مضامین میں سے منفرد مضمون متصور ہوا۔ ماہنامہ البلاغ کراچی کے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نمبر کے لئے مضمون لکھا جو اپنے پورے نمبر میں اکثر مضامین سے زیادہ وزن رکھتا ہے۔ الحمد اللہ یہ سارے مقالات ومضامین برخوردار مولانا محمد طفیل کوہاٹی سلمہ کی کاوش سے اس مجموعہ کی مختلف جلدوں میں آگئے ہیں۔

آپ نے علمی وتحقیقی موضوعات پر ایک رسالہ البیان کے نام سے شروع کیا۔ چند ہی اشاعتوں کے بعد اس نے علمی وادبی میدان میں نام پیدا کرلیا۔ اس کے اخراجات بہت زیادہ تھے۔ حضرت مولانا کی طبیعت انتہائی خوددار تھی۔ اپنے حالات کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ متعلقین نے اس کی اشاعت میں دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ اعزازی اور مفت تقسیم ہوتا رہا۔ تھوڑے حضرات باقاعدہ چندہ دیتے رہے۔ نتیجۃً کافی نقصان اٹھایا اور نہایت مفید رسالہ بند ہوگیا۔

مدارس:

دین کے پھیلاؤ اور بقا میں جو کردار مدارس اور دارالعلوموں کا ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگر علم باقی ہے تو امت باقی ہے۔ خدانخواستہ علم اور علماء نہ رہے تو دین کی بقا اور امت کی بقا ممکن نہیں۔ حضرت مولانا اس شعبہ کے بہت قدردان تھے۔ چنانچہ دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء سے خاص محبت فرماتے تھے۔ جب بھی علماء کی آمد ہوتی تو خاص اکرام فرماتے اور طلباء زیارت کو آتے تو علاوہ کھلانے پلانے کے انہیں کچھ نقد بھی عطا فرماتے۔ جہاں بھی مدرسہ بنانے کی کوشش ہوتی بہت تائید فرماتے اور مالی اور جانی قربانی دے کر مدد فرماتے۔ آپ کی زندہ کرامتوں میں سے ایک کرامت مدرسہ امداد العلوم پشاور صدر ہے۔ اس کی داستان کچھ یوں ہے کہ اس جگہ پر یہودیوں کی رسوائے زمانہ تحریک فری میسن کا ٹمپل اور لاج (عبادت خانہ وقیام گاہ) تھا۔ یہ تحریک مقامی لوگوں کو ممبر بناتی تھی اور ایک کلب کی شکل میں کام کر رہی تھی جہاں ممبروں کے لیے کھیلوں اور دیگر تفریحی کاموں، نیز کھانے پینے کی پارٹیوں کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ اس دوران ہی ان کے دانشور آہستہ آہستہ مجالس کے دوران اپنے زہریلے نظریات ان ممبروں کے ذہنوں میں ڈالتے تھے۔ اس تحریک کو حکومت پاکستان نے خلاف قانون قرار دے دیا اور فری میسن لاج بند ہوگئی۔ اس تحریک سے وابستہ ایک شخص حاجی غلام نبی صاحب (مالک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سرور موٹرز) حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے۔ حاجی صاحب نے باقی ممبروں سے مل کر یہ اعلان کر دیا کہ فری میسن لاج جو ہم ممبروں کی ملکیت ہے اسے ہم مسجد کے لیے وقف کرتے ہیں اور خبر کو اخبار میں شائع کروا دیا۔ اس کی اطلاع حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کر دی گئی۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے طویل مشاورت ہوئی۔ قانونی مالکان کی نیت بھی تھی اور خواہش بھی۔ اس لئے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متعلقین کو حکم دیا کہ متذکرہ جگہ پر فوری قبضہ کر کے نماز شروع کر دینی چاہئے اور بچوں کا ایک مدرسہ، ایک استاد کی نگرانی میں شروع کر دینا چاہئے۔ چنانچہ متعلقین نے اس عمارت کے بڑے ہال کو صاف ستھرا کر کے شراب کے نشان وغیرہ دھو کر پاک کر دیا اور نماز شروع کر دی۔ ساتھ ہی ایک مدرسہ حافظ فضل حق حسن گڑھی والے کی نگرانی میں شروع کر دیا۔ یہ جگہ اتنی قیمتی اور اہم تھی کہ اس کا سخت ردعمل ہوا اور وہ لوگ جو اس جگہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے سخت پریشان ہوئے۔ نیز وہ لوگ جنہیں بوجوہ مدرسوں سے پُرخاش ہے ان کو بھی سخت تکلیف شروع ہو گئی۔ بے خبر قسم کے جدید تعلیم یافتہ مخالفین اعتراض کرتے کہ اس جگہ شراب پی گئی ہے اور عجیب وغریب قسم کے اعمال ہوئے ہیں یہاں نماز نہیں ہو سکتی۔ ان کی مخالفت کو فرو کرنے کے لئے ایک استفتاء لکھا گیا اور اس پر علماء کا فتویٰ لیا گیا کہ اگر ایک جگہ جہاں شراب پی گئی ہو اسے دھو کر پاک کر کے نماز شروع کی جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ مفتی حضرات نے حکم دیا کہ جائز ہے۔ انہی دنوں پیپلز پارٹی کی حکومت آ گئی۔ یار لوگوں نے مل ملا کر ذوالفقار علی بھٹو (اس وقت کے وزیر اعظم) سے اس جگہ کو کلچرل سینٹر کے لیے مختص کروا دیا اور فیض احمد فیض کو جو مشہور کیمونسٹ شاعر تھے اور پنڈی سازش کیس میں کیمونسٹ انقلاب کی کوشش میں ماخوذ بھی ہوئے، کو اس کا انچارج مقرر کر دیا۔ غالباً ایک کروڑ روپے فنڈ بھی مختص کر دیا گیا۔ حالات بہت خراب ہو گئے۔ یہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور کرامت کا نتیجہ تھا کہ عملی اقدامات میں تاخیر ہوتی گئی اور اس طرح ہمیں قدم جمانے کا موقع ملتا گیا۔ یہ جگہ 32 دی مال پشاور صدر ایسی جگہ ہے کہ اس کے ایک طرف 45 کنال زمین میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا اور دوسری طرف 32 کنال میں دوسرا گرجا۔ اور بالکل چوک پر یہ 22 کنال جگہ یہودیوں کا کنیسہ تھا۔ قیمت کے لحاظ سے کروڑوں کی جائیداد تھی اور کنٹونمنٹ کا ایریا ہونے کی وجہ سے صرف لیز پر مل سکتی تھی۔ یہ ایسا عجیب علاقہ ہے کہ پورے مال روڈ پر کہیں بھی مسجد نہیں

تھی۔ کچھ دنوں بعد طے ہوا کہ نماز جمعہ بھی شروع کی جائے۔ چنانچہ نماز جمعہ بھی شروع کی گئی۔ وسائل نہ ہونے کی وجہ سے بشیر قریشی صاحب الیکٹریکل انجینئر، جو پشاور کے تبلیغی مرکز کی شوریٰ کے رکن تھے اور بہت ذہین، فہیم، محتاط اور متقی مبلغ تھے، کو تقریر کے لئے مقرر کیا گیا۔ خطبہ مقامی امام صاحب پڑھتے تھے وہی نماز بھی پڑھاتے تھے۔ کچھ عرصہ راقم الحروف جمعہ پڑھاتا رہا۔ کچھ وقت باوجود معذوری کے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تکلیف اٹھا کر تشریف لے جاتے اور تقریر فرماتے۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج کے اسلامیات کے ریٹائرڈ پروفیسر مولانا عبدالشکور صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند جمعہ پڑھاتے رہے۔ کچھ دن بعد طے ہوا کہ یہاں وقفے وقفے سے جلسے منعقد کروائے جائیں اور پرجوش مقررین جن کی تقریروں کا شہرہ ہے انہیں بلایا جائے اور دیہات کا مجمع زیادہ بلایا جائے تاکہ انتظامیہ پر واضح ہو کہ جن لوگوں کے پاس ملکیت کے اختیارات تھے جس مقصد کے لیے انہوں نے وقف کیا اس کے علاوہ اس جگہ کو دیگر مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور صوبائی سطح پر امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس اثناء میں مختلف گورنر بدلتے رہے۔ کچھ عرصہ اسلم خٹک صاحب بھی گورنر رہے۔ ان سے ملاقات کی گئی۔ انھوں نے جواباً کہا کہ اتنی قیمتی جگہ کو مسجد بنا کر خراب کر رہے ہو۔ یہ ملاقات تلخ رہی۔ جب واپسی ہوئی تو حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک فقیر نے کہا کہ اسلم خٹک کی گورنری فوراً ختم ہو جائے گی کیونکہ اس سے صوبے کے روحانی گورنر کی بے قدری ہو گئی ہے۔ چنانچہ حاجی شاہ جہان گواہ ہے، جس نے اس منظر کو دیکھا تھا کہ ایسا ہی ہوا۔

پھر نصیر اللہ بابر صاحب گورنر ہوئے، ان تک رسائی کے لئے حضرت دعا اور کوشش میں مصروف ہو گئے۔ اتفاقاً اسے اپنے کسی مریض کو دم کرانے کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کرنا پڑا، اسی نسبت سے اس کے ساتھ ملاقات کے لئے وقت لیا گیا۔ پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن صاحب بھی ساتھ تھے۔ حضرت کی بات سننے کے بعد وہ گویا ہوئے: ''جو مساجد پہلے سے بنی ہوئی ہیں ان کا کیا حال ہے؟ ذرا ان کو دیکھیں وہاں کا انتظام کیسا ہے، وہاں کتنے نمازی ہیں؟ پاس ہی سنہری مسجد ہے، وہاں کتنے نمازی ہیں؟ پیسہ ایک نہیں ہے اور چندوں پر چندہ کرتے رہتے ہو، مسجد ایک بھی نہیں بنا سکتے۔ ہم اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کہ اتنی اچھی جگہ مسجد کے لیے استعمال ہو۔ ہم یہاں مارکیٹ بنائیں گے اور کلچرل سنٹر بنائیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گے البتہ اگر تم لوگ چاہتے ہو تو ایک کونے میں آپ لوگوں کے لیے ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنا دیں گے۔''

گورنریاں بہر حال آنی جانی و فانی چیزیں ہیں ان کی گورنری تو نہ رہی لیکن فری میسن لاج بالآخر حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چاہت اور خواہش کے مطابق مسجد اور مدرسہ بنتا تھا لہٰذا بن کر رہا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
تو چناں خواہی خدا خواہد چنین
می دہد مولا مرادِ متقین

ترجمہ: جیسے تو چاہے ویسے اللہ چاہے گا، وہ متقی لوگوں کی مراد عطا فرماتا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو تک رسائی کے وسائل نہیں تھے۔ اس اثنا میں بھٹو نے ایک جلسہ پشاور میں کیا۔ اس جلسے میں مجاہد لکھنوی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک بڑا بینر مسجد کا اٹھائے ہوئے پہنچ گئے اور مظاہرہ (Demonstration) کیا۔ لیکن اس بات کو بھٹو نے اپنے لئے ناگوار سمجھا اور بات پر کان نہ دھرا۔ بلکہ انتظامیہ اور بھی مخالف ہوگئی۔ ایک دن حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کی نماز پڑھنے اس 32 دی مال والی عارضی مسجد میں جا رہے تھے کہ راستے میں ایف۔ ایس۔ ایف (فیڈرل سکیورٹی فورس۔ یہ ایک فورس تھی جو ذوالفقار علی بھٹو نے قائم کی تھی اور اس کی وجہ سے وہ پولیس، ملیشیا اور فوج سے کافی حد تک بے نیاز ہو گیا تھا۔ اس کا اختیار براہِ راست اس کے ہاتھ میں تھا) کی گاڑی نے آپ کی گاڑی کو ٹکر مار دی، اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی، کچھ چوٹیں آئیں لیکن خیر رہی۔ نماز جمعہ میں رکاوٹ آئی اور آپ کو پریشان و ہراساں کیا گیا۔ جمعہ کو بعد عصر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ختم قرآن ہوتا تھا۔ اس میں بہت جلے دل سے آپ سے ذمہ دار افراد کے لیے بد دعا ہوگئی۔ بقول ڈاکٹر برہان ڈینٹل سرجن دوسرے دن ایک فقیر، جن کے بارے میں کبھی حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ سلسلۂ تکوین والے ہیں، آئے اور دروازے میں کھڑے ہو کر دونوں طرف کی چوکھٹ کو ہاتھوں میں پکڑا اور اندر منہ کر کے حضرت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پھر تم نے اس کی پھانسی دستخط کروادی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال کے

بعد پھانسی ہو گئی۔ انہیں دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک رات بعد عشاء بندہ دیر سے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا کیونکہ اس وقت بندہ آپ کو انجکشن لگایا کرتا تھا۔ آپ بالکل تنہا کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ انتظامیہ نے دھمکی دی ہے کہ اس مسجد سے باز نہ آئے تو گرفتار کروادیں گے۔ ہمارے پاس ایسے آدمیوں کے لئے D.P.R رولز ہیں۔ اس لئے آج سارے ساتھی چلے گئے ہیں کیونکہ اس وقت پولیس کے آنے کا خطرہ ہے۔ بندہ کو دل میں کوفت ہوئی اور عرض کیا کہ ان شاء اللہ آپ کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ اللہ نے خیر کی اور یہ فیصلہ التواء میں چلا گیا۔ ایک دفعہ صبح جا کر دیکھا تو رات کو انتظامیہ نے مسجد کے نام کے جو دو بورڈ لگے ہوئے تھے ان کے لکڑی کے سٹینڈ کٹوا کر بورڈ اتار دئے۔ اس کی تصویریں اتروا کر حضرت نے اخبارات میں شائع کروادیں اور اس پر سرخی لگائی ''اسلامی مملکت میں مساجد کے ساتھ حکومت کا سلوک''۔

انہیں دنوں شاہ فیصل مرحوم کی شہادت ہوگئی۔ ان کی یاد میں مسجد کا نام مسجد الفیصل رکھ دیا گیا اور یہ خبر اخبارات میں شائع کی گئی۔ اس نام کی وجہ سے انتظامیہ کے رویے میں سختی کم ہوئی۔ سنا تھا کہ سعودی حکومت نے اس مسجد کے لیے تیس لاکھ روپے بھی بھیجے تھے لیکن وہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران مسجد تک نہ پہنچ سکے۔ اسی اثنا میں ۱۹۷۷ء میں فوجی انقلاب آیا اور جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھال لیا۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ دیندار آدمی ہیں۔ چنانچہ حضرت نے انھیں اپنے پیڈ پر لکھا اور حالات بیان کئے۔ جواب میں انھوں نے اپنے خاص اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے لکھا کہ یہ جگہ ایک مسجد کی تعمیر کے لیے حضرت مولانا اشرف خان صاحب کے حوالے کی جاتی ہے۔ اس وقت کے صوبہ سرحد کے گورنر، جنرل سوار خان بھی حضرت سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے مسئلے میں مثبت رویہ اختیار کیا۔

اس جگہ فری میسن تحریک کے بارے میں معلومات دلچسپی سے خالی نہیں ہوں گی۔ حاجی غلام نبی صاحب ممبر فری میسن جب حضرت کی بیعت میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے جلد ہی انہیں باشرع زندگی نصیب فرمائی تو ایک دن بندہ نے ان سے پوچھا کہ حاجی صاحب یہ فری میسن تحریک کیا تھی؟ تو انہوں نے بتانا شروع کیا کہ اس کے 32 درجے (Stages) ہوتے تھے۔ میں نے سات درجے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پار کئے تھے اور اب میں سمجھتا ہوں کہ جو آدمی اس کے دس درجے طے کر لیتا تھا اس کی اتنی ذہنی تطہیر (Brain Washing) ہو چکی ہوتی تھی کہ وہ مسلمان نہیں رہتا تھا بس اس کا نام مسلمانوں جیسا ہوتا تھا لیکن اس کی سوچ، جذبات اور احساسات یہودیوں کے رنگ میں رنگ چکے ہوتے تھے۔ اتنی بات بول کر حاجی صاحب اچانک چپ ہو گئے کیونکہ فری میسن تحریک والوں کو بتایا ہوا ہوتا تھا کہ اگر تم نے یہ راز کسی کو بتائے تو چند دنوں میں قتل کر دیئے جاؤ گے اور تمہارے قاتل کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ چنانچہ حاجی صاحب مزید انکشافات سے فوراً رک گئے۔

ضیاء الحق کے خط کے باوجود انتظامیہ جگہ حوالے نہیں کر رہی تھی کیونکہ زمین جائیداد کے بارے میں جب تک کنٹونمنٹ بورڈ کے متعلقہ اہل کاروں سے کیس نہ گذرے اس وقت تک انتقال وغیرہ کا مسئلہ ادھورا ہوتا ہے۔ اس لئے پٹواریوں اور تحصیلداروں نے بہت رکاوٹیں ڈالیں۔ ضیاء انتظامیہ نے خاص تعاون کرتے ہوئے سگنل دیا کہ جگہ کا قبضہ آپ لوگوں کو دے دیتے ہیں باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔

چنانچہ ایک دن حضرت نے بندہ سے فرمایا: بیٹا! کل سارے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ جگہ (Site) پر پہنچ جانا کہ جگہ کا قبضہ لیں گے۔ بندہ پچیس تیس طلباء اور اساتذہ کے ساتھ موقع پر پہنچ گیا۔ مارشل لاء انتظامیہ کی طرف سے بریگیڈیر فہیم قبضہ دلوانے آئے ہوئے تھے۔ کنٹونمنٹ والے بھی پہنچ گئے تھے کہ اپنا مؤقف بیان کریں کہ ابھی انتقال نہیں ہوا۔ تحصیل دار آگے بڑھا اور اس نے کہا: آپ کیسے قبضہ لے سکتے ہیں؟ اس پر مارشل لاء والوں کا آدمی آگے بڑھا اور اس نے ایک موٹا سریا عمارت کے تالے میں ڈالا اور کھینچا، تالہ ٹوٹا اور اس نے کہا: ایسے ہم قبضہ لے سکتے ہیں۔ عمارت کے اندر سب داخل ہوئے۔ فری میسن تحریک کا ریکارڈ نکالا گیا۔ کئی نامی گرامی افراد کے نام ممبروں میں لکھے ہوئے تھے۔ کچھ تلواریں، کچھ انسانی کھوپڑیاں وغیرہ، ان سب کو ایک الماری میں جمع کیا گیا۔ بعد میں سنا کہ انسانی کھوپڑیاں یہودی جادوٹونے وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔ اس کے بعد حفظ کے مدرسہ قائم کیا گیا اور بنوں کے دو حفاظ قریشی برادران بطور اساتذہ آئے۔ ان کی خوش الحانی نے مدرسہ کو کافی کشش دی، طلباء کی تعداد بڑھی، علاقے کے لوگوں اور فوجی افسران کو اندازہ ہوا کہ اس جگہ مسجد کتنی اہم اور ضروری تھی۔ علاقے کے سارے جنازے مسجد کے احاطے کے پاس کھلے میدان میں ہونے لگے جن

کے لئے پہلے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس اثناء میں لیفٹیننٹ جنرل فضل حق گورنر مقرر ہوئے۔ یہ دینی لوگوں کے قدردان تھے۔ ان سے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی۔ بہت ادب سے ملے۔ حالات سننے پر کہا کہ ضرور مسجد بنانی چاہئے اور ہم آپ کی پوری تائید کریں گے۔

مسجد اور مدرسہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حاجی عبدالرّحمان صاحب کو اپنی طرف سے نائب مہتمم مقرر فرمایا۔ انہوں نے انتظامی امور میں دلچسپی لینا شروع کی اور کام آگے بڑھا۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ مجاہدات، اذکار، اشغال، بے نفسی، تواضع میں یادگارِ سلف تھے۔ کسی موقع پر ان کی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی اور باہمی ہر دو حضرات کو بہت کشش محسوس ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز دعا جو رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے بعد حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ مولانا اشرف صاحب سنگِ پارس ہیں۔ سنگِ پارس ایک پتھر کو کہتے ہیں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ جس سے لگ جائے اس کو سونا بنا دیتا ہے۔

حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ بھی مدرسے اور مسجد کی طرف ہوئی اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے دعا فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے سامان کیا اور حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ نواب عشرت خان قیصر رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے قطر کے ایک مخیّر شخص شیخ درویش فخرو نے مسجد کی تعمیر کے لیے ایک خطیر رقم مختص کی۔ گورنر فضل حق صاحب کو بلایا گیا اور ان کے ہاتھوں سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔ گورنر فضل حق صاحب کے لیے بھی حضرت نے دعا فرمائی۔ چنانچہ گورنر موصوف کو اللہ نے دینی زندگی نصیب فرمائی۔ آخری ایّام میں پابند صوم وصلوٰۃ ہوئے اور ذکر کے عادی ہوئے اور شہادت کی موت نصیب ہوئی۔

پروفیسر مسرت حسین شاہ صاحب اور حاجی عبدالرّحمان صاحب نے مل کر حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں کام شروع کیا۔ حضرت ان دنوں تبلیغی جماعت کے بھی امیر تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ جگہ تبلیغی مرکز بنا دی جائے کیونکہ پرانا تبلیغی مرکز مسجد خواجہ معروف ضرورت پوری نہیں کر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رہا تھا لیکن تبلیغ والے حضرات نے دلچسپی نہ لی اور کہہ دیا کہ ہم متنازعہ جگہ مرکز نہیں بنائیں گے۔ بعد میں مدرسہ میں توسیع کی گئی۔ علاوہ تجوید وحفظ کے دینی کتابیں شروع کی گئیں اور دورۂ حدیث شروع کیا گیا۔ مشہور شیخ الحدیث حضرت مولانا امان اللہ مدظلہ تدریس کے لئے مقرر ہوئے۔ تھوڑے عرصے بعد ہی عالمی شہرت یافتہ عالم حضرت مولانا حسن جان شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی تدریسی عملہ میں بطور شیخ الحدیث شامل ہو گئے۔ اس طرح یہ مدرسہ پاکستان کا ایک نمائندہ مدرسہ بن گیا۔ چونکہ سعودی حکومت سے مسجد و مدرسہ کے سلسلہ میں کوئی دلچسپی کا مظاہرہ نہ ہوا اور اس کے کل اخراجات شیخ درویش فخر وصاحب نے دیئے اور وہ ایک پابند شرع اور نیک شخصیت تھے اس لئے مسجد کا نام ان کے نام پر ہی مسجد درویش رکھا گیا۔ دارالعلوم کا نام شیخ العرب والعجم، مجاہد جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رکھا گیا۔ آج مدرسہ میں سینکڑوں طلباء درجہ حفظ میں، سینکڑوں درجہ کتب میں اور سینکڑوں دورۂ حدیث میں ہوتے ہیں۔ اتنی تعداد پاکستان کے چند گنے چنے مدارس میں ہوگی۔ مدرسہ کا مسلک معتدل فرقہ واریت سے پاک، جذباتی اور یک رُخے طرز سے علیحدہ ایک جامع مسلک ہے جو سب طبقات کو جوڑ کر ملک میں اتفاق واتحاد کی فضا پیدا کرنے کا علمبردار ہے۔ مدرسہ کے اخراجات کے لیے خطیر رقم کی ضرورت درپیش ہوتی رہی۔ لاکھوں روپے کا قرضہ جمع ہوجاتا تھا۔ یہ حضرت کی کرامت تھی کہ غیب سے بندوبست ہوجاتا تھا۔ ایک مرتبہ مدرسہ چار لاکھ روپے کا مقروض ہوگیا اور آٹا کی دکانوں اور روٹی کے تندوروں تک نے پیغام بھیج دیا کہ اپنا بندوبست کرو۔ پچھلا قرضہ ادا کرو تاکہ ہم مزید ترسیل (سپلائی) کریں۔ حاجی عبدالرّحمان صاحب نے مدرسہ والوں سے کہا کہ اسی طرح حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر عرض کرو۔ چنانچہ حضرت کو فکرمند کیا گیا۔ جلسہ مقرر ہوا۔ ایک ہی جلسہ میں سارا قرضہ ادا ہونے اور اگلے سال کے لیے پیش کش ہونے کے حالات پیدا ہوگئے۔ یہ چالو مدرسہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندہ کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ واقعی اصل کرامت کسی بزرگ کی یہ ہوتی ہے کہ اس سے کتنا دینی فیض عام ہوا۔

یونیورسٹی کے مدارسِ حفظ قرآن:

۱۹۵۵ء سے پاکستان میں حفظِ قرآن اور تجوید کا سلسلہ شروع ہوا۔ راہوالی ضلع گوجرانوالہ کی ایک

مخیر شخصیت اور شوگر مل کے مالک جناب یوسف سیٹھی صاحب نے اپنی جائیداد کو ٹرسٹ بنا دیا اور اس کی آمدنی سے حفظِ قرآن کے مدارس چلانے شروع کیے۔ انہی کے تعاون سے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور یونیورسٹی میں حفظ قرآن کے مدارس کا آغاز کیا۔ فوراً شعبۂ الٰہیات نے مخالفت شروع کر دی اور یونیورسٹی سے ہر امام کے لئے تدریسی الاؤنس مقرر کر کے ان مدارس کے راستے میں رکاوٹ ڈال دی اور بغیر تجوید کے ہی مقامی مولوی صاحبان نے ناظرہ پڑھانا شروع کر دیا۔ مجبوراً وہ مدارس حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گھر منتقل کرنا پڑے جو کچھ عرصہ چل کر بند ہوگئے۔ مقامی ائمہ نے بھی زیادہ دلچسپی نہ لی اور اس طرح ایک بڑی آبادی حفظ اور تجوید کی برکت سے محروم ہوگئی۔ ۱۹۸۰ء میں دوبارہ حضرت نے بندہ کے ذریعے دو مدارس کی ابتداء کروائی۔ اب کے تبلیغی جماعت کی کارکردگی اور حضرت کی سرگرمیوں سے پشاور یونیورسٹی کی فضا میں ایک دینی انقلاب برپا ہو چکا تھا اور شعبۂ الٰہیات کی گرفت کمزور ہو چکی تھی۔ نئے وائس چانسلر پروفیسر رشید احمد طاہر خیلی نے بھی تائید کی۔ چنانچہ مدرسوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور کئی طلباء داخل ہوئے جس سے پشاور یونیورسٹی میں حفظ وتجوید کا دور شروع ہوا۔ ان مدارس کی دیکھا دیکھی دوسری مساجد میں بھی لوگوں نے نئے مدارس قائم کر لئے۔ اب تک ان مدارس کی وجہ سے کئی طلباء کو حفظ وتجوید کی دولت مل چکی ہے۔

دینی تحریکات نیز پشاور یونیورسٹی کے سیاسی حالات:

پاکستان میں ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۷ء ایسے حالات گزرے کہ اس دور میں اشتراکیت واشتمالیت (کمیونزم اور سوشلزم) کے بادل پورے ملک پر منڈلاتے رہے۔ اس دور میں دہریہ لٹریچر تھوک کے حساب سے ملک میں آیا۔ دشمن کی کوششوں کا مرکز کالج و یونیورسٹیاں تھیں۔ طلبہ تنظیمیں اور اساتذہ کی تنظیمیں بنائی گئیں جو نظریاتی کام بھی کرتی تھیں اور مختلف ایسوسی ایشنوں کے الیکشنز میں حصہ بھی لیتی تھیں اور اس طریقہ سے اپنے عزائم پورے کرتی تھیں۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یونیورسٹی و اسلامیہ کالج کے ہاسٹلوں میں جا جا کر طویل اور تفصیلی تقریریں فرمائیں اور اس طرح ان کا سدباب کیا۔ اپنے مرید طلباء و اساتذہ سے مختلف اداروں کے الیکشن لڑوائے۔ چنانچہ حاجی بشیر طارق صاحب کئی مرتبہ سکولوں کی اساتذہ کی تنظیموں کے صدر رہے۔ پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم صاحب، پروفیسر مسرت صاحب، پروفیسر ڈاکٹر عالم خان صاحب اور دیگر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرات یونیورسٹی اساتذہ کی تنظیموں کے منتخب نمائندے (Office Bearers) رہے۔ بندہ ڈاکٹر فدا محمد باوجود ہمت نہ ہونے کے بار بار ڈاکٹروں کی مقامی وصوبائی تنظیموں کا بلا مقابلہ صدر ونائب صدر منتخب ہوا اور حضرت کی دعا تھی کہ کتنے ناموافق حالات کیوں نہ ہوں کبھی الیکشن نہیں ہارا۔

طلباء میں سے پیر عبدالقیوم شاہ مرحوم، جاوید پراچہ، شمشاد، قاضی فضل اللہ، قاضی فضل واحد، مظہر سجاد، ڈاکٹر نادر شیر، وارث خان پیش پیش رہے۔ جن میں سے بعض مختلف تنظیموں کے صدر وسیکرٹری بھی رہے۔ پیر عبدالقیوم شاہ ایجوکیشن کالج کے صدر منتخب ہوئے۔ جاوید پراچہ اور شمشاد پشاور یونیورسٹی سٹوڈنٹ یونین کے بتدریج جنرل سیکرٹری ولٹریری سیکرٹری منتخب ہوئے۔ یہی طلباء یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد حکومت کے مختلف شعبوں میں افسر بنے یا ملکی سطح پر اہم کردار ادا کیا۔ قاضی فضلِ واحد رورل ڈیویلپمنٹ اکیڈمی میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہوئے۔ مظہر سجاد انتظامیہ میں مجسٹریٹ ہوئے۔ جبکہ شمشاد محکمہ جنگلات میں افسر بنے۔ قاضی فضل اللہ نے اسی یونیورسٹی کی تربیت کے نتیجے میں ملکی سطح پر جمعیت علمائے اسلام کے ٹکٹ پر جبکہ جاوید پراچہ نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے الیکشن لڑے اور ممبر منتخب ہوئے۔ اس طرح باطل کے سامنے مضبوط لوگوں کو کھڑا کیا گیا اور اہلِ باطل کو اندازہ ہوا کہ ان کے مقابلے میں مضبوط قوت موجود ہے۔

تحریکوں میں سے تین تحریکات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۹۷۳ء میں ختم نبوت کی ملک گیر تحریک چلی۔ یہ وقت ملک کے لیے بڑا مشکل تھا۔ فضائی اور بحری افواج دونوں کے سربراہ قادیانی تھے۔ صرف بری فوج کا سربراہ ٹکا خان قادیانی نہیں تھا۔ تاہم کوئی خاص اسلامی جذبات والا بھی نہیں تھا۔ اسی اثناء میں علماء کو پورے ملک کے ڈوب جانے کا خطرہ درپیش ہوا۔ بغیر کسی پروگرام اور منصوبے کے تحریک چل پڑی۔

اس کی تفصیل جو بندہ کی معلومات میں ہے یوں ہے کہ بندہ کے ایک دوست ڈاکٹر اسلم صاحب پروفیسر جغرافیہ ہوتے تھے۔ وہ اکثر اسلام آباد آتے جاتے رہتے تھے اور ان کا گھر بھی وہیں تھا۔ اچھے ریسرچ ورکر ہونے کی وجہ سے مختلف سائنسی ادارے انہیں بلاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آئے۔ وہ مجھے اکثر پیر صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ پیر صاحب! آج کل قادیانی بھٹو کو تنگ کر

رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم نے ۱۹۷۱ء کے الیکشن میں تمہارا ساتھ دیا ہے لہٰذا ہمیں مراعات دو۔ ان کو مراعات دینا اس کے سیاسی مستقبل کے خلاف ہے لہٰذا ان کے بارے میں کچھ کرے گا۔ چنانچہ قادیانیوں نے اس سے شکایتیں کیں کہ لوگ ہمیں تنگ کرتے ہیں، آوازیں کستے ہیں، خصوصاً ربوہ (چناب نگر) پر آوازے کسے جاتے ہیں۔ اس نے زبانی طور پر ان سے کہا کہ کوئی آوازے کسے تو انہیں ٹھیک کردو۔ انہی دنوں ربوہ (چناب نگر) سٹیشن سے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء کا جو مطالعاتی سفر (Tour) پر تھے گزر ہوا۔ انھوں نے آوازے کسے، قادیانیوں نے ان کی پٹائی کی۔ یہ خبر سنسر کی گئی اور زیادہ اخباروں میں نہیں آئی۔ لیکن افواہ کے طور پر یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی کہ طلباء کی زبانیں قادیانیوں نے کاٹ لی ہیں اور ان کو اس بری طرح پیٹا گیا ہے کہ معذور کر کے رکھ دیا ہے۔ اس پر سخت ردعمل ہوا اور پورے ملک میں تحریک چل پڑی۔ یونیورسٹی میں بھی جلسے جلوس شروع ہوئے۔ تحریک کی پہلی رات اسلامی جمعیت طلباء نے جلوس نکالے جنھیں پذیرائی نہ ہوئی۔ اتفاق کی بات کہ ان دنوں تحریک ختم نبوت کے عالمی امیر مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ بنوری صاحب بیماری کی وجہ سے بحرین (سوات) میں قیام پذیر تھے۔ ساتھ ہی حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تھے۔ بندہ اسی سال بطور استاد میڈیکل کالج میں آیا تھا اور سب سے جونیئر تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ آیا تحریک میں حصہ لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ رات کو بندہ نے خواب میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ تعبیر پر غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ اس تحریک میں ہمارے ساتھیوں کو بھی حصہ لینا ہوگا، دوسرے سیاسی لوگوں کی غیر مقبولیت اور ان کا جذباتی طریقہ کار تحریک کے لیے نقصان دہ تھا۔ جگہ جگہ بلا تحقیق املاک کے جلانے اور آدمیوں پر تشدّد کے واقعات بھی سامنے آئے۔ اس پر یہی دل میں آیا کہ ہمارے ساتھیوں کو شامل ہو کر تحریک کو پرامن ڈگر پر چلانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ کیونکہ بندہ پر یہ بات واضح تھی کہ شریعت کی رو سے احتجاج (Protest) اور ناگواری (Resentment) کے اظہار کے لیے پرامن تحریک ضروری ہے۔ لیکن بلا تحقیق کسی کی جان و مال کو نقصان پہنچانا شریعت کی رو سے جائز نہیں۔ چنانچہ اسی طرح کیا۔

ہمارے ساتھیوں کی وجہ سے تحریک میں قوت پیدا ہوگئی اس کے ساتھ ہی تحریک میں اعتدال آ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گیا۔ دوسرے ہی دن حضرت مولانا بحرین سے واپس تشریف لائے اور بندہ کو یاد فرمایا۔ پوچھا کہ حالات وواقعات کیا ہیں۔ بندہ نے مختصراً عرض کر دیا۔ تسلی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ لوگوں کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو مرد اور عورتیں آ کر اپنی حفاظت کی درخواست کرنے لگے اور قادیانیت سے اپنی برائت کا اظہار کرنے لگے۔ حضرت نے سب کو تسلی دی کہ کسی کو خلافِ شریعت کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ چنانچہ جن لوگوں کو زیادہ خطرہ تھا ان کے گھروں کے آگے آدمی بھی کھڑے کروائے تا کہ حفاظت رہے۔ یہ آپ کی برکت تھی کہ پشاور یونیورسٹی جیسے ماحول میں جہاں نوجوان طلباء ہوتے ہیں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ ہم سے پہلے جو مالی نقصان ہوا وہ دین سے ناواقف لوگوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ ہمارے ساتھیوں کے سامنے آنے سے مکمل امن وامان ہوگیا۔ طلباء نے بندہ کو بتایا کہ وہ پورے صوبے کو پشاور میں جمع کرنا چاہتے ہیں اور ختمِ نبوت کا ایک مثالی جلسہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان بے حیثیت طلباء کے جذبات بندہ کو مجنون کی بڑ ہی نظر آئے بہرحال تین تین طلباء کی ٹولیاں ہزارہ، سوات اور ڈیرہ اسماعیل خان بھیجی گئیں۔ حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ان طلباء نے تقریباً ایک لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جناح پارک پشاور میں جمع کر دیا۔ بندہ کو واضح محسوس ہوا کہ اس تحریک کو نہ تو کوئی فنڈ چلا رہا ہے اور نہ تحریک ختمِ نبوت اس کو چلا رہی ہے بلکہ ہر طالبعلم اپنا خرچہ خود کر رہا تھا۔ تحریک کی ایسی غیبی تائید اور مقبولیت اس بات کی واضح نشاندہی کر رہی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سو سالہ پرانے فتنے کے خاتمے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ایک لاکھ کا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اور سنبھالنے والا سوائے طلباء کے کوئی نہیں۔ مختلف تنظیموں کے طلباء سٹیج پر آئے اور سٹیج سنبھالنا چاہا لیکن پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن اور پختون سٹوڈنٹ فیڈریشن نے اسلامی جمعیت طلبہ کو سٹیج دینے کے خلاف احتجاج کر دیا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر حضرت کے ایک مرید میاں عبدالحلیم کا کاخیل کا تعارف کرایا۔ حضرت کی برکت سے سب لوگ اس کی صدارت پر متفق ہوگئے اور تقاریر شروع ہوگئیں لیکن اس جلسے کو قابو کرنا طلباء کے بس کی بات نہیں تھی۔ اللہ نے غیبی مدد فرمائی اور جمعیت علمائے اسلام کے مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی طرح پہنچ گئے۔ ان کی خداداد قوت تقریر کام آئی اور جلسہ ایسا کامیاب ہوا کہ حکومت کو کان ہوگئے۔

طلباء کے جلوس انتہائی منظم اور پُرامن تھے لیکن حکومت نے لاٹھی چارج وغیرہ کر کے کئی طلباء کو زخمی

کر دیا اور کئی ایک کو جیلوں میں ڈال دیا۔ ان زخمی ہونے والے اور جیل میں جانے والے طلباء کے بارے میں خاص اہل اللہ کو بشارتیں ہوئیں۔ ایک مجذوب کوئی اشارۂ غیبی پا کر ایک طالبعلم کی زیارت و ملاقات کے لئے آئے۔ ان سارے طلباء کے بارے میں ایسی دعائیں قبول ہوئیں کہ سارے کے سارے اہم پوسٹوں پر ہیں اور آسودہ حال ہیں اور ان کی دینی حالت قابلِ رشک ہے۔

دوسری تحریک: جس وقت سیٹھی اسماعیل صاحب وائس چانسلر ہوئے انھوں نے یورپ کے دورے میں ایک فلم The Message (دی میسج) کہیں دیکھی اور اس کا ویڈیو کیسٹ ساتھ لے آئے اور یہ فلم یونیورسٹی کے اساتذہ کو جمع کر کے دکھا دی۔ اس فلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کو فلمایا گیا تھا۔ ان دنوں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج پر تھے۔ بندہ کو بہت ناگواری ہوئی۔ ایک دینی سیاسی جماعت سیٹھی صاحب کو ہٹانا چاہتی تھی۔ انھوں نے اس واقعے کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یونیورسٹی میں تحریک گرم ہوگئی۔ ساتھیوں کے پوچھنے پر بندہ نے عرض کیا کہ اچھا ہے کہ کوئی اس پر ناگواری کا اظہار کرے، جب حالات بگڑنے لگے تو سیٹھی صاحب نے بندہ کو بلایا اور اس سلسلہ میں کچھ مدد کرنے کے لیے کہا۔ بندہ نے سیٹھی صاحب سے عرض کیا کہ یہ کام تو آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اس پر اللہ کے حضور توبہ کریں اور ایک تحریری توبہ نامہ مجھے لکھ کر دیں تو میں طلباء کو منا لوں گا۔ وہ حق پرست آدمی تھے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کی تحریر لے کر بندہ آیا اور طلباء کی تنظیموں کو بلایا۔ جمعیت طلباء اسلام اور اسلامی جمعیت طلباء سے بندہ نے کہا کہ آپ یہ تحریک ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اور اللہ کی رضا کی خاطر چلا رہے ہیں؟ سب نے ہاں کہا۔ اس پر بندہ نے سب کو بتایا کہ اس آدمی سے غلطی ہوگئی تھی۔ غلطی کا علاج اعتراف اور توبہ ہے وہ اس نے کر لی ہے اور یہ تحریر بندہ کو لکھ کر دی ہے تو اب ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے خلاف تحریک چلائیں۔ اس بات کو جمعیت طلباء اسلام نے مان لیا لیکن اسلامی جمعیت طلباء والے وائس چانسلر کو ہٹانے پر تلے ہوئے تھے وہ نہ مانے۔ خیر بندہ نے وائس چانسلر کے پاس جا کر کہا کہ جمعیت طلباء اسلام تو شامل نہیں ہوگی صرف اسلامی جمعیت طلباء کا چھوٹا سا جلوس ہو جائے گا۔ بندہ کی اپنی رائے یہ تھی کہ احتجاجی جلوس ہو اور بس خیر ہو جائے۔ صبح سویرے جاوید ابراہیم پراچہ بندہ کے پاس آیا اور اس نے یہ کہا کہ رات بارہ بجے پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن اور پیپلز

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سٹوڈنٹس فیڈریشن والے جمع تھے اور کہہ رہے تھے کہ انہیں یونیورسٹی انتظامیہ نے کہا ہے کہ کل صرف جماعتیے ہوں گے ان کی خوب پٹائی کی جائے۔ بندہ کو یہ بات بہت ناگوار گذری کہ ایک دینی مسئلے پر جلوس نکالا جائے اور جلوس نکالنے والوں کی پٹائی کر کے انھیں ذلیل کر دیا جائے لہٰذا بندہ اور جاوید ابراہیم پراچہ نے یہ طے کیا کہ صبح وائس چانسلر کو اطلاع دی جائے کہ ہم نے جو آپ سے رات وعدہ کیا تھا ہم اب لوگوں کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔ چنانچہ دوسرے دن جو جلوس نکلا تو پختون اور پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن نے حملہ کر دیا۔ جوں ہی حملہ ہوا تو اتنا سخت ردعمل ہوا کہ ہر دو طبقات کو سڑکوں پر بھاگنا پڑا۔ پختون والوں نے فائرنگ بھی کی۔ پختون اور پیپلز والے حیران تھے کہ اتنا سخت ردعمل ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ بعد میں ان کو پتہ چلا کہ مقابلے میں صرف اسلامی جمعیت طلباء نہیں تھی بلکہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین اور جمعیت طلباء اسلام والے بھی تھے تو اس سے حالات بہت خراب ہو گئے۔ پیپلز پختون ہر دو طبقے بندہ کے پاس آ کر اپنی صفائی پیش کرنے لگے کہ جی ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ کوئی سیاسی سٹنٹ ہے جسے اسلامی جمعیت طلباء چلا رہی ہے۔ اگر یہ واقعی دینی مسئلہ تھا تو ہمیں افسوس ہے۔ اگر آپ بروقت دینی مسائل ہمیں بھی سمجھا دیا کریں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

حالات اتنے خراب ہو گئے کہ بات فضل حق گورنر تک پہنچ گئی۔ اس اثناء میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج سے واپس آ گئے۔ سیٹھی اسماعیل صاحب حاضر ہوئے اور امداد کے لئے عرض کی۔ گورنر سے مذاکرات کے لئے خاص طور پر پروفیسر مسرت حسین شاہ صاحب کو بھیجا۔ مسرت صاحب انتھک کوشش کرتے رہے اور طلباء تنظیموں میں صلح صفائی کروائی۔ گورنر صاحب سے بھی مذاکرات کئے۔ یوں یہ کیس رفع دفع ہوا اور سیٹھی صاحب کے لیے حالات درست ہوئے۔

ایک تحریک عیسائیوں کے گرجا کے سلسلہ کی ہے۔ عیسائیوں نے پشاور یونیورسٹی کے اندر سرکاری زمین پر گرجا کی تعمیر شروع کر دی۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف یہ تھا کہ اسلامی مملکت میں اسلامی سرکاری زمین پر کوئی غیر مسلم اپنی عبادت گاہ تعمیر نہیں کر سکتا (یہ مسئلہ ایسے ہی فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے) لیکن انتظامیہ اپنی دینی ناواقفیّت کی وجہ سے اس کی اجازت دے بیٹھی۔ حضرت مولانا

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت افسوس تھا کہ اگر یہ گرجا بن گیا تو ہر باطل فرقہ یہاں اپنی عبادت گاہ بنانے کا مطالبہ کرے گا۔ اس طرح یہ حساس جگہ فرقہ واریت کا مرکز بن کر مستقبل کے لیے بڑے بڑے مسائل کی آماجگاہ بن جائے گی۔ اس کے لئے آپ خاص طور پر دست بہ دعا ہوئے۔ پشاور یونیورسٹی کے طلباء کو جب حضرت کے حلقے کی ناگواری کا علم ہوا تو ایک جلوس کی شکل میں جا کر گرجے کو زمین بوس کر آئے۔ انتظامیہ اور پولیس کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ اس کے بعد کوئی باطل طبقہ پشاور یونیورسٹی کیمپس میں عبادت گاہ بنانے کی جرأت نہ کر سکا۔

ایک بار پھر عیسائیوں نے کوشش کی اور اُن کا مرکزی وزیر پیٹر جان سہوترا پشاور یونیورسٹی آیا اور اس نے یونیورسٹی کی انتظامیہ اور سینڈیکیٹ وغیرہ سے گرجے کی منظوری کروالی۔ تعمیر سے پہلے وائس چانسلر ڈاکٹر پروفیسر محمد انور خان کا خیال ہوا کہ اس پر مشاورتی کمیٹی برائے امور مذہبی کو بھی متفق کر دیا جائے۔ میٹنگ سے پہلے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط وائس چانسلر کو بدست پروفیسر ڈاکٹر مولوی نعمان صاحب بھیجا۔ بندہ مشاورتی کمیٹی کا ممبر ہونے کی وجہ سے میٹنگ میں حاضر ہوا۔ وائس چانسلر کو بندہ نے واضح طور پر بتایا کہ یہ آخرت کا مسئلہ ہے۔ ہم آپ کو ایسی کوئی رائے نہیں دیں گے جس میں ہماری اور آپ کی آخرت خراب ہو۔ اس پر وائس چانسلر چونکے اور انھوں نے کہا کہ آخرت کو ہم نے بھی جانا ہے۔ میں ایسا کوئی اقدام نہیں کروں گا جس میں میری آخرت خراب ہو۔ چنانچہ اس نے وعدہ کیا کہ اگرچہ اس کو سینڈیکیٹ کی منظوری حاصل ہو چکی ہے لیکن میں اپنے خصوصی اختیارات استعمال کر کے کارروائی (Minutes) سے اس کو نکال دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

ایک بار انجینئرنگ کالج میں فوادنامی ایک قادیانی لڑکا الیکشن کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس نے مسلمان طلباء کے ایک مضبوط اور فعال گروہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ سمجھدار طلباء نے مخالفت کی۔ اس پر اس کے حواری حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مولانا صاحب الیکشن کے بہانے ایک قادیانی ہاتھ آ رہا ہے، کیوں نہ اسے صدر بنا لیا جائے۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ برخورداران کے ہتھکنڈوں کا آپ کو پتہ نہیں۔ آپ اتنے فعال لوگ ہیں، کیا آپ میں سے کسی میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں کہ آپ آگے بڑھ کر یہ الیکشن لڑیں، اور قطعاً اس کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ اس کو ناکامی کا منہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیکھنا پڑا۔

پشاور یونیورسٹی میں اسماعیلیہ فرقہ کے آغا خان نے ایک آڈیٹوریم آغا خان آڈیٹوریم کے نام سے بنایا۔ جسے بطور سنیما استعمال کیا جاتا تھا۔ سارے دیندار لوگوں کی طبیعت پر یہ چیز بوجھ تھی اور اس کو بند کرنا چاہتے تھے۔ بندہ نے حضرت مولانا کو متوجہ کیا۔ دعائیں ہوتی رہیں، بندہ نے ایک عرضداشت لکھی اور اس پر لوگوں سے دستخط لینا شروع کئے۔ بعض دینی حلقوں نے مذاق اڑایا کہ دیکھیں گے کہ دستخطوں سے کیسے سنیما بند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے سامان پیدا فرمایا۔ پروفیسر عبدالعلی خان صاحب جب دوسری بار وائس چانسلر بن کر پشاور یونیورسٹی آئے تو انھوں نے اپنی کچھ انتظامی مصلحتوں کے تحت سنیما کو بند کر دیا۔ وہ تھوڑا عرصہ وائس چانسلر رہ کر چلے گئے۔ اسی اثناء میں طلباء کی یونین کے الیکشن ہوئے۔ پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن نے انتخابی وعدوں میں سنیما کھولنے کا بھی وعدہ کیا ہوا تھا۔ اس الیکشن میں حضرت کی ایماء پر بندہ نے جمعیت طلباء اسلام سے الیکشن لڑوایا تھا اور قاضی فضل واحد و مظہر سجاد بالترتیب صدر اور جنرل سیکرٹری کے امیدوار تھے۔ پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن والوں نے حسب وعدہ اس وقت کے وائس چانسلر پروفیسر رشید احمد خان طاہر خیلی سے رابطہ کیا اور سنیما کھولنے کا مطالبہ کیا۔ بندہ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ بندہ نے جمعیت طلباء اسلام والوں کو بلایا اور ان کو سمجھایا کہ یونیورسٹی کے بازاروں، چوکوں، کالجوں اور ڈیپارٹمنٹس میں کھڑے ہو کر خوب دانت پیستے ہوئے اور ڈاڑھیوں کو دانتوں میں چباتے ہوئے خوب جذباتی انداز میں بولو کہ یہ سنیما تب کھلے گا جب ہماری لاشیں گر جائیں گی۔ خاص طور سے جہاں پولیس اور سی آئی ڈی والے ہوں وہاں خوب آنکھیں سرخ کر کے بولو تاکہ یہ بات رپورٹ ہو جائے۔ طلباء اپنی نوعمری کی وجہ سے پوچھتے تھے کہ اگر ہم گرفتار ہوئے اور ہم پر کیس چلے تو ہمارا کیا ہوگا؟ بندہ نے ان کو بتایا کہ مجھے اگر اپنی جان فروخت کرنا پڑی تو کروں گا لیکن تم کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ مظہر سجاد کو بندہ نے وائس چانسلر رشید احمد خان طاہر خیلی صاحب کے پاس بھیجا اور سمجھایا کہ بغیر کسی کی اجازت لئے جھٹکے سے دروازہ کھول کر سید طاہر خیلی صاحب کے سامنے کھڑے ہو جانا اور خوب جذباتی انداز میں کہنا:

''وائس چانسلر صاحب! مجھے اس الیکشن میں دو سو آدمیوں نے ووٹ دیئے ہیں۔ آپ اس

وقت تک سنیما نہیں کھول سکتے جب تک یہ دو سو لاشیں گر نہ جائیں۔''

طاہر خیلی صاحب مردم شناس اور موقع شناس آدمی تھے وہ مسئلے کی نزاکت کو بھانپ گئے اور انھوں نے سنیما کھولنے سے صاف انکار کر دیا۔

عالم اسلام کے مسائل:

عالم اسلام کے عالمی مسائل و دینی ترجیحات کا آپ کو بہت گہرا اور عملی فہم ہوتا تھا۔ بعض اوقات آپ کی نگاہ وہاں تک کام کر رہی ہوتی تھی جہاں تک عام سیاسی پارٹیوں اور زعماء بلکہ دینی سیاسی پارٹیوں کی بھی دسترس نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد یہ بات واضح طور پر محسوس ہوئی۔ جس وقت ساری قوم عراق کے صدر صدام حسین کے حق میں سڑکوں پر نکل کر چیخ و پکار کر رہی تھی اور آپ کے خلفاء میں سے بندہ خود، حسن خان صاحب اور نعمان صاحب ان کے ہمنوا بنے ہوئے تھے، حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد بصیرت کے ذریعے اس کو دنیائے اسلام کے لیے مفید نہ سمجھا۔ ہم تینوں افراد پر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ گرفت بھی نہیں فرمائی کیونکہ حضرت بہت کھلے دل والی شخصیت تھے اور اپنے خلفاء کے وہ اختلافات جو عقائد و اعمال میں تو نہ ہوں لیکن انتظامی و سیاسی امور میں ہوں ان پر ناراضگی اور ناگواری نہیں فرماتے تھے۔ بعد کے حالات نے بتادیا کہ صدام حسین کی ترتیب دنیائے اسلام کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔

۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ میں آپ نے اپنی دعاؤں اور مواعظ کے ذریعے اہلِ پاکستان و افواج پاکستان کے حوصلے بلند کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۱ء کی پاک و ہند جنگ میں حکومتِ پاکستان میڈیکل کالج سے فارغ ہونے والے ڈاکٹروں کو لازمی طور سے فوج میں بھرتی کر رہی تھی، جس سے ڈاکٹر ناگواری محسوس کر رہے تھے لیکن آپ نے اپنے مرید ڈاکٹر صاحبان کو جہاد کی نیت کر کے بھرتی ہونے کی تلقین کی۔ سقوطِ مشرقی پاکستان پر آپ کو اتنا غم واندوہ محسوس ہوا کہ سات دن تک روتے رہے۔

مسئلہ فلسطین پر ساری عمر آپ تڑپتے رہے۔ پشاور یونیورسٹی میں پڑھنے والے فلسطینی طلباء سے آپ نے خاص روابط رکھے اور ان کی دینی تربیت پر خاص توجہ فرمائی۔ ۱۹۷۹ء میں افغانستان کا جہاد شروع ہوا تو ہر لحاظ سے اس کے لئے فکرمند ہوئے اور اپنی بساط کے مطابق مالی و جانی تعاون کیا۔ جب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تک روسی فوج رہی آپ کے مدرسے میں مجاہدین کا ایک تربیتی مرکز بھی رہا۔

سلسلۂ بیعت:

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیادہ توانائی، جان، مال اور وقت تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں میں ہی استعمال ہوا۔ اس کے ساتھ بیعت کا سلسلہ بھی چلایا اگرچہ وہ محدود پیمانے پر رہا لیکن اللہ نے ان کے اخلاص، مجاہدات اور آنے والوں کے ساتھ محبت کی وجہ سے کافی برکت عطا فرمائی۔ اندرون ملک اور بیرون ملک ہزاروں افراد بیعت ہوئے۔ ان میں سے کئی تو آپ کے اتباع میں تبلیغی جماعت میں کام کرتے رہے اور تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر تربیت اور ذکر واذکار میں بھی لگے۔ ان کی زندگیاں بدل گئیں اور اندرون و بیرون ملک کئی تبلیغی مراکز میں ذمہ دار حیثیت سے ان کے روح رواں ہیں۔ ان کا فہم اور تجربہ، خلوص اور جامعیت ان حضرات سے واضح طور پر زیادہ نظر آتی ہے جو سلاسل کے تربیتی نظام سے گذرے بغیر چل رہے ہیں۔

سلسلہ کے رخ کے کام میں عصر تا عشاء مجلس ہوتی تھی، جس کے بیانات اور تاثیر کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ جب صحت کمزور ہوگئی تو مجلس عصر تا مغرب کر دی گئی۔ جس میں خوب جوش وخروش، رقت، سوز و گداز، علمی استدلال کے ساتھ بات ہوتی تھی اور لطائف وظرائف سے بھی مزین ہوتی تھی۔ ابھی مجمع جوش وخروش سے نعرے لگانے کے قریب ہو رہا ہے تو تھوڑی دیر بعد گریہ وزاری کی طرف مائل ہے اور اچانک شگفتہ مسکراہٹ اور ہلکی ہنسی کا لطف اٹھا رہا ہے۔ آخری ایام میں جب ضعف بہت بڑھ گیا تو بزرگوں کے ملفوظات جن میں زیادہ تر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ہوتی تھیں پڑھی جاتی تھیں اور آپ کسی کسی جگہ کچھ فرما دیتے۔ اس طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت السالک، انفاسِ عیسیٰ اور الافاضات الیومیہ پڑھی گئیں۔ ہم لوگوں کے عرض کرنے پر خود ان کی اپنی کتاب شاہراہِ معرفت بھی ایک مرتبہ پڑھی گئی۔ جن دنوں بوجہ بیماری کے بہت ضعف ہوتا تھا۔ صرف نماز کے اوقات میں مجمع میں شمولیت فرماتے تھے اور مجمع صرف زیارت سے مستفید ہو جاتا تھا۔ واضح طور پر نظر آتا تھا کہ فیض کے لئے کلام کا سننا ہی ضروری نہیں، وہ تو آمنے سامنے ہونے سے ایک بجلی ہوتی ہے جو اندر کوند جاتی ہے۔

ان کے دیکھنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

مرض الموت میں استغراق بہت زیادہ رہتا تھا۔ بیدار کر کے نماز پڑھائی جاتی تھی۔ اس موقع پر اسلام آباد PIMS میں علاج کروانے کا مشورہ ہوا۔ اس سفر میں لانے لے جانے کی خدمت آپ کی بھانجی کے صاحبزادے عامر نے اپنے ذمہ لی۔ روح پرواز کرنے سے پہلے اسے نظر بھر کر دیکھا اور ٹوپی وغیرہ کچھ تبرکات دئے۔ برخوردار موصوف واپس ہوئے تو دل کا حال بدلا ہوا تھا۔ فوراً جا کر تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ چار ماہ لگا لئے اور زندگی بدل گئی۔ واقعی:

یک نگاہِ نازِ جاناں قیمت ایمان ماست

ترجمہ: محبوب کی ناز والی ایک نگاہ ہمارے ایمان کی قیمت ہے۔

چنانچہ تصوف کے رخ پر بھی آپ کا کام کم نہیں۔ اس چالیس سالہ تربیتی دور میں تقریباً آپ سے چھبیس حضرات کو خلافت ملی۔ ان میں سے ایک ساتھی کرنل ریٹائرڈ سلطان صاحب کو سلسلہ کے ساتھ مناسبت نہ رہی ان سے خلافت واپس ہوگئی۔ وہ پھر کسی دوسرے سلسلے میں چلے گئے۔ پچیس حضرات ان کی حیات تک سلسلہ پر قائم رہے۔ اللہ تا حیات قائم رکھے اور کام لے (آمین)۔ پشاور یونیورسٹی میں آپ کے چالیس سالہ قیام کے دوران اس فضاء میں کوئی باطل نظریہ، عقیدہ، کوئی جعلی پیر وغیرہ پنپ نہ سکے۔

آپ کے خلفاء:

۱۔ حاجی غضنفر سہروردی مدظلہ: موصوف لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے پشاور یونیورسٹی میں داخلہ ہوا۔ حضرت سے تعارف ہوا اور بیعت ہوئے۔ انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران چار سال حضرت کا ساتھ رہا۔ خود فرمایا کہ میں بریلوی خاندان کا فرد تھا اور ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ دیوبندی حضرات گستاخِ رسول ہوتے ہیں لیکن جب حضرت کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سوز و گداز کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیکھا تو وہ نظریہ بدل گیا۔ اللہ نے ذکر کا رنگ چڑھا دیا اور جلد ہی صاحبِ خلافت ہوئے۔ سعودی عرب ملازمت کرتے رہے۔ آج کل لاہور پاکستان میں مقیم ہیں۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت زیادہ خدمت کی ہے۔ رقتِ قلب اور تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خاص محبت ہے۔ نام سن کر اور لے کر بے قرار ہو جاتے ہیں۔ ملنے اور پاس بیٹھنے والا آدمی بہت محظوظ ہوتا ہے اور گرویدہ ہو جاتا ہے۔ آج کل سلسلے کے سربراہ ہیں۔

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم مدظلہ: کنیڈا سے زراعت میں ایم فل ہیں۔ بعد میں پی۔ ایچ۔ ڈی بھی کر لی ہے۔ زرعی یونیورسٹی کے پروفیسر، ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ اور فیکلٹی کے ڈین کے طور پر مختلف کام کرتے رہے ہیں۔ دورانِ طالب علمی بیعت ہوئے۔ بہت صاحب فہم و فراست ہیں۔ جب سے حضرت معذور ہوئے، حج کے دوران اور مقامی دوروں میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو پیٹھ پر اٹھا کر پھراتے رہے ہیں۔ موصوف کو اپنی سائنسی تحقیقات و خدمات پر حکومت پاکستان کا صدارتی ایوارڈ بھی ملا ہے۔

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن مدظلہ: امریکہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ زرعی یونیورسٹی میں پروفیسر، ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ، ڈین وغیرہ مختلف حیثیتوں سے کام کرتے رہے ہیں۔ اچھے معیار کی ریسرچ کا کام کئے ہوئے ہیں۔ دورانِ طالب علمی بیعت ہوئے۔ بہت ذاکر شاغل ہیں۔ ہمدردی، خیر خواہی اور تواضع ان کا خاص شیوہ ہے۔ تھانوی لٹریچر خاص طور پر پڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا کی مجالس اور بیانات خاص طور سے لکھتے رہے ہیں اور کافی ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے۔

۴۔ مولوی محمد یوسف برجوی رحمۃ اللہ علیہ: عربی میں پی۔ ایچ۔ ڈی تھے۔ شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی میں استاذ رہے۔ پشاور کے علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد حضرت مولانا محمد یونس صاحب ان نقشبندی مشائخ میں سے تھے جنھوں نے مضافاتِ پشاور میں دینی فضا قائم کی۔ مولانا برجویؒ کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ شعبۂ عربی سے ۶۰ سال کی عمر میں ریٹائر ہونے کے بعد مدرسہ امداد العلوم میں داخلہ لے کر دورۂ حدیث مکمل کیا۔

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر سراج مدظلہ: پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ زرعی یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ گھریلو دینی ماحول میں دینی کتب پڑھے ہوئے ہیں اور عربی کی اچھی استعداد اور ذوق رکھنے والے ہیں۔

سوات کے رہائشی ہیں۔

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد کاکاخیل رحمۃ اللہ علیہ: ادارۂ تعلیم و تحقیق پشاور یونیورسٹی کے ڈائیریکٹر رہے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ پشتو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کے مرکز رائے ونڈ میں زندگی وقف کی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی آسودہ خاک ہیں۔

۷۔ پروفیسر خلیل مدظلہ: لکی مروت کے رہنے والے ہیں۔ علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ والد صاحب فاضل دیوبند تھے۔ گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان میں زراعت کی فیکلٹی کے ڈین رہے۔ جب سے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ معذور ہوئے تو پیٹھ پر اٹھا کر پھرانے کی بہت خدمت کی ہے۔

۸۔ شاہ عبدالرّحیم مدظلہ: محکمہ زراعت کے افسر رہے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ بہت یکسوئی سے جم کر کام کرنے والے ہیں۔ چار ماہ لگائے ہوئے ہیں۔ پیٹھ پر اٹھا کر پھرانے کی بہت خدمت کی ہے۔ بیرون ملک سفر کیا ہے۔ دو بیٹوں کو فارغ التحصیل عالم بنایا ہے۔

۹۔ مولانا مبارک مدظلہ: لکی مروت کے علاقے میں تجوڑی کے مدرسے میں مدرس ہیں۔

۱۰۔ مولوی حسین الرحمان مدظلہ: محکمہ تعلیم میں کسی کالج میں عربی کے پروفیسر ہیں اور تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

۱۱۔ پروفیسر ڈاکٹر نعمان مدظلہ: عربی میں پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ ادارۂ تعلیم و تحقیق میں لیکچرر ہیں۔ حضرت مولانا کا تعویذات کا فیض خاص طور پر ان کو ملا ہے۔ حضرت کو پیٹھ پر اٹھا کر پھرایا ہے اور گھر میں دن رات انتھک خدمت کی ہے۔

۱۲۔ حسن خان صاحب مدظلہ: سید خاندان سے ہیں۔ پولیس میں انسپکٹر تھے اور سینٹرل کریمینل لیبارٹری میں ڈیوٹی کرتے رہے۔ خاموش طبع، ذاکر شاغل آدمی ہیں، تعلیماتِ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اچھا فہم ہے۔

۱۳۔ مولانا احمد جان رحمۃ اللہ علیہ: غزنی خیل لکی مروت کے مشہور اور بہت اعلیٰ استعداد والے عالم تھے۔ کافی وقت تبلیغی جماعت کے ساتھ اندرون و بیرون ملک اسفار میں گزرا۔ جادو بیان مقرر تھے۔ لکی مروت میں دار العلوم بھی چلایا۔ جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر دو بار قومی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۴۔ پیر حقانی رحمۃ اللہ علیہ: نریاب ضلع ہنگو کے رہنے والے تھے۔ باوجود ٹانگ کی معذوری کے بیساکھی کے سہارے چل کر ساری عمر تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کیا۔ صحافت سے وابستہ رہے، تاریخ پر گہری نظر تھی، اپنے خطے کے تحریک آزادی میں شامل علماء پر کتاب لکھی۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی وفات ہوئی۔

۱۵۔ مولوی محمد یوسف ہزاروی مدظلہ: مانسہرہ کے رہنے والے ہیں۔ اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شروع دور کے تبلیغ کے رفقاء میں سے ہیں۔

۱۶۔ ڈاکٹر محمد اجمل مدظلہ: میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ سعودی عرب میں ملازمت کرتے رہے ہیں۔ آج کل پشاور میں مقیم ہیں۔

۱۷۔ حاجی عبدالقدوس داوڑ رحمۃ اللہ علیہ: بجلی کے محکمہ میں ایکسین تھے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ جم کر کام کیا۔ کئی حج نصیب ہوئے۔

۱۸۔ حاجی عبدالرحمان صاحب: حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان کی حیات میں مدرسہ امدادالعلوم کے نائب مہتمم رہے۔ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد انتظامی کمیٹی نے متفقہ طور پر انھیں مہتمم مقرر کیا۔ پاکستان کی سینٹ میں قبائلی علاقے کی سیٹ پر ممبر رہے ہیں۔ بہت باہمت اور سخی آدمی ہیں۔

۱۹۔ حاجی عبدالودود رحمۃ اللہ علیہ: حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور خانقاہ امدادیہ کے نائب منتظم تھے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔

۲۰۔ پروفیسر محمد حکیم مدظلہ: اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ حلم وتواضع کا مجموعہ ہیں۔ پاس بیٹھنے والوں کو آخرت کی فکر نصیب ہوتی ہے۔

۲۱۔ پروفیسر سید مسرت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ: اسلامیہ کالج کے پرنسپل اور انگریزی کے پروفیسر رہے۔ انگلینڈ میں بھی تعلیم پائی۔ سادات میں سے تھے، دنیاوی حیثیت سے بھی صاحبِ وجاہت خاندان ہے۔ والد صاحب صوبہ سرحد کے ممتاز قانون دان پیر معصوم شاہ صاحب ایک دور میں صوبہ سرحد کے وزیر اطلاعات بھی رہے۔ مسرت صاحب سلسلہ کی اچھی فہم رکھنے والے صاحبِ استعداد شخصیت

کے مالک تھے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ چار ماہ لگا کر اندرون و بیرون ملک اسفار کئے ہوئے تھے۔ جدید طبقہ کے سامنے دینی بات پیش کرنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ خانقاہی ترتیب پر کام کرتے رہے۔ مالدار اور جدید طبقہ ان سے بہت متاثر ہوا۔ اس طبقے میں ان کا بیعت کا سلسلہ چلا ہے اور کئی لوگوں کی زندگی بدلنے کا ذریعہ بنے ہیں۔

۲۲۔ مولانا اختیار الملک رحمۃ اللہ علیہ: محکمہ زراعت میں افسر تھے۔ یونیورسٹی میں طالب علمی کے زمانے میں بیعت ہوئے۔ بہت یکسوئی کے ساتھ ذکر اذکار کئے اور طویل سلسلۂ مکاتبت کے ذریعے حضرت سے تربیت لی تھی۔ کل وقتی خانقاہی ترتیب پر کام کرتے رہے۔ دو خانقاہیں، مانسہرہ اور کوزہ بانڈہ علاقہ میں ہیں۔ جان توڑ کر کام کرنے والے تھے۔ دینی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے صحت بھی متاثر ہو گئی تھی۔ مریدوں کی تعداد کافی ہے اور کئی خلفاء بھی ہیں۔

۲۳۔ غازی مرجان مدظلہ: بنیادی طور پر انجنیئر ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں بیعت ہوئے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ چار ماہ لگا کر اس کے بعد زندگی وقف کر دی ہے۔ مدینہ منورہ میں قیام ہے۔ شب و روز تبلیغی جماعت کے کام میں مصروف ہیں۔

۲۴۔ حاجی عبدالمنان صاحب مدظلہ: بنیادی طور پر انجنیئر ہیں۔ مکہ مکرمہ میں قیام ہے اور بیت اللہ شریف و مسجد حرام کے نگہداشت والے انجنیئر (Maintenance Engineer) ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں بیعت ہوئے۔ بابِ رحمت کے سامنے ترکی برآمدہ میں فجر تا اشراق اور عصر تا عشاء مجلس ہوتی ہے۔ پوری دنیا کے علماء و فضلاء کے ساتھ ان کا رابطہ رہتا ہے۔ آنے والے حاجیوں کی خوب خدمت کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر لوگ بیعت ہوئے ہیں اور اصلاح پائی ہے۔ افغانستان کی طالبان حکومت میں آپ کے ایک مرید عالم وزیر رہے۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ساتھ خاص رابطہ ہے۔

۲۵۔ راقم الحروف ڈاکٹر فدا محمد کو اجازت عطاء فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس نسبت کو مغفرت اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنائے۔

خلفاء کے بارے میں حضرت کی چاہت تھی کہ وہ حضرات جو باقاعدہ درسِ نظامی کے فارغ التحصیل عالم نہیں، تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور کو بار بار پڑھ کر مسائل خوب ذہن نشین کریں۔ مفتی شفیع دیوبندی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن زیرِ مطالعہ رکھ کر اس کے مضامین کے ساتھ خوب مناسبت پیدا کریں۔ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی معارف الحدیث کو دیکھتے رہا کریں۔ اس کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات کو اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ جو حضرات فارغ التحصیل علماء ہیں وہ درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا اشتغال رکھتے ہوئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات میں خوب انہماک کریں۔ در اصل فارغ التحصیل ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے پیاز، ٹماٹر، گوشت، سبزیاں، گھی اور مصالحہ جات جمع کر لئے لیکن یہ قابلِ استعمال تب ہوتے ہیں جب ترتیب کے ساتھ پک کر سالن بن جائیں۔ اسی طرح مشائخ کی تربیت سے گزرنے کے بعد اور مشائخ کی وہ کتب جو انھوں نے بعد مجاہدات ظاہری و باطنی حقائق حاصل کر کے لکھی ہیں کو پڑھنے کے بعد علم کی جمع شدہ اجناس سالن بنتی ہیں اور خوش ذائقہ، قابلِ ہضم اور قابلِ استعمال ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف مواعظ و ملفوظات کے علاوہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر مبنی کتاب صراطِ مستقیم، مکتوباتِ شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ سرہندی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)، مکتوباتِ صدی (احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ) اور احیاء العلوم (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ) قابل ذکر ہیں۔

شادی:

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً اڑتالیس سال مجرد رہے۔ ذکر واذکار کا گہرا انہماک، سوز وگداز کا غلبہ، تبلیغی جماعت کے کام کی شب و روز مصروفیت اور اسفار اور سلسلۂ بیعت کی سرگرمی اس تجرد کا سبب بنیں۔ اس عرصہ میں آپ کی والدہ مرحومہ اور آپ کی بڑی بہن جو بیوہ ہوگئی تھیں وہی گھر کا کام ایک دو نوکرانیوں اور ایک مرد ملازم کے ساتھ سنبھالتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے کاموں کو بہتر جاننے والے ہیں۔ والدہ صاحبہ اور بہن ضعیف ہونے لگیں تو غیب سے شادی کا سامان ہوا۔ آپ کی شادی مہ زارہ، علاقہ شب قدر کے سید خاندان میں ہوئی۔ یہ شادی آپ کے دیرینہ دوست میاں فقیر اللہ شاہ صاحب کے ہاں ہوئی۔ میاں فقیر اللہ شاہ صاحب مہ زارہ کی مشہور ومعروف شخصیت حضرت میاں عبداللہ شاہ صاحب کے فرزند تھے۔ میاں عبداللہ شاہ صاحب جید عالم، شعلہ نوا مقرر اور مجاہد شخصیت تھے۔ مشہور مجاہد، فاتحِ کشمیر، عاشقِ رسول حاجی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر پشاور کا قحبہ خانہ ختم کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کا

حوالہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری میں موجود ہے۔ تحریک پاکستان کے لئے کئی سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ میاں فقیر اللہ شاہ صاحب بھی فارغ التحصیل عالم اور رورل ڈیویلپمنٹ اکیڈمی میں علماء پراجیکٹ کے سپروائزر رہتے۔ وسیع دسترخوان والی شخصیت تھے۔ ان کے ہاں ۱۹۷۵ء میں شادی ہوئی۔ رخصتی والے دن مشہور روحانی شخصیت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم اکوڑہ خٹک) تشریف فرما تھے۔ انھوں نے ہی نکاح پڑھانا تھا۔ وہ منظر گویا بندہ کی آنکھوں کے سامنے ہے جب حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے دوران فرمایا: ''ایک چیونٹی کو حرم پاک جانے کا شوق ہوا وہ حرم کے کبوتر کے پیر سے چمٹ گئی یہاں تک کہ حرم کے کبوتر نے اسے حرم پہنچا ہی دیا۔ یا اللہ! آج حضرت مولانا اشرف صاحب کی مثال حرم کے کبوتر کی سی ہے جبکہ ہماری مثال اس ناتواں چیونٹی کی سی ہے۔ یا اللہ! تو ان کی برکت سے ہم پر فضل فرما۔'' پھر مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے سامنے بیٹھے ہوئے یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات پر نگاہ ڈالی۔ بندہ کو اب تک حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی کیفیت والی وہ نگاہ یاد ہے۔ پھر حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں اس مجمع پر نور دیکھ رہا ہوں۔''

سب حضرات جب پشاور سے حضرت کے سسرالی گاؤں مہ زارہ کی طرف روانہ ہوئے تو پورے راستے میں بادلوں کا سایہ رہا جو واپسی کے دوران بھی رہا جس کی وجہ سے موسم گرما کی گرمی سے بچے رہے۔ بندہ نے از راہ مزاح پروفیسر مغنی صاحب (صدر شعبۂ نفسیات) سے عرض کیا: ''مغنی صاحب آج تو پوری فضا بحمد اللہ تعالیٰ ایئر کنڈیشنڈ رہی''۔ مغنی صاحب کو واقعی حیرت ہوئی۔

اکیس سال اہلیہ ساتھ رہیں۔ اللہ کی قدرت کہ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی والدہ اور بہن دونوں کا انتقال ہوگیا۔ گھر کے سنبھالنے کا کام اللہ تعالیٰ نے غیب سے اہلیہ کی شکل میں کیا۔ اہلیہ محترمہ آپ کی والدہ صاحبہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خوب مہمانوں کی خدمت گذاری میں مصروف رہیں۔ وفات کے بعد بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان کو اسی فراخی کے ساتھ چلایا جیسے حضرت کی زندگی میں تھا۔ متقی اور عبادت گذار خاتون ہیں۔ حضرت کی وفات کے بعد ہفتہ وار عورتوں کے لیے ایک مجلس درس ووعظ کا بندوبست فرماتی ہیں۔

حضرت کی معاشرتی زندگی:

معاشرتی زندگی کے سلسلہ میں حضرت کے اپنی والدہ صاحبہ، بہنوں، بھائیوں اور ان کی اولادوں،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ملازمین، مریدین، ہم عصر علماء اور مشائخ، ملازمت کے رفقائے کار، دوست احباب وغیرہ کے ساتھ تعلقات رہے جو بندہ کے سامنے گذرے۔ باوجود معذور ہونے کے ساری عمر برادری کی غمی اور شادی میں نہایت پابندی سے شامل ہوئے۔ عید کے دن نماز پڑھ کر سب سے پہلے اپنی محرم عورتوں، بہنوں، بھانجیوں وغیرہ سے ملاقات کر کے پھر بھائیوں کے گھروں سے ہو کر واپس تشریف لاتے۔ اگر کوئی بیمار پڑ جاتا تو اس کے لئے دعا، ختمِ خواجگان، عیادت کے لئے حاضری، علاج کی فکر، ڈاکٹر صاحبان کے پاس پہنچ کر یا پیغام بھیج کر سفارش کر کے اور ہر تدبیر کر کے پورا پورا حق ادا فرماتے۔ والدہ صاحبہ کے سامنے ساری عمر اس طرح رہے گویا چھوٹے بچے ہوں۔ والدہ صاحبہ اور بڑی بہن، جو آپ کے ساتھ آپ کے ہاں مقیم تھیں، اُن کے تعلقات اور اہلیہ کے تعلقات کو ایسے نبھایا کہ نہ تو والدہ کی دل آزاری ہوئی، نہ بہن کو کوئی تکلیف ہوئی اور نہ اہلیہ کو تلخ زندگی گذارنے کی نوبت آئی۔ ساری تکلیف اپنی جان پر جھیل کر سب کو خوشی کے مواقع فراہم فرماتے تھے اور ''قہر درویش بر جانِ درویش'' کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے۔ سخت ناگواری میں بھی چہرے کی شادابی اور مسکراہٹ دور نہیں ہوتی تھی۔ خاص خدام کو ذرا سا افسردگی کا تأثر چہرے پر دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا کہ غیر معمولی پریشانی ہے۔ ایسے حالات میں کوئی اور ہوتا تو چیخ و پکار کرتا لیکن آپ کے چہرے سے عام آدمی کسی تکلیف کا اندازہ تک نہیں کر سکتا تھا۔ معذوری بڑھ جانے کے بعد علاوہ خدام کے ایک تنخواہ دار ملازم بھی رکھنا پڑا۔ اس طرح کئی تنخواہ دار ملازم رہے۔ جس نے بھی خدمت کی علاوہ روحانی فیوض اور دعاؤں کے اسے ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا۔ خدمت سے فارغ ہونے پر اکثر کو ملازمتیں دلوائیں۔ چنانچہ ایک خادم کو انجینئرنگ یونیورسٹی، ایک کو خیبر ٹیچنگ ہسپتال میں بعضوں کو ان کے مقامی اضلاع میں ملازم کروایا۔ بعض ملازمین نے اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں تک کی ملازمتیں آپ کے ذریعے حاصل کیں۔ ایک خادم کی شادی خود کروائی۔ بعض اوقات خادم چھٹی لے کر جاتے تھے تو بالکل نہیں روکتے تھے فوراً رخصت فرما دیتے تھے۔ مکمل معذور ہونے کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ بندہ کو فکر ہوتی تھی کہ اب خدمت کا کیا ہوگا لیکن فرماتے تھے کہ جس اللہ نے معذور کیا ہے وہی بندوبست کرنے والا ہے۔ چنانچہ پہلا آدمی ابھی یونیورسٹی گیٹ سے باہر بھی نہیں نکلا ہوتا تھا کہ دوسرا آدمی آ رہا ہوتا تھا۔

ہم عصر علماء ہم عصریت کے حجاب کی وجہ سے ہم عصریت کا ہی رویہ رکھتے رہے لیکن آپ نے اکرام، محبت اور تواضع کا رویہ رکھا۔ کبھی اپنی حیثیت نہیں جتائی۔ ہم عصر حقانی مشائخ کی بہت قدر فرماتے اور اکثر کوشش فرماتے کہ بجائے اپنے، دیگر ہم عصر کاملین کی طرف لوگوں کا رجوع ہو۔ کبھی کسی جگہ مرید گھیرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ ایک شانِ بے نیازی ہوتی تھی۔ فرماتے تھے کوئی آئے نہ آئے ہمیں کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ حاجی فضل حسین (تاجر میوہ جات اور رکن شوریٰ تبلیغی مرکز پشاور) کے ہاں دعوت تھی۔ ان کا تعلق حاجی مہربان شاہ صاحب اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا گل بادشاہ صاحب اکوڑہ خٹک سے تھا۔ حاجی صاحب مالدار اور مخیر شخص تھے۔ تبلیغ کی وجہ سے ان کا رجوع حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہونے لگا تھا۔ کھانے کی ضیافت میں مولانا گل بادشاہ صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ فاضل دیوبند اور مہتمم مدرسہ تھے۔ اہلِ نظر جانتے تھے کہ روحانی لحاظ سے ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا گل بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہیں آگے تھے لیکن پورے مجمع میں حاضرین کے سامنے مولانا گل بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ چوما۔ اس میں میزبانوں کے لئے اشارہ تھا کہ وہ مولانا گل بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف رجوع رکھیں حالانکہ مالدار خاندانوں سے مرید آنے کا مشائخ کو اگر اپنے ذاتی مفاد کے لئے شوق نہ ہو تو کم از کم سلسلہ کے دینی اخراجات کی امداد کا خیال رہتا ہے۔ اسی مجلس میں مولانا گل بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حاجی فضل حسین صاحب سے فرمایا کہ ہماری کتاب مکمل ہوگئی ہے اس کی اشاعت کا آپ نے بندوبست کرنا ہے۔

ملازمت میں اللہ نے صدرِ شعبہ بنایا۔ رفقائے کار آپ کی مشیخیت کے قائل نہیں تھے۔ اس لئے ان کا رویہ عام رفقائے کار کی طرح ہوتا تھا لیکن کبھی آپ نے ان سے کوئی توقع نہیں رکھی اور ہر ایک کے اکرام اور قدر و عزت کو اپنا شعار بنایا۔ ذاتی دوست و احباب کے ساتھ ایک عام عاجز آدمی کی طرح تعلقات رکھتے۔ اور اپنی مشیخیت کی بو تک ان تعلقات میں نہیں آنے دیتے تھے۔ مریدین کے ساتھ بہت شفقت اور نرمی کا برتاؤ فرماتے۔ ان کی نرمی، شفقت اور چشم پوشی کا رویہ آدمی کو پانی پانی کر دیتا تھا اور سامنے ہوتے ہی اس قدر عظیم آدمی کا اتنی نرمی، شفقت، تواضع اور چشم پوشی کا رویہ مرید کے عیوب کو مرید کے سامنے کر دیتا تھا، گویا آئینہ دیکھ لیا اور ندامت اور توبہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اکثر مرید

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

غرباء اور درمیانہ طبقہ سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اپنی روزی خود کمانے کی توفیق دی تھی۔ اس لئے کسی سے ہدیہ شکرانہ کی طلب ہی نہیں تھی۔ کسی کی بہت عاجزانہ درخواست پر اس کی دلداری کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے اور اس بات کے پیش نظر کہ عتابِ الٰہی نہ ہو، قبول فرماتے تھے۔

مجلس میں جہاں بڑے بڑے افسران (Bureaucrat) ہائی کورٹ، سپریم کورٹ کے جج صاحبان، بعض اوقات وزراء، بڑے بڑے مالدار اشخاص، ڈاکٹر اور انجنیئر ہوتے تھے وہیں کسمپرس دہاڑی کی مزدوری کرنے والے بھی ہوتے تھے۔ کبھی غرباء نے محسوس نہیں کیا کہ بڑے لوگوں کی وجہ سے وہ نظر انداز ہو رہے ہیں۔ ہر کوئی یوں محسوس کرتا تھا گویا وہ اس کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور اسی کے ہیں۔ ؎

شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کے رفیق

اللہ کا نام سیکھنے والوں کا سب سے زیادہ لحاظ فرماتے خواہ وہ مالدار ہو یا غریب اور اس کے علاوہ مجلس میں ہر کسی کا اس کی دینی و دنیاوی حیثیت کے لحاظ سے خیال فرماتے۔ مجلس میں آنے والا آدمی گرویدہ ہو جاتا اور اس کا بار بار آنے کو جی چاہتا تھا۔

وہ مریدین جنہوں نے آپ کی خدمت کی اور معذوری کے دوران اٹھانا بٹھانا اور پیٹھ پر اٹھا کر لانا لے جانا اور پہیوں والی کرسی (Wheel Chair) میں پھرانے کا کام کیا۔ اکثروں کو خلافتیں حاصل ہوئیں۔ بعض کو کئی کئی حج اپنے خرچے پر بوجہ خدمت کے کرائے اور دنیا کے لحاظ سے بھی ان حضرات نے بہت ترقی کی۔

نعمان صاحب بالکل دیہاتی علاقے سے آ کر ایم۔اے عربی میں داخل ہوئے۔ پہلے دن سے ہی حضرت کی خدمت کے لئے کمر باندھ لی اور دن رات خدمت کی۔ پڑھنے کا کم موقع ملتا تھا لیکن اس کے باوجود نمایاں کامیابی حاصل کی۔ روزگار کے بالکل حالات نہیں تھے کیونکہ چاروں طرف سخت مقابلہ تھا۔ ان کو خدمت کے پیشِ نظر آپ کہیں جانے نہیں دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے یونیورسٹی پبلک سکول میں ملازمت کا بندوبست فرمایا۔ اس سے اچھی ملازمت کہیں اور دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت نے واضح فرما دیا کہ تمہاری لیکچررشپ اللہ سے منظور کروالی ہے۔ چنانچہ غیب سے بی۔ایڈ کے بعد ایم۔ایڈ کے حالات مہیا ہوئے۔ غیب سے ادارہ تعلیم و تحقیق میں لیکچررشپ ہوئی۔ اس کے بعد پی۔ایچ۔ڈی کا

جذبہ حضرت کی برکت سے ہوا۔ جس دن ان کے پی۔ایچ۔ڈی کے امتحان سے فارغ ہو کر ہم سب احباب آ رہے تھے تو سب لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ پی۔ایچ۔ڈی حضرت مولانا کی کرامت کا ظہور ہے۔

ایک ساتھی احمد خان صاحب اسلامیہ کالج میں ایف۔ایس۔سی پری میڈیکل میں داخل ہوئے۔ نمبر کم آنے کی بنا پر میڈیکل کالج میں داخلہ نہ ہو سکا، دلبرداشتہ ہو کر تعلیم ہی چھوڑ دی۔ پروفیسر مسرت حسین شاہ صاحب کے ذریعے سے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے خیبر میڈیکل کالج میں لیبارٹری اسسٹنٹ کی ملازمت کا بندوبست فرما دیا۔ حضرت کی صحبت نے علمی ذوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ بی۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات پرائیوٹ پاس کر لئے۔ مقابلے کے امتحان میں بیٹھے اور سیکرٹریٹ کی ملازمت کا امتحان پاس کر لیا۔ امتحان پاس کرنے کے بعد ایک دن مجلس میں حاضر ہوئے اور بہت اداس انداز میں عرض کی کہ باوجود امتحان پاس کرنے کے پوسٹ نہ مل سکی۔ حضرت نے خوب دعا فرمائی، چند دن بعد بہت خوش خوش حاضر ہوئے اور بتایا کہ محکمے والوں نے دو پوسٹیں چھپا رکھی تھیں، ان سے کم نمبر والے آدمی کی مضبوط سفارش آ گئی تھی اس کا تقرر اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس سے زیادہ نمبروں والے یعنی احمد خان صاحب کا تقرر نہ کر دیا جائے۔ یوں اللہ نے غیب سے ملازمت کا بندوبست فرمایا۔

مولوی یوسف صاحب برجوی اور بشیر احمد طارق صاحب بیعت ہوئے۔ دونوں حضرات اسلامیہ کالجیٹ سکول پشاور یونیورسٹی میں اساتذہ تھے۔ مولوی یوسف صاحب عربی میں پی۔ایچ۔ڈی ہوئے اور شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہو کر ریٹائر ہوئے۔

بشیر احمد طارق صاحب ادارۂ تعلیم و تحقیق پشاور یونیورسٹی سے ۱۹ گریڈ میں ریٹائر ہوئے۔ کالجیٹ سکول کے تیسرے ٹیچر میاں بشیر احمد کاکاخیل صاحب بعد بیعت کے پی۔ایچ۔ڈی ہوئے اور ادارۂ تعلیم و تحقیق پشاور یونیوسٹی کے ڈائریکٹر ہو کر ریٹائر ہوئے۔

حضرت کے ایک مرید فضل ودود صاحب زرعی یونیورسٹی میں کلرک ہوتے تھے۔ حضرت اکثر ان سے مزاحاً فرمایا کرتے تھے: ''بابو صاحب آپ کبھی دعوت نہیں کرتے، ساری عمر میں صرف ایک مرغا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کھلایا ہے جواب تک حلق میں اذانیں دیتا ہے''۔انھوں نے جواباً کہا:''مولانا صاحب دعوت تو کروں گا لیکن ۱۷(seventeen) گریڈ مانگتا ہوں۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایم۔اے اسلامیات کرنے کے بعد اسلامیہ کالج میں لیکچرر ہونے کے حالات پیدا فرمائے۔غرضیکہ کئی حضرات کو آپ کی بیعت سے علمی ذوق ملا اور علاوہ روحانی فوائد کے دنیاوی ترقیاں بھی نصیب ہوئیں۔

آپ کے ایک خادم عزیز جان کشمیری کے بغیر تذکرہ نامکمل رہے گا۔خادم مذکور عرصۂ دراز تک آپ کا خاندانی ملازم رہا۔چوکیدارہ،سوداسلف، پیغام رسانی،مہمانوں کی خدمت،آپ کو اٹھانا بٹھانا،کئی کام اس کے ذمے ہوتے تھے۔بوڑھا اور کمزور ہوجانے کے بعد بغیر کسی کام اور خدمت کے حضرت کے ہاں ہی رہتا تھا۔بالکل ان پڑھ،لاابالی،ہر کسی سے بے نیاز اور اپنی طبیعت کا مالک آدمی تھا۔بھری مجلس میں حضرت کی اور آپ کے ساتھیوں کی ڈانٹ ڈپٹ کر لیتا تھا۔مجلس میں کبھی کبھی بڑی لے سے نعت پڑھا کرتا تھا۔ ؎

مدینے والے سے لو لگا لے مدینے والا بُلا ہی لے گا

اللہ کی شان کہ حضرت کے بالکل آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی تبدیل فرمائی۔کسی مالدار آدمی کا حضرت کی دعا سے کوئی مشکل کام ہوا،اس نے بطور شکرانہ حضرت کو مع چھ اور آدمیوں کے حج کروایا جس میں عزیز جان کشمیری بھی شامل تھا۔

خدمت خلق:

خوش اخلاقی اور خدمت خلق اولیاء اللہ کی خاص شان ہوتی ہے۔حضرت مولانا سراپا خدمت خلق تھے۔اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو ایک برکت عطا فرماتا ہے کہ ان کے پاس آنے والوں کی مشکلات آسان کی جاتی ہیں۔کچھ کلمات قرآن وحدیث کے پڑھ کر پھونک ماردیں تو بیماریوں سے شفا ہوجاتی ہے۔تصرّف اور توجہ کی قوت دنیا میں مانی ہوئی چیز ہے۔بیماریوں کا قبض کرلینا اور سلب کرلینا تصرّف اور توجہ کی قوت سے بھی ہوجاتا ہے۔جن لوگوں پر جناتی اثرات،سحر اور نظر بد وغیرہ کے اثرات سے بیماریاں ہوں اولیاء اللہ کی دعا اور قرآن وحدیث کے کلمات متبرکہ کے ذریعے سے ان کا دور ہونا دنیائے

تصوّف اور دنیائے اسلام میں بلکہ اہلِ کفر کے ہاں بھی مشہور ومعروف ہے۔

عاملین اس چیز کو بطور فن سیکھتے ہیں اور اس کے ذریعے سے مختلف کام کرکے بے اندازہ دولت کماتے ہیں اور علاوہ دولت کے وجاہت وحیثیت کا لطف اٹھاتے ہیں۔

اولیاء اللہ نہ تو ان چیزوں کو مقصود بنا کر ان کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ان کو مال وجاہ کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں۔ہاں اس کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت اور لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے کے ذریعہ کے طور پر استعمال فرماتے ہیں۔چنانچہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ظاہری اسباب مال وجان اور وقت استعمال کرکے لوگوں کے دکھ سکھ میں کام آکر ان کی ضروریات پورا کرکے خدمت کرنے کے علاوہ مذکورہ روحانی راستے سے بھی بہت خدمت کی اور اسے کبھی مال وجاہ کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔جہاں بڑے افسروں اور مالداروں کے کاموں کے لئے اپنی روحانی قوت صرف کی وہاں کسمپرس،فقراء اور مساکین کے لئے بھی اس کو صرف کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔اس باب میں آپ کی کرامات کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ جن جن لوگوں کے مسائل حل ہوئے ہیں اگر ان کی معلومات جمع کی جائیں تو ایک علیحدہ کتاب مرتب ہوجائے گی۔

ہم یونیورسٹی کے پروفیسر اور اساتذہ سائنسی علوم پڑھ پڑھ کر،باوجود نماز روزہ اور دین داری کے، اسبابِ ظاہری ہی کے بندے بنے رہتے ہیں اور مختلف مسائل کے حل میں ظاہری اسباب ہی ڈھونڈتے ہیں،روحانی اسباب کی طرف توجہ کم جاتی ہے۔حالانکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی معیت ہے اور اس کا دارومدار اسباب روحانی پر ہے۔جب معیت الٰہیہ شامل حال ہو تو اسباب ظاہری بھی مؤثر ہوجاتے ہیں اور اگر اسباب مؤثر نہ ہوں تو کون ہے جو ان سے نتائج حاصل کرسکے۔بندہ کے سامنے آپ کے پاس لوگ دم،تعویذ اور دعا کے لئے آتے رہتے تھے۔ہمارا سائنسی ذہن ہونے کی وجہ سے کبھی یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ اتنے سارے لوگ جو آتے ہیں اور ان کی تعداد زیادہ ہی ہوتی رہتی ہے تو ضرور ان کے مسائل کا کچھ حل ہوجاتا ہوگا،اس لئے آتے ہیں ورنہ کون اپنا وقت ضائع کرکے کہیں جاتا ہے۔اس بناء پر کبھی ہم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

بندہ کو پہلا تجربہ یوں ہوا کہ میڈیکل کالج میں ملازمت کے سلسلہ میں آنے کے بعد ۱۹۷۲ء کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

واقعہ ہے کہ بندہ کو ایک بدنی تکلیف لاحق ہوگئی۔ دو بجے ڈیوٹی سے واپسی پر کھانا کھانے کے بعد بدن سے دم نکل جاتا تھا۔ دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی تھی، نیند نہیں آتی تھی اور عصر تک اتنی کمزوری محسوس ہونے لگتی تھی کہ عصر کی نماز کے لئے اپنے آپ کو گھسیٹ کر لے جاتا تھا۔ عصر کے بعد ضعف و کمزوری کی وجہ سے وہیں مصلے پر لیٹ جاتا تھا اور اٹھنا مشکل محسوس ہوتا تھا۔ جس دن تبلیغ والے حضرات کا عصر تا عشاء بیان وگشت کا پروگرام ہوتا تھا اس دن وہ بندہ کے مصلیٰ کے گرد جمع ہوجاتے تھے اور کچھ سورتیں پڑھ پڑھ کر بندہ پر پھونکیں مارتے تب کہیں بندہ کی جان میں جان آتی۔ بطور ڈاکٹر اور اپنے مختلف جسمانی ٹیسٹوں کی روشنی میں بندہ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ جسمانی بیماری نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ماہرین کی نظر میں نفسیاتی بیماری (Psychiatric disease) بھی نہیں تھی۔ تعجب ہوتا تھا کہ نہ جسمانی بیماری نہ ذہنی بیماری، آخر کیا وجہ ہے؟ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔ اس زمانے میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ مولوی یوسف صاحب برجوی کو اجازت عطا فرمائی ہوئی تھی۔ ان سے آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر فدا کی تکلیف زائل کرنے کے لیے عمل کرو۔ چنانچہ ان کی تدبیر سے تین چار دن میں ہی شفا ہوگئی۔ اس دن سے روحانی قوت اور روحانی علاج کا اندازہ ہوا۔ بندہ کی شادی ہوئی تو پہلے مہینے ہی میں اہلیہ کو سخت دماغی عارضہ لاحق ہوگیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ کوئی چار پانچ سال سے اس بیماری کا شکار ہے اور بجلی کے جھٹکوں کے علاوہ کافی دواؤں کا علاج کروایا ہوا ہے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی تو ان کو افسوس ہوا۔ بیماری کے حملے کی وجہ سے بندہ کا سالا ڈاکٹر سلطان بغیر اجازت واطلاع کے ہی بہن کو اپنے گھر لے گیا۔ حضرت نے فرمایا اگر یہ نہ لے گیا ہوتا تو ہم دم کرتے اللہ شفاء عطا فرماتا۔ خیر آپ یہ دم کیا ہوا پانی لے جائیں اور اکیس دن تک یہ استعمال کریں۔ بندہ پانی تو لے گیا لیکن ساتھ ہی دوائیں بھی لے گیا۔ والد صاحب سے عرض کیا کہ یہ پانی تو حضرت نے بھیجا ہے اور ساتھ یہ دوائیں بھی لایا ہوں جو اس بیماری کا علاج ہیں۔ والد صاحب پرانے طرز کے عالم تھے اور اس بات کو جانتے تھے کہ اولیاء اللہ جب کسی بات کی ٹھان لیتے ہیں تو وہ بات اللہ کے حکم سے ضرور وجود میں آتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے صرف پانی پلایا۔ اکیس دن میں اللہ نے ایسی شفا عطا فرمائی کہ پھر ساری عمر یہ بیماری قریب نہیں آئی اور شفاءِ دائمی ہوگئی۔ بعد میں بندہ کے بڑے بیٹے کو تکلیف ہوگئی۔ ڈاکٹر حضرات

نے تفصیلی علاج اور معائنہ شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ اب اسے ساری عمر دوائی استعمال کرنی پڑے گی اور اس کی پڑھائی بھی نہیں ہو سکے گی۔ خیر حضرت کے ہاں ایک مہینہ بچہ جاتا آتا رہا تو اللہ نے مکمل شفا کر دی۔ میٹرک کے امتحان میں نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوا۔ سینکڑوں ہزاروں مریض اندرون ملک و بیرون ملک سے آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے روحانی علاج سے انہیں شفا عطا فرمائی۔ ایک مرتبہ پروفیسر میاں محمد شاہ صاحب (ڈائریکٹر آئی۔ای۔آر) کے ڈرائیور اپنے بھائی کو لے کر آئے اور بتایا کہ یہ گھر میں درخت کے نیچے سے گذر رہا تھا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑا اور ابھی تک ہوش میں نہیں آیا۔ اس وقت آپ کے پاس قاضی محی الدین کوہاٹ والے پروفیسر آف سرجری خیبر میڈیکل کالج پشاور آئے ہوئے تھے۔ ان سے آپ نے فرمایا کہ قاضی صاحب دیکھو مریض کو کیا ہوا ہے اور کیا کرنا چاہئے؟ انہوں نے معائنہ کر کے بتایا کہ فالج ہے شاید چھ مہینے میں ہوش آجائے۔ ان کا خیال ہوا کہ شاید دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے یا رگ میں خون جم گیا ہے یا کوئی بڑا خون کا لوتھڑا رگ میں آگیا ہے جس سے دماغ سن ہوگیا ہے۔ آپ نے دم کیا، ایک کان میں اذان دی اور دوسرے میں اقامت پڑھی۔ اس پر مریض اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس پر جنات کا اثر ہوگیا تھا جو اللہ کے فضل سے زائل ہوگیا ہے۔

ایک دفعہ کچھ عرب طلباء انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے آگئے۔ ان کے ساتھ ایک طالب علم تھے، جن کی دماغی حالت گڑبڑ ہوگئی تھی۔ ہوش وحواس جگہ پر نہ تھے، کھانے پینے سے رہ گئے تھے اور تین دن سے پیشاب نہیں کیا تھا۔ اوّل تو حضرت مولانا نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کا ڈاکٹری معائنہ کیا جائے۔ معائنہ کیا گیا، ٹیسٹ کروائے گئے۔ بعض ٹیسٹ حیرت انگیز طور پر مختلف بیماریوں کی نشاندہی کر رہے تھے لیکن ان ٹیسٹوں کا آپس میں جوڑ (Co-ordination) ہوکر کسی بیماری کی تشخیص نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اس کا روحانی علاج شروع کیا اور جنات کو جلانے کا عمل کیا۔ جس وقت آپ تعویذ کو جلا رہے تھے تو کمرے سے گوشت کے جلنے کی بو آنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اسکا پیشاب کھل گیا اور اتنا پیشاب کیا کہ کمرے کا قالین بھر گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کسی جنیہ نے اس کے پیشاب کے آلے کو منہ میں پکڑا ہوا تھا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک دفعہ بندہ بیٹھا ہوا تھا کہ ماسٹر عبداللطیف آفریدی باڑہ کے رہنے والے اپنے بھتیجے کو لے کر آئے جو کابل سے ہوکر آیا تھا اور دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔ آپ نے اس پر دم پڑھنا شروع کیا اور لڑکے نے رونا شروع کر دیا اور اس کا بدن بل کھانے لگا، جس طرح ڈاکٹر دماغی مریض کو بجلی کے جھٹکے دیتے ہیں۔ جب آپ نے پڑھنا بند کیا تو اس کی کیفیت بدل گئی۔ بندہ نے عرض کیا کہ آپ نے تو اس مریض کو بجلی کے جھٹکے (ECT) دے دئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا بخشی۔

فلائیٹ لیفٹیننٹ بشیر پبی کے رہنے والے ہیں۔ ایئر فورس میں تھے کہ ایک قسم کے کینسر (Hodgkin's Lymphoma) میں مبتلا ہوئے۔ ارنم (کینسر ہسپتال) میں علاج شروع کیا۔ ساتھ ہی حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دم کرواتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ آج ۱۸ سال سے مکمل صحت یاب ہیں۔ کاروبار کر رہے ہیں اور اپنا سکول چلا رہے ہیں۔ سکول کا نام حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ کے نام پر سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ پبلک سکول رکھا ہے۔

میڈیکل کالج کے ایک طالب علم جاوید کا دماغ کا کینسر تشخیص ہو گیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے دم کرواتے رہے۔ جب آپریشن ہوا اور دماغ کھولا گیا تو کینسر کی تشخیص غلط ہوئی اور فنگس (Fungus) نکلا جو ایک کم مضر بیماری ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے تشخیص کو غلط کر کے جاوید کو شفاء عطا فرمائی۔

بندہ کے دونوں گردوں میں پتھری کی شکایت ہو گئی۔ اتنا شدید درد ہوتا تھا کہ جس کی حقیقت ان لوگوں کو ہی پتا ہے جنھوں نے یہ درد گذارا ہوا ہے، الفاظ اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دم فرمایا۔ تین پتھر پیشاب میں نکلے اور اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔

یہ چند واقعات بطورِ نمونہ لکھے ورنہ لاتعداد واقعات ہیں اور ہزارہا افراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے شفا نصیب فرمائی۔

بندہ کا آپ سے تعلق:

بندہ ۱۹۶۴ء میں اسلامیہ کالج میں بطور طالب علم ایف۔ایس۔سی میں داخل ہوا۔ ایک طالب علم نے دعوت دی کہ یہاں تبلیغی بیان ہو گا آپ بھی شامل ہوں۔ بندہ نے شمولیت کی۔ ایک بزرگ لاٹھی ٹیکتے ہوئے اور ایک ہاتھ سے ایک ساتھی کا سہارا لیتے ہوئے آ گئے اور بیان فرمانا شروع کیا۔ بیان تو کچھ

سمجھ میں آیا نہیں البتہ ان کے لطیفے پسند آئے۔ اس کے کچھ دن بعد مرید الحسن مرحوم اور عبدالباری مرحوم نے بندہ کو دس دن کے لیے رائے ونڈ جانے کے لئے تیار کیا۔ بندہ کو پانچ دوسرے طلباء کے ہمراہ یہ لوگ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر لے گئے۔ ہم فرسٹ ایئر (گیارھویں جماعت) کے نوعمر لڑکے تھے۔ حضرت نے فرمایا یہ ہمارے ساتھ ہی گاڑی میں جائیں گے۔ بندہ کو دل میں خیال آیا کہ رات ہم وہیں ٹھہریں گے تو ہمارے کھانے کا کیا بندوبست ہو گا۔ اس پر حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محبت سے فرمایا: ''کھانے کی آپ لوگ فکر نہ کریں، کھانے کا بندوبست وہاں ہے۔'' بندہ کو حیرت ہوئی کہ بندہ کے دل کی بات کا آپ نے جواب دے دیا۔ خیر دس دن گذارنے کے بعد بندہ تبلیغی تحریک کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور خوب دل لگا کر ان حضرات کے ساتھ کام کرنے لگا۔

انہی دنوں ایک پرانے ساتھی جو زرعی یونیورسٹی میں استاذ (demonstrator) تھے نے بندہ سے رابطہ کیا اور سمجھایا کہ تبلیغ کا کام بڑا اصولی کام ہے اور یہاں ایک آدمی ہے جو تبلیغ کی آڑ میں پیری مریدی کر رہا ہے اور کام میں لگے ہوئے لوگوں کو اپنے پاس بٹھا دیتا ہے اور اس طرح ہماری تحریک کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ بندہ کو بہت افسوس ہوا۔ یہ پرانا ساتھی آمد و رفت کرتا رہا اور ہمارا ذہن اس طرح بناتا رہا۔ اس اثناء میں بندہ کو اپنے ہاسٹل کا امیر بھی بنا دیا گیا۔ بندہ کی طبیعت زوردار اور تحریکی تھی۔ یہ حضرات مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت میں صرف ''شف شف'' کہہ رہے تھے۔ بندہ نے خوب دھڑلے سے مخالفت کی اور بجائے ''شف شف'' کہنے کے ''شفتالو'' کہہ دیا۔ اس کی اطلاع حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی کہ ایک طالب علم ہے جو آپ کی بہت مخالفت کرتا ہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت یہ طالب علم فدا محمد تو ہمارے ساتھ رہا ہوا ہے، یہ تو ہمارا آدمی تھا، یہ منفی لوگوں کے ہاتھ کیسے چڑھ گیا۔ کسی نے مجلس میں یہ بھی کہا کہ حضرت یہ بیان بڑا زوردار کرتا ہے، اُس دن بیان میں کہہ رہا تھا کہ مسلمان دل کا راہب اور عمل کا مجاہد ہے۔ حضرت کو یہ بات بہت پسند آئی۔ ان کی طرف سے کوئی آدمی اس منفی پراپگنڈے کا جواب دینے کے لئے ہمارے پاس نہیں آیا اور نہ ان کے پاس لے جانے کے لئے ذہن بنانے کے لیے ہمارے پاس آیا لیکن واللہ اعلم حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا دعا مانگی کہ یہاں ہاسٹل میں ہم طلباء کے دل میں خیال

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوا کہ سنا ہے کہ یہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیری مریدی بھی کرتے ہیں اور تبلیغ کا کام بھی کرتے ہیں، ان کو کسی وقت اپنے ہاں مدعو کر کے تقریر کروائی جائے، اگر پسند نہ آئے تو مخالفت کی جائے۔ چنانچہ سب نے مل کر بندہ سے کہا کہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بیان کے لیے مدعو کرو اور ساتھ کھانے کی دعوت بھی دو۔ بندہ جا کر ملا، بیان اور کھانے کی دعوت دی۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں دعوتیں بخوشی منظور فرمائیں اور آ کر بیان فرمایا۔ بیان کیا کیا کہ ہاسٹل کی کایا پلٹ گئی۔ بندہ کو ڈر لگا کہ اس شخصیت کی مخالفت قطعاً نہیں کرنی چاہئے۔ اس بیان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ہاسٹل میں تبلیغ کے کام کی خوب فضاء بن گئی۔ دو ایک دفعہ ملاقات ہوئی تو کشش محسوس ہوئی اور دل میں بات آئی کہ ایسی بزرگ شخصیت کے پاس بیٹھنا چاہئے۔ چنانچہ عصر تا عشاء کی مجلس میں بندہ نے گاہے بگاہے حاضری شروع کی جس کا بہت زیادہ اثر طبیعت پر ہوا اور تھوڑے دنوں میں سنت والی زندگی اختیار کرنے کی توفیق ہوگئی۔ بندہ کو بیعت وغیرہ کا کچھ پتہ نہیں تھا لیکن ان دنوں بار بار خواب آنے لگے کہ بندہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ رہا ہے۔ انہی دنوں اپنے پرانے زرعی کالج والے ساتھی آئے اور ہمیں سمجھایا کہ تبلیغ والے حضرات کو کسی جگہ بیعت نہیں ہونا چاہئے۔ اگر بیعت ہوں تو حضرت جی انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونا چاہئے جو تبلیغی تحریک کے عالمی امیر ہیں، وہ کراچی تشریف لا رہے ہیں لہٰذا وہاں پہنچ کر بیعت ہونا چاہئے۔ بندہ مع گیارہ ساتھیوں کے کراچی پہنچ گیا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ عام طور پر تبلیغی حضرات حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت برکت کے طور پر کرتے تھے۔ چونکہ حضرت بہت دور دہلی ہندوستان میں ہوتے تھے اس لئے صحبت کا موقع ہی نہیں مل سکتا تھا۔ مکاتبت کی صورت بھی مشکل تھی اس لئے تربیت حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ خیر ہم نے معلومات کیں کہ بیعت کس لئے ہوتی ہے تو سمجھ دار لوگوں نے بتایا کہ تربیت حاصل کرنے کے لئے اور ذکر سیکھنے کے لئے۔ اس کا ذریعہ خط و کتابت بھی ہوسکتا ہے۔ کراچی سے واپسی ہوئی، شیر حسن صاحب نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ فدا کراچی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو آیا۔ انہوں نے اس بات کو سراہا اور ساتھ یہ فرمایا کہ ملتا آدمی کو وہیں سے ہے جہاں اس کا حصہ ہوتا ہے۔ بندہ نے باقاعدہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے خط و کتابت شروع کی اور تربیت کے اصول اور ذکر و اذکار پوچھنا شروع کئے۔ حضرت کمال شفقت سے جواب دیتے رہے

اور ان کی دعا و توجہ کی برکت سے ذکر و اذکار میں خوب دل لگ گیا اور تبلیغ کے کام کی فکر بھی بڑھ گئی۔ اتنے میں ۱۹۷۱ء کی جنگ چھڑ گئی اور خط و کتابت بند ہوگئی۔ ہمارے ایک ساتھی نے کسی طریقہ سے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ہمیں باتیں پوچھنے اور تربیت لینے میں بوجہ خط و کتابت بند ہونے کے مشکل پیش آ رہی ہے، اگر آپ اجازت فرما دیں تو ہم بوقت ضرورت یہاں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لیا کریں۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بخوشی اجازت عطا فرمائی۔

اس اجازت کے بعد بندہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں باقاعدہ بیٹھنے لگا۔ اس صحبت کی برکت سے تبلیغی جماعت کی وجہ سے مزاج میں جو کچھ شدت پیدا ہوگئی تھی وہ اعتدال میں بدلنے لگی۔ دین کے دوسرے شعبوں کے ساتھ جو تقابل دل میں محسوس ہونے لگا تھا بلکہ دین کے دوسرے شعبوں کو ایسے ہی فالتو کام سمجھنے لگا تھا، یہ بات دل سے نکل گئی۔ تصنیف و تالیف، مدارس، بیعت و تلقین، قانون و آئین کی بالاتری کی کوشش، قتال، سب چیزوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت محسوس ہونے لگی اور یہ خیال دل میں راسخ ہوا کہ تبلیغ کا کام، کام کی فکر سے زیادہ جان کی فکر کے لئے ہے یعنی اپنی اصلاح کے لئے ہے اور یہ بات سمجھ میں آئی کہ فقط یہی کام نہیں ہے بلکہ یہ بھی کام ہے اور دین کے دوسرے شعبے بھی اہم ہیں۔

بندہ کو واضح محسوس ہوا کہ بیعت اضافی اور زائد چیز نہیں ہے بلکہ تبلیغ اور بیعت شخصیت کی تعمیر کے لئے ایک دوسرے کا تکملہ اور تتمہ ہیں۔ بغیر بیعت کے باطنی رذائل کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریا وغیرہ کی تفصیل سامنے نہیں آتی اور باطنی فضائل توکل، تفویض، تواضع، اخلاص وغیرہ کی سمجھ نہیں آتی۔ حضرت کی صحبت سے دین کے ایسے پہلو سامنے آتے گئے کہ جن کا فہم پہلے کہیں نہیں ملا تھا۔

بندہ کا ایم۔بی۔بی۔ایس کا آخری سال تھا۔ ان دنوں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک انجکشن (Vitamin B12) کا باقاعدہ لگواتے تھے۔ یہ انجکشن ایک عیسائی کمپوڈر آ کر لگاتا تھا جو دو روپے فیس لیتا تھا۔ اس دور میں ایم۔بی۔بی۔ایس کی ۵ روپے اور سپیشلسٹ کی ۱۶ روپے فیس ہوتی تھی۔ بندہ کے محترم دوست مسرت حسین شاہ صاحب نے بندہ سے کہا کہ تم آخری سال میں ہو، اگر انجکشن لگانے کی خدمت تم شروع کر دو تو بہت اجر کا ذریعہ ہے اور حضرت کے لیے سہولت کا ذریعہ بھی کہ اس طرح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عیسائی سے جان چھوٹ جائے گی۔ بندہ نے کہا کہ اگر مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمادیں تو مجھے کوئی مشکل نہیں۔ مسرت صاحب نے فرمایا کہ بزرگ خود کسی کو بھی اپنی خدمت کا نہیں کہا کرتے، آپ خود ہی عرض کریں اور اپنی خدمت پیش کریں۔ بندہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ انجکشن لگانے کی خدمت میں انجام دے سکتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ میرا ہاتھ Rough ہے (یعنی خاص تجربہ نہیں ہے)۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ رف نہیں رفرف ہے۔ رفرف اس سیڑھی کا نام ہے جس کے ذریعے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃُ المنتہیٰ سے عرش معلیٰ تک سفر کیا تھا۔ اس پر دل خوش ہوا اور میں نے یہ خدمت شروع کر دی۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی زیادہ قدردان اور احسان کا پاس رکھنے والی شخصیت تھے، بہت زیادہ شفقت اور محبت سے پیش آنے لگے۔ ڈاکٹری کے دوران کئی ابتلائیں اور آزمائشیں آتی ہیں جو سخت تقویٰ شکن اور باطن کو تباہ کرنے والی ہوتی ہیں اور عام آدمی تو کیا اچھے خاصے دیندار لوگ تباہ حال ہو جاتے ہیں۔ ایک تو مخلوط تعلیم، وارڈوں میں نرسیں، مرد طلباء کا زچگی کا کورس (Maternity) اور اس کے بعد ہاؤس جاب، ان سب جگہوں میں بہت زیادہ اختلاط رہتا ہے۔ ہر مقام پر مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق آڑے آیا اور اللہ تعالیٰ نے بحفاظت ان جگہوں سے گزارا۔ بعد ہاؤس جاب کے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ اور ہمشیرہ وغیرہ کا علاج معالجہ بھی بندہ کے ذمے ہو گیا۔ اس طرح بندہ کو بہت قریب ہونے کا موقع مل گیا۔ بارہا شام کا کھانا انہیں کے ہاں ہوتا اور عصر کے بعد حاضری ہو کر عشاء کے بعد واپسی ہوتی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے ہی بندہ نے میڈیکل کالج میں بطور استاذ ملازمت شروع کر دی۔ یہ ملازمت بھی بہت ابتلا اور آزمائش تھی کیونکہ مخلوط تعلیم میں اختلاط بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ایک دن خیال پیدا ہوا کہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات عرض کرنی چاہئے کہ یا تو ایسی صورت ہو کہ اس مخلوط تعلیم میں بالکل سکون ہو جائے، ورنہ یہاں کی ملازمت کو چھوڑ دینا چاہئے۔ بندہ ان خیالات کے ساتھ شام کی مجلس میں حاضر ہوا۔ ان دنوں مجلس میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آپ سے بے اختیار اللہ یا اِلاّاللہ کا نعرہ نکلتا تھا، جس سے پاس بیٹھنے والوں پر بھی اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد آپ نے ایک نعرہ لگایا۔ بندہ نے نعرہ کے ساتھ محسوس کیا کہ گویا ایک بجلی کا کرنٹ تھا جو بندہ کی پیشانی پر لگا اور بدن میں پھیل کر نیچے اترا یہاں تک کہ ناف کے نیچے تک جا کر رکا۔ اس کے بعد بندہ کو بہت سکون محسوس

ہونے لگا اور حیرت ہوئی کہ جس بات کو عرض کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا اس کے کہے بغیر ہی انہیں آگاہی ہوئی اور مسئلہ حل ہو گیا۔ اس دن واضح محسوس ہوا کہ واقعی اصل فیض دینے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، مشائخ محض واسطہ ہوتے ہیں۔

اس طرح کے مواقع کے بارے میں محققین نے لکھا ہے کہ بعض اوقات متاثر ہونے والے کے حالات کا متاثر کرنے والے کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔ یہ محض ایک اللہ کا فضل ہوتا ہے، جو ہو جاتا ہے۔ ؎

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نگاہ میں نہ ہو شوخی تو دلبری کیا ہے

اس کیفیت سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ حضرات نقشبندیہ لطیفۂ نفس کا محل پیشانی اور ناف کو کیوں بتاتے ہیں۔ انہیں دنوں رمضان حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گذارنے کا اتفاق ہوا۔ آپ کے ہاں افطار میں پچیس سے لے کر دو سو تک مہمان ہوتے تھے۔ بعد افطار بندہ کا شام کا کھانا بھی انہی کے ہاں ہوتا تھا۔ تراویح کا یہ معمول تھا کہ پہلے دو عشروں میں ایک ختم اور آخری عشرہ میں تین ختم کرتے، ایک پانچ یوم کا، ایک تین یوم کا اور جب تک راتیں لمبی تھیں اور سردیوں کا رمضان تھا ایک شب کا ختم ہوتا تھا۔ ہماری طرح دنیادار اور سائنسی طبیعت والوں کے لئے یہ بہت مشقت ہوتی تھی۔ اکثر دور دراز سے حفاظ اور قراء آپ کی دعا لینے کی خاطر قرآن سنانے کے لئے آتے تھے۔ بندہ کو آپ بزور ٹھہراتے تھے۔ کچھ عرصہ تو بزور ٹھہرتے رہے آخر عادت بن گئی یہاں تک کہ ایک شب صرف دو رکعت میں پورا قرآن سنا۔ حضرت کے خاص حافظ، ڈاکٹر حسین علی شاہ مدظلہ نے دو رکعت میں اس طرح سے پڑھا کہ بیس پارے پہلی رکعت میں پڑھے اور دس پارے دوسری رکعت میں۔ اس کمر توڑ تراویح نے کئی نوجوانوں کو شکست دی اور وہ اٹھتے بیٹھتے رہے۔ خود بندہ نے پورا قرآن کھڑے ہو کر ہی سنا لیکن اس دوران سخت زکام اور نزلہ کا حملہ ہوا۔ ناک بہتے بہتے کپڑے بھیگ گئے۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سارا قرآن معذور ٹانگوں کے ساتھ دوزانو بیٹھے ہوئے سنا۔ اس رمضان سے پہلے سال کے رمضان کی روداد بیان کرتے ہوئے شیر حسن صاحب فرماتے ہیں کہ انہی ڈاکٹر حسین علی شاہ صاحب نے ایک رکعت میں ساڑھے اکتیس پارے پڑھے اور دوسری رکعت میں تھوڑا سا پڑھ کر دو رکعت مکمل کیں۔ عام طور پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح پورا قرآن یہ ایک ہی حالت میں بیٹھے ہوئے سن لیتے ہیں۔لیکن واقعی جب حافظ شروع کرتا تھا تو خاتمے تک مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک وارفتگی کی کیفیت طاری ہوتی تھی جس کی وجہ سے تھکاوٹ اور اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی۔جوانوں سے زیادہ ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اتنی لمبی راتیں اور آپ شوگر کے مریض لیکن بعض اوقات عشاء کے وضو سے فجر اور اشراق پڑھتے اور اس کے بعد قضائے حاجت کے لئے جاتے۔ رمضان میں آپ کی سخاوت، طویل تراویح، قیام الیل بصورتِ تہجد اور آخری دس راتوں کا احیاء قرنِ اولی کی یاد تازہ کرتا تھا اور اکابر کے رمضان کی یاد دلاتا تھا۔اسلامیہ کالج کی مسجد جو ایک عرصہ تک پشاور یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج کی واحد جامع مسجد رہی ہے، جب سے بنی اس میں کوئی اعتکاف نہیں ہوا تھا۔اس مسجد کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے چند ساتھی طلباء کو لے کر اعتکاف فرمایا۔بعد میں معذوری ہوگئی جس کی وجہ سے اعتکاف مشکل ہوگیا۔

۱۹۷۵ء کے رمضان کا واقعہ ہے کہ آپ نے بعد تراویح کے نعت خوانی کروائی جس کے دوران بہت کیفیت محسوس ہوئی۔کئی مرتبہ آپ نے زوردار نعرہ لگایا۔اسی کیفیت میں نعت خوانی کے بعد آپ حاضرین مجلس سے ایک ایک کر کے دریافت فرمانے لگے کہ حج پر جاتے ہو۔کوئی ہاں میں کوئی ناں میں جواب دے رہا تھا۔بندہ نے سوچا کہ ہاں کہنے میں کیا حرج ہے ہاں ہی کہہ دیتے ہیں۔چنانچہ بندہ نے ہاں کہہ دیا۔کیا معلوم تھا کہ یہ عام پوچھنا نہیں ہو رہا بلکہ منظوری ہو رہی ہے۔چنانچہ عید کی چھٹیوں سے واپسی ہوئی تو مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیٹا تمہاری منظوری ہوگئی ہے۔پیسوں کا بندوبست کرو۔ حیرت ہوئی کہ حج پر اتنی حکومتی پابندیاں اور قرعہ اندازیاں اور ہماری ایک ہاں کرنے سے منظوری ہو گئی۔واقعی یہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی جو ظہور پذیر ہوئی۔ بندہ نے اس وقت تک تین سال ملازمت کی تھی اور صرف چھ ہزار روپے والدین کو دئے تھے۔حج کا خرچہ پشاور سے ہوائی جہاز میں ساڑھے گیارہ ہزار روپے تھا۔والدین سے پیسوں کا مطالبہ کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی۔خیر خدا خدا کر کے گھر پر عرض کیا، سب نے بخوشی منظور کیا اور پیسوں کا بندوبست ہوا۔اس طرح مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمیت ہمارا چودہ افراد کا قافلہ حج کے لئے روانہ ہوا۔جس میں دو عورتیں اور بارہ مرد تھے۔ پشاور سے بذریعہ جہاز کراچی پہنچے۔کراچی میں مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت

محبت والے تعلقات تھے لہٰذا انہیں کے ہاں ٹھہرنا ہوتا تھا۔وہاں قیام ہوا۔کراچی کے کارخانہ دار جو مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، دعوتیں کرتے رہے۔اس کے علاوہ ہم مدرسے کے مہمان تھے۔ بعض اوقات حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں بھی حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمارے سمیت دعوت فرماتے تھے۔حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح صاحبِ نسبت حضرات کے مدرسہ میں قیام کی کوشش فرماتے تھے تاکہ طلباء اور اساتذہ کے سامنے دین کا عملی نمونہ پیش ہو۔حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت فرماتے تھے اور خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔اساتذہ کی سادگی، خلوص اور انہماک کو دیکھ کر دل متاثر ہوا۔طلباء بھی سنجیدہ اور محنتی تھے۔مدرسہ کی صفائی ستھرائی اور مطبخ (Kitchen) کا معیار دیکھ کر بلاتکلف یہ محسوس ہوا کہ ہر چیز کا معیار ہماری پشاور یونیورسٹی سے کسی صورت کم نہیں بلکہ تھوڑا زیادہ ہی ہے۔حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کا نقشہ تو سلف کی یاد تازہ کرتا تھا۔ایک چھوٹے سے کمرے میں زمین پر معمولی دری اور ایک تکیہ، وہیں سب بیٹھتے تھے۔باوجود عالمی حیثیت ہونے کے دنیا کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

کراچی سے جدہ پہنچے۔یہ آخری فلائیٹ تھی اور اس میں حکومت کے وزراء وغیرہ بھی سفر کر رہے تھے۔جدہ کے ہوائی اڈے پر اترے۔وزیر وزراء اپنا اپنا سامان اٹھائے کسٹم کلیر کروا رہے تھے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جدہ کے مرید ہمیں لینے کے لئے پہنچ گئے اور ہمارا سامان اٹھا کر اپنے گھروں کو لے گئے۔رات وہاں قیام ہوا۔دوسرے دن مکہ مکرمہ روانگی ہوئی۔اس وقت حج سردی کے موسم میں تھا۔پاکستانی حجاج کو رہائش کا بندوبست خود کرنا ہوتا تھا۔رہائش کے لئے تھوڑی سی پریشانی محسوس ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اچھی جگہ عطا فرمادی۔

اس دور میں سعودی عرب کی مالداری نئی نئی شروع ہوئی تھی۔زیادہ تر قیاتی کام نہیں ہوئے تھے۔ آب زمزم کا ڈول والا کنواں بھی موجود تھا۔اگرچہ اب راستہ بند کر دیا گیا تھا اور پانی ڈول سے نکالنا بند ہو گیا تھا۔مشین پانی نکالتی تھی۔زیادہ بڑی عمارتیں بھی وجود میں نہیں آئی تھیں۔موٹروے بھی نہیں بنا تھا۔ صرف ایک سڑک ہی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان موجود تھی۔منیٰ، مزدلفہ، عرفات کی سڑکیں بھی قدیم طرز پر تھیں۔سعودی عرب میں اتنی پابندیاں جیسے آج کل ہیں، نہیں تھیں۔علماء مشائخ مسجد حرام

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور مسجد نبوی میں وعظ اور تعلیم کے حلقے لگاتے تھے۔ حج کے پانچ روز بہت ہی پرسکون گزرے۔ حج کے ارکان کی ایسی سہولت والی ترتیب آپ اختیار فرماتے تھے کہ آمدورفت، وقوف، رمی جمار (شیطانوں کو مارنا) کسی وقت ہڑبونگ اور افراتفری سے سابقہ نہیں پڑتا تھا۔ یہ بات تجربہ میں آئی کہ ساری تکلیف کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ اکثر حجاج کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کیا کرنا ہے، کہاں کرنا ہے اور کس وقت اور کیسے کرنا ہے۔ چنانچہ ایک بھیڑ کی طرح بڑھ رہے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے مشکلات اور خطرات درپیش ہوتے ہیں۔ نیز مستحبات کی پابندی سے ایسے چمٹتے ہیں کہ اپنی اور دوسروں کی جان جانے کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔ آخری دن یعنی ۱۲ ذوالحجہ کو دس بجے سے ہی معلم کے کارندے رمی کے لئے شور شروع کردیتے ہیں۔ جب کہ وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور غروب تک رہتا ہے۔ چار بجے کے قریب ایک ہڑبونگ مخلوقِ خدا کا جمع ہوجاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کی بات پر کان نہ دھرو۔ بارہ بجے آرام سے کھانا کھایا نمازِ ظہر پڑھی اور لیٹ گئے۔ اٹھے چائے پی، معلم کے کارندوں نے بہت شور مچایا کہ جلدی کرو نکلو ہم بھی جارہے ہیں۔ خیمے اکھاڑنا شروع کردئے۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ ایک طرف سے شروع کریں جب ہمارے قریب آئیں گے تو ہم یہ جگہ آپ کے لئے خالی کردیں گے۔ عصر کی نماز پڑھ کر رمی کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت مکمل سکون تھا۔ عالم اسلام کے بڑے علماء و مشائخ رمی کر رہے تھے۔ اس قدر سکون تھا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی پہیہ والی کرسی پر بیٹھ کر خود اپنے ہاتھ سے رمی کی۔ غروب سے پہلے منیٰ سے نکلنا ہوتا ہے، سو ہم آسانی سے نکل گئے۔

حج اتنا اہم رکن ہے لیکن بوجہ لاعلمی کے اتنی تکلیف برداشت کرکے اور مال خرچ کرکے امت اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں حاصل کررہی۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بار بار حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ یار لوگ اعتراض بھی کرتے رہتے تھے کہ نعوذ باللہ پیسے کا ضیاع کررہے ہیں۔ معذور ہوتے ہوئے نفل حج کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کرکے محسوس ہوا کہ اس طرح کی شخصیات کی وہاں حاضری امت کے لئے کس طرح ظاہری و باطنی فوائد کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جس انہماک سے ذکر و عبادت اور دعا میں آپ مشغول ہوتے اور آپ کے متعلقین جس نظم و ضبط، گریہ وزاری اور ذکر و شغل کی فضا بناتے وہ پورے ماحول پر اثر انداز ہوتی اور دوسرے لوگوں کے لئے تقویت اور

رجوع الی اللہ کا ذریعہ بنتی۔ واقف اور ناواقف لوگ آ آ کر آپ کی مجالس میں شریک ہوتے، مسائل پوچھتے، دعا کرواتے اور باطنی حال میں واضح فرق آتا ہوا دیکھ کر جاتے۔ جس سوز و گداز کے ساتھ آپ امت کے لئے دعا میں مصروف ہوتے، وہ منظر قابل دید ہوتا۔ واقعی انہی مستجاب الدعوات حضرات کی وجہ سے اس امت کی گاڑی چلتی ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

کل بیس روز مکہ مکرمہ میں قیام کرکے مدینہ منورہ روانگی ہوئی۔ وہاں بھی بیس روز قیام ہوا۔ عصر تا عشاء اور فجر تا اشراق دو اوقات خاص طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین مبارک کی طرف گذرتے۔ یہ پورا وقت کسی سے بات چیت نہیں فرماتے تھے اور مسلسل درود شریف اور مراقبہ میں مصروف رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار زیارت ہوتی رہتی تھی۔ ایک بار فرمایا کہ مسجد نبوی میں حاضری ہوئی تو جگہ بہت دور ملی حسرت محسوس ہوتی رہی اور دل میں خیال آیا کہ قریب سے آپ کے درود شریف خود سننے کی بشارت ہے، ہمیں تو آج دور جگہ ملی ہے قریب کی اس بشارت سے محرومی رہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بالین مبارک (سر مبارک) کی طرف سے ایسے دیکھا کہ گویا ہنڈیا کے سرپوش کی طرح ایک ڈھکن ہٹ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے جلوہ فرما نظر آنے لگے اور فرمایا: ہاں وہاں سے بھی سنتا ہوں۔ خواب میں اور بیداری میں زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔

دورانِ حج حضرت نے بارہا یاد دلایا کہ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بطور ہدیہ کوئی اچھا سا گرم کپڑا لے لینا چاہئے۔ ساتھیوں کو خیال نہیں رہا۔ بندہ کا خیال تھا کہ سارے ساتھی مل کر خرید لیں گے لیکن دن آخر ہوگئے مگر کسی نے نہیں خریدا۔ اس پر بندہ نے خود ہی ایک کپڑا خرید کر پیش کیا لیکن دل میں خیال آیا اس پر بہت پیسے لگے اس میں دوسرے ساتھیوں کو بھی حصہ لینا چاہئے تھا۔ گویا ہدیہ پورا طیب خاطر (دل کی خوشی) سے نہیں تھا۔ حضرت نے زندگی میں کبھی بندہ کا ہدیہ رد نہیں فرمایا لیکن یہ ہدیہ قبول نہیں فرمایا اور واپس کردیا۔ بہت حیرت ہوئی کہ طیب خاطر نہ ہونے کی حضرت کو آگاہی ہوگئی اور ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ پھر خود ہی ایک اچھا سا کپڑا حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے خرید لیا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس سفر میں حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو مرتبہ حاضری ہوئی۔ حضرت کی زندگی کے آخری سال تھے، بہت ضعیف ہو چکے تھے، صرف ایک گھنٹہ عصر و مغرب کے درمیان باہر تشریف لاتے تھے۔ زائرین کا ہجوم ہوتا تھا، کمرہ محدود تھا اس لئے مصافحہ اور زیارت کے لئے خدام صرف پانچ منٹ کا وقت دیتے تھے۔ حضرت صرف مصافحہ فرماتے، کلام نہیں فرماتے تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ہم حاضر ہوئے تو خادم نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ مولانا اشرف صاحب پشاور والے آئے ہیں۔ حضرت نے حال پوچھا۔ پانچ منٹ بعد اعلان ہوا کہ پہلے والے حضرات اٹھ جائیں نئے اندر آجائیں ہم اٹھنے لگے تو خادم نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ یہ آپ کے لئے نہیں، آپ تشریف رکھے رہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بہت محبت فرماتے تھے۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیۃً دی تھی اور لامع الدّراری شرح بخاری شریف کے بارے میں فرمایا کہ میری زندگی میں چھپ کر آ گئی تو میں خود ہدیہ بھیج دوں گا اور اگر میری وفات ہوگئی تو تقاضا کر کے میرے لواحقین سے لے لینا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نو مرتبہ حج کی سعادت نصیب فرمائی اور ایک مرتبہ آپ رمضان میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس طرح کل دس مرتبہ حاضری ہوئی۔ آپ کا حج کا پروگرام اچانک ہو جاتا تھا، ایسے حالات میں ہو جاتا تھا کہ مالی اسباب ہی نہیں ہوتے تھے اور ایسے دنوں میں ہو جاتا تھا کہ وقت بہت تنگ ہوتا تھا جس میں ویزے اور پاسپورٹ کی انتہائی مشکلات درپیش ہوتی تھیں۔ عام طور پر آپ کے قریبی ساتھیوں کا یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہو سکے گا۔ لیکن جب آپ کمر ہمت باندھ کر تگ و دو شروع فرماتے تھے تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی تھی کہ اسباب مسخر ہو کر گویا قدموں میں آ گرتے تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کا حج پر تشریف لے جانا گویا بلاوا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آخری دنوں میں آپ حج کی کوشش کے لئے اسلام آباد تشریف لے گئے تو ریگولر سکیم، ویزا وغیرہ سب راستے بند ہو چکے تھے اور دن بالکل آخری ہو گئے تھے۔ چاروں طرف پھر پھرا کر آخر دلبرداشتہ ہو کر واپس ہونے لگے۔ واپسی پر خیال آیا کہ جسٹس عبدالحکیم صاحب (سابق گورنر صوبہ سرحد) سے ملتے ہوئے واپس پشاور جائیں گے۔ ان سے ملاقات ہوئی اور مسئلہ ان کے سامنے آیا تو انھوں نے

کہا کہ جسٹس افضل چیمہ سے مل لیتے ہیں۔ افضل چیمہ رابطۂ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری اور ضیاء الحق کے خاص آدمی تھے، ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے براہِ راست ضیاء الحق صاحب سے منظوری دلوا دی۔

۱۹۸۷ء میں رمضان میں آپ عمرہ پر جانا چاہتے تھے لیکن مالی وسائل ایسے وقت ہاتھ آئے جب سعودی ایمبیسی سے رمضان کے عمرے کے ویزوں کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ پھر افضل چیمہ صاحب سے رابطہ کیا گیا وہ پھر ضیاء الحق کے پاس گئے۔ ضیاء الحق نے ان سے کہا کہ مولانا صاحب وقت پر تو سوئے ہوتے ہیں جب وقت گذر جاتا ہے تو جاگ اٹھتے ہیں۔ بہر حال اس نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ویزا لگوا دیا۔

ایک مرتبہ بالکل آخری دنوں میں آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ حج پر جانا ہے۔ اس وقت اتنے تھوڑے دن رہ گئے تھے کہ کسی طریقے سے جانے کی گنجائش نہیں بنتی تھی۔ بقول میر حاتم صاحب محض حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خوش کرنے کے لئے ہم سارا دن چل پھر کر معلومات کر کے واپس آ گئے اور عرض کیا کہ کام نہیں ہو سکتا۔ دوسرے دن پھر حضرت نے فرمایا۔ ہمیں تو حیرت ہوئی لیکن حضرت نے ڈانٹ کر فرمایا کہ کوشش ضرور کرنی چاہئے۔ چنانچہ میر حاتم صاحب ہی کی گاڑی میں اسلام آباد سٹیٹ بینک گئے۔ میر حاتم صاحب تو بینک میں بات کرنے کے لئے چلے گئے جبکہ مولانا صاحب گاڑی میں دعا میں مشغول ہو گئے۔ بینک منیجر نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ میں یونیورسٹی میں پروفیسر ہوں تو بینک منیجر نے کہا: ''حج کا موسم ختم ہو گیا ہے، سعودی ایمبیسی بند ہو گئی ہے، آپ لوگ سرکاری ملازم ہیں آپ کے پاس ادارے کا NOC بھی نہیں ہے تو آپ کا کام میں کیسے کر سکتا ہوں؟ آپ کوئی ناسمجھ آدمی بھی نہیں ہیں کہ سمجھتے نہ ہوں، پڑھے لکھے آدمی ہیں۔'' میر حاتم صاحب نے پھر عاجزانہ عرض معروض کی کہ جتنا کام آپ کے ذمے ہے وہ کر دیں آگے دیکھیں گے۔ اس نے کہا: چلو! اگر تمہاری یونیورسٹی کا رجسٹرار ٹیلیفون پر ہی تمھیں اجازت دے دے تو میں مان لیتا ہوں۔ اسی کے ٹیلی فون سے رجسٹرار کو ملایا، حسن اتفاق سے پہلی ڈائلنگ پر ہی رجسٹرار مل گیا اور اس نے منیجر صاحب سے بات کر کے اجازت دے دی۔ اجازت ملنے کے بعد مسئلہ ویزا لگوانے کا تھا۔ اسلام آباد میں سعودی ایمبیسی چھٹیاں کر چکی تھی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کیونکہ ۵ ذوالحجہ تھی۔ ڈاکٹر اسلم صاحب کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی بھیجا گیا تا کہ کراچی کے کاؤنسلیٹ سے ویزا لگوایا جائے۔ ڈاکٹر اسلم صاحب نے ساتھ والی سیٹ والے آدمی سے بات شروع کی تو حیرت ہوئی کہ وہ کراچی کے کاؤنسلیٹ کے سعودی کونسل جنرل تھے۔ انھوں نے کہا: اگرچہ کل جمعہ کی چھٹی ہے لیکن آپ آجائیں ہم آپ کو ویزا لگا دیں گے۔ ڈاکٹر اسلم نے ویزا لگوا کر آپ کے ہوائی ٹکٹ واپس پشاور بھیجے کیونکہ انہی ٹکٹوں پر آپ نے سفر کرنا تھا۔ حضرت مولانا مع ساتھیوں کے کراچی پہنچے۔ وہاں معلوم ہوا کہ جدہ کے لئے ساری پاکستانی فلائٹیں ختم ہوچکی ہیں۔ ؎

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

ساتھی اداس بیٹھے تھے کہ اتنے میں اطلاع ہوئی کہ چینی حاجیوں کی ایک خاص فلائٹ جانے والی ہے۔ تگ ودو کی تو اس میں پانچ کے پانچ ساتھیوں کی سیٹیں ہوگئیں۔

قادیانیوں کے خلاف آپ کے معرکۃ الآرا کارنامے:

قادیانیوں کا فتنہ ایک صدی سے چل رہا تھا۔ اس کے خلاف ۱۹۵۳ء میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک چلائی جس میں کئی ہزار علماء شہید کئے گئے۔ دوسری تحریک ۱۹۷۳ء میں بھٹو دور میں چلی، جس کا کچھ تذکرہ گذشتہ اوراق میں آ گیا۔ دو واقعات مزید نقل کرتا ہوں۔ یہ ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں ہم ڈیرہ اسماعیل خان سے حفاظ تراویح کے لئے بلاتے تھے۔ ایک نابینا حافظ عبدالحق بھی آئے تھے، یہ بہت پختہ حافظ تھے، انھیں تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ان کو قادیانیوں کے ساتھ مناظروں کا شوق تھا۔ انہوں نے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ یونیورسٹی سے ملحق ایک محلے میں قادیانی آباد ہیں۔ جس میں کچھ یونیورسٹی کے پروفیسر بھی تھے۔ حافظ عبدالحق دیہاتی مناظروں کا فاتح ہوتا تھا لیکن پروفیسروں کے آگے بیچارہ پھنس گیا۔ کسی نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں اعلان کردیں کہ کل میں آ کر بات کروں گا۔ دوسرے دن مناظرہ کی تیاری کے لئے آپ رات کو مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابیں پڑھتے رہے۔ آپ کے ایک معتقد مہربان نامی انجنیئر آپ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کو بھی شوق ہوا کہ اس طرح وہ بھی قادیانی کتب پڑھیں

چنانچہ انہوں نے مطالعہ شروع کردیا۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، فرمایا کہ تم یہ کتابیں نہ پڑھو، ان کے لئے اشرف ہی کافی ہے۔ دوسرے دن آپ نے جا کر مناظرہ کیا۔ قادیانیوں کو منہ کی کھانی پڑی اور اس محلہ کو ہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

دوسری مرتبہ صدر ضیاء الحق کے دور میں قادیانیوں نے اپنے مرتد ہونے کے خلاف سپریم کورٹ میں کیس دائر کیا ہوا تھا۔ اس کیس کی وکالت کے لئے پشاور میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی مجیب الرحمن صاحب صدر شعبۂ اسلامیات منتخب ہوئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے اور اس قدر شدید بیمار ہوئے کہ ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ ہسپتال کے کمرہ میں اپنا کتب خانہ شفٹ کردیا اور وہاں تحقیقی کام کئی آدمیوں کو ساتھ لگا کر کرتے رہے۔ جس دن روانگی تھی تو اٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب سینیٹر بڑی گاڑی لے کر آئے، جس میں لٹا کر اسلام آباد تک سفر کروایا گیا۔ فرماتے تھے کہ مجھے خطرہ ہو رہا تھا کہ راستے میں مرجاؤں گا لیکن میں اس راستے میں مرنے کے لئے ہی جا رہا تھا۔ سپریم کورٹ میں پیش ہونے پر اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی قوت عطا فرمائی کہ قادیانی بری طرح ہارے اور ان پر اسلامی شعائر اذان دینا، اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھنا، اس کی شکل مسجد جیسی بنانا سب ممنوع کردئے گئے۔ اس سفر سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے پھر صحت عطا فرمائی۔ مناظروں میں آپ کا طریقہ "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" (النحل۔۱۲۵) (اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو) کا نمونہ ہوتا تھا۔ دلائل کے ساتھ بات کر کے مقابل کو علمی لحاظ سے لاجواب فرماتے تھے۔ اس بات کا نتیجہ تھا کہ بڑے سے بڑا مخالف بھی آپ کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی آپ کی مجلس میں آیا۔ یونیورسٹی میں کسی شعبے کا طالبعلم تھا اور کوئی منفی لٹریچر پڑھ کر گمراہ ہوگیا تھا، خاص طور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بہت غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا۔ اس نے مجلس میں بہت ہرزہ سرائی کی اور خاص طور سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنا کر اعتراضات کئے۔ حضرت نے تحمل سے اس کی بات سنی اور خدام میں سے کسی سے فرمایا: ''وہ سامنے شیلف سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الادبُ المفرد اتارو''، کتاب اتاری گئی۔ آپ نے ورق الٹ کر ایک جگہ سے دو احادیث سنائیں۔ پہلی کا مفہوم یہ تھا کہ ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بروز قیامت ایسے حال میں اٹھیں گے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہ ان پر نور کی چادر ہوگی۔'' دوسری حدیث کا مفہوم یہ ہے ''اے امیر معاویہ! جب تمھیں شہروں کا والی بنایا جائے تو انصاف کرنا۔'' اس آدمی کی ساری بحث کا جواب دو جملوں میں ہو گیا کہ جس شخصیت کے بارے میں تمہارے یہ فضول خیال ہیں ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رائے ہے۔

ہندوستان کا سفر:

بندہ کو حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک سفر ہندوستان کا نصیب ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند والوں نے مدرسہ کی صد سالہ تقریبات منانے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے ساری دنیا سے وفود بلائے گئے۔ تقریباً دس بارہ لاکھ کا اجتماع ہوا۔ پاکستان سے بھی کافی لوگوں کو یہ سفر نصیب ہوا۔ صوبہ سرحد سے دارالعلوم حقانیہ والے دیوبند کی نمائندگی کرنے گئے۔ لوگوں کا انتخاب ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مع خدام و احباب بطور مندوب شمولیت کی دعوت ملی۔ بندہ کا بہت جانے کو دل ہو رہا تھا۔ ساتھ تو آپ ایسے احباب کو رکھتے تھے جو آپ کی معذوری کے پیش نظر آپ کی خدمت کر سکیں۔ بندہ اس میں شامل نہیں تھا۔ بہت دعائیں کیں کیونکہ حرمین شریفین اور ارضِ شام (اردن، فلسطین، شام، عراق) کے بعد ہندوستان کی سرزمین کو اللہ نے برکتوں سے نوازا ہے۔ شوق میں کچھ منت بھی مان لی۔ ساتھیوں نے حضرت سے تذکرہ کیا۔ حضرت نے بندہ کو منظور فرمایا۔ لاہور میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و معتقد جناب انجینئر نسیم صاحب کے ہاں قیام کر کے بذریعہ ریل دیوبند روانگی ہوئی۔ یہ عجیب وغریب سفر تھا۔ نابغۂ روزگار شخصیات مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک، خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کندیاں شریف اس ریل میں سفر کر رہی تھیں۔ پوری رات سفر میں بسر ہو کر صبح کے قریب دیوبند پہنچے۔ حاضری کی اطلاع دی گئی۔ دیوبند والے حضرات نے ہاسٹل کا ایک کمرہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مع خدام کے عنایت فرمایا اور مطبخ (Kitchen) والوں کو ہدایت ہوئی کہ ہمارا کھانا ہمیں اپنے کمرے تک لے جانے کی اجازت ہے۔ میزبانوں میں سے حضرت مولانا انظر شاہ صاحب صاحبزادہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سے ملنے تشریف لائے۔ دیگر علماء دیوبند بھی ملنے تشریف لاتے رہے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بوجہ معذوری نماز اپنے کمرے میں ہی باجماعت پڑھتے تھے۔ ہم بھی ان کے ساتھ بوجہ مسافر ہونے کے پڑھتے تھے۔ نماز راقم الحروف ہی پڑھاتا تھا۔

ایک بزرگ حلیمی صاحب کا کاخیل جو فاضل دیوبند تھے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ بندہ نے نماز پڑھائی۔ حلیمی صاحب نے بھی بندہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ان دنوں بندہ کو شلوار ٹخنوں سے اوپر کرنے کا چنداں دھیان نہیں ہوتا تھا۔ دوسرے دن فجر کے لئے وضو کر رہا تھا کہ حلیمی صاحب سامنے سے گذر رہے تھے اور مسجد کی طرف نماز کے لئے جا رہے تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہو کر بندہ کے سامنے خوب اپنی شلوار کو درست کیا اور تسلی کی کہ ان کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہیں۔ بندہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ انکا بڑھاپا اور ضعف اس قدر ہے کہ اب تو تکبر کے خطرات سے نکل چکے ہیں اور پھر اتنا اندھیرا لیکن ان بزرگوں کو اس مسئلے پر عمل کا اتنا اہتمام! اس سے بندہ کو بہت ندامت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے شلوار کے ٹخنوں سے اوپر رکھنے کے معاملے میں بندہ کو سختی سے عمل کی توفیق عطا فرمائی۔

دیوبند کے اجتماع کے ہجوم اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہلے دن پروگراموں میں شامل نہ ہو سکے۔ آپ کی آمد و رفت بھی عجیب ہوتی تھی۔ جس دن آپ کا شرح صدر نہ ہو اور آپ نہ جائیں تو بعد میں ہمیں معلوم ہو جاتا تھا کہ جانے سے کوئی نہ کوئی تکلیف پیش آ سکتی تھی یا اس وقت آپ کا جانا مفید نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس دن افتتاح کا رنگ سیاسی تھا۔ اندرا گاندھی وزیر اعظم ہندوستان افتتاح کرنے آئی ہوئی تھی۔ ہندو عورت ہونے کے ناطے اس کے آنے کو علماء اور عوام نے بہت ناگواری سے دیکھا اور اس کی وجہ سے پروگرام میں بھی زیادہ نظم وضبط نہیں تھا۔

دوسرے دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں آج ضرور جاؤں گا۔ ہم ساتھیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ کچھ ایسی تدبیر کرو کہ حضرت نہ جا سکیں کیونکہ اتنا رش ہے کہ صحیح سالم آدمی نہیں جا سکتا تو ان کو وہیل چیئر میں کیسے لے جا سکیں گے۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عزم بالجزم کئے ہوئے سختی سے کہا کہ میں جاؤں گا۔ چنانچہ کرسی میں بٹھا کر روانہ کیا گیا۔ حیرت کی انتہا کہ راستے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی اور حضرت کی کرسی بغیر کسی تکلیف کے ہم نے ہجوم میں سے گذار دی۔ سٹیج جو تقریباً دس فٹ اونچا تھا فرمایا کہ ہم سٹیج پر جائیں گے۔ ہمیں تشویش ہوئی کہ منتظمین سے ہمارا تعارف نہیں، سکیورٹی پولیس کھڑی ہے، اس طرح کیسے ہم سٹیج تک پہنچیں گے۔ لیکن جس راستے سے گذرے گویا استقبال ہو رہا تھا۔ قریب ہونے پر سکیورٹی پولیس نے خود راستہ بنایا اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مع ہم سب خدام کے سٹیج پر پہنچ گئے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

واقعی دوسرے روز کے پروگرام کا رنگ علمی اور روحانی تھا۔ اکابر علماء کرام قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ بستی نظام الدین، مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ان کے علاوہ مصر کے وزیر معارف (وزیر تعلیم) عرب ممالک کے علماء و مشائخ کے وفود اپنی اپنی نشستوں پر رونق افروز تھے۔

حضرت ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمایا، جو واقعی اجتماع کا نمائندہ خطاب تصور ہوا۔ دل کو بہت تسلی ہوئی اور اتنا سفر جو کیا تھا اس کا کچھ معاوضہ ہم لوگوں کو مل گیا۔ سٹیج پر مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مصافحہ کروایا گیا اور ان سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لکھنو حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے کچھ روز قیام کی خواہش ظاہر کی۔ باقی بزرگوں کی زیارت ہوئی اور دارالاقامت کو واپسی ہوئی۔ بندہ جمعہ کی نماز پڑھنے پنڈال گیا۔ اجتماع والے اجتماعی نماز جمعہ نہ کروا سکے۔ جماعت تین جگہ ہوئی۔ صفوں کی ترتیب درست نہ ہونے کی وجہ سے بندہ نے دو دفعہ نماز پڑھی۔ لیکن سلام پھیرنے پر امام اور اپنے رخ میں واضح فرق محسوس ہونے کی بنا پر دل کو تسلی نہ ہوئی لہٰذا بندہ نے اپنی نماز کو دہرایا۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنڈال تشریف نہیں لے گئے تھے، دیوبند کی جامع مسجد میں ہی نماز پڑھی۔

عموماً ثواب کے کاموں میں کمی آنے کا حضرت کو دکھ اور قلق ہوتا تھا۔ اس لئے بندہ نے عرض کیا کہ آپ کے پنڈال نہ جانے میں حکمت تھی کہ وہاں نماز کی ادائیگی مشتبہ رہی۔ اس موقع پر رائے ونڈ والوں کا اجتماع یاد آیا کہ ان کے ہاں خوب نظم وضبط کا مظاہرہ ہوتا ہے، صفیں درست ہوتی ہیں اور نماز میں عموماً فرق نہیں آتا۔

اجتماع سے فارغ ہو کر ٹیکسی کرایہ پر لے کر دوسرے دن تھانہ بھون، گنگوہ، نانوتہ، جلال آباد کے قصبوں میں حاضری دی۔ تھانہ بھون کی وہ عظیم خانقاہ سامنے تھی جس میں اکابر سلسلۂ چشتیہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز رہے اور جہاں بیٹھ کر ان تین حضرات نے مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا منصوبہ بنایا۔ فتویٰ تیار کیا اور جسے چھاؤنی کے طور پر استعمال کر کے شاملی کے میدان

میں لڑے۔ ہر تین افراد کے اتنے چھوٹے چھوٹے خلوت خانے تھے کہ بمشکل ایک آدمی سما سکے۔ خلوت خانے کے دروازے میں کالے نشان تھے، مقامی آدمی نے بتایا کہ یہ انگریزوں کی گولہ باری کے نشانات ہیں۔ جس دینی مرکز میں حاضری ہوتی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جذبہ ہوتا کہ وہاں چندہ ضرور دیا جائے یا کم از کم ان کے مکتبہ کی کچھ کتابیں ہوں تو وہ ضرور خریدی جائیں۔ بندہ نے تربیت السالک دو جلدوں میں خریدی۔

خانقاہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کی تاریخ کو بھی لئے ہوئے تھی۔ ذاکرین کے لیے تقریباً چالیس حجرے موجود ہیں۔ اسی جگہ بیٹھ کر دینِ اسلام کی تجدید کا کارنامہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں انجام پایا۔ تقریباً سو سے اوپر خلفاء کی تربیت کی اور ہزار سے اوپر کتابیں تصنیف کیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر لکھنؤ حاضری ہوئی۔ ندوۃ العلماء میں پندرہ روز قیام رہا۔ حضرت ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ندوہ میں ہی تشریف فرما تھے کیونکہ پاکستانی وفود حاضر خدمت ہو رہے تھے۔ مدرسہ والوں نے بتایا کہ حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ مہمانوں کی وجہ سے یہاں قیام پذیر ہیں ورنہ ان کا زیادہ وقت آج کل رائے بریلی میں گذرتا ہے۔ جوں جوں عمر زیادہ ہوتی جا رہی ہے لکھنو میں ندوہ کا کام باقی حضرات کے حوالے کر کے خود ذکر وفکر اور یکسوئی کی زندگی رائے بریلی میں ہی گزار رہے ہیں اور درس وتدریس وعظ وتقریر کی بجائے آنے والے مریدوں کی تربیت اور ذکر وفکر کی طرف زیادہ متوجہ ہیں۔ ہمیں محسوس ہوا کہ حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ سے زیادہ وقت ندوہ میں گذرے تاکہ وہ طلبا کے سامنے اتباعِ سنت اور تعلق مع اللہ کا عملی نمونہ آ جائے۔ طلباء اور اساتذہ بہت ہی محبت سے پیش آتے رہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی تو مدرسہ ہی میں تشریف لے آئے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ سبحان اللہ! الفرقان کے ایڈیٹر اور معارف الحدیث کے مصنف، جن کے علمی دبدبہ کی دھاک دلوں پر تھی، آج سامنے تھے۔ سوز وگداز اور عجز ونیاز کی تصویر۔ تھوڑی دیر اُن کے ساتھ بیٹھ کر دنیا کے فنا ہونے کی کیفیت دل پر طاری ہوئی اور آخرت کے جذبات میں اضافہ محسوس ہوا۔ ان آخری ایام میں ان پر بہت رقت تھی۔ پھر ایک بار حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خدام کے حاضری دی۔ بہت شفقت سے پیش آئے اور ہمارے تھانوی تعلق کی بنیاد پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سناتے رہے۔ جب رخصتی ہونے لگی تو غالباً تین سو روپے ہدیہ عطا فرمائے اور ساتھ یہ فرمایا کہ یہ تھانوی ضیافت ہے اور عذر فرمایا کہ چونکہ اہلیہ کی وفات ہوگئی ہے اور گھر پر صرف ایک بچی ہے اس لئے آپ کے لئے کھانے پکانے کا بندوبست نہیں ہوسکتا لہٰذا یہی آپ حضرات کی دعوت ہے۔

حضرت ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ آرام اور انفرادی اوقات کے علاوہ مہمانوں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے۔ مدرسہ کے علماء اور اہلِ شہر زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ کم گو، گہری فکر میں ڈوبے ہوئے اور اکثر اوقات کسی دور منزل کو گھورتے ہوئے فکر وحزن کی تصویر بنے رہتے۔ کبھی کبھی مسکراہٹ چہرے پر پھیلتی۔ ندوہ کے اساتذہ، عرب علماء اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوالوں پر تھوڑی دیر کے لئے گویا ہوتے۔ بہرحال بندہ کے سامنے وہ شخصیت تھی جن کی کتب پڑھ کر بندہ کے دل میں ان کے ساتھ ایک عجیب وابستگی تھی۔ اسلام اور دنیائے اسلام کے حالات کے بارے میں آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹے تھے اور جن کی سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھنے سے راقم بارہا کچھ دیر تک گم سم ہوکر آنسو بہاتا رہتا تھا اور ایک عرصہ تک خیبر میڈیکل کالج کے طلباء کے سامنے اس کا درس دیا کرتا تھا، جس کے دوران پوری مجلس پر ایک وارفتگی کی کیفیت طاری ہوتی رہی۔ سبحان اللہ۔ آخر وہ شخصیت سامنے تھی اور ہم ان کی زیارت سے مسرور ہورہے تھے۔

حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

ترجمہ: افسوس کہ آنکھ جھپکنے میں دوست کی صحبت کے لمحات ختم ہوگئے، پھول کے چہرے کو جی بھر کے دیکھا بھی نہیں کہ موسم بہار ختم ہوگیا۔

حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ مہمانوں کا سلسلہ ختم ہونے پر رائے بریلی تشریف لے گئے۔ ہمارے دل میں رائے بریلی جانے کی تمنا پیدا ہونے لگی اور ہوک اٹھنے لگی۔ وہاں کا اجازت نامہ نہیں تھا لیکن مدرسہ کی گاڑی میں چلے گئے۔ رات گئے رائے بریلی دائرہ شاہ علم اللہ پہنچے۔

لکھنؤ کے تکلف والے ماحول سے یہاں آکر 'الفقرُ فخری' کا نمونہ سامنے آیا۔ یہاں حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فقیرانہ شان والے حالات رکھے ہوئے تھے۔ رات بسر ہوئی۔ سحری کے وقت خانقاہ کے ماحول میں جہری ذکر کی صدا گونجنے لگی اور ایک کشش ذکر کے لئے محسوس ہونے لگی۔ بعد ناشتہ کے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ جدِ امجد حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے جو ذرا اونچائی پر تھا۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراقب ہوئے اور دوران مراقبہ حسبِ عادت نعرہ مارا اور فرمایا کہ پورے علاقے پر ان کی نسبت کے انوارات چھائے ہوئے ہیں۔ حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وحضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہر دو حضرات نے فرمائی تھی۔ اس کے بعد اس مکان کی زیارت کی جس میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور پرورش ہوئی تھی۔ وہ مسجد اور ندی دیکھی جہاں مجاہدینِ بالاکوٹ کی تربیت ہوئی تھی۔ شاہ علم اللہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بھی جدِ امجد ہیں۔ آہ! آج اس جگہ کھڑا تھا جن بزرگ ہستی کی تحریک میں بقول والد صاحب بندہ کے پردادا نے بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش فرمایا۔ اس جگہ بہت کشش ہورہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد واپسی ہوئی۔ حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت محبت اور قلبی تعلق کا رویہ فرمارہے تھے۔ دیرینہ واقفیت اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات نیز تصانیف کی وجہ بھی ہوسکتی تھی لیکن بعد میں بندہ کے تحقیق کرنے سے عجیب روحانی وجہ سامنے آئی اور اس بات کو پھر بندہ نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خود پوچھا بھی اور ان ہی کی زبانی سنا بھی۔

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حاضری ہوئی تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ ایک سرخ رنگ والی بس پاس سے گذر گئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی سے کہو جب تک طلباء رہیں بند نہ کرے۔ خواب سے بیدار ہوکر غور کرنے لگا کہ اس خواب کا مطلب کیا ہے۔ خیر نماز کے لئے مسجد نبوی جانے لگے تو بازار میں سے گذر رہے تھے کہ سامنے سے اسی رنگ کی بس گذری جو خواب میں دیکھی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا ''مدینہ یونیورسٹی''۔ خیر یہ تو سمجھ میں آگیا کہ یہ پیغام مدینہ یونیورسٹی کے بارے میں ہے۔ اب اس سے متعلق شخصیت علی کون ہیں؟ غور کرنے پر خیال آیا کہ یہ حضرت ابوالحسن علی ندوی ہی ہوسکتے ہیں۔ وہ بھی حج پر تشریف لائے ہوئے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تھے۔ان کو یہ پیغام دیا تو فرمایا: ''سبحان اللہ۔سبحان اللہ۔مولانا صاحب آپ نے تو ہمارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔'' حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ سعودی حکومت نے ہم اساسی ممبران مدینہ یونیورسٹی کو بلایا ہوا ہے اور اس بات پر فیصلہ لینا چاہتے ہیں کہ آیا اس یونیورسٹی کو جاری رکھا جائے یا بند کر دیا جائے کیونکہ اخراجات زیادہ ہیں اور طلباء نہیں آ رہے۔اب جب کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دے دیا تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ چنانچہ اس بات پر حکومت نے فیصلہ دے دیا۔اس کے بعد حضرت ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عطر کی شیشی مولانا اشرف کو دے دو۔آپ جو بیدار ہوئے تو وہ شیشی ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔یہ شیشی حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کی۔اس شیشی کی حضرت مولانا نے اپنی حیات میں دو دفعہ زیارت کروائی۔وفات کے وقت حسبِ وصیت اس کو کفن پر چھڑکا گیا۔خالی شیشی حاضرینِ غسل کے کپڑوں پر ملی گئی۔

ندوۃ العلماء کے بڑے ہال میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بھی ہوا اور علماء وطلبا نے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد ہونے کے ناطے بہت دلچسپی سے سنا۔لکھنؤ کے تبلیغی مرکز والے حضرات تشریف لائے اور انھوں نے بھی شب جمعہ میں بیان کروایا۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مدارس اور دینی مراکز میں کچھ نہ کچھ چندہ ضرور دیتے دلواتے تھے مگر ندوہ والوں نے کچھ بھی قبول نہ کیا اور مُصر رہے کہ آپ کی دعا ہی ہمارے لئے سب کچھ ہے۔

ندوہ کے بعد دہلی روانگی ہوئی۔دہلی میں جمعیت علماء ہند کے دفتر واقع بہادر شاہ ظفر میں ایک رات قیام ہوا۔حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔دوسری رات بستی نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں تبلیغی مرکز میں گزری۔حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ بقیدِ حیات تھے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور رہائش کے لئے وہ کمرہ عنایت فرمایا جس میں حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا قیام رہا اور جس میں ان کی وفات ہوئی۔مولانا محمد عمر پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ اور میاں جی محراب رحمۃ اللہ علیہ بیان و ہدایات فرماتے تھے۔عشاء کو کتاب حیات الصحابہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے تھے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا زبیر الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کے لئے مقرر فرمایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک دسترخوان عمومی اور ایک بیرون ملک والا ہوتا تھا۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ان کے علاوہ دسترخوان لگوایا اور کئی طرح کے کھانے چنوائے۔وہ روٹیاں بندہ نہیں بھولے گا جو مولانا زبیر الحسن رحمۃ اللہ علیہ تازہ بتازہ تنور سے پکی ہوئی اٹھا کر لا رہے تھے۔ایسے یاد پڑتا ہے کہ یہ روٹیاں گھر سے لاتے رہے۔

مغرب کی نماز کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔اس پر مرکز میں ہلچل مچ گئی۔سیدھے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آپ ٹھہر رہے ہیں یا تشریف لے جاویں گے۔حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رات آپ کے پاس ہی قیام ہے۔اس پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ واپس حجرہ میں تشریف لے گئے۔وہاں موجود احمد حسن صاحب جو رائیونڈ کے مقیم ہیں اور ان دنوں بستی نظام الدین میں تھے، نے فرمایا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ مغرب تا عشاء حجرہ میں خلوت میں ہوتے ہیں اور کسی سے ملاقات نہیں فرماتے۔اوابین میں تقریباً سوا یا ڈیڑھ پارہ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ احمد حسن صاحب نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ یہ صرف آپ کی خاطر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ خلوت سے باہر تشریف لائے ہیں۔صبح کا ناشتہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہوا۔حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت چاہی۔حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: 'مولانا! کہاں کہاں تشریف لے گئے؟ حضرت نے عرض کیا: 'لکھنؤ، اعظم گڑھ، رائے بریلی وغیرہ'۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت اجازت نامہ رائے بریلی کا تو نہیں تھا، بغیر اجازت کے ہی چلے گئے۔حضرت نے مزاحاً فرمایا: ''اس طرح اگر جایا کرتے ہیں تو کہا نہیں کرتے''۔دراصل کافر حکومت کے ملک میں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس روپے ہدیہ میں پیش کئے تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مزاح میں فرمایا کہ تمہیں تو کرنسی ہی تھوڑی ملی ہے، اس میں سے ہدیہ کیسے دیتے ہو۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ یہ اس کے علاوہ ہم لائے تھے۔واقعی وہ پاکستانی نوٹ تھا۔اس پر مسکرا کر مزاح میں فرمایا کہ یہ تو خلافِ قانون کیا۔خیر پچاس روپے ہدیۃً قبول فرمائے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکالمہ سنتے ہوئے بندہ کو ان کی طرف ایسی کشش ہو رہی تھی کہ بڑھ کر ان کو چومنے کو دل چاہ رہا تھا۔واقعی بہت ہی زیادہ پیارے بندے تھے۔دہلی میں اولیاء اللہ کے مزارات ومقابر پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حاضری ہوئی، ایصالِ ثواب کیا اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراقب ہوئے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قبرستان اور نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے قبرستان خاص طور سے یاد ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قبرستان تو بدعات سے بالکل پاک ہے، کوئی مجاور وغیرہ نہیں ہے لیکن نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مجاور اور مختلف بدعات دیکھنے میں آئیں۔ دہلی سے اجمیر شریف کا سفر کیا اور خواجہ غریب نواز معین الدّین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری ہوئی۔ مزار کا اتنا بڑا اعلاقہ ہے کہ اس کی تین مساجد ہیں۔ اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی مسجد جو ویران ہے اس میں نماز نہیں ہوتی۔ شاہ جہاں کی بنائی ہوئی مسجد میں جمعہ ہوتا ہے اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں پانچ وقت نماز ہوتی ہے۔ اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی دو دیگیں ہیں، جن میں بیک وقت سو من اور اسی من چاول پکتے ہیں۔ دیگوں کو سیمنٹ کی گول سیڑھیاں بنا کر ان پر رکھا گیا ہے۔ وہی سیڑھیاں چولہوں کا کام بھی دیتی ہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سیڑھیوں پر چڑھنے کا شوق ہوا۔ یہ چڑھانا بہت مشکل تھا۔ اٹھانے کا کام نعمان صاحب اور احمد خان صاحب کرتے تھے۔ احمد خان صاحب کا چونکہ بندہ کے ساتھ برخوردارانہ تعلق تھا۔ اس لئے بندہ نے کہا: 'احمد خان صاحب! حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اوپر دیگ کی سیڑھی پر چڑھاؤ'۔ احمد خان صاحب کو بہت غصہ آیا اور گھور کر دیکھا کہ آخر اس میں کیا فائدہ اور تک ہے کہ دیگ پر چڑھایا جائے۔ خیر چار و ناچار احمد خان نے چڑھایا۔ جب اتارا تو بندہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور بندہ کے قلب میں فوراً یہ بات وارد ہوئی کہ احمد خان حج کے لئے منظور ہو گیا۔ بندہ نے اسی وقت احمد خان سے پشتو میں کہا کہ حج تو تمہارا ان شاء اللہ ہو گیا۔

چنانچہ اسی سال حسبِ معمول غیب سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حج منظور ہوا تو فوراً آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ساتھ احمد خان کو بھی لے جائیں گے کیونکہ اٹھانے میں بہت باہمت ہے۔ نعمان صاحب کو یاد آیا تو کہا کہ یہ منظوری تو خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہی ہو گئی تھی جب احمد خان نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پیٹھ پر اٹھا کر سیڑھی پر چڑھایا تھا۔

مزار مبارک پر مجاور بیٹھے ہوئے تھے اور ایسی بدعات اور خرافات کروا رہے تھے کہ الامان والحفیظ۔ وہاں سے فارغ ہو کر ایک ہوٹل میں آئے جہاں قیام کرنا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مزار پر تو بالکل انوارات نہیں تھے لیکن یہاں اس ہوٹل سے مزار کے انوارات محسوس ہو

رہے ہیں۔ شاید وہاں انوارات اس لئے محسوس نہیں ہو رہے تھے کہ مجاور حضرات بدعات و خرافات میں مصروف تھے۔ وہاں سے پھر دہلی واپسی ہوئی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کی بڑی رعایت فرماتے تھے۔ خود ہی فرمایا کہ ساتھیوں کو آگرہ اور فتح پور سیکری دکھانا چاہئے۔ چنانچہ آگرہ اور فتح پور سیکری کا سفر کیا۔ آگرہ پہنچے تو سٹیشن سے تو ایک مسلمان رہبر نے ہمیں وصول کیا لیکن لے گیا ہندو ہوٹل میں۔ حضرت نے فرمایا کہ چائے اور بسکٹ وغیرہ استعمال کریں اس کے علاوہ ذبیحہ وغیرہ والی کوئی چیز استعمال نہ کریں۔ تاج محل پہنچے۔ سنتے تھے کہ تاج محل دنیا کے سات عجائب میں سے ہے تو خیال ہوتا تھا کہ ایک عمارت کیا ہوگی جو عجوبہ بن سکے۔ لیکن وہاں پہنچ کر جو عمارت کو دیکھا تو واقعی دل تسلیم کر رہا تھا کہ یہ عجوبہ ہے۔ سفید سنگِ مرمر سے تراشی ہوئی عمارت بس دیکھ کر ہی فیصلہ کرنے کے قابل ہے۔ وہاں سے فتح پور سیکری حاضری ہوئی۔ فتح پور سیکری کے قلعے کی تعمیر کا رخ ایسے ہے کہ گرمیوں کے موسم میں ساری عمارات میں سامنے والی جھیل سے مسلسل ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے رہتے ہیں۔ فتح پور سیکری میں ایک مسجد ہے، جس میں حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، ان کے خاندان کا قبرستان ہے اور کچھ حجرے مدرسہ کے ہیں۔ یہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ اور خانقاہ تھی۔ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں کہ اکبر بادشاہ باوجود دین الٰہی رائج کرنے کے سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کا قائل تھا۔ ان کی دعا سے جہانگیر کی پیدائش ہوئی تھی اور اکبر نے جہانگیر کا نام سلیم، سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ہی رکھا تھا اور باوجود ساری خرافات کے اکبر یہ کہتا تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ملا دوپیازہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو حضرت چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے اکبر کے نورتنوں میں رکھوایا ہوا تھا اور ان کے ذمہ یہ فریضہ تھا کہ لطائف وظرائف وغیرہ کے ذریعے سے جیسے تیسے ہوا اپنے آپ کو مقبول رکھنا ہے اور یہ کوشش کرنی ہے کہ اکبر کم از کم یہ بات کہتا رہے کہ وہ مسلمان ہے اور اپنے ہندو ہونے کا اعلان نہ کرے۔ ایک دن بیربل وغیرہ ایک ہندو جوگی کو لے آئے جو کچھ منتر پڑھ کر زمین میں دھنس کر گم ہو جاتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ذرا فاصلے سے نمودار ہو کر نکل آتا تھا۔ ہندوؤں کا پروگرام تھا کہ اس جوگی کے ذریعے سے اکبر سے ہندو ہونے کا اعلان کروائیں گے۔ اس دن دربار کو ایسا سیل (seal) کیا کہ اندر سے باہر اور باہر سے اندر کوئی نہیں آ سکتا تھا۔ کسی طریقے سے ملا دوپیازہ رحمۃ اللہ علیہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو لے آئے، اکبر کھڑا ہو گیا اور حضرت کو اپنے پاس بٹھایا۔ حضرت نے پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اکبر نے عرض کیا کہ ہندو جوگی عجیب کرتب دکھا رہا ہے۔ آپ نے دکھانے کو کہا۔ اس پر وہ زمین میں ڈوب کر غائب ہو گیا۔ حضرت نے وہاں اپنا قدم مبارک رکھا اور فرمایا کہ جوگی کو کہو کہ نکلے۔ لیکن وہ نہ نکل سکا اور ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔

سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد سنگِ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور مزار سفید سنگِ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ درمیان میں گنبد ہے۔ سرخ و سفید کا امتزاج عجیب حسن پیدا کئے ہوئے ہے۔ دروازہ آبنوس کی لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ یہ لکڑی کالے رنگ کی ہے اور صفائی و ملائمت میں ایسی کہ گویا نفیس چمڑا ہو۔ قبر شریف سمندر کی سیپیوں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے۔ ایسی خوبصورت کہ آج کی ٹائلیں اس کا جواب نہ لا سکیں۔ واقعی تاج محل، فتح پور سیکری، قطب مینار، لال قلعہ دہلی، جامع مسجد دہلی ایسی یادگاریں ہیں جو مسلم دور کی شان و شوکت اور عظمت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ بندہ نے پہلی مرتبہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مزار پر مراقب ہوتے دیکھا تھا۔ چونکہ تعلق بے تکلفی کا تھا اس لئے بندہ نے عرض کیا کہ آپ مزارات پر مراقب ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انوار نظر آئے۔ ہمیں تو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ بندہ کا خیال تھا کہ اگر کچھ ہے تو ہمیں بھی بتائیں۔ یہ بات بندہ نے سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری سے پہلے کہی تھی۔ جب مزار پر حاضر ہوئے تو کھڑے ہی ہوئے تھے کہ بغیر وجہ اور سبب کے بندہ پر رقت اور گریہ کی کیفیت طاری ہوئی اور ایسی کشش صاحب قبر کی طرف ہوئی کہ ساتھی فاتحہ پڑھ کر جانے لگے لیکن بندہ کا دل اٹھنے کو نہ چاہا، گویا صاحب قبر نے پکڑ لیا ہو۔ آخر ساتھیوں نے زور سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب وقت تھوڑا ہے اور ہم نے واپس جانا ہے۔ بندہ واپس تو چل پڑا لیکن دل اٹھنے کو نہیں ہو رہا تھا۔ تب پتہ چلا کہ واقعی مقابر کے انوارات اور کیفیات کیا ہوتے ہیں۔

سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم میں ایک شب کا قیام ہوا۔ حضرت مولانا طلحہ کاندھلوی مدظلہ، حضرت اور مولانا شاہد سہارنپوری مدظلہ ہر دو حضرات نے بہت پرتپاک استقبال کیا۔ مدرسۂ سہارنپور کی زیارت ہوئی۔ پرانے مخطوطے اور نایاب کتابیں دیکھنی نصیب ہوئیں۔ ابوالفضل اور فیضی کی تفسیر سواطع الالہام پہلی بار یہیں دیکھی۔ اخوند درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ تھے ان کی پشتو کی دو

کتابیں، تذکرۃ الابرار والاشرار اور مخزن الاسلام پہلی دفعہ یہیں دیکھیں۔ حضرات نے کئی طرح کے کھانے پکائے ہوئے تھے۔ مدرسہ کے احاطہ کی دو مساجد ہیں۔ مدرسہ کے علماء سے ملاقات ہوئی۔ صبح کا ناشتہ باقی وفود کو تو مدرسے میں دیا گیا لیکن حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور خدام کو مع دیگر مشائخ کے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کچے گھر میں دیا گیا۔ اس مکان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ساری عمر ہجرت مدینہ سے پہلے قیام رہا۔ بعد نماز فجر ہم پہنچ گئے۔ اشراق تک حاضرین جہری ذکر میں مصروف رہے۔ بتایا گیا کہ مدینہ منورہ مدرسہ شرعیہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اسی طرح بعد فجر تا اشراق ذکرِ جہری ہوتا ہے۔ یہ تقریباً ایک مہینے کا سفر اختتام پذیر ہوا اور پاکستان واپسی ہوئی۔

آپ کے معاملات:

انسان کے ایمان اور دین کا امتحان معاملات میں ہوتا ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ تھوڑے ایمان سے عبادت کی توفیق تو ہو جاتی ہے لیکن اس تھوڑے ایمان سے معاملات درست نہیں ہوتے۔ اس لئے کئی حضرات جو وضع قطع اور عبادات میں شریعت کے پابند ہوتے ہیں، معاملات کے کھوٹے نکلتے ہیں۔ بندہ کے سامنے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جو معاملات گذرے ان میں چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔

پشاور صدر میں درمیانی بڑی سڑک پر آپ کی ایک جائیداد تھی جس میں دکانیں اور فلیٹ تھے، جن پر عرصہ دراز سے کرایہ داروں نے قبضہ کیا ہوا تھا اور چھوڑنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ ان کے خیال میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے بعد وفات کے ان کا قبضہ پکا ہو جانا تھا۔ اس لئے وہ چھوڑنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ مجبوراً مقدمہ کرنا پڑا جس پر تقریباً پچیس سال کا عرصہ لگ گیا۔ باوجود اتنی مقبولیت اور تائید کے جو عوام اور خواص میں آپ کو حاصل تھی اور باوجود جان باز مریدوں کے آپ نے کبھی کرایہ داروں کو ہراساں نہیں کیا اور صبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ جب مقدمہ جیت چکے اور قبضہ لیا جا رہا تھا اور پولیس کے ہمراہ آپ کے ایک سو کے قریب مرید جن میں سے بعض مسلح تھے موجود تھے لیکن ان کو بالکل جائیداد کے قریب نہیں ہونے دیا تاکہ کرایہ داروں کے بچے ہراساں نہ ہوں اور ان کی عورتوں کے پردہ میں فرق نہ آئے۔ بندہ چند ساتھیوں اور پولیس کے ہمراہ اندر داخل ہوا اور کرایہ داروں سے جگہ خالی کرنے کا کہا جو انہوں نے تھوڑی دیر میں خالی کر دی۔ اس قبضہ لینے میں پیر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

معصوم شاہ صاحب جو ماہر قانون دان تھے نے ہمارے ساتھ پوری کوشش فرمائی۔

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ ایک پبلشر نے آپ کا محلہ مقرب خان والا آبائی مکان کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ اس نے کسی وقت اس کے خریدنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیچنے کی خواہش ظاہر کی اور قیمت مقرر فرمائی۔ لیکن مکان کے وارث اکیلے آپ نہیں تھے اور بھائی بہن بھی تھے جن کے حامی بھرنے کے بعد ہی شرعی بیع وشراع ہوسکتی تھی۔ لیکن پبلشر صاحب نے خواہش اور قیمت مقرر کرنے کو شرعی بیع وشراع سمجھ کر مکان پر قبضہ جما لیا اور غلط مواد پیش کر کے مفتیوں سے مشورے لینے لگا اور مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خوب پریشان کرنے لگا۔ آخر بات عدالت تک پہنچی اور مقدمہ چلنے کے بعد پبلشر صاحب کو مقدمہ ہار کر جگہ خالی کرنا پڑی۔ لیکن پبلشر صاحب کی کبھی مجلس میں نہ غیبت کی، نہ برا بھلا کہا اور نہ ہی کبھی اس کو بددعا دی۔ اسی پبلشر صاحب نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پیام رسان امت چھپائی کے لئے لی۔ کچھ عرصہ کام کو معرضِ التوا (Postponment) میں رکھ کر اطلاع دی کہ اس کا مسودہ ہی گم ہوگیا ہے۔ ایک مصنف کے لئے اس سے بڑا دکھ اور افسوس کیا ہوسکتا ہے کہ اس کے سالہا سال کی محنت شاقہ کے نتیجے کا مسودہ ہی گم کر دیا جائے۔ لیکن اس کو بھی آپ نے برداشت کیا اور صاحب موصوف کو بددعا یا انتقام کا نشانہ نہیں بنایا۔

بندہ ایک عرصے تک حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کرایہ دار رہا۔ بندہ خود اور دوسرے کرائے دار کبھی پریشان اور ناخوش نہیں ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ ہمیں ہمارے حق سے بڑھ کر سہولتیں پہنچائیں۔ کبھی کرائے کی ادائیگی کے سلسلے میں پریشان نہیں کیا۔ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی خود ہی خرید لیتے تھے اور پیسے ماہوار کرائے میں سے وضع کر لیتے تھے۔

دوران ملازمت حضرت کے رفقائے کار ہم عصریت اور مسابقت کا رویہ رکھتے رہے لیکن آپ شفقت اور محبت سے ہی پیش آتے رہے۔ جس طرح آپ نماز روزہ اور دیگر تعبدی اعمال کی پابندی فرماتے تھے اسی طرح سرکاری ڈیوٹی کو تندہی اور جانفشانی سے پورا فرماتے تھے۔ شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی نے ایک سائیکل چپڑاسی کے استعمال کے لئے دے رکھی تھی جسے آپ کا خادم ڈاکٹر نعمان حضرت کے ذاتی کاموں کے لئے بھی استعمال کرتا رہا۔ یار لوگوں کو تو ملامت کا بہت اچھا موقع ہاتھ آتا

رہا کہ سرکاری چیز ذاتی کام میں استعمال ہو رہی ہے لیکن ریٹائرمنٹ کے وقت آپ نے ایک بالکل نئی سائیکل خرید کر ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کی۔

بندہ کے پاس ایک ملازم نو سال کام کرتا رہا جس کا ذہنی توازن پوری طرح درست نہیں تھا۔ جس کسی کے پاس کام کرتا، مالک نالاں ہو کر فارغ کر دیتا تھا۔ اس کے ساتھ بندہ کا معاوضہ طے نہیں ہوا تھا۔ کھانا پینا لباس اور کچھ پیسے وہ لیتا رہا۔ نو سال بعد اس نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بندہ کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب معاملہ واضح طور پر طے نہیں ہوا تو یہ معاملہ معاملۂ فاسد رہا۔ یہ معاملہ تب درست ہوگا جب مستاجر اور اجیر (مالک اور ملازم) کسی ایک معاوضے پر باہم راضی ہو جائیں۔ چنانچہ اس شخص نے پانچ ہزار روپے کا مطالبہ کیا۔ اس دور میں پانچ ہزار اچھی خاصی رقم تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ سے وہ پانچ ہزار روپے ملازم کو دلوائے اور ساتھ فرمایا کہ اس وقت اگر اس کو ادا نہیں کرو گے تو بروز قیامت اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ فریق بن کر تم سے مطالبہ کرے گا۔ باوجودیکہ بندہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حاضر باش مرید اور ہر وقت کا خادم تھا اور بندہ کا ملازم ایک اجنبی آدمی تھا لیکن حق کے خلاف حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کی کوئی حمایت نہیں کی۔

ایک مرتبہ بندہ نے ایک ساتھی سے موٹر کار خریدی، جو ناقص نکلی، بہت افسوس ہوا۔ چونکہ قیمت قسطوں میں ادا کرنی تھی اس لئے قسطیں ادا کرنے کو دل بالکل نہیں چاہتا تھا اور گاڑی واپس کرنے کا خیال ہوا۔ اس ساتھی نے حضرت کے پاس مقدمہ دائر کر دیا۔ وہ چونکہ ابتدائی فقہ کی کتابیں پڑھا ہوا تھا اور اس کا علماء کے پاس بیٹھنا اٹھنا تھا اس لئے اس نے دو دلائل دیئے۔ ایک تو یہ کہ اس نے بیچتے وقت یہ واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ گاڑی کو ماہر مستری اور کسی سمجھدار آدمی کو دکھا دی جائے، اپنی تسلی کر کے لیں، دوسرے یہ کہ واپسی کی تین دن کی مہلت بھی گزر چکی ہے لہٰذا اس کا قیمت لینے کا حق ہے۔ اس پر حضرت نے بندہ سے فرمایا کہ فقہی رو سے تم پیسے ادا کرنے کے پابند ہو۔ چنانچہ بندہ نے پوری قیمت ادا کی لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حق کے خلاف بندہ کی کوئی حمایت نہیں کی۔

حضرت کی برادری کے چھوٹے بڑے بہن بھائی اور ان کی اولادیں نیز سسرال والے سب ہی میراث کی تقسیم یا دیگر خاندانی جھگڑوں میں آپ ہی سے فیصلہ کرواتے تھے اور آپ کی رائے سے اتفاق

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اہلِ حکومت کو مشکل کیسوں میں جرگہ اور فیصلہ کے لئے آپ ہی کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت جہاں آخرت کے لحاظ سے آدمی کو محتاط اور متقی بنا دیتی تھی وہاں دنیا کے لحاظ سے بھی انتہائی ذمہ دار بنا دیتی تھی۔ چنانچہ اکثر خدام کو دنیا کے لحاظ سے کافی ترقی کرنے کے مواقع ملے۔

طلباء کی تربیت کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طریقہ تھا۔ چونکہ تبلیغی جماعت کے امیر بھی تھے اور طلباء کو تبلیغی چلوں کے لئے بھی بھیجتے رہتے تھے لیکن ایسا اعتدال برتتے تھے کہ طلباء کو ضروری دین بھی حاصل ہو جائے، وہ دین کی تبلیغ کا کام بھی کر لیں لیکن اس اثناء میں ان کا وقت بھی ضائع نہ ہو اور جس تعلیم کے لئے انہیں والدین نے بھیجا ہے اس کا بھی نقصان نہ ہو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف ہوتا تھا کہ طالب علمی کا زمانہ بہت اہم ہوتا ہے، اس میں جو چیز حاصل کرنی ہے اس کا یہی وقت ہے، اگر آدمی حاصل نہ کر سکا تو پھر ہمیشہ کے لئے رہ جاتا ہے۔ باقی کام کرنے کے لئے تو پوری عمر پڑی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مؤقف بھی ہوتا تھا کہ طالب علم اگر چھٹیوں کا پورا وقت جماعت میں نکل جائیں اور والدین سے ملنے بالکل نہ جائیں تو اس کا والدین پر بہت منفی اثر پڑتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ترتیب یک رخے (excentric) مبلغین کو بہت ناپسند آتی تھی۔ خود بندہ کا کافی عرصہ تک یہ خیال رہا کہ ڈاکٹری تعلیم تو ایک لایعنی اور انگریز کی سازش ہے جس میں تضیع اوقات کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ تو بعد میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم پڑھنے سے پتہ چلا کہ وہ سارے کام جن کے ساتھ انسان کی بقائے شخصی و بقائے نوعی کا تعلق ہے ان میں بقدر ضرورت و سہولت لگنا فرضِ کفایہ ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راولپنڈی میں اجتماع ہو رہا تھا اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ شمولیت کے لئے ہندوستان سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہاں اردن کے کچھ عرب طلباء پشاور یونیورسٹی میں مختلف شعبوں میں زیرِ تعلیم تھے۔ یہ حضرات تبلیغی جماعت کے چار چار ماہ کا نصاب پورا کر کے داخل ہوئے تھے، ہر وقت تبلیغی سرگرمی میں پھرتے رہنے کا معمول تھا اور ان میں بہت سے فیل ہو ہو کر تھک گئے تھے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے

ہاتھوں میں ان کا ہاتھ دے کر فرمایا: ''مولانا صاحب ان طلباء کو آپ نے پاس کروانا ہے۔'' پھر فرمایا: ''مولانا! اگر ان کی دنیا درست نہ ہوئی تو یہ دین پر پکے نہیں ہو سکیں گے۔'' حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پشاور تشریف لائے اور راقم الحروف کو بلا کر فرمایا کہ بیٹا! ان طلباء کو پاس کروانا ہے اور یہ حضرت جی کا ارشاد ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے پاس ہوں گے، زیادہ وقت تو پھرنے میں اور تبلیغی گشت کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ شام کو واپس آتے ہیں تو متقی ہاتھ کا کھانا کھاتے ہیں (یعنی بکرے کا گوشت خود پکاتے ہیں) خوب کھانا کھانے کے بعد مجلس شروع ہوتی ہے۔ ایک اپنی حیدر آباد میں چلہ کی کارگذاری سنانا شروع کرتا ہے تو دوسرا فیصل آباد کی کارگذاری بیان کرتا ہے جبکہ تیسرا لاہور کے حالات سناتا ہے۔ اس طرح مجلس گرم رہتی ہے تھوڑی دیر بعد بدن بوجھل ہو کر غنودگی طاری ہو جاتی ہے اور سو جاتے ہیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس ترتیب سے تو آدمی پاس نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پھر کیا کیا جائے تو بندہ نے عرض کیا کہ ان پر پابندی لگائیں تاکہ یہ کچھ پڑھیں اور سیکھیں تب ہی کچھ کامیابی ہو سکے گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے برخورداران کو سمجھایا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے وہ کامیاب ہوئے اور اب اپنے ممالک میں اہم پوسٹوں پر کام کر رہے ہیں اور دین کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ طلباء کے دینی و دنیوی مستقبل کے بارے میں فکرمند ہوتے تھے اور ایسی منصوبہ بندی فرماتے تھے کہ ہر دو جگہ طالب علم نمایاں حیثیت حاصل کر لیتا تھا۔

آخری سفرِ حج

آخری حج ۱۹۹۵ء میں پروفیسر نعمان صاحب اور تیسیر جان صاحب ساتھ تھے۔ پہیوں والی کرسی جس پر بیٹھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ چلتے پھرتے تھے کی مواجہہ شریف لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لئے باہر سے ہی صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہوتا تھا۔ ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ غازی مرجان صاحب مقیم مدینہ منورہ نے نعمان صاحب سے کہا کہ حضرت کی کرسی آگے لے جاؤ۔ نعمان صاحب نے کہا کہ اس کی تو اجازت نہیں ہے۔ غازی مرجان صاحب نے بتایا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ آگے لے گئے اور کسی نے نہیں روکا۔ صفہ کے پاس آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرض نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب جبریل کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین کی طرف حاضری کی۔ اتفاقاً آپ کی کرسی اور روضہ شریف کے درمیان ایک شخص حائل ہوگیا۔ ڈیوٹی پر موجود سعودی نے فوراً اس آدمی کو ہٹا دیا اور کہا کہ شیخ کے لئے جگہ خالی کرو۔ اس کے بعد باب السلام کی طرف سے مواجہہ شریف کی طرف حاضر ہوکر بھی صلوٰۃ وسلام پڑھا اور واپسی کی۔ دوسرے دن پھر کرسی سمیت اندر جانے لگے تو ڈیوٹی والے نے روک دیا۔ دوسرے دروازے سے پھر تیسرے سے کوشش کی لیکن اجازت نہ ہوئی۔ نماز کھڑی ہورہی تھی کہ ایک دروازے سے اندر ہوئے، پولیس والا روکنے کے لیے آرہا تھا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی نعمان صاحب نے اور حضرت مولانا صاحب نے نماز کی نیت باندھ لی تھی۔

نماز کے بعد غازی مرجان صاحب کے ذریعے مسجد کی انتظامیہ سے ایک اجازت نامہ لیا۔ وہ لے کر داخل ہونے لگے تو پولیس والے نے اجازت نامہ اپنی جیب میں لے کر رکھ لیا اور کہا کہ اتنی بڑی گاڑی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ نعمان صاحب کہتے ہیں کہ میں پھر مواجہہ شریف پر حاضر ہوا صلوٰۃ وسلام پڑھا، رویا اور اجازت نہ ملنے کی فریاد کی۔ گھر واپس ہوئے اور آرام کے لئے لیٹے تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگئی۔ مصافحہ کر کے ہاتھ چوما اور عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخلے کی اجازت نہیں ہورہی۔'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہاں کے انتظام وانصرام کا احترام کرنا چاہئے۔ بہرحال اجازت ہوجائے گی۔'' حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب سنایا تو بہت خوش ہوئے۔ مسجد نبوی جاکر غازی مرجان صاحب سے دوبارہ پرچہ لینے کا کہا لیکن انھوں نے کہا کہ اس دفعہ آپ خود ملیں۔ حاضر ہوکر انتظامیہ کے سربراہ سے ملاقات کی۔ وہ خود ہی حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے آگیا۔ ملا اور آکے پیشانی کو چوما اور پرچہ دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ جس دروازے سے بھی داخل ہونا چاہیں ان کو اجازت ہے۔ اس کے بعد پھر کسی نے نہیں روکا۔

اسی حج میں ایک دفعہ رات کو تیسیر صاحب نے نعمان صاحب کو جگایا اور کہا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ تکلیف لاحق ہوگئی ہے۔ انھوں نے جاکر دیکھا اور تیسیر صاحب سے کہا کہ یہ کوئی تکلیف نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی حضرت کی زبان پر بھی ذکر جاری ہوجاتا ہے اور دل بھی اچھلنے لگتا ہے۔ یہ کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ آپ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب آپ جاگے تو فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس

میں نظر آیا کہ کچھ لوگ ہیں جن کی شکل وصورت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا عزیز الرحمن ہزاروی صاحب کی طرح ہے جو کالی پگڑیاں باندھے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دہشت گرد ہیں لیکن باقی لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ صالح لوگ ہیں۔ اتنے میں بڑے بڑے چوہے بہت بڑی بڑی عمارات کو کھودنا شروع کردیتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امریکہ کی تباہی قریب نظر آرہی ہے۔ واضح رہے کہ انہی دنوں میں افغانستان میں طالبان کی حکومت مستحکم ہوئی تھی۔

ایک دفعہ غازی مرجان صاحب نے پیغام بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہو کہ میری امت کے لئے دعا کیا کریں۔ یہ بات پروفیسر خلجی صاحب نے بھری مجلس میں کہہ دی۔ جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حسن خان صاحب نے واقعہ سنایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخری حج میں ایک دن غازی مرجان صاحب تشریف لائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تیسیر جان صاحب سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پوچھا، انھوں نے بتایا کہ سوئے ہوئے ہیں۔ غازی مرجان صاحب نے کہا کہ جگائیں کیونکہ ایک ضروری پیغام دینا ہے۔ جاگنے پر غازی مرجان صاحب نے بتایا کہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ فی قلبی و اشرف فی عینی" میں نے عرض کیا حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سمجھ جائے گا۔ اس کی غالباً آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر لی کہ وقتِ وصال قریب ہے۔ چنانچہ حج سے واپسی پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بات چیت کرنے سے کافی حد تک پرہیز شروع کردی۔ یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔

مساجد کی تعمیر:

یونیورسٹی کے اندر صرف اسلامیہ کالج کی مسجد تھی جو ایک میل علاقے کے لیے کافی سمجھی گئی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فکر اور کوششوں سے بلال مسجد، مدینہ مسجد، تقویٰ مسجد اور مسجد فردوس بنیں۔ جن کے لئے حضرت کے مریدین نے خود بھی چندے دئے اور لوگوں سے اپیلیں کرکر کے چندے جمع کئے۔

آپ کی شاعری:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

72

سوز و گداز و گریہ وصیحہ سلسلۂ چشتیہ کے خاص تحائف ہیں۔اس کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ عربی و فارسی کے ایم۔اے تھے۔ یہ ہر دو زبانیں شاعری کے اعلیٰ ذوق والی ہیں۔اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اردو، فارسی اور عربی کے اشعار کا بہت اعلیٰ ذوق تھا۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال مرحوم کے کئی اشعار زبانی یاد تھے۔ بیعت کے شروع دور میں ذکر اذکار کی کیفیات سالک کے اندر زبردست سوز و گداز پیدا کرتی ہیں اور چشتیہ حضرات سے عموماً اس دور میں موزوں کلام صادر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس دور کا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا کلام بھی ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ خواب میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ھٰذا سلامی انا خاتم النبیین لا نبی بعدی"۔اس پر بے ساختہ نعتیہ کلام زبان پر جاری ہوا اور یہ نعت لکھی گئی۔

سلام بھیجا ہے ہر دم سلام کہتا ہوں
جنون و شوق کا جلتا پیام کہتا ہوں
خرد و ہوش کو لُوٹا جو تو نے میرے ہے
اسی کا واسطہ دے کر سلام کہتا ہوں
جہاں میں ہو گا نہ ایسا کوئی فقیر و گدا
صلوٰۃ و نعت تمہاری مدام کہتا ہوں
جمالِ تام کو جو بے نقاب دیکھا ہے
حجاب جو بھی ہو اس کو حرام کہتا ہوں
فروغِ دیدہ و دل ہے ارے نظر ان کی
یہ تاب دیکھو کہ اُن کو سلام کہتا ہوں
نظر بچا کے زمانے کی آنکھ سے اشرف
نگاہ شوق سے ان کو پیام کہتا ہوں

ایک دوسری غزل اس طرح سے ہے۔

تڑپ کے نالے جو سدرہ کے پار ہونے لگے
جھلک نے اُن کی، امیدوں کے تار چھیڑ دئے

بھُلا سکوں گا میں کیونکر نگاہِ نازاں کو
کہ نغمہ ہائے دلِ بے قرار چھیڑ دئے
سِتم نے حسن کے، بھُولے سے جو قرار دیا
بھڑک کے سوز نے دل کے شرار چھیڑ دئے
نظر نے تیری بھلایا خیالِ سود و زیاں
وفورِ شوق نے پیہم نگار چھیڑ دئے
دبا رکھے تھے جو نالے جنوں نے برسوں سے
نظر ملا کے وہ سب ایک بار چھیڑ دئے
کرم تھا یہ بھی کہ اشرفؔ عجب اشاروں سے
جہان بدلا اور لیل و نہار چھیڑ دئے

ایک اور غزل

ہم نے دیکھے ہیں ایسے متانے — کوئی جانے انھیں نہ پہچانے
چند چھینٹے اڑے تھے ساغر سے — ہوش کھو کر چلے ہیں فرزانے
ہر قدم پر جنون بڑھتا ہے — کون بیٹھا یہاں ہے ستانے
میرے گھر کی بہار تو دیکھو — اس پہ روتے ہیں آج ویرانے
دل کی دنیا پہ گر بہار آتی — اجڑے ہوتے نہ آج کاشانے
حسرتوں پر جنوں کی میں رویا — چند لمحے ملے جو ستانے
دید نے ان کی، زندگی بخشی — اپنے جانیں اُسے، نہ بیگانے
زندگی ہو چکی ہے اب ان کی — آپ آئے عبث ہیں سمجھانے
دیدہ و دل سے ہے لہو نکلا — ٹوٹے دیکھے جو چند پیمانے
علمِ حاضر نے ہوش یوں کھویا — آج اجڑے پڑے ہیں میخانے

یہ اشعار ان کی بیاض نہ مل سکنے کی وجہ سے اصل تحریر سے نہیں لئے جا سکے بلکہ ایک ساتھی کی تحریر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے نقل کئے گئے ہیں۔

اپنے دور کے علماء ومشائخ سے آپ کے تعلقات:

اہلِ حق علماء ومشائخ کی یہ علامت ہوتی ہے کہ ان کے اپنے دور کے اہلِ حق کے ساتھ خیر خواہانہ و دوستانہ روابط ضرور ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی تعلیمات اور ترتیب میں سقم ہو یا بدعات کی آمیزش کر چکے ہوں وہ عموماً ہم عصر اہلِ حق سے کتراتے رہتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو رضائے الٰہی سے ہٹ کر مفادات کے لیے کام کر رہے ہوں ان کے لئے بھی ہم عصر اہلِ حق کی تائید کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ساری عمر اپنے دور کے محققین مشائخ وعلماء کی پوری تائید حاصل رہی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی دل کھول کر سب کی تائید فرماتے رہے۔ کچھ حضرات کا تذکرہ تو گذشتہ اوراق میں آ گیا ہے بقیہ حضرات کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ: تبلیغی تحریک کے سلسلے میں آپ کی بستی نظام الدّین دہلی آمد و رفت رہتی تھی۔ انہی اسفار میں آپ رحمۃ اللہ علیہ وقت نکال کر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ حضرت کے رفیقِ سفر حاجی تاج نے فوراً عرض کر دیا کہ پاکستان سے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حاجی تاج جلدی نہ کرتے تو میں بجائے پاکستان کے پشاور کہتا تا کہ، نئی نئی تقسیم ہونے کی وجہ سے جو مسلمانوں کا کشت وخون ہوا اور مسلمان بے گھر و بے در ہوئے نیز عصمتیں لٹیں، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ دکھ تازہ نہ ہو جائے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: ''پاکستان سے ہم ناپاکوں کے پاس آئے ہو'' پھر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا کھانے کے لئے اصرار فرمایا۔ حاجی تاج صاحب عمر میں بڑے تھے، سیدھے سادے تاجر آدمی تھے، فوراً بول پڑے کہ حضرت ہمارے سفر کا حرج ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ساری عمر اس کا افسوس رہا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تبرک سے محرومی رہی۔

حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ صاحب: موصوف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد اور مالٹا کی قید کے ساتھی تھے۔ آخری عمر سخاکوٹ (صوبہ سرحد) میں گذری۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

باوجود سخت معذوری کی حالت کے بارہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ فرماتے تھے: ''تمہارا اس معذوری کی حالت میں آنا بندہ کو بہت گراں گذرتا ہے۔''

حضرت عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ: برصغیر میں رائے پور کی خانقاہ سے سلسلۂ قادریہ کا خاص فیض تقسیم ہوا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ دورے کے لئے پاکستان بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت سے سوال کیا: ''حضرت پڑھنے لکھنے کی توفیق تو ہوئی ہے، عمل کی توفیق ہونے کی کیا صورت ہو گی؟'' حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت قہوہ نوش فرما رہے تھے۔ فرمایا: ''برخوردار اپنی قہوہ پینے کی عادت نہیں ہے لیکن قہوہ والوں کے ماحول میں آیا تو پینا پڑا۔ یہ صحبت کا اثر ہے۔ ایسے ہی اعمال والوں کی صحبت اعمال کی توفیق کا ذریعہ بنے گی۔''

حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ: جس دور میں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی تحریک میں شمولیت اختیار کی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو چکی تھی اور ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ عالمی امیر تھے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی استعداد اور قربانیوں کی بناء پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے ساتھ خاص تعلق ہوا، جس پر آپ کا وہ مضمون گواہ ہے جو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں بارہا تبلیغی مرکز بستی نظام الدّین دہلی کی طرف آپ کے سفر ہوئے اور کافی کافی وقت حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کا قیام ہوا۔ آپ نے حضرت جی کے بیانات بھی لکھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں بستی نظام الدّین میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا صبح کا بیان لکھ رہا تھا کہ ایک ساتھی نے بجلی بجھا دی۔ دوران بیان ہی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اس آدمی سے فرمایا: ''دیکھتے نہیں ہو کہ بھائی اشرف لکھ رہے ہیں۔'' حالانکہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ہر کسی کو بیان لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن وہ لوگ جو مضمون کو صحیح سمجھ کر لکھنے کا حق ادا کر سکتے ہوں ان کے لکھنے پر آپ کو اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہد سہارنپوری (نواسۂ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت جی اول، ثانی وثالث کی سوانح عمری میں دو جگہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر کیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حاجی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ: حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوبہ سرحد کے مشہور قادریہ بزرگ گذرے ہیں۔ اپنی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی پشتو نعتوں کی وجہ سے پٹھانوں میں عبدالرحمان بابا کے بعد ان کا خوب چرچا ہے۔ کشمیر کے جہاد کی وجہ سے آپ فخرِ کشمیر اور فاتح کشمیر کے خطابات سے نوازے گئے ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ اس دور میں تبلیغ والے حضرات کا یہ طریقہ کار تھا کہ مشائخ اور علماء کی خدمت میں ان کی زیارت کرنے، ان کی مجلس کے فیوض و برکات سمیٹنے، ان کے ملفوظات سے کوئی ایسی بات سمجھ آجائے جس پر عمل کی توفیق ہوجائے، دعا لینے نیز ان کی کوئی ایسی خدمت معلوم ہوجائے جس کے لئے وہ پیشکش قبول کرلیں، کے لئے حاضری دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پاکستان کے امیر شفیع قریشی صاحب پشاور آئے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان حضرات کی واپسی پر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قریشی صاحب کو خط لکھا کہ آپ کے ساتھ جو نوجوان آئے تھے بہت صالح نوجوان تھے لیکن انھوں نے کانوں کے گرد خط بنایا ہوا تھا۔ ان کو اطلاع دی جائے کہ اس طرح خط نہ بنایا کریں۔ دراصل حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے موٹی مشین سے سر کے بال منڈوائے تو حجام نے خود ہی خط بنا دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ استرے سے مکمل سر صاف کروالیا کرتے تھے۔

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ صاحب: کراچی کے سفر میں آپ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ضرور حاضر ہوا کرتے تھے۔ اہم مسائل میں خط و کتابت بھی رہی۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مفتی صاحب کے پاس حاضری ہوئی۔ ان کو جب گھر پر اطلاع ملی تو اس قدر شفقت فرمائی اور محبت کا اظہار کیا کہ ننگے پاؤں ہی ملنے کے لیے باہر تشریف لے آئے۔ اس واقعے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوشی کے ساتھ ہمیں سنایا۔

حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ: حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ، ترنگزئی علاقہ چارسدہ کے نامی گرامی بزرگ گذرے ہیں۔ ابنائے دیوبند میں آپ کا خاص مقام ہے۔ آپ ریاست قلات کے قاضی القضاۃ رہے۔ ریاست ختم ہونے کے بعد بہاولپور اسلامی یونیورسٹی کے شیخ التفسیر رہے۔ موصوف تصوّف کے سلاسل میں صاحبِ نسبت شخصیت تھے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص تعلق اور محبت تھی۔ آپ کی دعوت پر حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے پشاور یونیورسٹی میں خطابات ہوئے جو پروفیسرو

طلباء حضرات کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عارفی: حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور ان کی کتابیں اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصائرِ حکیم الامت، مآثر حکیم الامت نیز ان کا شاعرانہ کلام، ان کی عظمت اور روحانی مقام کا بولتا ہوا شاہکار ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی تعلق رہا۔ موصوف بھی بہت شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ بقول شیر حسن صاحب ساتویں حج کے سفر میں کراچی سے گذرتے ہوئے حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ حضرت نے مغرب تا عشاء شرف مصاحبت بخشا اور رخصتی کے وقت آپ کو مع سب ساتھیوں کے اپنی کتاب اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ میں عطاء فرمائی۔

آپ کی وفات:

گزشتہ اوراق میں آپ کی بیماریوں کا تذکرہ گزرا، جن کے لئے تقریباً اکتالیس سال آپ زیر علاج رہے۔ ان بیماریوں سے روز بروز ضعف بڑھتا گیا۔ فالج (Progressive Muscular Dystrophy) کی وجہ سے وہ پٹھے (Muscles) متأثر ہوگئے جن پر سانس لینے کا دارومدار ہوتا ہے۔ بار بار نمونیہ ہونے سے پھیپھڑوں کی گنجائش انتہائی کم ہوگئی۔ اسی حال میں ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۹۹۵ء آپ کا آخری حج ہوا۔ حج سے واپسی پر کمزوری بہت بڑھ گئی اور اکثر وقت استغراق وغنودگی میں گزرنے لگا۔ نماز کے لیے بیدار کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات دورانِ نماز یہ کیفیت ہوجاتی تھی جس کی وجہ سے آپ کو بیدار کرکے نئے سرے سے تیمم کرا کے نماز پڑھائی جاتی تھی۔ باتیں کرنے والے کی بات تو سن لیتے تھے لیکن جواب نہیں دیتے تھے۔ ایسے محسوس ہورہا تھا کہ اب آپ مکمل رجوع الی اللہ کو چھوڑ کر دنیائے فانی کی کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا نہیں چاہتے۔ آپ کے معالج خاص ڈاکٹر مسعود الرحمن صاحب (پروفیسر میڈیسن لیڈی ریڈنگ ہسپتال) نے معائنہ کیا، ٹیسٹ کئے اور بتایا کہ سانس کی تکلیف اور پھیپھڑوں کی کمزوری کی وجہ سے خون میں آکسیجن کی مقدار بہت کم ہوگئی ہے۔ اس تکلیف کا ڈاکٹروں کے پاس کوئی مستقل حل نہیں تھا۔ خاندان والے اچھے سے اچھا علاج کروانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے PIMS (پاکستان انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز) اسلام آباد لے جانے کا پروگرام بنایا۔ بندہ کو اور ڈاکٹر مسعود الرحمن صاحب کو اس کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن خاندان والوں کی رائے کے خلاف کرنے سے ان کے جذبات مجروح ہونے کا خطرہ تھا۔ کیونکہ ان کو حسرت رہتی کہ بہتر سے بہتر علاج نہیں کروایا گیا۔ PIMS میں ہی وقت موعود آ گیا اور ۱۷ ستمبر ۱۹۹۵ء کو آپ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط دو بجے دن آپ کو پشاور پہنچایا گیا اور اسی روز شام سات بجے آپ کا جنازہ مقرر ہوا۔ غسلِ میت میں بندہ اور پروفیسر نعمان کے ساتھ کئی آدمیوں نے شمولیت کی سعادت حاصل کی۔ اُن کپڑوں میں کفن دیا گیا جو بار بار حرمین کی حاضری میں استعمال ہوئے تھے، آبِ زمزم میں ڈبوئے ہوئے تھے اور خاکِ مدینہ سے گرد آلود تھے۔

خاکِ طیبہ از دو عالم خوش تر است
خرم آنجائے کہ آنجا دلبر است

ترجمہ: طیبہ (مدینہ منورہ) کی خاک دونوں جہان سے اچھی ہے، کیا ہی اچھی ہے وہ جگہ جہاں دوست ہے۔

کفن پر دربار رسالت کی عطا کردہ عطر ڈالی گئی۔ اس شعر کی یاد تازہ ہوئی جو آپ نے اپنی زندگی میں اس عطر کی شیشی کی زیارت کراتے وقت پڑھا تھا۔

چند تصویرِ بتاں ، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

جنازے کے بارے میں آپ کے ورثاء اور سسرال والوں کے ساتھ مشورہ ہوا۔ طے ہوا کہ آپ کی نمازِ جنازہ دارالعلوم سرحد کے بانی اور جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی صدر حضرت مولانا ایوب جان بنوری رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں۔ اگر وہ نہ پہنچ سکیں تو حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا عزیز الرحمن ہزاروی مدظلہ پڑھائیں۔ اگر دونوں موجود نہ ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولوی یوسف صاحب یا راقم الحروف میں سے کوئی ایک پڑھا دے۔ مولانا ایوب جان بنوری رحمۃ اللہ علیہ بروقت پہنچ گئے۔ چنانچہ نمازِ جنازہ انھوں نے ہی پڑھائی۔

اشرف وہ شخص تھا ہمہ داں ، جس کے فیض سے
ہم سے ہزار ہیچ مداں، نامور ہوئے

زہد و ورع، صدق و صفا اور علم و فہم
چھ لفظ اس کے جاتے ہی بے پا و سر ہوئے
(نواب مصطفی خان شیفتہ کے اشعار میں تبدیلی کے ساتھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کا سلسلہ:

اہلِ حق اور اہلِ باطل کے سلاسل میں یہ فرق ہوتا ہے کہ مشائخ کے اٹھ جانے کے بعد خاندان اور خلفاء کے درمیان نیز خلفاء کے اپنے درمیان چپقلش اور آویزش شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ حسد کا وفور اور اخلاص کا فقدان ہوتا ہے۔ ہر کوئی گدی کو اور اس کے ساتھ وابستہ مادی وسائل و فوائد کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔ جبکہ اہلِ حق کے سلاسل میں یہ سارے طبقات قربانی دے کر صرف سلسلے کے پھیلنے اور حضرات کی تعلیمات کے باقی رہنے کو ہی مقصد گردانتا ہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان خصوصاً اہلیہ، برادرانِ نسبتی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہن بھائیوں نے اس کا پورا ثبوت دیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا لاکھوں روپے کا کتب خانہ عام فائدے کے لئے وقف کر دیا۔ اپنی زمین دے کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں مسجد تعمیر کروائی اور خلفاء کو کام کرنے کے لئے مستقل جگہ فراہم کی۔

خلفاء نے مجلس مشاورت قائم کر کے ترتیب اور تنظیم کے ساتھ کام کرنا شروع کیا اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں کی تائید کو اپنایا۔ متفقہ طور پر حاجی عبدالرحمن صاحب کو مدرسہ امدادالعلوم کا مہتمم بنایا گیا۔ چنانچہ مدرسہ جس سکون اور کامیابی کے ساتھ آپ کی زندگی میں چل رہا تھا اسی طرح اب بھی چل رہا ہے۔

سالانہ دستار بندی کے موقع پر جب بندہ کی حاضری ہوتی ہے اور سینکڑوں حفاظ و دورۂ حدیث کے طلباء کی دستار بندی کی جاتی ہے تو بے ساختہ زبان پر سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر آتا ہے۔

ہر گز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ترجمہ: وہ ہرگز نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہوا صفحۂ ہستی پر ہمارا ہمیشہ کے لئے باقی رہنا لکھا ہوا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱)

اسلامی قانون کی ضرورت اور اہمیت

وسط جون ۱۹۶۸ء میں ایک دینی مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے سلسلہ میں مظفر آباد (آزاد کشمیر) کا سفر جناب مولانا عبدالقدّوس صاحب صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی کی رفاقت میں پیش آیا۔ مظفر آباد میں داعیانِ جلسہ جناب مولانا مفتی عبدالقدّوس صاحب اور جناب مولانا مظفر حسین شاہ صاحب ندوی کی عنایت سے کئی مجالس کو خطاب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سفر میں ''حلقہ فکر و دانش'' مظفر آباد نے وہاں کے دانشوروں اور تعلیم یافتہ حضرات کی ایک مجلس میں فقیر سے اسلامی نظریہء عدل و قانون کے بارے میں استفسارات کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ ''اسلام کا نظریہ عدل و سزا کیا ہے؟ اور اسلام میں وحشیانہ، بہیمانہ اور ظالمانہ (جیسا کہ معترضین کہتے ہیں) سزائیں کیوں ہیں؟'' بیچمدان نے فی البدیہہ (extempore) جو گذارشات پیش کیں، انھیں رفیق سفر عزیزی شیر حسن خان صاحب (لیکچرر ایگریکلچرل کالج پشاور) نے اسی وقت قلمبند کر لیا تھا۔ (عزیز موصوف کی اس عنایت کا ممنون ہوں) تقریر بحمداللہ تعالیٰ پسند کی گئی اور اس کو دک ناداں قانون وفقہ سے نابلد کی بات کو سراہا گیا اور اشاعت کی خواہش کی گئی۔ جس سے اپنی کم سوادی کو منظر عام پر لانے کی جرأت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے ہم سب کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔ نظر ثانی میں حوالوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ (محمد اشرف)

قانون کی ضرورت و اہمیت کا احساس انسانیت کے ابتدائی دور سے چلا آ رہا ہے جو اقوام و ملل ادیان و مذہب کی ماننے والی ہیں، وہ قانون الٰہی کی قائل ہیں اور جو قومیں خدائی قانون کو نہیں مانتی وہ انسانی

قانون کی ماننے والی ہیں۔ چنانچہ انسانی قانون کی ابتدا معلوم تاریخ میں ''حمورابی نوامیس'' سے ہوتی ہے۔ فراعنہ مصر کے دساتیر، سولن کا قانون، روما کے بارہ ضوابط، ہندوؤں کی منوسمرتی وغیرہ اسی قانونِ انسانی کی قدیم مثالیں ہیں۔ جدید دورِ انسانی دساتیر و قوانین کے عموم و عروج کا دور ہے، مختلف ممالک و مختلف اقوام اور مختلف نظام اپنے اپنے رخ و طریق سے قانون سازی کرتے ہیں، کہیں آمریت و فاشزم ہے تو کہیں جمہوریت، کہیں اشتراکیت و اشتمالیت ہے تو کہیں سرمایہ داری، غرض مختلف طریقے قانون سازی کے رائج ہیں، پوری انسانیت ''انسانی زندگی'' کو انہی خود ساختہ قوانین کا پابند کیے ہوئے ہے۔

انہی قانون کے ماننے والی ملل و اقوام کی اکثریت مرورِ زمانہ سے اپنے خدائی قوانین کو گم کر چکی یا ان کا قانون زمانہ کا ساتھ نہ دے سکا۔ صرف اسلام ایک ایسا دین ہے، جس کے آسمانی دین کا ایک ایک حرف و شوشہ آج اسی طور پر موجود ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا، اس لئے ''قانون الٰہی'' کے طور پر آج صرف ہم اسلامی قانون کو پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارا موضوع کلام اس مختصر نشست میں اسی ''قانون الٰہی'' کی ضرورت و اہمیت ہے۔

ہر قانون کی چند بنیادی قدریں اور کچھ مابعد الطبیعاتی اصول ہوتے ہیں جن پر کسی قانون کی اساس و بنا قائم ہوتی ہے۔ ان اصولی بنیادوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور قانون کو اس کے ماحول و فضا، اساس و منشا، مقاصد و غایات سے علیحدہ کر کے سمجھنے ہی کوشش کی جائے تو اس کے متعلق صحیح اور متوازن رائے قائم نہیں ہو سکتی، اس لیے ہر قانون کے سمجھنے کے لئے اس کے اصول و مہیجات اور مقاصد و غایات کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

جو اقوام خدا کو مانتی اور آسمانی مذاہب کی قائل ہیں ان میں سے اکثر قانون کا منبع خدا تعالیٰ کی ذات کو سمجھتی ہیں، دوسرے ادیان سے اس وقت بحث نہیں، نہ ان کے متعلق کسی بات کی اس مختصر نشست میں ضرورت و گنجائش ہے۔ اسلام جو بیک وقت دین و دنیا کا جامع، معاد و معاش کے مصالح کا ضامن، ظاہر و باطن کی اصلاح کا کفیل، نظام اخلاق و معاشرت، معیشت و اقتصاد، سیاست و تدبیرِ مدن کے اعلیٰ اصولوں پر حاوی اور عدل و انصاف کے الٰہی ترازوؤں کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ قانون کا واحد منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا اصلاً نہ کوئی قانون بنا سکتا ہے نہ دے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سکتا ہے، نہ اس میں تغیر وتبدل کا مجاز ہے جس طرح سروری (Sovereignty) صرف ایک اللہ تعالیٰ کی واحد ذات کو زیبا ہے۔

سروری زیبا فقط اک ذات بے ہمتا کو ہے

اسی طرح قانون ساز (Legislater) اور ''قانون دہندہ'' (Law giver) بھی صرف ایک اللہ کی اکیلی ذات ہے۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو قانون کا منبع قرار دے دیا گیا تو اس واحد قانون ساز وقانون دہندہ کے متعلق بھی جاننا ضروری ہوگا کہ اسلام کا اپنے خدا کے بارے میں جو نظریہ ہے اسے سمجھے بغیر خدائی یا اسلامی قانون کے سمجھنے میں نوع در نوع غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اسلام میں صفاتِ الٰہیہ کا نظریہ دور رس، مؤثر، نتیجہ خیز، عمیق اور ہمہ گیر نتائج کا حامل ہے، اسلامی قانون کا تانا بانا صفاتِ الٰہیہ اور شئیون خداوندیہ کے مظاہر سے عبارت ہے، اسلام کا خداوند جلیل خالق بھی ہے، آمر بھی ہے۔

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ (الاعراف،7:54)

یاد رکھو! اللہ ہی کے لئے پیدا کرنا اور حکم کرنا، بڑی خوبیوں کے بھرے اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

وہ اللہ مالک بھی ہے تمام مخلوق مع انسانوں کے اس کی ملک ہے اور اسے اس پر تکوینا اور تشریعا ہر قسم کا تصرف واختیار حاصل ہے۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ﴾

(القصص،28:68)

اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (اور جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے۔ ان لوگوں کو (تجویز واحکام کا) کوئی حق حاصل نہیں۔

وہ اللہ حاکم اعلیٰ ہے، مقنن حقیقی ہے، احکام کا جاری کرنا اور قانون کا بنانا اسی کو زیب دیتا ہے، اس کے سوا کسی دوسرے کا حق نہیں۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام،6:57۔ یوسف،12:67)

حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔

﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾۔ (المؤمن،40:12)

پس حکم یا فیصلہ کرنا اللہ ہی کے لئے جو عالیشان بڑے رتبے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ اس لئے اس کا قانون ظلم کے ہر شائبہ سے بری ہے، قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾۔

(آل عمران،3:182۔ انفال،9:51۔ حج،22:10)

اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر نرمی کرنے والا مہربان اور سراپا رحمت وشفقت ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی رؤفی، رحیمی، رحمانی، کریمی کے نغموں سے پرشور ہے۔ اس لئے اس کا قانون بھی رافت ورحمت اور فضل و احسان کا نمونہ ہے۔ مثالاً صرف ایک آیت نقل کرتا ہوں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔ (الحج،22:65)

بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے۔

اسی نرمی کرنے والے مہربان اللہ نے اپنی کتاب اور اپنی آیات بینات اور احکام کو اتارا کہ انسان کفر وجہل، ظلم وعدوان کے اندھیروں سے نکل کر ایمان وہدایت حق وانصاف کے اجالے میں آجائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔ (الحدید،57:9)

وہی (اللہ) ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے۔

اس رؤف ورحیم نے انسانیت کے آخری دور میں اپنے خاتم الانبیاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسے اپنے سراپا نور قانون سے سرفراز فرمایا۔جس کے سامنے جملہ خواہشاتِ انسانی کے ساختہ قوانین کے چراغ گل ہوگئے اور وہ جامع اور دائمی شریعت عطا فرمائی جس نے جملہ ادیان وملل کی شریعتوں کے چلن کو ختم کر دیا اور آپ ﷺ کو اس شریعت پر عمل اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہوا۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الجاثیہ،45:18)

پھر ہم نے آپ کو دین کی ایک خاص شریعت (وطریقہ) پر کر دیا،سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے اور ان جہلا کی خواہشوں پر نہ چلیے۔

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ﴾۔ (المائدۃ،5:48)

تو ان کے باہمی معاملات میں اسی بھیجی ہوئی کتاب (کے احکام) کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب (اور اس کے احکام) آپ کو ملے ہیں۔اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے۔تم میں سے ہر ایک کے لئے آپ سے پیشتر ہم نے خاص شریعت اور طریقت تجویز کی تھی۔

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾۔ (المائدہ،5:49)

اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر۔

قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

غرض قانون کا بنانا اصلاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔انسان اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے قانون کا اجرا تو کر سکتا ہے۔بدون خدائی رہنمائی اور وحی الٰہی (خواہ متلو ہو یا غیر متلو) اصالۃً قانون نہیں بنا سکتا۔قانون کی تجویز،اس میں تغیر وتبدل،کسی چیز کو حلال وحرام کرنا،جائز وناجائز قرار دینا،اوامر ونواہی

کا قائم کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

نبی ﷺ کی تشریعی حیثیت:

چونکہ نبی اللہ تعالیٰ کا فرستادہ،نائب حق اور نمائندہ ربانی ہوتا ہے۔اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانون رساں،قانون الٰہی کا ترجمان،داعی،مظہر اور نمونہ بن کر آتا ہے۔جس کی ذات میں قولاً و عملاً اللہ جل ذکرہ کے قانونی منشا کا ظہور ہوتا ہے۔وہ منشاءِ ربانی کا آئینہ اور مرضیاتِ الٰہیہ کی مجسم تنزیل و تصویر ہوتا ہے اور احکام الٰہی کی تشریح میں خدا سے سن کر اور پا کر وہ جارحہ سبحانی کی حیثیت سے کہتا ہے اور کرتا ہے۔اس لئے وہ نیابۃً واصطلاحاً 'شارع' ہوتا ہے۔اس کا سینہ ملکہ نبوت،حکمت ربانی،قوت تبیین،فہم الٰہی اور شرح صدر سے ہر آن مستنیر ہوتا ہے۔اس لئے اس کا قول قولِ الٰہی اور فعل ارأت و توفیقِ رحمانی کا مظہر ہوتا ہے۔وہ خود نہیں کہتا بلکہ اس سے کہلوایا جاتا ہے۔وہ خود عمل نہیں کرتا بلکہ اس سے کرایا جاتا ہے۔اس کا ہر اجتہاد بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ،وحی الٰہی اور اس کا ہر فیصلہ فیصلہ خدائی ہوتا ہے۔وہ جن اوامر ونواحی کا حکم دیتا ہے اللہ تعالیٰ سے لے کر دیتا ہے۔اس کی رائے خطا وغلطی سے پاک و مبرا ہوتی ہے۔اس لئے تشریعاتِ نبویہ حقیقتاً تشریعاتِ الٰہیہ ہیں،جو تعلیم وتفہیم الٰہی کا نتیجہ ہے۔جسے ہم وحی باطنی یا وحی غیر متلو،القاء فی الروع یا توفیقِ الٰہی یا الہام ربانی کہہ سکتے ہیں۔اس لئے آپ کا شارع ہونا حقیقتاً تشریعات میں مرادِ الٰہی کی ترجمانی کا حق بتوفیقہٖ تعالیٰ ادا کرتا ہے۔اس لئے آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی مطلقاً اطاعت قرار دیا گیا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾۔ (النساء:4:80)

''جس شخص نے رسول کی اطاعت کی،اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يخبر تعالى عن عبده ورسوله محمد صلى الله عليه وسلم بأن من اطاعه فقد اطاع الله ومن عصاه فقد عصى الله و ما ذالك الا لانه وما

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ینطق عن الھوٰی الا وحی یوحیٰ۔ (تفسیر ابن کثیر، ص: 363، جلد:2، دار النشر والتوزیع)

اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنے بندہ خاص اور رسول حضرت محمد ﷺ کے بارے میں خبر دیتے ہیں کہ جس نے آپ کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور یہ بات صرف اس وجہ سے کہ (بقول آیت قرآنی) آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر آپ کا ارشاد نری وحی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی اسی آیت کی تحت میں لکھتے ہیں:

وإنما كان كذلك لأن الآمر والناهي في الحقيقة هو الحق سبحانه، والرسول إنما هو مبلغ للأمر والنهي فليست الطاعة له بالذات إنما هي لمن بلغ عنه. أن النبي صلّى الله عليه وسلّم كان يقول: من أحبني فقد أحب الله تعالى ومن أطاعني فقد أطاع الله تعالى۔

(روح المعانی۔ ص:.88، ج:3، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"یہ بات (کہ آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے) اس وجہ سے کی فی الحقیقۃ امر و ناہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی (خواہ وہ وحی جلی کے ذریعے سے ہوں یا وحی خفی سے) پہنچانے والے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کی اطاعت بذات نہیں بلکہ آپ کی اطاعت حقیقتاً اس ذات کی اطاعت ہے جس کی طرف سے آپ نے پہنچایا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن، باب "طاعۃ الرسول ﷺ" میں یہی آیت اور دوسری آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

فأكد جل وعلا بهذه الآيات وجوب طاعة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبان أن طاعته إطاعة الله وأفاد بذلك أن معصيته معصية

الله۔ (احکام القرآن للجصاص، ج: 3، ص: 180، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

"اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس بات کا بھی افادہ فرمایا کہ آپ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔"

غرض آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کہ آپ کا 'شارع' ہونا اللہ تعالیٰ کے اذن و توفیق و ہدایت سے ہے اور آپ جو کچھ آوامر و نواہی دیتے ہیں۔ حکم خداوندی ہی سے دیتے ہیں۔ آپ کی سنت بھی فیضان الٰہی ہے۔ چنانچہ امام شافعی نے کتاب الرسالۃ میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے:

وسنته الحكمة التي القي في روعه عن الله عزوجل۔

(ج:1، ص:90، مکتبۃ الحلبی، مصر)

اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی۔

گویا آپ کا ظاہر و باطن آپ کے اقوال و اعمال، آپ کے احکام و شرائع، اوامر و نواہی، سنت و اسوہ سب اللہ تعالیٰ کی موہبت و عطا اور اذن و حکم کا نتیجہ ہے جس کی تابعداری و اطاعت فرض ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾۔ (النساء، 4: 64)

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اس واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔

نبی انور ﷺ کے تشریعی مقام سے قرآن کا صفحہ صفحہ روشن ہے۔ سورہ اعراف میں وضاحتاً اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۵۷﴾۔ (اعراف، 7: 157)

جولوگ کہ ایسے رسول، نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں اور لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جولوگ اس (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

ان جملہ مباحث کا حاصل صرف اتنا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریعی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب مظہر کی ہے۔ اس لئے آپ کے دیئے ہوئے احکام بھی اصلاً اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے انسانوں کی یہ حیثیت نہیں۔ چونکہ دوسرے انسان خدا سے فیض وہدایت پاکر حلال وحرام نہیں کرسکتے اس لئے انہیں تحلیل وتحریم کا حق نہیں۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل کتاب جو علما وپیشوایان مذہبی کو تحلیل وتحریم کا مجاز سمجھتے تھے۔ ایک معنی میں مشرک قرار دیا جب یہ آیت کریمہ:

﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾۔ (التوبہ، 9:31)

ان لوگوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا۔

اتری تو حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جو پہلے عیسائی تھے) آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم اپنے پیشوایان مذہبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا۔ یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس کو چاہیں حرام کردیں۔ عرض کی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہی رب بنانا ہے۔ (سیرت النبی ص:429، ج:4 بحوالہ ترمذی وابن عبدالبر)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور ص:۲۳۰، ج:۲ میں مختلف کتب حدیث سے عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اس قسم کی روایتیں نقل کی ہیں۔

قانون وشرع کی حقیقت تحلیل وتحریم ہی ہے اور یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اگر انسان اپنی طرف

سے کسی قانون کو وضع کرلے اور بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم اور ماخذ شرعی کے کسی چیز کو حلال یا حرام کرلے، اسے قرآن نے اللہ تعالیٰ پر افترا وبہتان باندھنا قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کے آخرش ناکام ہونے کا اعلان فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ﴿۱۱۶﴾﴾۔

(النحل، 16:116)

اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنالینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو، بیشک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر، ان کا بھلا نہ ہوگا۔

چنانچہ علمائے عقائد اور فقہائے امت کے نزدیک یہ اصول کا مسئلہ بن گیا ہے کہ اصلاً حاکم شرع وواضع قانون صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کے امر ونہی سے بندے حرام وحلال، فرض وواجب، جائز وناجائز وحق وباطل کو جان سکتے ہیں۔

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۱ھ) اپنی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

اعلم انه لاحاكم سوى الله ولاحكم الاماحكم به ويتفرع عليه ان العقل لا يحسن ولايقبح ولايوجب شكر المنعم وانه لاحكم قبل ورود الشرع۔ (الاحکام، ج: 1ص: 79، المكتبة الاسلامية، بيروت)

جاننا چاہیے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور حکم وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور اسی اصل مسئلہ پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ عقل نہ کسی چیز کو اچھا کہتی ہے نہ برا، اور یہ کہ محسن کا شکر عقلاً نہیں ہے اور یہ کہ شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہیں۔

مقصود یہ ہے کہ احکام شریعت اور قانون شرعی کا اصلاً واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کا قانون

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قانون ہے۔انسانی عقل تنہا اچھائی و برائی اور شرعی احکام کا فیصلہ نہیں کرسکتی۔علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ ''تحریر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

الحاکم لاخلاف فیه انه رب العالمین۔ (ص:89،ج:1)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حکم کا واضع پروردگار عالم ہے۔

ملک العلماء امام الکاسانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ''حلال وحرام وشرایع و احکام کے علوم'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعث الرسل و انزل الکتب اذلاسبیل الی معرفته بالعقل المحض دون معونه السمع۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،ص:2، ج:1،دار الکتب العلمیة۔بیروت)

اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اس لئے بھیجا اور کتابیں اس لئے اتاریں کہ حلال وحرام وشرایع و احکام کا علم نری انسانی عقل سے معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کا جاننا خدا سے سننے یعنی وحی کے بغیر ممکن نہیں۔

اسی طرح دیگر فقہا اور علما نے یہی بات لکھی ہے۔وقت کی کمی تفصیل سے مانع ہے۔

قانون دان حضرات جانتے ہیں کہ دنیا کے کسی ملک کی کوئی چھوٹی بڑی عدالت قانون میں ردوبدل کی مجاز نہیں ہوتی،وہ قانون کے مطابق فیصلہ تو کرسکتی ہے،قانون کی وضاحت interpretation اور پیشکش اس انداز سے تو کرسکتی ہے کہ جس سے قانون کے معنی میں توسیع پیدا ہوجائے لیکن میرے نزدیک دنیا کی بڑی سے بڑی عدالت بھی قانون کو رد یا اس میں تغیر وتبدل یا اس کے مطلب ومنشا کے خلاف اس کی ترجمانی نہیں کرسکتی۔اس مثال سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اسلام میں قانون ساز و مقنن حقیقی اور شارع مطلق تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ قانون کو انبیاء علیہم السلام پر کھولتا ہے اور سب سے آخر میں اُس نے ہمیشہ کے لئے اپنے دائمی قانون کو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھولا۔آپ کی حیثیت قانون کو خدا سے لے کر پیش کرنے والے،اس کے اجرا اور تبیین وتشریح کرنے والے کی ہے۔آپ کی حیثیت نائبِ حق کی حیثیت سے نیابۃً شارع اور قانون خداوندی کے کھولنے والے کی ہے۔

جس میں تغیر وتبدل کا منشائے خداوندی کے بغیر آپ کو اختیار نہیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے آخری قانون کو انتہائی تکمیل وتتمیم اور سبوغ کے ساتھ کھولا اور فرمادیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾۔ (المائدۃ،5:3)

آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کیا۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۱۵﴾۔ (الانعام،6:115)

اور آپ کے رب کی بات راستی اور انصاف کے لحاظ سے پوری ہوئی اور اس کی بات کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾۔ (لقمان،31:20)

اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری و باطنی پوری کردیں۔

یہ قانون اللہ تعالیٰ نے "صحیفہ قرآنی اور سنت نبویہ" کی صورت میں دیا۔قرآن اصولِ قانونِ اسلامی ہے اور سنت اس کی تبیین وتشریح و بیان وتوضیح اور تفصیل ہے جو سب عطاءِ موہبتِ رب ہے۔ایک وحی متلو ہے ایک غیر متلو،دونوں کا سوتا اور منبع ایک ہے۔ایک میں الفاظ ومعنی سب کلیۃً اللہ تعالیٰ کے ہیں۔دوسرے میں مطالب ومعانی،حقائق ومنشاء القائے ربانی ہے اور الفاظ واعمال،تشکیل وپیشکش گو نبوی ہے لیکن عین اللہ کے احکام کے مطابق اور منشاء الٰہی کا ظہور ہے اور توفیق الٰہی اور اِرائت رحمانی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

سنت:

جو قانون واضح طور پر قرآن میں دکھائی نہیں دیتا اس کو ہم سنت سے معلوم کریں گے۔اگر سنت میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

82

نہیں تو اسے قرآن وسنت کے انتہائی محتاط اور منشائے ربانی کے مطابق تدبر وتفکر سے قرآن وحدیث سے مستنبط کرنے کی سعی بلیغ واجتہاد کریں گے۔ اگر یہ سعی وکوشش اجتماعی ہوئی اور اس پر اہل علم کا پورا طبقہ متفق ہوگیا وہ اجماع کہلائے گا۔ ورنہ اسے قیاس (اجتہاد) کہیں گے۔ اسلام کے قانون کے یہ چار بنیادی مأخذ ہیں جن کی تتمیم وتوسیع دیگر مأخذوں سے کی گئی ہے جو سب انہیں کا شاخسانہ اور نتائج ہیں۔

اسلامی قانون کے چار ماخذ:

قرآن کریم کی ایک آیت اس سلسلہ میں بیان کرنا غالباً اس مختصر نشست میں کافی ہوگا:

﴿وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾۔

(النحل،16:44)

اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا، تاکہ آپ کھول کر بیان کریں وہ چیز کہ اتاری ہے ہم نے ان پر اور تاکہ وہ ان میں فکر کریں۔

ہیچ مدان سمجھتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اسلامی قوانین کے چاروں مأخذوں کا بیان ہے۔ "الذکر" سے مراد قرآن کریم ہے "لتبین للناس ما نزل الیھم" سے مراد سنت نبوی ﷺ اور "یتفکرون" سے شرعی اجتہاد اور اس کے دیگر مظاہر اجماع وقیاس وغیرہ ہیں۔

اس آیت کریمہ پر ادنیٰ تأمل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سنت اور اجتہاد (اجماع وقیاس) کا آخری مرجع بھی "الذکر" یعنی کتاب حکیم ہے۔ تفصیل آپ اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھ سکتی ہیں۔

امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ "ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شیئ" ترجمہ: "اور ہم نے اتاری آپ پر کتاب ہر چیز کی وضاحت کرنے والی" کے تحت میں اسلام کے قانونی مأخذوں کے قرآن سے ثبوت کو خوب واضح فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الدِّينِ بِالنَّصِّ وَالدَّلَالَةِ، فَمَا مِنْ حَادِثَةٍ جَلِيلَةٍ وَلَا دَقِيقَةٍ إِلَّا وَلِلَّهِ فِيهَا حُكْمٌ قَدْ بَيَّنَهُ فِي الْكِتَابِ نَصًّا أَوْ دَلِيلًا، فَمَا بَيَّنَهُ النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّمَا صَدَرَ عَنِ الْكِتَابِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: 7] وقوله تعالى: ﴿وإنه وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ [الشورى: 52] وَقَوْلِهِ: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: 80] فَمَا بَيَّنَهُ الرَّسُولُ فَهُوَ عَنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ مِنْ تِبْيَانِ الْكِتَابِ لَهُ لِأَمْرِ اللَّهِ إِيَّانَا بِطَاعَتِهِ وَاتِّبَاعِ أَمْرِهِ، وَمَا حَصَلَ عَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ فَمَصْدَرُهُ أَيْضًا عَنِ الْكِتَابِ لِأَنَّ الْكِتَابَ قَدْ دَلَّ عَلَى صِحَّةِ حُجَّةِ الْإِجْمَاعِ وَأَنَّهُمْ لَا يَجْتَمِعُونَ عَلَى ضَلَالٍ، وَمَا أَوْجَبَهُ الْقِيَاسُ وَاجْتِهَادُ الرَّأْيِ وَسَائِرُ ضُرُوبِ الِاسْتِدْلَالِ مِنَ الِاسْتِحْسَانِ وَقَبُولِ خَبَرِ الْوَاحِدِ جَمِيعُ ذَلِكَ مِنْ تِبْيَانِ الْكِتَابِ لِأَنَّهُ قَدْ دَلَّ عَلَى ذَلِكَ أَجْمَعَ، فَمَا مِنْ حُكْمٍ مِنْ أَحْكَامِ الدِّينِ إِلَّا وَفِي الْكِتَابِ تِبْيَانُهُ مِنَ الوجوه التی ذکرنا.

(احکام القرآن، ص:246 ج:3، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قرآن کے الفاظ تبیان کل شیء (کہ قرآن وضاحت کرنے والا ہر بات کا) سے مراد دینی امور کا نص اور دلالت سے بیان کرنا ہے۔ پس کوئی واقعہ بڑا یا چھوٹا پیش نہیں آتا مگر اس کا حکم کتاب میں نص یا دلیل کی وضاحت سے مل جاتا ہے اور جس بات کو حضور ﷺ نے بیان فرمایا، وہ بھی کتاب ہی سے ثابت ہے بحکم اللہ تعالیٰ کے۔ کہ جو (حکم) تمہیں رسول اللہ ﷺ دیں اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اس آیت کریمہ کے مطابق کہ اے محمد ﷺ آپ رہنمائی کرتے ہیں اس سیدھے راستے کی طرف جو اللہ کا ہے اور اس قول الٰہی کے مطابق کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی پس جو احکام رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے لے کر ہی بیان فرمائے ہیں اور اس لحاظ سے بھی قرآن کی وضاحت وتشریح بھی ہے کہ اللہ نے قرآن میں ہمیں آپ کی اطاعت اور آپ کے حکم کی پیروی کا حکم دیا ہے اور جو احکام اجماع سے حاصل ہوتے ہیں اس کا سرچشمہ بھی الکتاب ہے کہ کتاب نے اجماع کی حجت ہونے کو صحیح قرار دیا ہے اور اس وجہ سے کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ (جیسا کہ قرآن کا منشا ہے) اور جن احکام کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قیاس، اجتہاد اور رائے اور دگر تمام استدلالِ احکام کی قسمیں استحسان وغیرہ اور خبر واحد کا قبول کرنا، سب قرآن ہی کی وضاحت و توضیح و بیان ہے کہ قرآن نے ان باتوں کے حجت ہونے پر دلالت کی ہے (نصاً یا دلالۃً) پس دین کا کوئی حکم ایسا نہیں جس کا حکم (اصلاً) قرآن میں ان وجوہ سے نہ ہو جو ہم نے بیان کیں۔

پس نبی ﷺ اصلاً و اصالۃً قانون ساز و شارع نہیں بلکہ خلیفہ ربانی کی حیثیت سے نیابتاً و اصطلاحاً شارع و دین کا شارح ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا پہچاننے والا، نافذ و جاری کرنے والا اور اسے عملاً پیش کرنے والا ہے اور اس کی یہ حیثیت بھی مُطاع و پیشوا کی ہے جس کی ہر بات مانی جائے گی اور جس کے ہر عمل کا اتباع کیا جائے گا۔ ان گذارشات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی قانون کا منبع اصلی اور مأخذ حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسلام میں خدا کا جو جامع تصور ہے اسے مستحضر فرمائیں۔ میں اس وقت دگر ادیان کے تصورِ خدا کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا، ان کا اپنے خدا کے متعلق جو بھی تصور ہو، اسلام کا اپنے خدا کے متعلق جو نظریہ ہے وہ اپنی جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اسلام کا خدا وہ واجب الوجود ذات ہے جو جملہ صفات کمال و جمال جلال و نوال سے متصف تمام اسماء حسنیٰ کا جامع اور ہمہ خوبی و محبوبی و قدرت و عظمت اور حمد و ثنا کا اصلاً سزاوار ہے۔ جو خوبی و کمال ہے اس میں ہے اور جہاں بھی ہے، اس سے ہے، کسی کا ذاتی نہیں۔ صرف وہی کبیر و متعال ذات ہر صفت حسنہ سے موصوف اور ہر چیز کا مبدأ و منتہا ہے۔ اسلام کا خدا جملہ مخلوق کا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، حاکم بھی ہے۔ وہ ایسا عالم و علیم ہے کہ کون و مکان، موجودات و کائنات کی کوئی چیز اس سے کسی وقت بھی اوجھل اور پوشیدہ نہ تھی، نہ ہے نہ ہوگی۔ وہ پوری مخلوق اور تمام انسانیت کے احوال ظاہرہ و باطنہ کا ازل سے ابد تک جاننے والا ہے۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا، نہ آئندہ آئے گا جس کا علم اس علیم و خبیر خالق کو ازل ہی میں نہ ہو۔ وہ اپنی ذات سے علیم ہے، علم اور جاننا اس سے ہی قائم ہے۔ ازمنہ و امکنہ کے جملہ دوائر، ان میں پیش ہونے والے حوادث و احوال، ان میں پیدا ہونے والی جملہ خلائق و مخلوقات اس کے سامنے ہمیشہ سے عیاں، کھلی ہوئی اور مشاہد ہیں اور وہ ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ وہ عالَم جنہیں ہم جانتے ہیں یا ہم نہیں جانتے، وہ اشیا جن کا ہمیں علم ہے یا ہمیں علم نہیں، علم انسانی کے

ادراک سے باہر کے مکان و زمان یا دائرہ زمان و مکان سے بیرون کے احوال و ظروف سب اس پر روشن و ہویدا اور آشکارا ہیں۔ وہ ازل میں جانتا تھا کہ پندرھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) میں کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پر یہ بات پوشیدہ نہیں تھی کہ Technologyage of space (دورِ فضا و صنعت) یا atomic age (جوہری زمانہ) آنے والا ہے۔ وہ اس دور کے انسانوں، ان کے ماحول، ان کی ضرورتوں، ان کی حاجتوں، ان کے علم و دانش، فکر و کاوش، ان کی صنعت و حرفت، ان کی مادی ترقیات، ان کی روحانی کم مائیگی ہر چیز کو ازل ہی میں جانتا تھا۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ﴾۔

(الحجر، 15:24)

ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ رسل و رسائل کی آسانیوں سے دنیا کے فاصلے کم ہو کر ایک بڑے گھر کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ خدا تعالیٰ دیکھتا تھا کہ ازل میں کیا تھا اور ابد میں کیا ہونے والا ہے۔

قرآن: مصالح دینی و دنیوی کا کفیل:

جس وقت اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے قانون کو نازل فرما رہے تھے اور اسے ان پر کھول رہے تھے اور ان سے اس کی عملی تشکیل کروا رہے تھے اور انعامات خداوندی کی تکمیل، احکام الٰہیہ اور قوانین ربانیہ کے نزول و تشکیل و تعمیل سے ہو رہی تھی اور انسانیت پر نعماءِ الٰہی کی تتمیم و سبوغ کا اعلان کیا جا رہا تھا اور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ''حیطہ نبوت'' کو ابد تک مستمر فرما کر قیامت تک کے انسانوں کو ان کے لائے ہوئے احکام و قوانین کا پابند بنایا جا رہا تھا اور دین کی ابدی تکمیل اور صحیفہ اسلامی یا مجموعہ قوانینِ اسلامی کی دائمی اور الٰہی حفاظت کی علی رؤس الاشھاد آواز لگائی جا رہی تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ بیسویں صدی یا اس کے بعد میں کیا ہوگا اور انسانیت کو اس زمانہ میں عدل و انصاف کے ترازو قائم رکھنے اور اپنے انفرادی و اجتماعی، اقتصادی و سیاسی، معاشی و عُمرانی، قومی و ملکی، بین الاقوامی و عالمی، دینی و دنیاوی معاملات کو باحسن الوجوہ انجام دینے کے لئے کن قوانین و نوامیس، احکام و

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دسائیر کی ضرورت ہوگی۔ اسلام کے علیم وخبیر خدا نے ہر زمانے کے جملہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، فطرت انسانی کو خالق کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اور ہر طبقہ اور ہر قوم اور ہر نسل کے اجتماعی وانفرادی فوائد کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے قرآن اور اسلامی قوانین کی صورت میں انسانی فلاح وصلاح کا وہ جامع و مانع دستور دے دیا جو ابد تک انسان کی معاش ومعاد کی ضرورتوں پر حاوی اور ان کی دینی و دنیوی مصالح و فوائد کا واحد وتنہا ضامن وکفیل ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں اور کسی طبقہ یا گروہ اور نسل وقوم کی خاص رعایت نہیں۔ وہ سب کا ہے اور سب کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ﴾۔

(الکھف،18:1)

تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے خاص بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

(اور اسے بالکل استقامت کے ساتھ موصوف اور معاش ومعاد کے منافع کا کفیل وسنبھالنے والا بنا دیا۔)

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون عدل وصدق کی وہ ربانی کسوٹی اور انصاف و دادرسی کا وہ سیدھا معیاری ترازو ہے جس نے انسان کو انسانی خودساختہ قوانین کی بندشوں، نسل ولون کی رعایتوں، ملک ووطن کے مفاد پرستانہ شکنجوں، باطل ادیان کے ظلم وجور، برہمنیت و پاپائیت کے طغیان، ہر زمانے کے اکاسرہ و قیاصرہ، جبابرہ وفراعنہ کی تعدی وسرکشی سے انسانوں کو نجات بخشی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل واحسان کو اسلامی قانون کی صورت میں بندوں پر کامل کر دیا۔

اسلام کا خدا جابر وظالم نہیں:

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کا خدا جابر وظالم نہیں۔ اس نے ظلم کو اپنے پر حرام کر دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن واحادیث کی نصوص کثیرہ سے ثابت ہے اسلام کا خدا انتہائی مہربان وکریم ہے، وہ رحمان ورحیم ہے، اس کی رحمانی ورحیمی پر جس طرح کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے، اسی طرح اس کے قانون کا جزوکل اس کی رحمانی ورحیمی شان کا مظہر ہے۔ جس کو ہم غضب سمجھتے ہیں اور

العیاذ باللہ جبر وظلم قرار دیتے ہیں وہ بھی حقیقتاً اس کی رحمانی شان کا ہی ظہور ہوتا ہے اور اس کی رحمت اس کے ہر قانون میں رچی بسی ہوتی ہے، گو ہماری کج فہمی اور بے بصری، ہماری نگاہوں میں ''اسباب مستوری'' کو پیدا کر دے، اس کا اعلان عام ہے:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾۔ (الانعام،6:54)

تمہارے پروردگار نے رحمت فرمانا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾۔ (اعراف،7:156)

میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے۔

إن رحمتی سبقت غضبی۔ (بخاری،رقم:7554،دار طوق النجاۃ)

میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی ہے۔

سبق رحمت غضب ہست اے فتا
لطف غالب بود بر وصف خدا

(رومی)

ہمارے خدا کی شان یہ ہے کہ وہ جو بھی قانون بنائے گا اس پر رحمت کا پہلو غالب ہوگا جو ظاہراً سختی و غضب دکھائی دے گا وہ جبر وقہر بھی ہزار ہا عطا ومہر کا حامل اور بے شمار ظاہر و پوشیدہ حکمتوں سے مملو ہوگا، پس اللہ تعالیٰ کا قانون سراپا حکمت اور نراخیر وبرکت ہی ہے۔

اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں:

ایک اور نقطہ نظر سے غور کیجیے تو یہ بات واضح ہوگی کہ اسلام کے خدا کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں، اس نے انسانوں کو رنگ ونسل، مال ودولت، مرز وبوم کی وجہ سے ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی۔ اس نے بنی آدم کو گورے وکالے، زرد وسرخ، زنگی وفرنگی میں تقسیم نہیں کیا۔ اس نے موجودہ دور کی نام نہاد انتہائی مہذب امریکی ویورپی اقوام کی طرح حبشیوں پر زندگی کی آسائشوں کے دائرے تنگ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کر کے انہیں ''گھٹیا مخلوق'' قرار نہیں دیا۔جس کے مظاہر آپ روزانہ جنوبی افریقہ اور امریکہ اور مہذب برطانیہ میں دیکھتے ہیں۔اس نے برہمن وشودر،مختون وغیر مختون،ملکی وغیر ملکی کی تمیز روا نہ رکھی۔اس نے یہ آریہ ورت کے سپوتوں یا آریہ مہر کی اولاد، یا سورج دیوتا کی اولاد، یا نسلِ اسرائیل یا کسی قوم قبیلہ کی برتری کو جائز قرار نہیں دیا،اس نے بنی آدم کو وطنیت ورنگ ونسل کے محدود دائروں میں نہیں بانٹا نہ اسے عزت وذلت،اونچ ونیچ اور شرافت وذلت کا پیمانہ قرار دیا۔وہ پوری انسانیت کا خدا ہے۔امریکی و افریقی،عربی وعجمی۔چینی وجاپانی گورے وکالے اس کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔

پیش قرآن بندہ مولا یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

معیارِ فضیلت تقویٰ ہے:

ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ ۚ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾﴾۔

(الحجرات،49:13)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو،اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو۔بے شک اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

حدیث میں ہے:

أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى۔ (مسند احمد بن حنبل، رقم:23489، مؤسسة الرسالة)

خبردار! نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضلیت ہے اور نہ عجمی کو عربی اور نہ سرخ (گورے) کو کالے

پر،اور نہ کالے کو سرخ پر،سوائے تقویٰ کے۔

قانون الٰہی میں وحدت ومساوات:

نگاہ ربانی میں نسل انسانی کی اس برابری کا منطقی نتیجہ قانون میں مساوات ووحدت ہے۔اس لئے اسلامی عدل وانصاف کے ترازو میں امیر وغریب،شاہ وگدا،آقا وغلام،کالے وگورے،عربی وعجمی، ایرانی وچینی،یورپی وافریقی سب برابر ہیں۔اب اللہ تعالیٰ کی نظر میں اچھائی وبرائی کا پیمانہ اور عزت و ذلت،قرب وبعد کا معیار اس کے قانون کی پابندی وعدم پابندی ہے جو اس کے قانون کا زیادہ پابند ہوگا، خواہ وہ کسی خاندان ورنگ اور قوم ووطن سے ہو وہ اس کا عزیز وقریب ہوگا۔حدیث میں ہے:

ان اولی الناس بی المتقون من کانوا حیث کانوا۔

(کنز العمال بحوالہ مسند احمد،ص:22،ج:2)

''مجھ سے زیادہ اقرب وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں،جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔''

اور جو اس قانون کو توڑے گا اور اس کی پابندی نہیں کرے گا وہ اس کی نگاہ میں حقیر اور ذلیل ہوگا۔ گویا نسل انسانی کی عزت وذلت اسلام میں انسانی وجاہلی رنگ ونسل،قومی ووطنی خود ساختہ وجوہ سے نہیں،بلکہ قانون الٰہی انسان کی عزت وذلت کا معیار ہے۔جس نے اسے اپنایا،وہ خدا کی نگاہ میں وقیع وشریف ہے اور جس نے اسے پس پشت ڈالا،خواہ وہ کوئی ہو،اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں دنی وپست ہے۔

حدیث میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے اس مفہوم کو ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے:

یاایھا الناس ان الناس رجلان برتقی کریم علی اللہ وفاجر شقی ھین علی اللہ ثم تلا یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی۔الخ

(معالم التنزیل،ص:191،ج:4)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:)اے لوگو!لوگ دو طرح کے ہیں:نیک ومتقی جو اللہ کے نزدیک معزز ہیں۔یا بدکار(اللہ کا حکم توڑنے والے)کم بخت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہے۔پھر دلیل میں یہ آیت پڑھی:(ترجمہ)اے لوگو!ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔الخ یہ تمیزِ بد ونیک بھی ان کی عند اللہ جاہ وعزت کے بارے میں ہے۔ورنہ عدل وانصاف کے ترازو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں سب برابر ہیں۔ قانون کا جب اجرا ہوگا۔ بروفاجرا اچھے و برے کے اس خاص عمل کی خوبی و برائی کو دیکھا جائے گا۔ کسی کو نیک سمجھ کر جرم سے ''غلطی'' کی حالت میں بری نہیں قرار دیا جائے گا اور بد کو ''برا'' ہونے کی بنا پر عدمِ گناہ پر تعزیر و سزا نہیں دی جائے گی۔

اسلامی عدل میں دوست و دشمن کی تمیز نہیں:

اس بارے میں الٰہی قانونی عدل کی وسعت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس میں دوست و دشمن اور اپنے اور پرائے کی تفریق بھی گوارا نہیں کی گئی۔ عدل میں دشمن کی دشمنی حائل ہو، نہ دوست کی دوستی ناجائز رعایت پر مائل کرے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾۔

(مائدہ،5:8)

اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾۔ (انعام،6:152)

اور جب تم بات کیا کرو تو انصاف (کا پورا اہتمام) رکھا کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو (جس کے مقابلے میں وہ بات کہہ رہا ہو)

قانون برائے عدل:

قانون کا بڑا مصرف یہ ہوتا ہے کہ عدل کو قائم کرے۔ عدل وہاں ختم ہوگا جہاں آپ اپنے تعلقات یا ظاہر و پوشیدہ مفادات کی بنا پر ناجائز رعایت کریں۔ یا کسی حاضر یا مستقبل میں آنے والے خوف و اندیشہ سے غلط فیصلہ لکھ دیں۔ رعایت جج کے قلم کو ڈگمگا دیتی ہے یا خوف اس کے قدموں میں لرزہ پیدا کر دیتا ہے۔

ناانصافی کے اسباب:

اور یہ ''ناانصافی'' عموماً دو طرح کی ہوتی ہے: یا ''خاص طبقات و اشخاص'' کو خاص قانونی مراعات اور قانون پر بالادستی (Immunity) سے نواز دیا جاتا ہے اور تمام ''قانونِ سزا'' سے انہیں بری اور مامون قرار دے دیا جاتا ہے یا قانون تو وہی ہوتا ہے لیکن کار پردازانِ عدل بڑوں کی ہیبت یا اپنے مفاداتِ خاصہ کی بنا پر عدل کی ترازو کو مستقیم نہیں رکھ سکتے۔ پہلی شق کے بارے میں آج ان مہذب ممالک کے آئین و قوانین دیکھیے جن کی چکا چوند نے ہمیں اپنے سے بیگانہ اور الٰہی قانون سے بیزار کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ہماری حالت ان کی تقلید میں وہ ہو چکی کہ اقبال کو کہنا پڑا:

ارجمندی از شعارش می بری
من نہ دانم تو توئی یا دیگری

مغربی قانون میں عدم عدل و عدم مساوات:

ایک دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں، ملکہ برطانیہ، برطانیہ عظمیٰ کے وزیر اعظم کو اگر گولی مار دے تو اس کے ملک کی کوئی عدالت اسے مجرم قرار نہیں دے سکتی کہ قانون نے اسے ''مامون'' immune قرار دیا ہے۔ امریکہ میں، روڈیشیا میں، ساؤتھ افریقہ میں وہاں کی ترقی یافتہ سفید حکومتوں نے ''کالے اور گورے'' کے قوانین میں جو تمیز روا رکھی ہے وہ انصاف کے چہرے کا کریہہ و بھیانک سیاہ داغ ہے۔ انگریزی دور کے عروج میں برکو چک میں Native ''مقامی'' صاحب بہادر کے مقابلے میں کیا برابری کا دعویٰ کر سکتا تھا، بلکہ مجھے کھل کر کہنے دیجیے کہ انسانی بنایا ہوا ''قانون'' کبھی ''عدل'' ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ انصاف کے معیاری تقاضوں کو کما حقہ پورا کر سکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہر شخص اور ہر انسانی جمعیت و طبقہ کے مخصوص رجحانات، میلانات، تقاضے و مفادات ہوتے ہیں۔ جن سے وہ انسان ہونے کی حیثیت سے کلیۃً کبھی مبرا نہیں ہو سکتا۔ وہ کچھ چیزیں ورثہ میں پاتا ہے، کچھ باتیں اس کا ماحول و معاشرہ اور مخصوص تعلیم و تربیت دیتی ہے، کچھ خیالات و افکار اس کی طبعی افتاد ہوتے ہیں۔ انسان ''انسان'' سے بالا اور انسانی کمزوریوں سے مبرا ہو کر سوچ نہیں سکتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

انسان کا ناقص علم ومشاہدہ:

اس کا مستقبل کے حوادث و واقعات سے قطعاً ناواقفیت و نارسا علم اپنے قانون کی اساس و بنیاد ماضی کے کچھ محدود تجاربِ فطرت وضروریاتِ انسانی کے محدود فہم اور اپنے رجحاناتِ خاصہ کے شعوری یا لاشعوری پیچاک میں الجھی ہوئی سمجھ پر رکھتا ہے۔ اس لئے کوئی انسانی قانون دائمی کوتاہیوں سے پاک اور معیاری عدل کا نمونہ نہیں ہوسکتا۔ ''نارسا علم'' کا حتمی نتیجہ ''ناقص قانون سازی'' ہوگا اور قانون کا نقص حقیقتاً ناانصافی وظلم ہے، گو اس کے بنانے والے عمداً اس کے مرتکب نہ ہوتے ہوں۔

ناقص قانون ظلم ہے:

لیکن قانون کی نگاہ میں ''عدل'' اتنا ''بلند واعلیٰ مقام'' رکھتا ہے کہ عمد وسہو کی قربان گاہ پر اسے بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا۔ قانون ساز اداروں اور مجالس مقننہ کی روزانہ کی کارروائیاں انسان کی اس بارے میں کوتاہ رسی پر شاہد عدل ہیں۔ ایک ملک کی قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ ایک قانون بناتی ہے وہ طبقہ جس کا وہاں غلبہ واکثریت ہوتی ہے، قانون سازی میں اپنے مفادات پر نگاہ رکھتا ہے۔ اگر انصاف ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے تو تاویلات کے پردوں میں اسے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آمریت اور فاشزم میں شخص واحد کی ''انانیت'' قانون قومی کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ اگر مغرب ''سرمایہ دار'' کی بے جا حفاظت کرتا ہے تو کمیونسٹ ''مزدور'' کی حدود سے بڑھ کر رعایت کرتا ہے۔ قانون تو وہی عادلانہ ہوگا جس میں کسی کی رعایت نہ ہو، خوف نہ ہو، ملکی رجحان نہ ہو، نسلی میلان نہ ہو، رنگ کا پاس نہ ہو، علاقائی لحاظ نہ ہو، وطنی مفاد نہ ہو، طبقاتی عصبیت نہ ہو، غیر سے مخاصمت نہ ہو، اپنے کی حمایت نہ ہو، کنبہ پروری نہ ہو، دوست نوازی نہ ہو، مفاداتِ خاصہ کی ناجائز نگرانی نہ ہو، قانون سازی میں مال وجاہ کی طلب نہ ہو، مدح وذم کی پرواہ نہ ہو۔

ہر قسم کے میلانات سے پاک ہوکر قانون بنانا انسان کے بس میں نہیں:

غرض تمام مفادات سے بالا ہوکر اور ہر ''رجحان'' سے تہی دل اور خالی دماغ ہوکر محض عدل وانصاف کی بقا کے لئے قانون بنائے۔ یہ انسان کے بس کی بات نہیں، بلکہ یہ تو اس ذات کا کام ہے جو سب

تعلقات سے بری، نہ کسی کا بیٹا، نہ کسی کا باپ، نہ کسی کا رشتہ دار، ہر انفعال سے پاک، ہر خوف ورعایت سے مبرا، نسلی ولونی، ملکی وطنی بندشوں سے پاک، اور وہ ذات فطرتِ انسانی کے غوامض واندرون، اس کی جملہ ضروریاتِ انفرادی واجتماعی سے کلیۃً واقف، عالم السرائر اور مستقبل کے جملہ کوائف وواقعات، حوادث وضروریات کو جاننے والی ہے اور وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کی صفت ہی یہ ہے:

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾

نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا۔

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل، 17:111)

اور کہہ دے کہ سب خوبیاں اسی اللہ (پاک) کے لئے (خاص) جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے۔

﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝﴾ (مریم، 19:92,93)

اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان کے لائق نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے (کیونکہ) جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام (بندہ) بن کر حاضر ہوتے ہیں۔

خدائی قانون پوری انسانیت کے لیے:

خدا جو قانون دے گا وہ سب انسانیت بلکہ پوری مخلوق کو سامنے رکھ کر اور مستقبل کے وقائع واحوال کو جان کر دے گا، جس میں کسی کی رعایت نہیں ہوگی نہ کسی کا خوف عدل میں مانع آیا ہوگا۔ وہ ہر ذاتی مفاد سے خالی ہوکر محض مخلوق پروری اور انسانیت کی دادرسی کے لئے دیا جائے گا۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس میں کسی پر ظلم نہ ہوگا، نہ ظلم کی کسی کو اجازت دی جائے گی۔ حدیث قدسی میں ہے:

یا عبادی إنی حرمت الظلم علی نفسی، وجعلته بینهم محرما، فلا تظالموا۔

(صحیح مسلم باب تحریم الظلم، رقم: 2577، ج:4، ص:1994، دار احیاء التراث، بیروت)

اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے۔ تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

اقبالؔ نے بھی قانون الٰہی اور ''قانون غیر'' کے متعلق خوب کہا ہے۔ ؎

وحی حق بینندہ سود ہمہ
درنگاہش سود و بہبود ہمہ
عادل اندر صلح و اندر مصاف
وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف
عقل خود بین غافل از بہبود غیر
سود خود بیند نہ بیند سود غیر
غیر حق چونا ہی و آمر شود
زور وربر ناتواں قاہر شود
حاصل آئین و دستور ملوک ده
خدایان فربہ و دہقان چودوک

ترجمہ: ۱۔ وحی حق (یعنی قرآن) سب کے فائدے اور مفاد کو دیکھتا ہے۔ وحی حق پر مبنی نظام الٰہی میں تمام مخلوقات کے مفادات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ وحی حق صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں عدل کے دامن کو تھامے رکھتا ہے۔ نہ تو دوستی میں ناجائز رعایت کا روادار ہوتا ہے اور نہ دشمنی میں کسی غیر اللہ سے خوفزدہ ہوتا ہے۔

۳۔ خود بین عقل اپنے علاوہ کسی دوسرے کے مفاد کا خیال نہیں رکھتی، وہ صرف اپنے فائدے کو پیش نظر رکھتی ہے نہ کہ کسی دوسرے کا۔

۴۔ جب غیر حق نظام کا علمبردار، حکمران بن جاتا ہے (تو اس کی حکمرانی میں) طاقتور کمزور پر غالب رہتا ہے۔

۵۔ نظام ملوکیت کے آئین کا خلاصہ یہ ہے کہ سرمایہ دار، جاگیردار موٹا اور طاقتور ہوتا ہے جبکہ دہقان، کسان، مزدور تکلے کی طرح کمزور، نحیف اور ناتواں ہوتا ہے۔

قانون الٰہی میں ظلم کے چور دروازے نہیں:

غرض قانون الٰہی میں کسی خاص طبقہ، گروہ، جماعت، فرد کے لئے ''قانونی مراعات وتحفظات'' کے نام سے ظلم و جور کا کوئی چور دروازہ کھلا نہیں۔ سب قانون کی نگاہ میں ایک ہیں اور سب پر ایک ہی قانون کی ''سیادت'' قائم ہے۔ عدل وانصاف کا خدائی ترازو سب کے لئے یکساں ہے۔ خدائی عدل کی اس رحمت ونعمت کی جو قدردانی نہیں کرتے اور نہ اسے مانتے وتسلیم کرتے ہیں نہ اسے نافذ کرتے ہیں، ایسے ناشکر گزار قرآن کی نگاہ میں کافر ہیں کہ وہ حقیقتاً خدائے بزرگ وبرتر کی حاکمیت وبادشاہی کے منکر ہیں۔ جو عقیدتاً مان کر ان قوانین واحکام کا اجرا ونفاذ نہیں کرتے، ان سے بڑھ کر ''ظالم'' کون ہوگا۔ کہ ''عدل'' کے تقاضوں اور ''قانون عدل'' کی موجودگی کے علی الرغم حق وانصاف کا برمحل استعمال نہیں کرتے اور عقیدتاً جو ماننے کے باوجود اپنی شہوات ونفسانی تقاضوں، مفاداتِ خاصہ کی بناء پر اس کا اجرا ونفاذ نہیں کرتے، وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں بدکار وفاسق ہیں کہ قانون الٰہی کا عدم نفاذ مختلف نوعیتوں اور مختلف صورتوں میں شناخت کے مختلف مدارج رکھتا ہے۔ کبھی وہ ''کفر صریح'' بن جاتا ہے، کبھی وہ ''ظلم'' ہے، کبھی وہ وہ ''فسق وعصیان'' ہے۔ قرآن کریم نے مختلف آیتوں میں ان لوگوں کو جو قانون الٰہی کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا ہے۔

قانون الٰہی نافذ نہ کرنے والے کون ہیں:

چنانچہ سورہ مائدہ کی تین مختلف آیتوں میں ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ۔ (آیات 44،45،47)

سو جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے۔

فرما کر ہر آیت میں علیحدہ علیحدہ ارشاد فرمایا:

1 ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ۔ (آیت:44)

سو ایسے لوگ کافر ہیں۔

2 ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۔ (آیت:45)

سو ایسے لوگ بالکل ظالم ہیں۔

3 ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ۔ (آیت:47)

سو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے (گنہگار) ہیں۔

ان گذارشات سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اسلام کا خدا اگر ایک طرف ایسا قانون دیتا ہے جو ہر خلا وسقم سے پاک اور ہر طبقہ کے لئے عدل وانصاف کا کفیل ہے، وہاں وہ پوری الٰہی قوت سے اس کے نفاذ کا بھی طالب ہے اور جو اسے نافذ نہیں کرتے وہ قرآنی لغت کے انتہائی سخت الفاظ سے تہدید کرتے ہوئے کافر وظالم وفاسق قرار دیتا ہے کہ جو عادلانہ قانون کا انتہائی اعلیٰ دستور ہونے کے باوجود اسے نافذ نہیں کرتا اسے بڑھ کر کون ظالم ہوگا۔

قانون کا معیاری نفاذ:

میں عرض کر چکا ہوں کہ قانون جتنا بھی عادلانہ ہو، اگر اس کا ''نفاذ'' انصاف کے ساتھ نہ کیا جائے تو قانون کا منشا فوت ہوجاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے کار پردزان عدل کو عدل کی انتہائی حدود کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ قاضی (جج) تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ان میں سے جنت میں ہوگا اور دو دوزخ میں، جنت میں وہ ہے جو حق کو پہچانے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے اور ایک وہ ہے جو حق کو جاننے کے باوجود فیصلہ میں ظلم (وزیادتی) کرے وہ دوزخ میں ہے۔ اسی طرح جو ''جہل'' (یعنی قانون الٰہی کے بغیر جانے) فیصلہ کردے وہ بھی دوزخ میں ہے۔

(ابوداؤد، بحوالہ جمع الفوائد، ص:682، ج:1)

اسی طرح فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے، جب تک وہ ظلم نہ کرلے اور وہ جب ظلم کرتا ہے، اللہ (کی مدد) اُسے چھوڑ دیتی ہے اور شیطان اس کے ساتھ ہوجاتا ہے۔ (ترمذی، جمع الفوائد، ص:683، ج:1)

قانون کے اجرا میں رودار ی کی اجازت نہیں:

حدود کے اجرا میں پیغمبر اسلام ﷺ نے جو نمونہ پیش کیا وہ قانون کی بالادستی کا شاہکار اور اسلامی عدل وانصاف کا روشن مینار ہے۔ حضرت محمد ﷺ رحمۃ اللعالمین اور فطرتاً اور طبعاً انتہائی شفیق وکریم اور رؤف ورحیم تھے۔ آپ امت کے گنہگاروں اور چوروں تک کے لئے روئے ہیں، لیکن حدود کے اجرا کے بارے میں آپ کسی کوتاہی کے روادار نہ تھے۔ قانون کی یہ پاسداری اور شفقت ورأفت کا یہ اجتماع حقیقت میں آپ کی اس دوگونہ شان جلال وجمال کا ظہور تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کا پرتو ہے اور جس پر قانون اسلامی کی بنیاد ہے۔ اسلام کا خدا عین رحمت ہے، لیکن مصالحِ عامہ کے لئے اس کی حکمت مقتضی ہے کہ قانون کو ایسا بنایا جائے جس سے فاسد طبائع سرکشی نہ کرسکیں اور قوم افراد کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ کے کاٹنے کا حکم دیا۔ (چور کا ہاتھ کٹتے دیکھ کر) آپ کا چہرہ (رنج وغم) سے متغیر ہوگیا۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کو ناپسند کیا۔ آپ نے فرمایا: کون سی چیز مجھے اس سے مانع ہے (کہ میں مجرم کے ہاتھ کٹنے پر رنجیدہ نہ ہوں) دیکھو! اپنے بھائی کے مقابلہ میں شیطان کے مددگار نہ بنو۔ (کہ امام کے پاس معاملہ پہنچنے سے پہلے اسے معاف نہ کروا اور اسے توبہ کا موقع نہ دو) کہ جب امام (یعنی حاکم) تک معاملہ پہنچ جائے تو حاکم کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ حد (اللہ کی مقرر کی ہوئی سزا) کو قائم نہ کرے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور عفو ودرگزر کو پسند کرتا ہے تو تم بھی (حاکم کے پاس معاملہ پہنچانے سے پہلے) معاف اور درگزر کردیا کرو۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی معاف کرے اور وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(متدرک حاکم،ص:382،ج:4 قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ وقال الذھبی ایضا صحیح)

دوسری روایت ہے:

تعافوا الحدود بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب۔

(مستدرك حاكم، ص:383، ج:4، قال الحاكم صحيح الاسناد ولم يخرجاه وقال الذهبی صحيح)

(آپ ﷺ نے فرمایا کہ) آپس میں (جرموں کو) معاف کر دیا کرو۔ پس جو (قابلِ سزا) معاملہ مجھ تک (یعنی حاکم تک) پہنچا تو اس کی حد (سزا) واجب ہوگئی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مخزومی قبیلہ کے ایک اونچے گھرانے کی عورت نے چوری کی۔ قریش نے اس کے خاندانی شرافت ومقام کی وجہ سے یہ سمجھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اس کی شان کے مناسب نہیں ہوگا اور اثرات بھی اچھے نہیں ہوں گے۔ معاملہ عدالتِ نبوت میں پہنچ چکا تھا۔ قریش نے یہ تدبیر کی کہ حضور انور ﷺ کے پاس آپ کے چہیتے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لئے بھیجا۔ جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بات کی، آپ ﷺ کا رنگ غصہ سے متغیر ہوگیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

اتشفع فی حد من حدود اللہ۔

کیا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود (احکام) کے بارے میں تم سفارش کرتے ہو۔

پھر آپ ﷺ لوگوں کو خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے اور ارشاد فرمایا:

کہ تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان میں سے کوئی شریف چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیا جاتا تھا اور جب کوئی ضعیف چوری کرتا تھا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔

پھر فرمایا:

وایم اللہ ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا۔

اور پھر اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

(بخاری ومسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی جمع الفوائد،ص:759، ج:2)

ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا: جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کے حدود میں کسی حد کے اجرا میں حائل ہوگئی تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ یا مخالفت کی۔

باہمی معافی عدالت میں معاملہ پہنچنے سے پہلے پسندیدہ ہے:

عام اعلان نبوت تھا کہ تعافوا الحدود بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب۔

اپنے درمیان ایسے جرموں کو معاف کر دیا کرو جن پر حدود قائم ہوتی ہیں۔ مجھ تک جو بھی معاملہ پہنچا جس میں حد (سزائے الٰہی) مقرر ہے تو وہ حد واجب ہوگی (یقیناً ولازماً جاری کر دی جائے گی)۔

حاکم عدالت کے پاس پہنچنے سے پہلے عفو ودرگزر کی حوصلہ مندی وترغیب دی گئی، لیکن عدالت کے کٹہرے میں پہنچنے کے بعد کوئی سفارش ورعایت قبول نہیں کی گئی۔ آپ نے فرمایا:

وہ برا حاکم ہے، جو خدا کی حدود کو جاری نہ کرے۔

شفقت سے ''قطع ید'' پر روتے ہوئے ہچکی بندھ جاتی ہے، لیکن حدود کے نفاذ میں ذرا برابر کوتاہی برداشت نہیں کی جاتی اور عدل وانصاف کے ترازو کو ہر حال میں سیدھا وقائم رکھا جاتا ہے اور عدل کرنے والوں کو محبوبیت رب کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾. (المائدہ،5:42)

اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

گناہ وجرم ایک ہیں:

ایک نکتہ اور بھی سمجھ لیا جائے تو بہتر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یورپ والوں کے نزدیک جرم Crime اور ہے اور گناہ (Sin) اور ہے۔ ہمارے ہاں بیک وقت جرم وگناہ ایک ہے، ہمارے ہاں دین ودنیا کی دوئی نہیں۔ ہم نے عیسائیوں کی طرح ''اللہ تعالیٰ'' کی بادشاہی کو قیصر وخدا میں تقسیم نہیں کر دیا کہ دین کا قانون اور ہو اور دنیا کا قانون اور ہو۔ ایک کی سزا دنیا میں دی جائے۔ ایک کی آخرت میں دی جائے۔ ہمارے ہاں قانون کل کی حیثیت سے عمل کرتا ہے۔ وہ دین ودنیا کا جامع ہے۔ ہمارا نظریہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے کہ اگر دنیا میں کوئی شخص کسی طرح خدا کے قانون کی گرفت میں نہ آ سکا یا اس نے چرب زبانی یا کسی حیلے بہانے سے اپنے حق میں فیصلہ کروالیا تو آخرت میں اسے اس کی پوری پاداش ملے گی۔

جرم کی پاداش سے بچا نہیں جا سکتا:

صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں انسان (بشر) ہوں، میرے پاس مقدمہ میں مقابل فریق (دشمن) آتے ہیں۔ ممکن ہے تم میں سے ایک شخص دوسرے سے زیادہ (چرب زبان) بلیغ ہو اور اس کی (چرب زبانی وظاہری دلائل کی وجہ سے) میں یوں سمجھوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کروں۔ پس اگر اس (اجتہادی غلطی کی بنا) پر اسے کسی دوسرے مسلمان کا حق فیصلہ میں دلا دوں۔ تو وہ سمجھ لے کہ یہ دوسرے کا حق آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس چاہے تو اسے لے جائے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

(جمع الفوائد، ص:685، ج:1۔ بحوالہ صحاح ستہ)

آخرت کی سزا:

گویا ناجائز کسی کا حق لینا آگ کو قبول کرنا ہے جس کی سزا آخرت میں ملے گی۔ اسی طرح جسے اس دنیا میں اپنے کیے کی سزا مل گئی آخرت کی سزا سے وہ بچ جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کا ایسا یقین تھا کہ وہ اپنے پر سنگساری جیسی سزاؤں کا اجرا اس لیے کروا لیتے تھے کہ دوزخ اور آخرت کی سزا سے بچ جائیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

جس شخص سے ایسا فعل سرزد ہوا جس پر حد لازم ہوتی ہے اور اس کی سزا دنیا میں مل گئی تو اللہ تعالیٰ اتنا عادل ہے کہ اپنے بندہ کو (اسی گناہ یا جرم) پر آخرت میں دوبارہ سزا نہیں دے گا اور جس سے ایسا قابل حد (سزا فعل) سرزد ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی اور اسے (اپنی رحمت یا اس کی توبہ کی وجہ سے) بخش دیا تو اس کی کریمی شان اسے اس جرم میں پھر نہیں پکڑے گی، جسے اس نے معاف کر دیا ہے۔ (ترمذی۔ جمع الفوائد، ص:721، ج:1)

تصورِ آخرت وعدل پروری:

مسلمانوں کے معاشرے میں اسلامی عدل کا اجرا اس ذہنی پس منظر میں زیادہ آسان ہو جاتا ہے

اور آخرت کی جزا و سزا کا تصور حاکم و محکوم، مدعی، مدعا علیہ دونوں کو حق کوش و عدل پرور بنا دیتا ہے۔

بات کے ختم کرنے سے پیشتر قانون پر ایک اور رخ سے بھی غور فرمائیے۔ انسان فطرتاً اجتماعی زندگی گزارتا ہے۔ معاشرہ کے بغیر انسانی زندگی کی جملہ ضروریات پوری نہیں ہوتیں، لیکن چاہتوں سے بھرا انسان جو خواہشات کی ایک لامحدود دنیا اپنے اندر سموئے ہے اور جس کی ہر چاہت بقول غالبؔ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

کی مصداق ہے۔ انسان جب ان چاہتوں، ضرورتوں اور حاجتوں کے اس شہرِ آرزو کو لے کر اجتماعی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو محدود وسائل میں اس کی چاہتیں دوسروں کی چاہتوں سے ٹکراتی ہیں۔ اس کی ضرورتیں دوسروں کی ضرورتوں پر چھا جانا چاہتی ہیں۔ اس تصادم کے عالم میں جب تک انسان کو حدود و قیود کا پابند نہ بنایا جائے۔ انسانیت اس تصادم میں دم توڑ دے۔ انہیں حدود و قیود کا نام قانون ہے۔ جو معاشرے کی ایک فطرتی ضرورت ہے، یا یوں کہیے کہ انسان معاشرہ میں رہتا ہے۔ سوسائٹی میں افراد کے روابط لازماً ایک دوسرے سے قائم ہوتے ہیں۔ اگر ان روابط کو ضوابط کا پابند نہ کیا جائے تو انسانی زندگی اور جنگل کی زندگی میں فرق نہ رہے۔ اس لئے اسلام نے ہر ایک انسان کے لئے قانونی دوائر مقرر فرما دیئے جن سے تجاوز ناجائز، گناہ، فسق و ظلم اور انسانیت کی حدود سے نکل جانا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کا دوسرا نام ہی حدود رکھا ہے اور اپنے احکام کے بیان کے بعد انہیں حدود اللہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں تیرہ مقامات پر حدود اللہ کا لفظ اور ایک جگہ حدودہ کا لفظ اس معنی میں آیا ہے۔ مثلاً دو آیتیں پیش کرتا ہوں:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ (البقرۃ 2:187)

یہ اللہ کی بتائی ہوئی حدیں ہیں، پس مت جاؤ نزدیک ان کے۔

﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾۔

(طلاق 65:1)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور یہ اللہ کی بتائی ہوئی حدیں ہیں جو ان حدوں سے آگے بڑھے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

سورہ ''نساء'' میں ان حدود کی پابندی کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرمایا، جس کی جزا جنت ہے اور ان سے انحراف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور نتیجہ جہنم بتایا ہے۔

بات یہ ہے کہ باہمی میل ملاپ حقوق وفرائض کو پیدا کرتا ہے۔ باہمی مفادات جب ٹکراتے ہیں تو حقوق کی نشاندہی کرنی پڑتی ہے۔ جب حقوق آتے ہیں تو فرائض آتے ہیں۔ حقوق وفرائض ''عادلانہ قوانین'' کی تشریح وتنفیذ چاہتے ہیں۔ پس قوانین فرد وجماعت کی نگہداشت، سوسائٹی کے حقوق کی حفاظت اور نظم وضبط، امن وامان کی بقا اور جان ومال وآبرو کے بچاؤ کے لئے بنائے جاتے ہیں۔

کیا اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں:

آپ کے سوال کے دوسرے جز ''اسلام میں وحشیانہ اور بہیمانہ اور ظالمانہ سزائیں کیوں ہیں'' کا اجمالی جواب تو میری گذارشات پر غور کرنے سے آپ کو خود بخود مل جائے گا۔ کہ ایسے عادلانہ اور خدائی قانون کے متعلق ایسا گمان کرنا ہی غلط ہے۔ اور ایسی بات کہنا انتہائی دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سوال اٹھایا جارہا ہے اور ناواقفوں کو بہکایا جارہا ہے اس لیے کچھ باتیں اس ضمن میں بھی عرض کردیتا ہوں۔

وحشت وبہیمیت کیا ہے:

اولاً تو ظالمانہ، وحشیانہ اور بہیمانہ کے الفاظ سب ہماری خود ساختہ اضافی اصطلاحیں (relativ terms) ہیں۔ پہلے یہ طے کیجئے کہ وحشت وبہیمیت اور ظلم کا ٹھیک ٹھیک مفہوم کیا ہے۔ اس کی حدود کہاں سے شروع ہوتی ہیں اور اس کا اطلاق کن پر ہوتا ہے۔ اپنے ذہن کو صاف کیجئے اور غیر جانبدار شخص کی حیثیت سے فیصلہ کیجئے کہ اسلام پر یہ الزام دہرانے والے خود کس شیشے کے مکان میں کھڑے ہیں۔ کیا یہ وحشت نہیں کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ تلذذ بالمثل (homo sexuality) کے تحفظ کے لیے قانون بنادیتی ہے۔ وہ فعل جس سے فطرت سلیمہ خود بخود اِباء (انکار) کرتی ہے اور عقل ودانش ان کے

کرنے پر لعنت بھیجتے اور ماتم کرتے ہیں، اسے دنیا کی ''مہذب ترین'' قوم اور ''قدیم ترین'' پارلیمنٹ جواز وتحسین کا پروانہ دے دیتی ہے۔ عورت ومرد کے لیے میلان جنسی کی بنا پر تو شاید کوئی گنجائش بے دین دانشمندوں کے ہاں تو نکل آتی۔ لیکن تلذذ بالمثل (لذت ہم جنسی) کے لیے برباد شدہ سدوم والوں نے بھی جواز کا ایسا جدید (modren) طریقہ وطرز اختیار نہیں کیا ہوگا۔ سچ ہے وحشت وبربریت اور تہذیب وترقی کے ڈانڈے مل جاتے ہیں۔ انسانی قانونی ادارے جب چاہیں اور جس بہیمیت ووحشت کو چاہیں تہذیب وترقی کی قانونی سند دے دیں۔ کہیں نسل کشی، کہیں اسقاط حمل اور کہیں نلکی زادگی (test tube baby) کو نہ صرف قانونی جواز دیدیں بلکہ حسن وکمال قرار دے دیں۔ شہوات میں ڈوبی ہوئی نسل انسانی کی مجالس قانون ساز سے اور توقع کیا رکھی جاسکتی ہے۔

جو گناہ کیجئے ثواب ہے آج کی رات

''بزدل انسان'' اور دل کا آپریشن:

پرسوں ہی کے ایک اخبار (جنگ) میں ایک سرخی پڑھی۔ ''دنیا کا پہلا بزدل انسان''۔ حیرت ہوئی کہ ''شیر دلوں'' کی دنیا میں یہ پہلا بزدل کہاں سے آگیا؟ دیکھا تو تفصیل سمجھ میں آئی کہ ایک دل کے مریض کا دل کاٹ کر مہربان اور شفیق ڈاکٹر نے وہاں بھیڑ کا دل لگا دیا اور اس طرح حقیقتاً پہلا بزدل (بھیڑ کے دل والا) انسان وجود میں آیا ہے۔ ابھی تو ایک بزدل کا ظہور ہوا ہے۔ دیکھتے جایئے کب ''سور دلوں'' اور ''بندر دلوں'' کی فوج ظفر موج انسانی دل والوں کو حیوانیت کے میدان میں ہمیشہ کے لیے ختم کر کے انسانیت کا کامل جنازہ نکال دیتی ہے۔ ابھی تو صرف قلوب خنازیر اور قلوب قردہ (بندر) کے بینک قائم کیے جارہے ہین۔ آہ! رومی کس عالم میں کہہ گئے۔

دل فراز عرش باشد نے زپست

ترجمہ: دل (کا تعلق) عرش کی بلندی سے ہے نہ کہ (زمین کی) پستی سے۔

دل کا کاٹنا قانوناً درست نہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بات دوسری طرف نکل گئی۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ کیا زندہ شخص کا دل کاٹ لینا، اس گمان پر کہ وہ مر جائے گا ظلم، وحشت، بربریت اور بہیمیت نہیں؟ ڈاکٹر کا گمان غالب ہے کہ فلاں شخص کا دل اسے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھ سکتا، اس لیے اس کا دل کاٹ دیا جائے۔ اور اس کی جگہ دوسرا دل پیوست کر دیا جائے تا کہ وہ کچھ دن اور جی سکے۔ خواہ یہ نیا دل کچھ ہی دن بعد کام کرنا چھوڑ دے۔ لیکن آپ قانون دان ہیں۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ قانونی نکتہ نظر سے کیا جہاں یقین نہ ہو، گمان غالب پر کسی کو قتل کی یعنی قطع قلب کی سزا بطور آزمائش ہی دی جا سکتی ہے۔ یہاں تو قانون کا فتویٰ یہ ہے کہ قانون میں سو وجوہ سے اگر ایک وجہ بھی مجرم کے حق میں جاتی ہے تو اس کا فائدہ مجرم کو پہنچے گا۔ مغرب میں کوئی ڈاکٹر لوگوں کے دلوں کو اپنے ظن غالب کی بنا پر ان کی جان بچانے کے لیے کاٹ دے تو نہ یہ جرم ہے، نہ وحشت ہے، نہ بربریت، نہ بہیمیت، نہ ظلم، نہ عدوان۔ لیکن اسلام اگر پورے معاشرہ کی زندگی کے لیے فرد واحد کا ہاتھ کاٹ دے تو یہ بربریت وظلم ہے۔ سچ ہے ؎

جو تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں ہے

قانون کا منشا:

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ اور الزامی جواب تھا۔ اس مسئلہ کی طرف آیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں جو قانون بنائے جاتے ہیں ان کا منشاء سوسائٹی کی اعلیٰ اقدار کا تحفظ، مفادات عامہ کی حفاظت، امن وامان کی بقاء اور ایک دوسرے کے جان و مال و آبرو کا بچانا ہوتا ہے۔ مغرب نے انسان کو ایک ''بڑھیا حیوان'' قرار دیا ہے۔ انگریزی کا ایک مشہور قول ہے (man is a social animal) ''انسان ایک معاشرہ پسند حیوان ہے''۔ سوسائٹی کے اس بڑھیا حیوان کو tame (سدھانے) کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس طرح قوانین وجود میں آئے۔ یا یوں کہیے کہ انسان معاشرے میں رہتا ہے، سوسائٹی میں افراد کے روابط ایک دوسرے سے قائم ہوتے ہیں اگر ان روابط کو ضوابط کا پابند نہ کیا جائے تو انسانی زندگی اور جنگل کی زندگی میں فرق نہ رہے۔

قانون کب وجود میں آتا ہے:

باہمی ملاپ حقوق وفرائض کو پیدا کرتا ہے۔ کہ باہمی مفادات جب ٹکراتے ہیں تو حقوق کی نشاندہی کرنا پڑتی ہے۔ جب حقوق آتے ہیں تو فرائض آتے ہیں۔ ''حقوق وفرائض'' عادلانہ قوانین کی تشریح و تنفیذ چاہتے ہیں۔ پس فرد و جماعت کے مفادات کی نگہداشت، سوسائٹی کے اعلیٰ حقوق کی حفاظت اور نظم و ضبط کی بقاء کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ سولن (solon) سے لیکر موجودہ دور کے سب مقنّن اس پر متفق ہیں کہ اگر انسانی معاشرہ کو نزاع (anarchy) اور وحشت و بہیمیت سے بچانا ہے تو مجموعہ کے مفاد پر فرد کا مفاد قربان کیا جائے گا، جو مفاد عامہ سے ٹکراتا ہے اور اسے نقصان پہنچاتا ہے اور ضائع کرتا ہے۔

قانون سوسائٹی کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے:

Solan (سولن) سے لے کر موجودہ دور تک کے سب مقننین اس پر متفق ہیں کہ اگر انسانی معاشرہ کو نزاج (Anorony) اور وحشت اور بہیمیت سے بچانا ہے تو مجموعہ کے مفاد پر فرد کا مفاد قربان کیا جائے گا۔ جو ''مفاد عامہ'' سے ٹکراتا ہے اور اسے نقصان پہنچاتا ہے اور ضائع کرتا ہے۔ خصوصاً وہ فرد و گروہ جو اپنے مفادات و مقاصد خاصہ کے لئے سوسائٹی کے حقوق کو ضائع و پامال کرتا ہے اور جماعت کے امن وامان کو برباد کرتا، ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کے درپے ہوتا ہے۔ وہ سوسائٹی کا من حیث المجموع مجرم ہے۔ معاشرہ کا فرض ہے کہ ایسے ''ظالم و وحشی'' کو اس کے اس برے کام سے روکے، ورنہ پوری سوسائٹی اس سے نقصان اٹھائے گی اور ممکن ہے کہ اس کا یہ فعل قبیح پوری سوسائٹی کو لے ڈوبے۔ انسانیت کو سب سے بڑا عادلانہ قانون پہنچانے والے اور نفسیات انسانی کے سب سے بڑے نباض حضرت محمد ﷺ نے اس حقیقت کو ایک تمثیل میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے:

''اس شخص کی مثال جو اللہ کے حدود (یعنی احکام) کا قائم کرنے والا اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے احکام توڑنے والا ہے۔ اس کی مثال ایسی قوم کی ہے جنہوں نے ایک (دومنزلہ) جہاز میں قرعہ اندازی سے اپنی جگہیں مقرر کر رکھی ہوں۔ بعض اوپر کی منزل میں اور بعض نچلی منزل میں ٹھہرے ہوں۔ وہ لوگ جو نچلی منزل میں ہیں۔ جب انہیں پانی کی ضرورت پڑتی ہے، پانی کے لئے اوپر کی منزل پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گزرتے ہیں۔ پس اگر وہ یوں کہیں کہ ہم اپنے حصہ جہاز میں سوراخ کر لیتے ہیں اور اوپر والوں کو اذیت نہیں دیتے ہیں پس اگر اوپر والے نچلے والوں کو اُن کے ارادے کے مطابق سوراخ کر لینے دیں تو سب کے سب ہی ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ نچلے والوں کا ہاتھ پکڑ کر روک دیں تو وہ بھی بچ جائیں گے اور باقی سب بھی بچ جائیں گے۔ (ورنہ سب ہلاک ہو جائیں گے)۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، ص:248، ج:4، بحوالہ بخاری وترمذی)

قانون کا اجرا وحشت کا انسداد ہے:

غرض ایسے مجرم فرد و گروہ سے نپٹنے کے لئے اور اس کے شر سے سوسائٹی کو بچانے کے لئے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کو ایسے افعالِ قبیحہ سے روکنے کے لئے ہر وہ قدم درست و مناسب ہوگا جو اس فعلِ قبیح کی شناعت کے بقدر اس سوسائٹی کے دشمن وحشی کو کیفرِ کردار تک پہنچا سکے اور آئندہ کے لئے اسے خود بھی اس عمل سے روک دیا در سوسائٹی کے دیگر افراد بھی اس سزا کو دیکھ کر ایسے اعمال سے بچ جائیں۔ گویا آج کے قانون کی اصطلاح میں سزا کا بڑا مقصد عبرت پذیر جرم سے روکنے والی سزا (Detterent Punishment) ہے، یعنی وہ سزا جس کا مدعا افعال قبیحہ سے مجرم اور دیگر افراد کو روکنا ہے۔ سزا کا دوسرا اصلاحی نظریہ (Reformative) ہے۔ جس میں روک سے بالکل اغماز برتا جائے اور جس کی تحت میں نرمی اور مجرم سے ہمدردی کارفرما ہو، وہ انسانی نفسیات کے مجرمانہ پہلوؤں پر نگاہ نہیں رکھتا۔ ایسے قوانین میں ہمیشہ ایسا رخنہ (Loophole) رہ جاتا ہے جو سزا کے مقصد ہی کو فوت کر دیتا ہے۔ مجرم کے ساتھ نرمی و ناجائز ہمدردی غیر مجرموں کے ساتھ ظلم و زیادتی کے مرادف ہے۔ اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انصر اخاك الظالم او المظلوم۔

اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم یا مظلوم ہو۔

اور لوگوں کے سوال پر ظالم کی مدد کا یہ مطلب بتایا کہ اسے ظلم سے روک دو کہ یہی اصل مدد ہے۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، ص:191، ج:3، بحوالہ بخاری ومسلم)

نرم قانون جرم کو نہیں روک سکتا:

آج یورپ و امریکہ میں جہاں قوانین کی تشکیل میں یہ ''ہمدردانہ نظریہ'' کارفرما ہے۔ عدل و انصاف کے اصل تقاضے پامال ہو رہے ہیں اور جرائم کی رفتار روز افزوں ہے۔ بلکہ جرم کا عمومی رجحان بڑوں کے علاوہ چھوٹوں میں بھی پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ قتل و ڈکیتی، چوری، زنا بالجبر اور طرح طرح کے ''جدید مہذب'' جرائم کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے۔ جس پر وہاں کی مستند جرائم کی تفتیش کی رپورٹیں شاہد ہیں۔ آج یورپ و امریکہ (جن پر ہم اپنی متاع دین و دانش قربان کر چکے) اپنے ہاں جرموں کو بند کرنے پر قادر نہ ہو سکے، تو ایک نئی فرنگیانہ ٹیکنیک استعمال کی جیسے ان سے پہلے ہمیشہ یہود کرتے آئے ہیں کہ ہر جرم کو ''جرائم'' کی فہرست سے نکالنا شروع کر دیا یا اس کی شناعت کو ہلکا بتانا شروع کر دیا یا گناہ کو ہی نیکی بنا دیا۔ امریکہ اور یورپ کے قوانین کی تاریخ پر نگاہ رکھنے والے ہمارے اس دعویٰ کی یقیناً تائید کریں گے کہ وہاں جب جرم پر قابو نہیں پایا جا سکتا تو اسے قانونی نرمی سے ہمکنار کیا جاتا ہے۔ بلکہ قانونی حفاظت میں دیا جاتا ہے۔ کلیسا پہلے چلا تا ہے، پھر وہ بھی اپنے کو بے بس پا کر ہمنوا ہو جاتا ہے، وہ قانون جس میں مجرم کے ساتھ دلی ہمدردی و قانونی رعایت ہوگی۔ وہاں نہ تو جرائم رک سکتے ہیں، نہ صحیح عدل قائم ہو سکتا ہے۔

اسلامی قانون میں معاشرہ کی حفاظت:

برعکس اس کے اسلام نے قانون کے اجرا میں مجرموں پر نرمی کو پسند نہیں فرمایا۔ اور کہا:

﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾. (النور، 24:2)

اور تم لوگوں کو ان دونوں (زنا کے مجرموں پر) اللہ تعالیٰ کے (احکام کے اجرا کے بارے میں) ذرا رحم نہ آنا چاہیئے۔

اسلام کا خدائی قانون، جو فرد و معاشرہ دونوں کے حقوق کا واحد عادل نگران ہے۔ گو فرد کی سود و بہبود اس کی نگاہ میں ہے۔ وہ معاشرہ کو فرد پر قربان نہیں کرتا۔ اس کا نظریہ ہے کہ اگر بیک وقت ایک بھی ڈوب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

95

رہا ہو اور سو بھی ڈوب رہے ہوں تو سو کو بچانے میں اگر ایک ڈوب جائے تو حرج نہیں۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ ''مجرم'' کو اپنے جرائم میں ایسے رعایت دے دو کہ وہ پورے معاشرے کو یہ کہتا ہوا لے ڈوبے:

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

قومیں وہی نجات و ترقی پاتی ہیں جو فرد کو ملت پر قربان کر دیتی ہیں۔ وہ قومیں کبھی پنپ نہیں سکتیں، جو افراد و مخصوص طبقات کے مفادات کو قوم و ملت، معاشرہ و سوسائٹی کے عمومی مفاد پر ترجیح دیتی ہوں۔ اس لئے اسلام نے اپنے نظریہ قانون میں اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ مجرم کو ایسی سزا دی جائے جس سے اس کا مادہ جرم کا استیصال ہو جائے۔

عبرت پذیر سزائیں:

اور یہ سزا ایسی عبرت پذیر ہو کہ دوسرے اسے دیکھ کر ہمیشہ کے لئے اس عمل سے رک جائیں اور سوسائٹی ہمیشہ کے لئے اس روگ و ناسور سے پاک ہو جائے۔ چنانچہ اسلام نے جرائم کی سزا کے قوانین میں مجرم کے ساتھ دوسروں کی عبرت پذیری کا نظریہ پیش کیا۔ قرآن کریم چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾.

(المائدۃ،5:38)

پس کاٹو ان دونوں کے ہاتھ، سزا بدلے اس کے جو کمایا ان نے عبرت خدا کی طرف سے۔

اصحاب سبت کی سزا کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہے:

﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾.

(البقرۃ،2:66)

پس کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت انگیز، ان لوگوں کے لیے، جو ان کے معاصر تھے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے اور موجب نصیحت بنایا واسطے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے۔

اسلام کا نظریہ سزا:

قرآن کریم کے ان الفاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے نظریہ سزا میں مکافاتِ عمل (بدکرداری کا بدلہ) اور عبرت پذیری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس سزا میں چونکہ مجرم اور معاشرہ دونوں کی بہبود پیش نظر ہے۔ اس لئے اگر مجرم کا جرم آشکارا ہو گیا اور جماعت و معاشرہ نے فرد کے برے افعال کو جان لیا ہے تو سزا بھی ایسی ہونی چاہیے جو بیک وقت مجرم کو آئندہ کے لئے اس سے روک دے اور معاشرہ کے لئے ایسی عبرت کا سامان مہیا کر دے کہ اس معاشرے کا کوئی بدفطرت فرد بھی ایسے فعلِ قبیح کے اقدامات کی جرأت نہ کر سکے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے اور مجمع کے لیے اس کو درس عبرت بنایا جائے کہ وہ بزبان حال پکارتا پھرے:

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

عبرت پذیری کے لئے ضروری ہے کہ سزا چوری چھپے نہ ہو بلکہ سب کے سامنے ہو، پوشیدہ سزا میں عبرت پذیری کے مواقع ختم ہو جاتے ہیں اور اصلاح معاشرہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قرآن کریم نے زنا کی سزا کے متعلق صاف الفاظ میں حکم دیا:

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾. (النور،24:2)

اور دونوں کو سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔

اسلامی نظریہ سزا کی ان چند بنیادوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسلام کی سزاؤں پر نظر کیجئے۔ اس نشست میں تمام سزاؤں پر گفتگو کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے صرف دو سزاؤں چوری اور زنا کی سزا کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

چوری وحشت ہے، انسداد چوری کے لیے ہاتھ کاٹنا وحشت نہیں:

اسلام نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وحشیانہ سزا ہے، چور پر ظلم ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ کیا چوری خود وحشیانہ عمل نہیں اور کیا وحشی کا ہاتھ کاٹنا وحشت ہے؟ معاشرہ کے لیے اگر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ایک کا ہاتھ کٹتا ہے، صدہا کے ہاتھ کی کمائی محفوظ ہو جاتی ہے۔ ہزاروں کی تجوریاں بچتی ہیں۔

قطع ید کے فوائد:

سعودی عرب میں جہاں آج سے پچاس سال پہلے لوٹ مار کے قصے مشہور تھے۔ آج ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لاکھوں اور ہزاروں روپے کا مال دکان میں پڑا ہے۔ دکاندار نماز کے لیے کعبۃ اللہ جاتا ہے، آدھا گھنٹہ وہاں گذار کر آتا ہے، دریں اثناء دکان کھلی ہے لیکن کوئی آنکھ اٹھا کر بھی اس کے مال کی طرف نہیں دیکھتا، نہ ایک تنکا چوری ہوتا ہے۔ یہ سب اس سزا کی برکت ہے کہ چند لوگوں کے شروع میں ہاتھ کٹ گئے، آج کوئی ہاتھ چوری کرنے کے لیے نہیں بڑھتا۔ اگر ایک ہاتھ کٹ جائے، ہزاروں کو عبرت ہوگی۔ یہ مستقل سزا اور سامان عبرت ہے کہ ایک شخص کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ پھر رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ مدعا نہیں کہ جہاں یہ عبرتناک عادلانہ سزائیں نافذ ہوتی ہیں وہاں سب طرف ہاتھ کٹے ہوئے پھر رہے ہوتے ہیں۔ چند کا ہاتھ کٹا اور ہمیشہ کے لیے اس فتنہ کا سد باب ہو گیا۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ساڑھے تین مہینے کے حجاز کے قیام میں ایک ہاتھ کٹے شخص کو نہیں دیکھا۔ نہ کسی کا ہاتھ کٹتے دیکھا۔ سزا کا تصور ہی اتنا ہیبت ناک ہے کہ کسی کو جرم کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔ بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ اگر ایک جگہ سے پانی پھوٹتا ہے تو اس کو سرمہ کی سلائی سے بند کر دو، ورنہ بعد میں ہاتھی بھی اسے بند نہیں کر سکے گا۔

آج اسلامی معاشرہ ہماری نگاہ سے اوجھل ہے۔ ورنہ جیسا کہ ڈاکٹر کے مشورہ پر ایک زہر رسیدہ ہاتھ (septic hand) کو جسم کے بچانے کے لیے کاٹ دیتے ہیں، اور اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے، اسی طرح سوسائٹی کو بچانے کے لیے چور کے ہاتھ کاٹنے پر ہم اعتراض نہ کرتے۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ وہ شفیق ترین ماں جو بچے کے ہاتھ میں کانٹا تک چبھنا گوارا نہیں کرتی، اگر اس کے بیٹے کے ہاتھ میں پیپ پڑ جائے اور اسے ڈاکٹر کہے کہ بیٹے کا ہاتھ کٹوا دے ورنہ پورا جسم یا تمام باز و خراب ہو جائے گا۔ تو ماں اپنے تمام پیار و محبت کے باوجود ڈاکٹر کی نصیحت کو مانے گی اور بیٹے سے کہے گی کہ بیٹا! ہاتھ کٹوا لے کہ تیرا باقی جسم بچ جائے۔ اسی طرح رحیم و شفیق اللہ تعالیٰ کاٹنا نہیں چاہتے لیکن معاشرہ کی

جان، یعنی اس کے اخلاق اور اعلیٰ قدروں کو بچانے کے لیے اور اس کے حقوق اور مال و متاع کی حفاظت کے لیے فرد کا ہاتھ کٹا دیتے ہیں کہ بسا اوقات چوری جان لیوا تک ثابت ہو جاتی ہے۔ ہم سادہ دل روتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں، لیکن حکمت ربانی مسکراتی ہے اور کہتی ہے، ذرا سوچو تو سہی، یہ سختی کتنوں پر نرمی کا سبب اور یہ ہاتھ کاٹنا کتنوں کی گردنوں کے بچاؤ کا ذریعہ بن گیا۔ یہ ''قہر خاص'' برائے ''لطف عام'' ہے۔ اور یہ قطع ید برائے حفاظت جسم و جان ہے۔ رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قہر خاصے از برائے لطف عام
شرع می دارد روا بگذار کام
گر نہ دیدے سود او در قہر او
کے شدے آن لطف مطلق قہر جو
طفل می لرزونیش احتجام
مادر مشفق در آں غم شاد کام
تو قیاس از ضویش میگیولیک
دور دور افتادہ بنگر تو نیک

ترجمہ: وہ خاص قہر جو عمومی فائدہ دے شریعت نے اس کو جائز رکھا ہے۔ اگر اپنے قہر میں فائدہ نہ دیکھتا تو وہ جو سراپا لطف ہے قہر کو کیوں اختیار کرتا۔ بچہ تو علاج کے لیے چبھوئی جانے والی سوئی سے کانپتا ہے، لیکن اس کی مہربان ماں اس تکلیف سے خوش ہے۔ تو اپنے سے قیاس کرتا ہے، لیکن تو بہت دور جا پڑا ہے، ذرا صحیح دیکھ تو سہی۔

قطع ید کی سزا ظالمانہ نہیں حکیمانہ ہے:

غالباً ان معروضات سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہوگی کہ قطع ید کی سزا وحشیانہ نہیں بلکہ عین حکیمانہ ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

زنا کی سزا:

زنا کی سزا کے متعلق کچھ کہنے سے بیشتر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔مغرب،جس کی تقلید میں آج ہمیں اپنے قوانین کی قدر نہیں رہی اور ان کی سنی سنا رہے ہیں۔اپنا ذہن مفلوج ہو گیا ہے،اپنی رائے باقی نہیں رہی۔جسے یورپ اچھا کہتا ہے اسے ہم اچھا سمجھتے ہیں،جسے وہ بُرا قرار دیتا ہے اسے ہم برا تسلیم کر لیتے ہیں۔ہم جیسوں کے لیے اقبال نے کیا خوب فرمایا تھا۔

ایں غلام ابن غلام ابن غلام
حریت اندیشہ او را حرام
بر زبانت گفتگو ہا مستعار
در دلت اند آرزو ہا مستعار
قمریانت را نواہا خواستہ
سود ہانت را قباہا خواستہ
ارجمندی از شعارش می بری
من نہ دانم تو توئی یا دیگری

ترجمہ:۱۔اس غلام قوم کے افراد پشت در پشت غلامی کا شکار رہے ہیں،ان کی فکر کے لیے آزادانہ سوچ حرام سمجھا گیا ہے۔
۲۔اے غلام(قوم کے فرزند)!تیری زبان پر ہونے والی گفتگو بھی دوسروں کی ہے(تیری اپنی آزادانہ سوچ پر مبنی گفتگو نہیں)۔تیرے دل کے اندر اٹھنے والی آرزو بھی(اپنی نہیں)بلکہ غیروں سے مستعار لی ہوئی ہے۔
۳۔تیری قمریوں یعنی خوش آواز گلوکاروں کی لے(اپنی نہیں بلکہ غیروں سے)بھیک مانگ کر حاصل کردہ ہے،اور تیرے سروقد نوجوانوں کی قبائیں بھی غیروں کی تقلید میں بنائی گئی ہیں۔(یعنی لباس کی ساخت میں بھی قومی اور ملی ثقافت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔)

۴۔تو غیروں کے شعائر(یعنی ان کی تہذیب وثقافت)میں حسن،پاکیزگی اور تقدس سمجھتا ہے۔میں نہیں جانتا کہ تو"تو"ہے یا"غیر"ہے۔یعنی اپنی مرضی کا خود مالک ہے یا دوسروں کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔

آج کسی مسئلہ پر بات کرنے سے بیشتر ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ مغرب کا اس بارے میں کیا رویہ ہے۔اگر وہاں سے سند جواز مل گئی تو پھر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں۔اور اگر وہاں سے کسی بات کے غلط و ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر ہو گیا تو ہماری زبانیں گنگ ہو گئیں،ہمارے دلوں پر تالے پڑ گئے اور ہمارے دماغوں کے سوتے خشک ہو گئے۔"مرعوبیت" کی اس دنیا میں قلندرانہ جرأت،مؤمنانہ فراست،فقیہانہ دانش وحکمت،داعیانہ بیباکی وہمت کے بغیر ایک قدم بھی آگے بڑھنا مشکل ہے۔

چیتے کا جگر چاہیئے، شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ

جس شخص یا قوم کے پاس قرآن جیسی کتاب اور سید الانبیاء فخر رسل حضرت محمد ﷺ جیسی ذات عالی موجود ہو،اسے یورپ کا"سحر سامری"پھسلا نہیں سکتا۔اور وہ اپنے مسائل کے لیے عدل وحکمت سے تہی دامن غریب یورپ کی دریوزہ گری(بھیک مانگنا)نہیں کر سکتا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

بہر حال میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یورپ کے عیّارانہ استدلال اور ساحرانہ علم وفن سے یکسو ہو کر اگر کسی مسئلہ پر سوچیں گے،تب اس کا اسلامی حل سمجھ میں آئے گا۔

عائلی احکام پر اعتراضات کے وجوہ:

اسلامی عائلی احکام پر اعتراضات مغرب اپنے خاص ذہن کی اور اپنی خاص تہذیب وتمدن وفضاء پروردہ عقل کی بناء پر کرتا ہے۔آپ یہ جانتے ہیں کہ یورپ کا اپنا ایک خاص مزاج وکلچر،تمدن وتہذیب ہے۔جس کا قوام یونانی ورومن ثقافتی ورثہ اور علم لاصنام اور باربیرین اور قرون مظلمہ کی تہذیبوں اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بگڑی ہوئی عیسائیت سے بنا ہے۔عیسائیت کو بندہ ''سالوسیت'' کہا کرتا ہے، کہ حقیقتاً بیچارہ یورپ خدائی دین عیسائیت سے کبھی بہرہ مند ہوا ہی نہیں۔

یورپ کو نام نہاد عیسائیت سینٹ پال کے ذریعے پہنچی، جو اصلاً ''سال'' یا سالوس نامی یہودی تھا۔ جس نے عیسائیت کو بگاڑنے کے لیے عیسائیت کا جامہ اوڑھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ یورپ کا تمدن اپنے اندر یونانی، رومن، باربیرین اور مسخ شدہ عیسائیت کے اجزاء کو لیے ہوئے ہے۔ بے حیائی اور عریانی یونان و روما کی میراث ہے اور وحشت وظلم باربیرین اور ازمنہ وسطیٰ کا نتیجہ ہے۔

عمومی تجرد ناممکن العمل ہے:

موجودہ عیسائیت میں تجرد کمال کی بات ہے۔ جرمنی میں مجھ سے کسی شخص نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے متعلق سوال کیا اور ضمناً تجرّد کے عیسائی نظریہ کی فوقیت کو ثابت کرنا چاہا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اگر تمام دنیا عیسائی ہو جائے اور ساٹھ ستر سال تک مجرد رہے اور تجرد کے تمام قوانین کی مکمل پابندی کرے، اور ''گرجوں کے تہہ خانوں'' اور کلبوں کی زندگی کے پاس نہ پھٹکے تو یقیناً ستر سال کے بعد نسل انسانی عیسائیت کے اس ''مسیحانہ اقدام'' و نظریہ کی وجہ سے ختم ہو کر رہ جائے گی۔ انسانیت کے لیے تجرد کی زندگی نہ کمال وخوبی ہے اور نہ حقیقتاً ممکن العمل ہے۔ اگر نکاح کے جذبات نہیں ہوں گے، نکاح نہیں ہو گا۔ فرائض ازدواجی کی ادائیگی نہیں ہوگی اور نسل انسانی ختم ہو جائے گی۔

اسلامی نکاح کے قوانین عین مطابق فطرت ہیں:

حکمت الٰہی نے نسل انسانی کی بقاء کے لیے جذبات رکھے، نکاح کو جائز قرار دیا۔ اور مرد وعورت کے فطرتی اور طبعی جنسی رجحان کو دیکھتے ہوئے نکاح کے دائرہ کو مردوں کے لیے چار تک کی وسعت دے دی۔ تاکہ خواہشات کا ناجائز استعمال نہ ہو سکے۔ عورت فطرتاً ایک سے زیادہ خاوندوں کے نکاح میں نہیں آسکتی کیونکہ میراث ونسل وغیرہ کے قانون اور طبعی رقابت وغیرہ کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو خطرناک نتائج تک منتہی ہو سکتے ہیں۔

حدود الٰہی کی پابندی نہ ہو تو عائلی زندگی برباد ہو جائے گی:

جو اقوام عائلی معاملات میں حدود الٰہی کی پابندی نہیں کرتیں وہ انسانی فطرت ونفسیات سے کماحقہٗ واقف نہ ہونے کی بناء پر افراط وتفریط میں مبتلا ہو جاتی ہیں، جیسا کہ آج کل یورپ کا حال ہے۔

فسق نواز مغرب:

ہم بغیر کسی خوفِ تردید کے ببانگ دہل یہ کہتے ہیں کہ مغرب کا معاشرہ فسق نواز ہے، عفت نواز نہیں۔ جن لوگوں نے مغرب کی نفسیات جنس کی وہ کتابیں پڑھی ہیں جن میں جنسی تجارب کی تاریخ بیان کی گئی ہے وہ میری اس بات کی سو فیصد تصدیق کریں گے کہ آج مغرب جنسی بے راہ روی کی اس جہنم میں گر چکا ہے، جس کا تصوّر بھی اقوام ماقبل یا بے چارہ مشرق نہیں کر سکتا اور جس کا عفت و پاکیزگی کی طرف لوٹنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

اس درازنفسی کا مقصد یہ ہے کہ مغرب کا ''مجرم دل ودماغ'' اپنی فسق نوازی، بے حیائی اور فواحش پروری کی بنا پر اسلام کے پاکیزہ، عفت مآب، حیاپرور اور پاک دامن معاشرہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یورپ اسلام کے نظام عفت کو نہیں سمجھ سکتا:

جس معاشرہ کی لغت میں ''حیا'' نامی لفظ کا عملاً وجود ہی نہ ہو، ''عفت'' کا تلاش پر بھی نشان نہ ملے اور کنواری مریم (virgin mary) کی نام نہاد نام لیوائیں اپنی بکارت کے شیشوں کو بلوغ سے پہلے ہی جنسی تجارب میں توڑ چکی Christ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے تجرد کا کلمہ پڑھنے والے تجرد کے دائروں کو بچپن ہی میں پھاند چکے ہوں، وہ کیا جانیں کہ اسلام کا نظام عفت کیا ہے اور ازدواجی بندھنوں کے بغیر کسی کے دامن عفت کو تار تار کرنا کتنا گھناؤنا اور وحشیانہ فعل ہے۔

زنا عقلاً واخلاقاً وقانوناً گھناؤنا جرم ہے:

غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص شادی اور ازدواجی بندھن کے قانونی دائرہ میں نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حدود کو پھاند کر کسی غیر عورت کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے، فرض کیجئے حمل ٹھہر جاتا ہے۔ کیا اس کا یہ فعل قانوناً، عقلاً، اخلاقاً درست ہوگا؟ ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص کی زمین ہے جس کا کوئی دوسرا شخص قانوناً مالک نہیں اور نہ کسی اخلاقی ضابطہ سے اس کا اس زمیں میں کوئی حق ہے۔ اگر یہ شخص پہلے شخص کی زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج ڈالتا ہے اور فصل پیدا ہو جاتی ہے۔ تو کیا اس فصل پر اس شخص کا جو دوسرے کی زمین استعمال کرتا ہے قانوناً کوئی حق ہے؟ یہ فصل اِس کی نہیں ہوگی، اِس نے تو اپنے بیج ہی کو ضائع کر دیا، فصل زمین والے کی ہوگی اور اِسے بیج کے ضائع کرنے کی سزا دی جائے گی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الولدُ للفراش وللعاهر الحجر﴾. (بخاری)

ترجمہ: بیٹا اس کا ہوگا جس کی منکوحہ کے گھر پیدا ہوگا۔ اور زانی کو اس جرم پر سنگسار کیا جائے گا (اگر وہ محصن "شادی شدہ" ہو)۔

زنا تخم انسانی کا ضیاع ہے:

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب انسان اپنا بیج بے محل اور غیر مملوکہ اور دوسرے کی زمین میں ڈالتا ہے تو وہ اپنے بیج کو ضائع کرتا ہے۔ ممکن ہے یہ بیج اگر اپنے محل اور اپنی کھیتی میں ڈالا جاتا تو اس سے محمد علی جناح یا اقبال یا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ جیسے ممتاز رجال پیدا ہو جاتے۔ لیکن اس ظالم وحشی نے اپنے نفسانی جذبات میں ڈوب کر اپنے جسم کو ایک آنی و فانی لذت دنیہ (گھٹیا لذت) کے لیے ایسے وقیع مادہ کو ضائع کیا۔ گویا وہ قتل خفی کا مرتکب ہوا۔ اس لیے علماء اور بعض مفسرین نے استمناء بالید (masturbation) اور دیگر اس قسم کے فواحش جس سے انسان کا مادہ منویہ ضائع ہوتا ہے ناجائز اور "المؤدۃ الخفیہ" قرار دیا ہے۔ یعنی اپنی اولاد کو نامعلوم اور پوشیدہ طریقہ سے زندہ درگور کر دینا۔ جاہلی عرب اپنی اولاد کو پیدائش کے بعد زندہ گاڑھ دیتے تھے۔ ہم پیدائش سے نو مہینے پہلے گاڑھ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو جو انسانیت کے بیج کو ضائع کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں قتل خفی کا مرتکب گردانتا ہے۔ اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ کریہہ عادت اگر ایک دفعہ پڑ جائے تو تادم آخر بمشکل چھوٹتی ہے۔

بدکار معاشرہ کا ناسور:

مزید برآں اس کا مرتکب معاشرہ کا ایسا ناسور ہے جو پورے معاشرہ کو متاثر کرتا ہے۔ اور وہ جو بچہ پیدا کرتا ہے اس پر میراث اور نسب کے قوانین کا کماحقہٗ اجراء نہیں ہو سکتا۔ پوری سوسائٹی فسق و فجور کی ہواؤں سے مسموم ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن نے فواحش کے شیوع پر دردناک عذاب کی تہدید فرمائی ہے۔

بدکاری اور بیماریاں یا عذاب حاضر:

زنا اور حرام کاری سے جو گندگی اور خطرناک و مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، ان کے اثرات نسلاً بعد نسل متعدی اور سوسائٹی میں دور دور تک پھیلتے ہیں۔ آپ اگر یورپ اور امریکہ کی جنسی بیماریوں کے اعداد و شمار اور ان کے گیراؤ اور وسعت کو ان کی اپنی اور اقوام متحدہ کی مرتب کردہ رپورٹوں اور جائزوں میں پڑھیں تو آپ کو قرآنی تہدید (warning) کا یقین ہو جائے گا۔ کہ مغرب کا اکثر طبقہ ان گھناؤنی بیماریوں (آتشک syphlis، سوزاک gonnoria، ایڈز (aids کے ذریعے کیسے عذاب الیم میں مبتلا ہو چکا ہے۔ ان بیماریوں کے تصور سے بھی دل لرز اٹھتا ہے۔ یہ عذاب حاضر ہے جو ان اقوام پر مسلط کر دیا گیا، جنھوں نے حدود الٰہی کی ناقدری کی اور اس کا تمسخر اڑایا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

بدکاری کی سزا نہ دینا معاشرہ کو برباد کرنا ہے:

اگر آپ خدائی سزا کو مجرم پر لاگو کر کے اس کے ناپاک وجود سے انسانیت کو نجات نہیں بخشیں گے تو یہ آگ جس کا چھپا ہوا مادہ ہر نفس میں موجود ہے، جب پھیلے گی تو تمام معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

کوڑے کی سزا:

اس لیے اسلام اس شخص کو جسے اپنی خواہش کے پورا کرنے کے مواقع کسی عذر صحیح کی وجہ سے حاصل نہیں، سو کوڑے کی سزا دیتا ہے۔ "خبیث جسم" جس نے اپنی خباثت نفس کی تسکین کے لیے معاشرہ کے "عفیف جسم" کو ناپاک کیا اپنی حرکت پر شرمندہ ہو کر آئندہ کے لیے اس سے بچ جائے۔ یا یہ "نامسعود جسم" انسانیت کو آئندہ گندگیوں میں ملوث کرنے کے لیے باقی نہ رہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

100

رجم کی سزا:

اگر ایک شخص کی بیوی موجود ہے، وہ اپنی جنسی لذت و بھوک کی تسکین جائز ذرائع سے کرسکتا ہے۔ مگر وہ اپنی خواہش کو اپنے محل سے پورا نہیں کرتا اور اپنے ذوق جنسی کی تسکین بے محل کرتا ہے، جنسی چور بازاری کا مرتکب ہوتا ہے۔ خدا ایسے ظالم کو معاشرہ کے لیے قاتل سے بھی زیادہ خطرناک سمجھتا ہے اور وہ اسے دردناک اور عبرتناک سزا دیتا ہے۔ یہ ایسا حکم ہے کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس پر عمل ہوا، خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس کا اجراء ہوتا رہا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرمادیا:

رجم النّبی ﷺ و رجم ابو بکر و رجمت و لو لا انی اکرہ ان ازید فی کتاب اللہ لکتبتہُ فی المصحف فانی قد خشیت ان یجی اقوام لا یجدون فی کتاب فیکفرون بہ (جمع الفوائد بحوالہ ترمذی فقال حسن صحیح ص ۴۰۷، ج۱)

ترجمہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کی سزا دی اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اور اگر میں اس بات کو ناپسند نہ کرتا کہ کتاب اللہ میں زیادتی کردوں تو اس حکم (کے موثق اور یقینی ہونے کی وجہ سے) میں اسے ضرور مصحف میں لکھ لیتا۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ ایسے لوگ آئیں گے کہ اسے کتاب اللہ میں صریحاً نہیں پائیں گے تو اس حکم کا انکار کردیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا۔

من کفر بالرجم فقد کفر بالقرآن۔

ترجمہ: جس نے رجم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا۔

غرض یہ حکم ایسے شواہد قویہ اور نصوص ثابتہ سے ثابت ہے کہ اسلامی قانون پر نگاہ رکھنے والے اس کے حق ہونے پر شک نہیں کرسکتے۔

شہادت میں دشواری:

ایسی عبرتناک سزا کے نفاذ و اجراء کے لیے اسلام کے عدل و انصاف نے اس فعل خاص کے ارتکاب کے لیے شہادت بھی اتنی قوی اور مضبوط رکھی ہے، جس کا تحقق و ثبوت بمشکل ہوتا ہے۔ اولاً اسلامی اصول شہادت اور گواہوں کی صفائی معیار سے جو لوگ آگاہ ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کا قانون شہادت جملہ اقوام کے قانون شہادت سے کس قدر ارفع و اعلیٰ ہے۔ اب زنا کے لیے دو گواہوں کی شہادت کافی نہیں قرار دی گئی۔ بلکہ خلاف معمول چار ثقہ گواہوں کی عینی شہادت لازمی قرار دی گئی۔

زنا کی شہادت کی نوعیت:

اور ادائے شہادت کی نوعیت یہ ہے کہ ''میں نے اس فعل خاص کا ارتکاب کرتے ہوئے ان مجرموں کو اس صورت سے دیکھا ہے۔'' آپ کتب فقہ میں تصریحات پڑھ سکتے ہیں، اس مجمع میں حیا و ضاحت سے مانع ہے۔ اب سوچئے کہ ''فعل خاص'' کا ارتکاب ایک محدود وقت کے لیے ہوگا۔ نری مباشرت، قربت وغیرہ کی گواہی کافی نہیں بلکہ فعل مخصوص کی ''ہیئت مخصوصہ'' کی چشم دید گواہی کے چار اشخاص کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجامع میں تو یہ فعل کوئی ماسوائے یورپ کے ننگے (nude) کلبوں کے کیا نہیں کرتا۔ اور نہ مسلم معاشرے میں اس کریہہ حیوانیت کی کوئی صورت ممکن ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ''پوشیدگی اور تنہائی'' کے اس فعل قبیح کو اگر ایک یا دو شخصوں نے دیکھ بھی لیا تو تیسرا اور چوتھا گواہ کہاں سے آئے گا؟ اور اگر وہ گواہ لانے کے لیے جائیں گے تو یہاں کام ہو چکا ہوگا۔ اس لیے اگر آپ اسلامی سزا ''حدود'' کی تاریخ پر نگاہ ڈالیے تو آپ کو شاذ ہی ایسے واقعات ملیں گے، جہاں شہادت کی بناء پر یہ سزا دی گئی ہو۔ مزید برآں اگر گواہ جھوٹی گواہی (جسے اسلامی قانونی اصطلاح میں بہتان کہتے ہیں) کا مرتکب ہوگا تو اسے اسلامی تعزیرات کی زنا و قتل کے بعد کی سزاؤں میں سخت ترین سزا ''اسی کوڑے'' دی جائے گی۔ اس وجہ سے کوئی شخص بہتان تراشی اور جھوٹی گواہی کا مرتکب ہی نہ ہوسکے گا۔

ضمیر کی زندگی:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسلام نے ضمیر انسانی کو اتنا بیدار کر دیا تھا کہ مجرم اگر کبھی تقاضائے نفس سے مغلوب ہو کر اس برے فعل کا ارتکاب کر بیٹھا، تو جب تک اس نے خود کو سزا دلوا کر پاک نہ کروالیا، اسے چین نہ آیا۔ اور یہ اسلامی قانون سزا کا وہ روشن باب ہے جسے دنیا کی کوئی قوم وملک پیش نہیں کر سکتا۔

غامد قبیلہ کی ایک عورت حضور انور ﷺ کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے یہ فعل بدسرزد ہو گیا۔ مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور پاک ﷺ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ پھر دوسری طرف سے آ کر وہی بات کہتی ہے۔ حضور ﷺ پھر چہرہ اقدس دوسری طرف کر لیتے ہیں۔ تیسری طرف سے آ کر پھر یہی کہتی ہے، حضور ﷺ اعراض برتتے ہیں۔ چوتھی طرف پھر آ کر وہی الفاظ دہراتی ہے۔ آپ ﷺ پوچھتے ہیں، یہ عورت پاگل تو نہیں؟ وہ کہتی ہے یا رسول اللہ! میں پاگل نہیں، مجھ سے فعل سرزد ہوا اور حمل ٹھہر گیا ہے۔ حضور ﷺ اجازت دیتے ہیں کہ وضع حمل کے بعد آنا۔ وہ بچے کی پیدائش کے بعد آتی ہے، ضمیر کی خلش اور دل کی بے قراری پھر وہی کہلواتی ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ فرماتے ہیں بچے کا دودھ چھوٹ جائے تو پھر آنا۔ دو سال بعد پھر آتی ہے۔ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دے کر لاتی ہے کہ ثابت ہو جائے کہ اسے میرے دودھ کی ضرورت نہیں ہے اور کہتی ہے کہ یا رسول اللہ مجھے آرام نہیں آتا، مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور انور ﷺ حدود الٰہی کی پاسداری کرتے ہوئے سنگساری کا حکم دیتے ہیں۔ سنگسار کرتے ہوئے خون کا چھینٹا حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر آ پڑتا ہے اور وہ اسے کچھ برا کہہ بیٹھتے ہیں۔ رحمت مجسم سرور دو عالم ﷺ فرماتے ہیں، اسے برا نہ کہو، اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر محصول چنگی کی ناجائز وظلم سے وصولی کرنے والا بھی وہ توبہ کرتا تو بخشا جاتا۔

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر تمام مدینہ پر اس کی توبہ تقسیم کر دی جائے تو سارا مدینہ بخش دیا جاتا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ''ماعز'' نامی ایک صحابی کا بھی دور نبوت میں پیش آیا۔ (رضی اللہ عنہ)

زندہ ضمیری اور اجرائے حدود:

اس زندہ ضمیری کا ثبوت ہمیں دنیا کی تاریخ کے اوراق میں اسلام کے سوا کہاں مل سکتا ہے۔ بات یہ تھی کہ اسلام کے نظریہ اخلاق نے انھیں عفت و پاکیزگی کا وہ بلند تصور دیا تھا، جس کے ادراک سے بھی

''نکو یاں فرنگی'' قاصر ہے۔ آخرت کی سزا کا جو یقین تھا، وہ دنیا میں انھیں اپنے کو پاک کروا دینے پر مجبور کر دیتا تھا۔

اخلاقی انارکی سیاسی انارکی سے زیادہ کریہہ ہے:

اس جواز کے بارے میں ایک اور نکتہ نظر سے سوچئے۔ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لیے میدان جنگ میں اپنی گردن کٹوا دیتا ہے، تو شہید قوم وملت کہلایا جاتا ہے۔ اور جو قوم کے نظام اخلاق کی بقا کے لیے قتل کیا جاتا ہے اس پر اس قتل کا اجراء کس بناء پر قبیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص حکومت سے غداری کرتا ہے اور مملکت کے سیاسی استحکام کو تاراج کرتا ہے تو اسے مجرم قرار دے کر ہر حکومت قتل کر دیتی ہے، اور اسے جائز سمجھتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ دو اشخاص ملک کے شیرازہ اخلاق کو درہم برہم کرتے ہیں اور اخلاقی انارکی کے مرتکب ہو کر ایسے جرم کرتے ہیں جس سے ملکی اخلاقی استحکام کی جڑیں، جن پر سیاسی بقا کا انحصار ہے کھوکھلی ہو جاتی ہیں، کیا وہ مجرم نہیں؟ اگر مملکت سے غداری کرنے والا قتل کی سزا کا مستحق ہے تو مملکت جن اعلیٰ اقدار واخلاق کی بقاء کے لیے قائم کی گئی ہے، اسے مٹانے والا بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق ہے۔ جس قوم میں فواحش آتے ہیں اس کا اخلاق وکردار ختم ہو جاتا ہے۔ اور جو قوم اخلاق وکردار سے عاری ہو جاتی ہے وہ جہانداری کے خصائص سے محروم ہو جاتی ہے۔

اخلاقی یعنی زنا کا مجرم مملکت کے استحکام کا دشمن ہے:

اس لیے ایسے مجرم جو کہ مملکت کی اخلاقی بنیادوں پر کلہاڑی چلاتے ہیں وہ ملکی وملی استحکام کے دشمن ہیں۔ اور ان کی سزا یہی ہے کہ ان کے وجود نامسعود سے زمین کو پاک کر دیا جائے۔

بے حیائی کی زندگی کے نتائج:

جو قوم حیا کی چادر اتار پھینکتی ہے، فواحش میں مبتلا ہو جاتی ہے اور عیاشی وتنعم کو اپنا وطیرہ بنا لیتی ہے، وہ انسانی جواہر وکمالات سے محروم ہو کر ذلت ورسوائی سے آخر ہمکنار ہو جاتی ہے۔ مغرب اسلام کے نظام اخلاق سے ہمیشہ مرعوب رہا، اور اس کی کوشش رہی کہ کسی طرح اس میں رخنہ پیدا کر کے اسلام کے اس مضبوط قلعہ کو مسمار کر دے۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب ہماری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فتوحات کا سیل رواں ایران اور روم کی حکومتوں اور ان کے تخت وتاج کو تنکوں کی طرح بہائے لیے جارہا تھا۔ رومیوں نے جاننا چاہا کہ وہ کونسی طاقت ہے جو ان بے نوا صحرانشینوں کو فتح وکامرانی سے ہر وقت ہمکنار کیے ہوئے ہے۔ جاسوسوں نے مطلع کیا کہ ان کی فتح کا سبب سامان حرب وضرب نہیں بلکہ ان کی صفات، اخلاق اور اعمال کی بلندی، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے محبت ہے۔ ہرقل کو کہا گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے سپاہی رات کے راہب (مصلّٰی کے سوار) اور دن میں میدان جنگ کے شاہسوار ہیں۔ رومیوں کو جتنی شراب سے محبت ہے، اس سے زیادہ وہ موت سے محبت کرتے ہیں۔ رومیوں کو جتنی عورتیں محبوب ہیں وہ اس سے زیادہ جنت کے شائق ہیں۔ ان کی نگاہ نامحرم پر نہیں پڑتی۔ وہ سونے اور جواہر کو مٹی کے ڈھیلوں کے برابر نہیں سمجھتے۔ ہرقل نے جب یہ سنا تو آہِ سرد بھر کر کہا کہ اے عمر تو میرا کلیجہ کھا گیا، اگر تیرے ایسے سپاہی ہیں تو ''یسوع مسیح'' کی قسم جو زمین میرے تخت کے نیچے ہے وہ بھی تو لے کر رہے گا۔ ایسے سپاہیوں سے لڑنا خدا سے لڑنا ہے۔

مسلمانوں کی عفت مآبی:

بہر حال اس رپوٹ کے بعد مشورہ ہوا، اور جو قوم ہمیشہ سے حیا سے عاری ہے اس نے طے کیا کہ اگر مسلمانوں کی فتوحات کو روکنا ہے تو ان کے اخلاق بگاڑنے کے لیے اپنی ناموس کو داؤ پر لگا دو۔ اور جب عمر رضی اللہ عنہ کے سپاہی بیت المقدس میں داخل ہونے لگیں تو روم کے حسن کو کمال زیبائش وعریانی سے بیت المقدس کے بازاروں، کھڑکیوں، دکانوں اور چھتوں کی منڈیروں پر زلیخائی دعوت اور ناز وادا کے ساتھ کھڑا کر دو اور طالب یا بے طلب فوج کے جوانوں پر اپنی ''متاع'' قربان کرنے کے لیے آمادہ کر دو۔ اگر ایک دفعہ یہ سپاہی ملوث ہو گئے تو خدا کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔ پھر مقابلہ آسان ہے۔ سپہ سالار امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے پہلی نگاہ میں دشمن کی چال کو بھانپ لیا۔ اور حکم دیا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾. (النور۔۳۰)

ترجمہ: آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

گویا فوجی اصطلاح میں وقت کا حکم (order of the day) یا (standing order) تھا کہ کسی فوجی کی آنکھ نہ اٹھے۔ اور اپنی عفت کی حفاظت کی جائے۔ یہ حکم ان فوجیوں کو تھا جو خدا کا لشکر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپاہی تھے۔ اطاعت امیر کا یہ نظارہ آسمان نے کب دیکھا ہوگا کہ جب شہر سے واپس لوٹتے ہیں تو ایک دوسرے سے یہ پوچھتے ہیں کہ شہر کی عمارتیں کیسی ہیں؟ کسی عورت پر نگاہ تک نہیں پڑی، اگلی بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یورپ اس وقت اپنی چال میں ناکام رہا۔ آج وہ اسلام کے نظام اخلاق کی عمارت کو منہدم کرنے کے درپے ہے۔

قانون ''اخلاق'' کی حفاظت کا آہنی قلعہ ہے:

ہمارا قانون ہمارے اخلاق کی حفاظت کا آہنی قلعہ ہے۔ یورپ چاہتا ہے کہ شکوک واشکالات، اعتراضات وشبہات کی یورش سے اسے تباہ کر دے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اپنے قانون کی بنیادوں اور مقاصد کو نہیں سمجھتے۔ اور دشمن کے ہمنوا بن کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں۔

یورپ وحشی ہے یا اسلام:

کیا وہ مغرب جو ہیروشیما، ناگاساکی، ویت نام، ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک میں وحشت و بربریت کے شرمناک وہولناک مناظر قائم کر چکا ہے۔ جس کا دیوا استبداد واستعمار کسی اخلاقی ضابطے اور انسانی شریفانہ حدود کا پابند نہیں۔ جو اپنی سیاسی اغراض کے لیے عورت و بچے، مظلوم وغیر مظلوم ہر طبقے اور ہر گروہ کے ضعیف وکمزور کی رعایت کیے بغیر آگ اور خون کی ہولی کھیلتا رہتا ہے، وحشی نہیں ہے؟ اور اسلام جو انسانیت کی اعلیٰ اقدار کی حفاظت کے لیے اور نظام اخلاق کی بقاء کے لیے کسی معاشرہ میں انارکی پھلانے، مال ومتاع لوٹنے والے یا عصمت وعفت کے شیشوں کو چکنا چور کرنے والے ظالم ووحشی کو عبرتناک سزا دے، تاکہ آئندہ وہ بھی اس فعل قبیح سے بچ جائے اور معاشرہ بھی اس مہلک ناسور اور اس متعدی خطرناک مرض سے نجات پا جائے، تو وہ مجرم ہے۔؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اللہ کا قانون وحشت نہیں عدل ہے:

اللہ تعالیٰ کا قانون وحشت نہیں انصاف ہے۔ظلم نہیں عدل ہے، بہیمیت نہیں رحم ہے۔رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

آن کسے را کیش چنیں شاہے کشد
سوئے بخت و بہتریں جائے کشید
نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنکہ درو ہمت نہ آید آن دہد

ترجمہ: جس شخص کو ایسا بادشاہ قتل کرے (وہ درحقیقت اس کو قتل نہیں کرتا بلکہ نجات ابدی) کے بخت اور بلندترین درجہ کی طرف اس کو لے جاتا ہے۔وہ آدھی جان تو لے لیتا ہے لیکن سو جانیں دے بھی دیتا ہے۔وہ ایسا کچھ دے گا کہ وہم وخیال مین بھی نہ آئے۔

آخر میں میں اپنے معزز سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسلامی قانون کی حمایت اور غیروں کے ''جاہلی قانون'' کے بارے میں قرآن کی ایک بات عرض کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں اور فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾

(المائدہ۔۵)

یہ لوگ پھر جاہلیت کا فیصلہ (حکم وقانون) چاہتے ہیں۔اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہو گا یقین (وایمان) رکھنے والوں کے نزدیک۔

غرض اسلام کا قانون اپنی جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے۔جو فطرتِ انسانی کے ہر رخ کو نگاہ میں رکھتا ہے۔تاکہ کوئی رخنہ ایسا نہ رہ جائے جس سے برائی ابھر سکے۔الٰہی قانون و اسلامی عدل و انصاف کے جملہ پہلوؤں اور اس کے تمام فضائل ومزایا، خوبیوں اور کمالات کا تذکرہ تو نہ ہوسکا۔تاہم امید کرتا ہوں کہ اسلامی قانون کے بعض پہلو بیان کر دیئے گئے ہیں۔جس سے اس کی امتیازی شان اور انسانی قوانین پر برتری ایک حد تک نمایاں ہوگئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس قانون سے کاملاً بہرہ مند ہوسکیں اور زمانے کو بتا سکیں کہ عالم کی نجات صرف اسلام کے الٰہی قانون میں ہے جس کے بغیر دنیا چین وراحت اور امن وامان کی زندگی نہیں پا سکتی۔

واخر دعونا ان الحمد اللہ رب العالمین

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۲)
سیاست وتعمیر ملت

''سیاست ایک دھوپ چھاؤں ہے۔ وہ دم بدم بوقلموں رنگ بدلتی ہے۔'' کہ ہر زمانہ کے خیالات یکساں نہیں ہوتے، حالات وظروف بدلتے رہتے ہیں، خیر وشر اور حسن وقبح کے انسانی معیار میں تغیر آتا رہتا ہے، جو کل حق نظر آرہا تھا وہ آج باطل دکھائی دیتا ہے، اور جو آج غلط ہے وہ کل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ انسانی علم کی کوتاہی ونارسائی، مستقبل ومغیبات سے نااشنائی، حصول جاہ واقتدار، اور مال ودولت کی حرص و آز سے مل کر ہر روز نئے نئے سیاسی نظریوں کو وجود بخشتی ہے۔ لیل ونہار کی ہر گردش کے ساتھ سیاسی افکار و خیالات، نظریات اور طرق کار میں تغیر وتبدل اور اتار چڑھاؤ جاری رہتا ہے۔ اہل سیاست اپنے ''مزعومہ'' فکری وسیاسی نظاموں کی کامیابی اور طاقت واقتدار کے حصول کے لئے ہر قسم کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے ہر قسم کے اسباب ووسائل بروئے کار لاتے رہے ہیں۔

غرض اس تماشہ گاہ عالم میں سیاست کی رنگارنگی ہر روز ایک نیا منظر پیش کرتی ہے۔ اور زمانہ کے ہر موڑ کے ساتھ ساتھ سیاست بھی اپنا رخ بدلتی رہتی ہے۔ اس کے بالمقابل دین جو ''حق مطلق'' اور ''صداقت محض'' ہے، وہ دائمی وابدی اور ناقابل تغیر ہے۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

اس لئے اہل دین کے لئے ہر تغیر پذیر سیاسی نظریہ کے پرکھ کا معیار دین کے غیر متغیر حقائق ہیں اور ہر سیاسی فکر ونظریہ اور اس کے طریق کار کے حسن وقبح کسوٹی دین کے غیر متبدل اصول ہے، ظاہر ہے کہ

نہ ہر نظریہ فکر دین کے معیار پر کامل اتر سکتا ہے اور نہ ہر سیاسی نظام دین کہلایا جاسکتا ہے۔ نہ ہر غلبہ وتفوق کی کوشش کو ''اسلامی سیاست'' کہا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر اہل دین وسالکین صراط مستقیم کے لئے ہر قسم کی سیاسی تگ ودو، کوشش وجستجو میں شرکت واشتغال بغیر اس کی حقیقت ومآل کو جانے ممکن نہیں۔ گو اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری نے ''سیاست'' کو ''شجر ممنوعہ'' قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح ''قیصر و خدا'' کی حکومت کو دو علیحدہ علیحدہ مملکتوں میں تقسیم کیا ہے اور نہ ہی سیاست، اسلامی حیطۂ عمل اور دائرہ سلوک سے خارج ہے تاہم خالص 'اسلامی سیاست'' کا ''شجر طیبہ'' اپنی ہی زمین پر برگ وبار لاتا ہے اور ''اسلامی دعوت'' کی ہمہ گیری اسے پروان چڑھاتی ہے۔ حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

''اسلامی سیاست 'دعوت' کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ دعوت میں سیاست خود بخود آجاتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فائننس (FINANCE) کے وزیر اور سیاسی قوتیں جمع نہیں کیں، نہ یہ کہا کہ آؤ مل کر حکومت قائم کریں۔ صرف کلمہ کی طرف لوگوں کو بلایا۔ دین کی دعوت دی، سیاست ذیل میں خود بخود آگئی، گو اسلام میں سیاست ودعوت علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں، لیکن سیاست کے منافع اور ضرر سے دعوت پر بھی اثر پڑتا ہے۔''

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے، مگر حقیقت ہے کہ اسلام کی وسعت جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ تک وسیع تھی، وہ گھٹتے گھٹتے صرف چند عقائد وچند عبادات تک محدود ہو کر رہ گئی، بنی اُمیّہ نے اپنے عمل سے سیاست کو دین سے خارج کر دیا اور عباسیہ نے تہذیب وتمدن وآداب کو بھی دین کی ہمہ گیری سے الگ کر لیا۔ اس کے بعد ایرانی وترکی وتاتاری سلاطین نے قرآن کے ساتھ آئین وشیروانی اور تورۂ چنگیزی کا اضافہ کیا۔ وہ دین تو حضرت محمد ﷺ کا رکھتے تھے۔ مگر ان کی سیاست اور خراج وباج کے آئین قیصر وکسریٰ اور چنگیز وہلاکو کے دستور وقواعد پر مبنی تھے۔ اس لئے ہماری یہ پچھلی سلطنتیں مسلمانوں کی حکومتیں تو ضرور تھیں مگر اسلام کی نہ تھیں یعنی ان کے فرمانروا مسلمان تھے، مگر ان کی حکومت کا قانون اسلامی نہ تھا۔ جس طرح آج انگریزی عہد میں بھی ''محمڈن لا'' جاری ہونے سے کوئی حکومت اسلامی نہیں ہوسکتی تھی۔ تو کل صرف لفظ نکاح وطلاق ووقف وغیرہ کے اجراء سے سلطنت اسلامی نہیں ہوسکتی۔ اِلّا یہ کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس لفظ کے استعمال میں ہم ایک نوع کا مجاز وتساہل برتتے ہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے اسلامی حقیقت کو آسانی سے مان لیا۔ جنگ جمل، جنگ صفین، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی لڑائی، معرکہ کربلا، واقعہ حرہ جس میں اہل مدینہ نے بنوامیہ کے خلاف لڑائی لڑی۔ واقعہ قراء جس میں علمائے عراق نے بنوامیہ کے خلاف معرکہ آرائی کی، واقعہ نفس زکیہ جس میں سادات وعلمائے حجاز نے مل کر عباسیہ کے خلاف پرزور بغاوت کی، یہ اور اس کے سوا دوسرے واقعات نے جن میں اصلاح وانقلاب کے علمبرداروں کو کامیابی تو نہیں ہوئی، خونریزی اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس لئے پچھلے متکلمین اور فقہاء نے یہ اصول بنالیا کہ: ہر ''اصلاح طلبی'' میں یہ دیکھنا چاہیے کہ فتنوں کے نئے دروازے تو نہیں کھلتے اور حالات بد سے بدتر تو نہیں ہوجائیں گے۔ ان اصلاح طلبوں اور انقلابیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انقلاب سے پہلے انھوں نے انقلاب کی ''دعوت'' کا دور اپنے اوپر نہیں گزارا اور زمین میں ہل چلانے سے پہلے زمین میں تخم ریزی شروع کردی، آخر اسی زمانہ میں ابومسلم خراسانی کی تحریک جس سے عباسی حکومت کا آغاز ہوا اور اسماعیلیوں کی تحریک جس سے دولت فاطمیہ پیدا ہوئی اور محمد بن تومرت کی تحریک جس سے موحدین مراکش کی سلطنت قائم ہوئی، کس طرح دعوت کی راہ سے بڑھی اور پھلی اور پھولی اور مدتوں قائم رہی، زمانہ کے انقلابات نے آج بہت سے امکانات پیدا کردیئے ہیں۔ ہر جگہ شخصی سلطنتوں کے تخت خالی ہوگئے ہیں۔ دستوری اور جمہوری اور عوامی سلطنتوں کے آئین پر حکومتیں قائم ہورہی ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی اصول سلطنت پر کوئی سلطنت کیوں قائم نہیں ہوسکتی۔'' (معارف اعظم گڑھ، ص:۲۵۱ ج:۴۰، نمبر:۴)

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں سیاست دین سے علیحدہ نہیں۔ لیکن اس کے وجود میں آنے اور اسے بروئے کار لانے کے لئے دعوت اور صحیح ذہنی وفکری تربیت کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا پوری طرح خوش آئند نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہر سیاسی انقلاب سے پہلے مسلمانوں کی صحیح دینی تربیت کو ضروری سمجھتے تھے۔

چنانچہ ارقام فرماتے ہیں:

''جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ پیش نظر سیاسی انقلاب خواہ کتنا ہی خوش آئند ہو، ان کا اعلیٰ مطمح

نظر نہیں بن سکتا، ان کا اصلی مقصدِ حیات اشخاص کا عروج وزوال، پارٹیوں کی شکست وریخت، وزارتوں کا عزل ونصب اور زمینوں کا ردوبدل نہیں۔ بلکہ عقائد واصول کی تصحیح، مقصد حیات کی تعیین اور مسائل زندگی میں اسلامی نظام کی سچی تقلید اور پیروی ہے اور اس کی برقراری کے لئے دلوں میں سچی تڑپ اور ناقابل سکون اضطراب کی ضرورت ہے۔ غرض ہم کو نئے سرے سے ایک نئی عمارت کا کام کرنا ہے۔ بحمداللہ کہ مسلمان نوجوانوں میں اس حقیقت کا ادراک ہورہا ہے اور یہ آواز پہلے کی طرح اب نامانوس نہیں رہی ہے (کہ) ''رجوع الی الاسلام'' یعنی زندگی کے ہر اصول میں اسلام کی طرف بازگشت ہی ہماری ہر بیماری کا علاج ہے۔

اس لئے حکومت کا خواب دیکھنے والوں کو پہلے اسلام کا خواب دیکھنا چاہئے کہ اسلام کیا ہے؟ اگر نہیں ہے، تو ہمارے اندر وہ انقلاب کیسے پیدا ہو جو ہم کو ترکستان کی راہ سے ہٹا کر حجاز کی طرف لے جائے، جو ہم کو یورپ کی نقالی کی بجائے خود اپنی اصلیت مفقودہ کی تصویر دکھادے۔ تاکہ ہم خلافت موعودہ کے مستحق ٹھہریں۔

جب تک ہمارا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین نہ ہوگا اور اسی کے لئے روٹھنا اور منانا اور مرنا اور جینا نہ ہوگا۔ ہم اسی طرح ممبریوں اور وزارتوں اور لیڈریوں کے لئے آپس میں لڑتے، مرتے اور کٹتے رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے اپنا مقصود انہی شخصی اعزازات اور اسی جاہ ومنصب کے حصول کو بنا رکھا ہے اور اسی کا نام ہم نے اسلامی ترقی رکھ چھوڑا ہے۔

ضرورت ہے کہ عقائد وعبادات کے ساتھ اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات اسلامی طریق تجارت اسلامی اصول مضاربت (یعنی سرمایہ اور مزدوری کے طریق تعاون)، اسلامی طریق کاشتکاری، اسلامی طریق کارخانہ داری، کسانوں اور مزدوروں کے اسلامی حقوق، اسلامی لین دین اور معاملات کے مسائل اور دیگر تمام ضروری امور کے متعلق خالص اسلامی حل لوگوں کے سامنے رکھا جائے اور اس کے قبول وعمل کی دعوت دی جائے جس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہو اور مسلمان مسلمان بن کر دنیا میں ظاہر ہوں''۔ (معارف، ص:۲۴۳، ۲۴۴ نمبر:۴ ج:۵۷)

سطحی ووقتی سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے بچا کر ملت کی صحیح تعمیر کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جماعت کی تعمیر صرف جذبات، جوش وخروش اور ہنگاموں سے نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی مقصد کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ساتھ عشق کی سی وابستگی اور اس کے حصول کی راہ میں جان و مال وعزت ہر چیز کی قربانی کا حوصلہ ہونا چاہیے اور اس راہ میں موانع کی جو شکلیں پیش آئیں، ان کے ازالہ اور برداشت میں صبر وضبط اور عزیمت واستقلال اور حصول مقصد کے بعد اس حاصل شدہ مقصد کی بقا کے لئے اخلاق کی پابندی، عیش وآرام کی زندگی سے پرہیز، مال و دولت اور جاہ وعزت کی حرص ومحبت سے آزادی، مختلف عناصر کے مختلف افراد کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ اور عدل وانصاف کی بقا کو ہر ذاتی منفعت اور ہر شخصی فائدہ مندی سے برتر جاننا اور رکھنا اور اسی کے لئے جینا اور اسی کے لئے مرنا، جب تک کسی جماعت کے افراد میں اکثریت اور اغلبیت کے ساتھ یہ اوصاف پیدا نہ ہوں گے۔ اول تو کوئی جماعتی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا اور ہو بھی جائے تو باقی نہیں رہ سکتا۔ اب ہم کو دیکھنا ہے کہ آیا ہماری اس وقت کی جماعتوں میں یہ اوصاف پیدا ہیں یا نہیں، اگر نہیں ہیں، تو پیدا کرنا چاہئیں اگر ہیں تو ان میں مزید ترقی اور پختگی کی فکر کرنی چاہیے اور ہمارے رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنی مختلف تحریکوں اور تعلیموں میں اُن اصولوں کا سبق دیا کریں۔ جماعتیں بھی بچوں ہی کی خاصیتیں رکھتی ہے اور ان کی تعلیم وتربیت کے اصول بھی اُنہی جیسے ہیں۔

اسلام میں بدر کا معرکہ جو ۳۱۳ مسلمانوں کا کارنامہ ہے ہر وقت پیدا کیا جاسکتا تھا مگر معرکۂ بدر کے وقوع کے لئے تیرہ برس کے انتظار کی ضرورت پیش آئی اور جب تک ٹھوک بجا کر اور آزمائشوں کی آگ میں تپا کر ان کو دیکھ نہیں لیا گیا، ان کو معرکوں میں نہیں لایا گیا اور اس سے اندازہ ہوگا کہ جماعتوں کی تعمیر صرف ضد اور ہٹ، سب وشتم، طعن وطنز، شور وغل اور مختلف نعروں کے شعر پڑھنے اور چیخنے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ مقصد کی بلندی، مقصد سے عشق نما وابستگی، اس کے حصول وبقا کے لئے اعلیٰ اخلاق، پختہ سیرت اور مضبوط کیرکٹر پیدا کرنا ضروری ہے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں کہ جماعت نے اپنے وحشیانہ جوش اور شجاعت سے کسی چیز کو حاصل کرلیا۔ لیکن چونکہ اس کی بقا کے لئے جو اخلاق اور کیرکٹر چاہیے تھا وہ ان کے اندر موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ مقصد اُن کے ہاتھوں سے بہت جلدی کھو گیا، ابھی تک ہندوستان کی تاریخ میں اودھ کی سلطنت، روہیلوں کی ریاست، سکھوں کی شاہی اور مرہٹوں کی پیشوائی میں عبرت کی داستانیں چھپیں ہیں۔'' (معارف، ص:۱۶۲، ۱۶۳، ج:۵۷، نمبر:۳)

۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن پر مسلمانانِ ہند کو تلقین فرماتے ہیں:

آج کل مسلمانوں میں الیکشن کا بحران ہے۔ اس بحران میں جس طرح نامعقول طریقوں سے لوگ اپنی قوت کا اظہار کررہے ہیں۔ وہ حد درجہ نامناسب ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اس سلسلہ میں سب وشتم، لعن وطعن، اور زدوکوب سے بھی پرہیز نہیں کیا جارہا ہے، یہ طریق عمل، استدلال کی قوت ظاہر کرنے کی بجائے اس کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ مذہب اور دین کی حمایت کا نام لے کر عوام کو جوش دلانا اور ان سے اپنا کام نکالنا انتہائی غلط رہنمائی ہے۔ جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کو ضبط، صبر، ڈسپلن، تنظیم، استقامت، تحمل، برداشت، ایثار باہمی ہمدردی، عملی وحدت اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی جائے، جو سیاست کی جنگ کے سب سے کارگر ہتھیار ہیں۔ صرف زبانی جوش و خروش، گرما گرم محفلی اور اخباری بحثیں اور براہ راست دست وگریباں ہونا قوم کی طاقت نہیں۔ ہماری بحثوں کا موضوع مسائل کا صواب وخطا ہونا چاہیے۔ نہ کے اشخاص کے محاسن ومعائب کا اظہار۔''

(معارف، ص:۲۶۶، ج:۵۶، نمبر:۵)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''قومیں کاغذوں اور مسودوں سے نہیں بنتیں، وہ دلوں کے بدلنے اور ذہنوں کی اصلاح اور تعلیم و تربیت سے بن سکتی ہیں۔''

ایک دوسرے گرامہ نامی میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ضرورت دل و دماغ کے انقلاب کی ہے، جو صحیح دعوت فکری سے ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی زندگی سے ظاہر ہے۔ اس کے لئے شور وغل، ہنگامہ اور دعوت جنگ ونبرد کی راہ غلط ہے۔ ہمارے علماء جدید ذرائع ووسائل کار سے ناواقف ہیں، جوش سے کام لیتے ہیں، ہوش سے نہیں۔ جہاد بالسیف سے زیادہ ضروری کام (ان حالات میں، اشرف) جہاد بالقلم ہے۔ ان حضرات میں سراسر جوش ہی جوش ہے جو اس زمانے میں چنداں مفید نہیں۔ دلوں کا انقلاب غیظ وغضب، جوش وخروش اور جذبہ انتقام اور استعمال سے پیدا نہیں ہوتا۔''

ملت کی تعمیر میں تعلیم کی جو اہمیت ہے اُس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''ہم نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہتے ہیں کہ مسلمان وقت سے پہلے طوفان کا اندازہ کرلیں اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہ سمجھ لیں کہ ان کو ایسی تعلیم درکار ہے جس سے مسلمان، مسلمان بھی باقی رہے اور اس راہ میں جو غفلت سرکاری مدارس کے پہلے دور میں اُن سے ہو چکی ہے وہ اس آنے والے دور میں نہ ہو۔ تعلیم کی اہمیت بہت بڑی ہے، یہی وہ سانچہ ہے جس میں ملت کے نوجوان افراد ڈھل کر نکلتے ہیں۔ ان کی ذہنی تربیت، اخلاقی نشوونما، دماغی استعداد اور قلبی قوت یقین یعنی ساری ذہنیت اس کے ذریعہ بنائی اور بگاڑی جاسکتی ہے۔ امت کو جیسے افراد کی ضرورت ہے۔ وہ اسی کے ذریعے تیار ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں خوب سمجھئے کہ ہندویت کی طرح اسلامیت کوئی قومیت یا وطنیت نہیں ہے، بلکہ وہ ذہنی یقین اور اعمال واخلاق کے ایک خاص طریق کا نام ہے۔ جس کی بقا، تعلیم وتربیت کے سوا اور کسی ذریعہ سے ممکن ہی نہیں۔ اس کی بقا کے لئے تعلیم وتربیت کے ایک خاص نظام کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کے مسلمان رہنے اور بننے میں مدد دیں۔''

قیام پاکستان کے بعد علامہ محمد یوسف صاحب البنوری کو بھوپال سے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''معلوم نہیں جہاں آپ ہیں (یعنی پاکستان میں، اشرف) کیا صورت حال ہے، کیا معنوی صورتیں مسلمانوں میں ابھر رہی ہے یا صرف شوروغل اور ریا ونمائش ہے۔ یہ وقت جوش وخروش کا نہیں ہوش کا ہے۔ مسلمانوں کو "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" کے مطابق صالح بننا چاہئے اور "وعد اللہ الذین اٰمنو و عملو الصلحت لیستخلفنھم فی الارض" کے مطابق ایمان وعمل صالح میں ترقی کرنی چاہیے۔ اس وقت مسلمانوں میں نظم، ضبط، ثبات قدمی، اطاعت امر اور جدوجہد و سعی ومحنت، ایثار واخلاق پیدا کرنے اور حب نفس کے خبائث کو اپنے اندر سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ کاش! میری یہ آواز مسلمانوں تک پہنچ سکتی۔''

اسی خط میں ۱۹۴۷ء کے خونچکاں ہنگاموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''از ماست کہ بر ماست'' مسلمانوں پر جو کچھ وبال ہے۔ وہ ان کے اعمال کی سزا ہے۔ کاش اب بھی قلوب میں انابت پیدا ہو، اور مسلمان سمجھیں کہ ان کا مقصد اول اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ خواہ وہ تخت سلطنت پر ہو رہا ہو یا بوریائے فقر پر، ان کو شیطان سے اس لئے مخاصمت نہیں کہ یہ شیطان کا تخت زمین پر کیوں بچھا ہے۔ بلکہ اس لئے یہ مخاصمت ہے کہ اس تخت شیطان پر شیطان کیوں بیٹھا ہے۔

وہ کیوں نہیں بیٹھے ہیں۔''

مندرجہ بالا مباحث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ حضرت والا قدس سرہٗ سیاست کی خالص دنیاوی عصری ہنگامہ آرائیوں، سطحی شوروغل، اور اقتدار کی تگ ودو کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل کام مسلمان بننا اور بنانا تھا۔ جس کے لئے مسلمانوں کی صحیح اخلاقی ومعنوی، مذہبی و دینی تعلیم وتربیت کی اہمیت واہتمام کو ملت کی تعمیر وبقا کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اسی اعلیٰ مقصد کی طرف وہ مسلمانوں کی سیاست کے رخ کو بھی پھیرنا چاہتے تھے اور ہر اس سیاست کو غلط سمجھتے تھے، جو مسلمانوں کے بنیادی مقاصد وعقائد کو زک پہنچائے۔ مسلمانوں کو وہ ایک بامقصد اور خاص طرز حیات کی حامل امت سمجھتے تھے اور اس کی توانائیوں، قوتوں اور استعدادوں کو صرف اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے خاص کر دینا چاہتے تھے۔ اسی بناء پر علماء اور اہل فکر طبقہ کا موجودہ عملی دنیاوی سیاست میں کلیتاً الجھ جانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت قدس سرہٗ کے نزدیک اس طبقہ کو محض قوم کی فکری وذہنی رہنمائی اور صحیح اسلامی، اخلاقی وروحانی تربیت کرنا چاہئے اور اس ''عملی سیاست'' کے خارزار میں الجھے بغیر ملت کو اسلامی سیاست، شرعی مقاصد اور دینی اعمال وکردار کی تلقین وتبلیغ کرتے رہنا چاہیے۔ چنانچہ ایک خط میں اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''سیاست کے باب میں ابھی تک عزلت گزینی پر قائم ہوں اور اسی میں فلاح سمجھتا ہوں۔ امت کی خدمت صرف سیاست ہی میں منحصر نہیں۔''

مسعود عالم ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سیاسیات'' میں میرے خیالات آپ لوگوں سے الگ نہیں۔ لیکن اگر رسالہ (الضیا) کو چلانا ہے تو اس کو شجر ممنوعہ قرار دینا پڑے گا۔ الخیر کلّہ لیس فی السیاسۃ، انما ھو نوع من الخیر، فترکہ لیس ترک الخیر کلہٖ۔ (مکاتیب سلیمان، ص:۳۶)

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اخبار ہلال کا طلوع مبارک! مگر ضرورت ہے کہ صرف قوم وملک کا سیاسی جذبہ کارفرما نہ ہو کچھ اللہ کا خوف وخشیت ہمارے دلوں کے اندر ہو اور اس کی رضا اور رجا کا بھی دل میں خطرہ ہو۔ افسوس ہے کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جو ہم میں نظری طور سے ملحد نہیں وہ عملی طور سے ملحد ہوتے جا رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کا دور ہندوستانی قومیت کے منافی نہیں۔''

تقسیم ہند سے پیشتر کے چند سالوں میں ہندوستان کا سیاسی مطلع جس طرح غبار آلود تھا اور سیاست جس طرح مسلمانان ہند کے دل و دماغ اور ذہن وقویٰ پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کا تصور آج بھی مشکل ہے۔ حسن وقبح کا مدار، اشخاص کی مدح وذم کا معیار سیاسی مسالک بن چکے تھے۔ حضرت والا قدس سرہٗ کی اس زمانے کی تحریر میں سیاسی اصابت رائے، فکری پختگی، ذہنی بلندی، دینی بصیرت اور اسلامی نظریہ زندگی کی معتدل اور جامع ہدایات ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مشعل راہ رہے گی۔

۱۹۴۵ء کے ہنگامہ خیز زمانہ میں کلکتہ میں ایک نئی 'جمعیت علمائے اسلام' قائم ہوئی تھی۔ جس کا مسلک پاکستانی نظریہ کی حمایت تھا۔ حضرت والا اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

''پچھلے مہینے کلکتہ میں ایک نئی جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد پڑی ہے۔ جہاں تک اس کے مطبوعہ نظام نامہ کا تعلق ہے۔ وہ بڑی اہمیت کی مستحق ہے اور اس سے بہت کچھ توقعات قائم کی جاسکتی ہے۔ لیکن کاش یہ معلوم ہوتا کہ کوئی ہنگامہ محرک تو اس ساری گردش افکار کا محور نہیں ہے؟ ان کاموں کے لئے ضرورت ہے چند جانباز مخلصوں کی جو اس کے نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اور پیہم سرگرمیوں کے لئے اپنے وجود کا یقین دلا دیں۔ ورنہ سیاسی تماشوں میں ایسے سوارنگ بہت دیکھنے میں آئے ہیں۔ جمعیت کو ثابت کرنا چاہیے کہ وہ ایسی نہیں ہے اور اس سے جو توقعات قائم کی جائیں۔ وہ پوری ہوں گی اور وہ متبوع ہو کر رہے گی، تابع نہیں۔

آج کل مسلمان اہل سیاست میں علماء کرام کو برا بھلا کہنے کا رواج عام ہو رہا ہے، اب علمائے جمعیت علمائے اسلام نے ہمت کر کے ان کی تائید میں آواز بلند کی ہے اور اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ علماء عموماً مسلمانوں کی موجودہ اکثری سیاست سے علیحدگی برت رہے ہیں۔ تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستوں کے گزشتہ طرز عمل میں کوئی تبدیلی ہوگی، کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ برا منظر اور کیا ہوگا کہ اس کا مشغلہ غیبت، بدگوئی اور باہمی طعن وطنز ہو۔

اس زمانہ میں جب الیکشن کا بازار گرم ہے، سیاسیات نے قومی اور تعلیمی وعلمی اداروں کو بھی اپنے

ساتھ الجھا لیا ہے۔ لیکن یہ صورت حال خود ان تعلیمی وعلمی اداروں کے لئے موزوں نہیں۔ یہ ادارے وہ کارخانے ہیں، جن کے سپرد قوم کے دماغوں کی تیاری کا کام ہے۔ اگر گولی بارود بنانے والے کارخانوں کے مزدور اور جنگی تربیت گاہوں کے معلم بھی فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ تو کیا ایسی قوم جو تقسیم عمل کے اصول سے اس طرح اعراض برت رہی ہو کبھی لڑائی کے سلسلہ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکتی ہے؟

مجلس دارالمصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے، اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں۔ تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاست کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے اور اس کو عملی سرگرمیوں کو بازیچہ نہ بنایا جائے۔'' (معارف، ص:۳۳۸، ۳۳۹ج:۵۶، نمبر:۶)

مسعود عالم صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میں اعظم گڑھ سے دور ہونے کے باعث الیکشنوں کے ہر گرد وغبار سے محفوظ رہا۔ ابھی۔۔۔ گیا تھا، ایک دن رہا، مدرسہ کانگریس کا قلعہ بن رہا تھا، حسن نیت اور اخلاص پر اعتماد ہے۔ مگر مدارس کا اس کشاکش میں پھنسنا کسی طرح علم ودین کے لئے پسندیدہ نہیں۔ اک طرف۔۔۔۔ کے طلبہ لیگ کا علم لے کر اور بالمقابل۔۔۔۔ کے طلبہ کانگریس کا جھنڈا لے کر صوبہ بھر میں پھیلے ہیں۔''

(مکاتیب سلیمان، ص:۱۹۴، ۱۹۵)

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کو لکھتے ہیں:

''ادھر میرٹھ میں قیام کے سبب سے دو چار روز کے لئے دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون، اور دہلی ہو آیا، ہر جگہ سیاست کے الجھاؤ سے اصحاب عمائم اور اہل درس وتدریس کو پراگندہ خاطر پایا۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ پر رحم فرمائے۔''

اُنہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''سیاست سے یکسو ہو کر علم اور دین کی خاطر ہم اپنی کوششوں کو یکجا کریں۔''

ایک خط میں مسعود عالم صاحب کو ۱۷ ستمبر ۱۹۴۶ء کو اس وقت کی سیاست کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ملت اسلامیہ کی اکثریت کی ناکامی کا سانحہ بڑا المناک ہوگا۔ ملک کی صحت وخطا سے بحث نہیں،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یوں ہی ایک بات قلم سے نکل گئی،

گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے۔"

حضرت سید الملّۃ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت پر اس بات کا بہت اثر تھا کہ اُمت مسلمہ اکثری حیثیت سے اپنے مقاصد، اپنے منصب خلافت اور مقام امامت کو بھلا کر فکر ونظر، علم وعمل میں متبوع ہونے کی بجائے دوسرے کی تابع اور ناقل بنتی جارہی ہے۔ بلکہ بن گئی ہے۔ امت کو اس کے مقام رفیع کی یاد دہانی، اسلامی نظریہ خلافت کی طرف رجوع اور دینی سیاست عادلہ کی طرف عود کی تلقین اپنے حکیمانہ اور پر درد آواز میں ہمیشہ فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک جگہ حکیم الامت کے مساعی جمیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: "حقیقت میں ترقی جس کی اس وقت دم بدم پکار ہے، اونچے محلوں، بھرے خزانوں، بیش قیمت لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں، اعلیٰ ملازمتوں، اونچی تنخواہوں، شاہانہ احترا موں، اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں۔ بلکہ اللہ پاک کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق، شریف عادات اور پاک وصاف قلب کا نام ہے۔ جو آب وگل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو اور حرص وہوا، حب مال اور حب جاہ کا گرویدہ نہ ہو جس میں اخلاق کے ساتھ خلاق کی رضا کے لئے خدمت خلق کا جذبہ ہو۔

فقر وتصوف، علم وفن اور تمدن وسیاست غرض زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض وغایت اور اصول ومبادی کو چھوڑ کر ہندی وعجمی ویونانی وفرانگی تصور حیات کی تقلید میں مصروف ہو گئے اور اب تک مصروف ہیں۔ اور اس کی رونق کو اپنے کاشانہ کی عظمت جانتے ہیں۔ فقر وتصوف میں ہندی ویونانی تصورات جوگ واستشر اق کی تقلید ہے۔ علم وفن میں عجمی ویونانی مذاق کی پیروری ہے۔ تمدن وسیاست میں ایرانی ورومی رنگ کی آمیزش ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ وہ دین جو قیصریت وکسروانیت کے رنگ کو مٹانے آیا تھا۔ اسی کے نام لیوا چالیس برس کے بعد خود ہی قیصر وکسروانیت کے رنگ میں آہستہ آہستہ ایسے رنگ گئے کہ اس کے امراء وحکام خلفائے راشدین کی جگہ قیصر وکسریٰ کی جانشینی پر فخر کرنے لگے۔ وہی تعیش، وہی سونے چاندی اور ریشم وحریر اور طاؤس ورباب کی زندگی مسلمان امراء وحکام کی زندگی کا مقصد بن گیا، بیت المال اس کا ذاتی خزانہ بن گیا، اور سلطنت ان کی موروثی ملکیت، جاگیرداری وزمین داری، اسلامی اصول کی بجائے قیصر وکسریٰ کے طرز کی پیروی جاری ہوگئی۔

یہ تو عہد گزشتہ کا حال تھا۔ عہد حاضر میں یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کی فخر ہے، ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں، ہماری خواتین کے سامنے انگلستان و فرانس کی عریانی اور رنگینی و بے حجابی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص وسرود اور ظاہری پوشاک ووضع کی اور طرز ماند و بود میں فرنگی مآبی، زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔ غرض مسلمانوں کے دل ودماغ اور ذہن وتصور سے زندگی کی وہ غایت اور حیات کا وہ مقصد جو اسلام نے پیش کیا تھا، یکسر مخفی اور پوشیدہ ہے۔

علم وفن پر غور کیجئے، تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں، اور تعلیم جدید یورپین ضلالت وگمراہی خیال کی عکاسی میں مصروف ہے اور سوائے تقلید ونقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا خیال آتا ہے۔ تو یورپ کی ایک سلطنت اپنی پوری ہوشربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہو جاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم وفن اپنا خاص ہے اور اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہمارا قومی وملی غرض وغایت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیں کہ وہ (اس آئینہ میں اپنے خط وخال کو دیکھ کر) اپنی شکل کو پہچانیں اور غلط وگمراہ دنیا کے پیرو اور مقلد بننے کے بجائے دنیا کے امام وپیشوا بنیں اور ایک نئے تمدن، نئے طرحیات، نئے مقصد زندگی اور نئے آئین سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔

بیاتا گل بر افشا نیم دمے در ساغر اندزیم
فلک راسقف بشر گا فیم دطرح نو در انداز یم

ترجمہ: آؤ کہ پھول بکھیریں اور جام میں شراب ڈالیں، آسمان کی چھت کو پھاڑ ڈالیں اور نئے طرز کی بنیاد ڈالیں۔

اور اس وقت کی غمزدہ اور مصیبت سے بھری ہوئی امن کی جویا اور سکینت کی پیاسی دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیں اور انفرادی واجتماعی زندگی کی تکمیل کریں جو دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کی کفیل ہو اور سیاست اور ملک داری کو حرص وہوا، جھوٹ اور دغا اور مکر وفریب سے آزاد کریں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اگرغم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندا زیم

ترجمہ: اگرغم ایک لشکر کھڑا کردے کہ عاشقوں کے خون کو گرائے گا، میں اور ساقی ملیں گے اور اس کی بنیاد کو اکھاڑ دیں گے۔

اسلام نے بانگ دہل بتایا ہے اور تاریخ نے اس کی تائید کی ہے کہ حکمرانی کے استحقاق کے لئے اخلاقی جوہر لازمی ہے۔ حب مال اور حب جاہ یہ دولبالب زہر کے پیالے ہیں۔ جو شربت زلال کی شکل میں حکام اور لیڈروں کو پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی نے ان کی طمع میں آکر ان کو پی لیا۔ تو نہ صرف ان کی بلکہ پوری ملت کی موت کا باعث بن جاتا ہے۔ اس لئے وہ حکومت صالحہ جس کی دعوت اسلام کا آئین دیتا ہے وہ ایثار و اخلاص اور خدمت خلق کے للہی جذبات سے تعمیر پاتی ہے۔ لیکن ان جذبات کی آفرینش اور مال و جاہ کی محبت سے قلوب کی حفاظت اس تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں جو قرآن سے ہدایت یابی کی پہلی شرط ہے۔ ''ھدی للمتقین'' بے انصافی، کینہ پروری، رشوت خوری، پرمٹ فروشی، بلیک مارکیٹنگ جن کی بدولت ہندوستان و پاکستان کی بنیادیں ہل رہی ہیں، وہ حاکموں عہدہ داروں اور وزیروں اور سوداگروں اور تاجروں اور زمینداروں اور کسانوں کی انھیں اوصاف عالیہ سے خالی اور محروم ہونے کے سبب سے ہیں اور اس کا اصل سرچشمہ اس خشیت الٰہی اور جزائے ''یوم الدین'' سے بیگانگی ہے۔ جس سے قلوب تزکیہ و تصفیہ کے آب صافی سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔ اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر انفرادی کام بھی تزکیہ قلب اور تصفیۂ اخلاق کے بغیر فوز حقیقی سے محروم رہتے ہیں۔ افراد کے قلوب جب تک عناد و حسد، بغض و کینہ، عجب و غرور، ریا و نمائش سے خالی اور اخلاص و ایثار، توکل و اعتماد الی اللہ اور صبر و ثبات سے معمور نہیں ہوتے۔ دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں اجر و ثواب سے ہم کنار نہیں ہوتے اور یہ ایسے اصول ہیں جو ایک طرف اصول و تعلیمات دین اور دوسری طرف اجتماعی و انفرادی مبادئ نفسیات سے ثابت اور مؤید ہے۔

شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، اس کے کاموں کی غایت رضائے الٰہی کی طلب، اور احکام الٰہی کی تعمیل اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند تخیل کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ غیر فانی ملت کا مقصد حیات ایسے ہی

غیر قانونی مقاصد ہو سکتے ہیں۔ ورنہ محض دنیاوی فوز و فلاح یعنی دولت و حشمت، عیش زندگی اور اسبابِ راحت کی فراوانی اور بلند محلات اور خدم و حشم کی کثرت تو وہ پست و متبذل مقاصد ہیں جو زندگی کا فریب اور حیات انسانی کا سراب ہیں۔ ''ذلك بأن الله هو الحق و انّ ما يدعو من دونه الباطل، كل شئ خلا الله باطل'' (مقدمہ جامع المجددین)

ایک دوسرے مقام پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے مسلمانوں اور ممالک اسلامیہ کے اپنے خاص مقاصدِ حیات و طریقہ زندگی سے گریز اور سید الانبیاء ﷺ کے اسوۂ کاملہ سے افسوسناک اعراض کا بیان اور ان کا یورپین یہود و نصاریٰ کے مردود و گمراہانہ طریقوں کی پیروی کا تذکرہ کس حکیمانہ، پر درد و مؤثر علمی انداز میں فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

''یورپ کا ہر فتنہ اور ذہنی انقلاب کا ہر ہنگامہ، جو دنیائے نصاریٰ میں رونما ہوتا ہے، اس کی تہہ میں جو قوت کارفرما ہوتی ہے، وہ یہودی ہوتی ہے۔ وطنیت کا فتنہ، بین الاقوامیت کا فتنہ، ڈیموکریسی کا فتنہ، سوشلزم کا فتنہ، بالشوازم کا فتنہ، ان میں سے کون سی چیز ہے، جو یہود کی دماغی سرکشی اور ذہنی طغیانی خیال کی ممنون نہیں، آج یورپ اور امریکہ میں ایک طرف سرمایہ پرستی اور جمہوریت کا پہرا قائم ہے اور دوسری طرف مزدوروں اور کسانوں کی دعوت کی غلط صورت اور سوشیالسٹ تحریک کی لادینی حکومت کے کیمپ لگے ہوئے ہیں اور دونوں چیزیں یہودیوں کی طاغیانہ رہنمائی اور نصاریٰ کی گمراہی کے دو گونہ عناصر سے مرکب ہیں اور ساری دنیا ان دونوں کی طغیانی و گمراہی کے فتنوں میں سر سے پاؤں تک مبتلا ہے۔

آج ہمارے اسلامی ممالک خواہ وہ اپنے کو آزاد کہیں یا غلام، حاکم کہیں یا محکوم، کیا انہیں دو فتنوں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہیں۔ اب یاد کیجئے ''رب العالمین، مالك يوم الدين'' نے اول روز سے ہم کو یہ بتایا تھا کہ تم ہمیشہ، ہر حال میں اور اپنی ہر چال میں انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر قائم رہنا اور مغضوب اور ضال قوموں سے بچے رہنا، مگر کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے اس کا الٹا کیا، یعنی انبیاء کے راستے کو چھوڑ کر مغضوب اور ضال قوموں کی راہوں کو اختیار کیا اور آج بھی یہی حال ہے، آج مسلمانوں کی ہر جماعت خواہ کسی ملک میں ہو اپنی ترقی و اصلاح اور سعادت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی طرف نہیں، بلکہ انہیں مغضوب اور ضال قوموں کی امامت کی اقتدا کے لیے بے قرار ہے۔ وضع قطع، تراش و خراش،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صورت وسیرت، تعلیم وتربیت، تہذیب وتمدن، اخلاق وعادات، رفتار وگفتار، تجارت واقتصاد ومعاملات اور حکومت وسلطنت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا رخ انبیاء علیہم السلام کی طرف ہے؟ یا مغضوب وضال قوموں کی طرف ہے؟ ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ میرا منہ طرف کعبے شریف کے، مگر رفتار کی سمت لندن، پیرس، ماسکو، برلن اور نیو یارک کی طرف ہے۔ زبان سے تو اپنی سعادت و ہدایت کو انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں منحصر مانتے ہیں۔ مگر دل میں اپنی ترقی کا راز یورپ وامریکہ کی پیروی میں منحصر مانتے ہیں۔ ہم میں سے بعضوں نے جو دانش مندی کے مدعی ہیں، دین اور دنیا کے دو حصے کر رکھے ہیں اور دین میں انبیاء کی اور دنیا میں ان مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی کے داعی ہیں، لیکن دین ودنیا کی یہ تقسیم کی تاویل بھی انہیں گمراہوں کی تعلیم کا اعادہ ہے جنہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں میں یہ لکھا پایا ہے۔ کہ ''جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے خدا کو دو'' گویا وہ دو خداؤں کے قائل ہیں، قیصر جو دنیا پر حکومت کرتا ہے اور خدا جو آسمان پر فرمانروا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں وہ (خدا) واحد ہے۔ وہ قیصر کون ہے جو خدا کے ساتھ برابر کی حکومت کا دعوے دار ہیں: "لله ملك السمٰوٰت والارض" (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے)'' ان مغضوب وضال قوموں کی ایجاد و اختراع، دولت وطاقت، حکومت وسلطنت کی ظاہری چمک دمک نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ ان کی عریانی و بے پردگی، ان کی نفس پرستی وہوسنا کی وخود پسندی، ان کے تکبر واستکبار ان کے کفر و عصیان کی ہر تصویر ہمارے دل کو پسند ہے۔ ہمارے بچے، جوان، بوڑھے، عورت اور مرد ہر ایک اس کوشش میں ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ کے اس مشترکہ پیدا کردہ تہذیب وتمدن، طور وطریق، شکل ولباس، تعلیم وتربیت کی راہوں کی اقدار کی تیز سے تیز دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اور اس ناصح کی تکذیب میں مصروف ہے جو ان کو مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ آج مسلمان نوجوان اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنے رہنمائے اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ نہیں، بلکہ لنینؔ، سٹالنؔ، ہٹلرؔ، مسولینیؔ، چرچلؔ اور روز وسلیٹ کے نمونوں کی تلاش اور ان کے روپ میں ہر طرح کوشاں ہیں اور انہی کی پیروی میں مسلمانوں کی نجات سمجھتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اہل سیاست کو موجودہ مغضوب ودجال قوموں کے مذموم تمدن وتہذیب اور بے آئین نظام سلطنت

وحکومت، ظالمانہ طریق حکمرانی وفرمانروائی، گمراہانہ طریق تعلیم وتربیت، فاسد اخلاق وکردار اور قزاقانہ اقتصاد ووحشیانہ طاقت اور مجرمانہ سیاست پر افسوس نہیں، بلکہ اس پر حسرت ہے کہ اس مجرم گنہگار، عریاں خوشنما، فاسد الاخلاق، قزاق اور وحشی طاقت کے حکمران وفرمان روا اور ظالم نظام اقتصاد اور فاسد اصول قضا وعدالت کے مالک ہم کیوں نہ ہوئے، ان کو یہ افسوس نہیں کہ شیطان کا یہ تخت جبروت کیوں بچھا ہے۔ بلکہ یہ افسوس ہے کہ ہم اس پر کیوں نہیں بیٹھے۔ ان کو شیطان کے تخت الٹنے کی فکر نہیں بلکہ اس پر جلوس فرمانے کی فکر مستولی ہے۔

مسلمان مدت سے اس حال میں ہیں کہ وہ اپنے کو بھول گئے ہیں اور دوسری قوموں کی نقالی میں مصروف ہیں۔ اسلام ایک مستقل نظام حیات، نظام اقتصاد، نظام سیاست اور نظام اخلاق کا نام ہے۔ خود اپنے نظامات سے روگرداں ہو کر یا ان میں ترمیم وتبدیلی کر کے دنیا کے دوسرے ناقص وفاسد نظامات کو اختیار کرنے میں اپنی زندگی کی نجات جانتے ہیں۔

ترکی، مصر، شام، عراق، افغانستان، شمالی افریقہ، ہندوستان غرض وہ جہاں کہیں بھی ہیں، خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، یورپ کی نقالی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا میں قیصریت اور کسروانیت کے علمبردار اور پیغمبروں کی بجائے ہلاکوؤں اور چنگیزوں کے جانشین بن گئے۔ آج انقلاب کا عہد ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پھر سے اپنی رفتار، سمت اور زندگی کے مقصد کو درست کریں، وہ اللہ کے محکوم، اس کے شریعت کے حامل اور دنیا میں اس کی شہنشاہی کے نمائندہ بنیں۔ ان کو پہلے اللہ کے قانون کو اپنے اوپر اور پھر اس کے بعد دوسروں کے اوپر نافذ کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کو ان معنوں میں قوم نہیں کہنا چاہیے جن معنوں میں رنگ اور نسل ونسب اور وطن کے اجزائے ترکیبی سے دنیا میں قومیں بنائی جاتی ہیں، بلکہ انسانی جماعتوں کا وہ ایسا مجموعہ ہے جن کے ترکیبی اجزا خاص خیالات، خاص عقائد، خاص اعمال، خاص اخلاق، خاص تمدن، خاص اصول سلطنت وحکمرانی ہیں۔ اس لئے وہ دوسری قوموں کے ساتھ متحد ومحکوم ہو کر نہیں بلکہ مصالحانہ اور معاہدانہ اصول پر دوست بن کر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ورنہ ان کا وجود دوسری قوموں کے ساتھ مخلوط ہو کر پائیدار نہ ہوگا۔ اس لئے مسلمانوں کو ضرورت ہے ذہنیت کے بدلنے، خیالات کے پلٹنے اور صحیح فکر کو سامنے رکھنے اور صحیح نصب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

العین کو اپنے دل میں جگہ دینے کی، تاکہ دنیا میں وہ انبیاء علیہم السلام کے نمائندے اور اسلام کا نمونہ بن کر ظاہر ہوں''۔ (معارف، نمبر:۵۔ج:۵۹،ص:۱۰۴تا۱۰۹)

ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں:

''زمانہ کے حالات جس تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں۔خوشی کی بات ہے کہ مسلمان اس سے بے خبر نہیں۔معالجوں کی رایوں میں اختلاف ہوسکتا ہے۔مگر مرض کی شدت اور نفس علاج کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں۔قوم وملت کے معالجوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک وہ جو مسلمان قوم کی سیاسی تنظیم کرکے اس کو برسرعروج لانا چاہتے ہیں اور پھر ان کو ''استخلاف فی الارض'' کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضرورت یہ ہے کہ اس پیام کے مبلغ اور رہبر پہلے خود کام کے مسلمان بنیں کہ

خفتہ را خفتہ کے کند ہشیار

ترجمہ: سوئے ہوئے کو سویا ہوا کیسے جگا سکتا ہے۔(یعنی جس کی اصلاح نہ ہوئی ہو وہ کسی اور کی اصلاح کیسے کرسکتا ہے۔)

سچ یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ ہم دوسروں پر حکومت کریں۔ہم کو خود اپنے نفس کے اوپر حکومت کرنا چاہیے۔حق کے پیام پر غیر متزلزل ایمان، احکام الٰہی پر بے چوں چراں عمل، حق کی راہ میں مجاہدانہ روح وثبات، قدم عزم، راسخ حق کے لئے ایثار اور ذاتی خودغرضیوں کا استیصال (چاہیے) کہ دنیا کسی دعوت کو اس وقت تک قبول نہیں کرتی جب تک داعیوں کے جان ومال کا پورا پورا امتحان نہیں لے لیتی۔ اور دعوت کے حرفوں کو داعیوں کے خون کی روشنائی میں نہیں پڑھ لیتی۔یہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصول ہیں، جو نہ کبھی بدلے ہیں نہ بدلیں گے۔

ایک اور نکتہ بھی نہیں بھولنا چاہیے۔اسلام اور مسلمان ایک نہیں، دو چیزیں ہیں۔مسلمان اب ایک قوم کا نام پڑ گیا ہے، جس کے اسلاف پیام اسلام کے حامل اور تعلیم اسلام کے عامل تھے۔انہوں نے دنیا پر فتح پائی اور اپنی مفتوحہ دولت اپنے اخلاف کے سپرد کردی۔زمانہ کے مرور سے یہ اخلاف یہ بھول گئے کہ یہ انعام ان کے اسلاف کو ان کے خاص اوصاف کے صلے میں ملا تھا۔جب تک وہ اوصاف رہیں، وہ انعام ان کے پاس رہا اور جب وہ جاتے رہے تو ان کا یہ انعام بھی چھن گیا۔اب اگر اس کے

حصول کی پھر تمنا ہے تو پھر انہی اوصاف کو حاصل کرنا ہے۔''ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم'' حکم ناطق ہے۔

نادانی سے ہم لازم کو ملزوم اور ملزوم کو لازم سمجھتے ہیں۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے کسی طرح حقوق حاصل کرنے چاہیے۔اس کے ساتھ سلطنت وحکومت کے اوصاف پیدا ہوجائیں گے۔یہ خیال قطعاً غلط ہے، پہلے اوصاف حاصل کرو، پھر اس کے نتیجوں کی امید رکھو۔اگر ان اوصاف کے بغیر کوئی چیز ہم کو رعایت سے ملی بھی، تو وہ ہمارے پاس نہیں رہ سکتی۔'' (معارف، شذرات ماہ اپریل ۱۹۴۲ء)

مندرجہ بالا اقتباسات سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی نظریہ پر روشنی پڑتی ہیں اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت والا قدس سرہٗ عصری سیاست کو خالص اسلامی سیاست نہیں سمجھتے تھے۔چنانچہ ایک عزیز مسترشد کو راقم فرماتے ہیں:

''موجودہ سیاست میں اہواء واغراض نے دین کا جامہ پہن لیا ہے، ڈوب کر دیکھئے۔''

(تذکرہ سلیمان، ص:۵۵۶)

اس لیے اس میں سالکین وعلماء کا انہماک پسند نہیں فرماتے تھے۔چنانچہ ایک مرتبہ پاکستان کے ایک مشہور پیر کے متعلق فرمایا:

پیر صاحب کو اب کس طرح ادھر (خالص دین کی خدمت کی طرف) لایا جائے۔وہ جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ سب کچھ سیاست میں ہے، مذہب کچھ نہیں، منہ کو خون لگ گیا ہے، چٹخارہ ہے۔

اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

۱۹۴۶ء، ۱۹۴۷ء کے ''سیاسی طوفان'' میں اپنے سیاسی مسلک کی توضیح کرتے ہوئے اپنے مسترشد خاص برادرِ عزیز غلام محمد صاحب حیدرآبادی مدظلہٗ کو تحریر فرماتے ہیں:

''آپ جس مقام پر ہیں وہ اس مقام سے جہاں عام مسلمان آباد ہیں سراسر مختلف ہے۔

تو اے کبوتر بام حرم چہ مے دانی
طپیدنِ دل مرغانِ رشتہ برپارا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ترجمہ: اے مرغ حرم تمہیں ان پرندوں کی تکلیف کا کیا پتہ جن کے پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔

میں نے سیاسیات کے خارزار سے مدت ہوئی کہ اپنا دامن چھڑالیا، اب جو کچھ ہے مسلمانوں کے دینی وعلمی وتعلیمی خدمات کی بجا آوری کا شوق ہے۔ان کے علاوہ دیگر امور سے قطعاً عزلت نشین اور مسلمانوں کی صلاح وفلاح کی دعا دل سے کرتا ہوں۔اس سے زیادہ کیا لکھوں، جذبات کے جوش میں بہنے سے کام نہ چلے گا۔

میں ان تمام نزاعات (اختلاف کانگریس وغیرہ) سے عملاً کنارہ کش ہوں اور دل میں مسلمانوں کی خیر وفلاح کے خیال کے سوا کچھ نہیں رکھتا اور اسی کا داعی ہوں اور اپنے اختیار کی حد تک اس کا ساعی، مجھے سیاست کا رہبر نہ سمجھیے۔خدا کریں کہ آپ دین کی طرف سے توجہ ہٹا کر موجودہ شورشوں کی طرف اتنی نہ کریں جو ادھر سے تغافل ہوجائے۔دین ثابت وقائم چیز ہیں اور سیاست متبدل ومتغیر، ہنگامی چیزوں کو اہمیت نہ دیں اور امور دوامی میں مصروف رہیں۔

انہیں کو ان کی ایک سیاسی تحریر اور پھر اس پر پشیمانی کی اطلاع پر ارقام فرماتے ہیں:

''آپ جس کو گستاخی سمجھے وہ میرے خیال میں سیاسی بحران ہیں جس ماحول میں آپ ہیں، اس میں اس قسم کے بحرانی جذبات وخیالات کا پیدا ہوجانا عین مقتضائے طبع ہے۔اس لئے آپ کے وساوس کا خیال مجھے ذرا بھی نہیں ہوا۔سمجھتا ہوں کہ آپ کی طبیعت زود اثر ہے کبھی سیاسیات کا جوش طبیعت پر غالب آجاتا ہے۔موجودہ سیاسیات کا اثر طبائع پر ایسا ہی پڑتا ہے۔ان تمام ذہنی شورشوں کا علاج یہ ہے کہ پیش آمدہ امور غیر اختیاری ہیں۔پھر ہماری فکر اور غم کا حاصل؟ جس امت کی تاریخ میں وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، شہادت فاروق رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ،، جنگ جمل، جنگ صفین، فتنۂ حجاج، فتنہ یزید اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ جیسے واقعات پیدا ہوئے ہوں۔اس کے ہاتھ سے موجودہ سیاسیات کا ہیجان صبر کا دامن کیوں چھڑادے اور اللہ تعالیٰ کا حاکم وحکیم بیک وقت ہونے کے اعتقاد سے کیوں تغافل ہو؟

اس تفصیل کا منشا یہ ہے کہ ہنگامی جوش وخروش یا سردی ومایوسی سے مؤمن نہ گرم ہو نہ نرم، اپنے کام میں یکساں لگا رہے۔

خطرات کے علاج دو ہیں: اللہ تعالیٰ کے حکیم اور حاکم ہونے کا استحضار اور دوسرے ہنگامی اور

دوامی امور میں فرق کا احساس۔

راقم کی ایک ناکامی پر ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا''۔

اور ایک دوسرے موقع پر ایک دوسرے صاحب سے میری اس ناکامی کا تذکرہ کرکے فرمایا:

''سیاست کا کچھ تجربہ نہیں ہوا ہے۔اب سمجھے ہیں کہ یہ کونین کی کڑوی گولی ہیں''۔

اور اسی کے متعلق مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:

''الخیر فیما وقع بہرحال آپ کو سیاسیات کا تھوڑا سا تجربہ ہوگیا''

اپنے اس زمانہ کے سیاسی انہماک کی وجہ سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضری ہوتی تو سیاسی باتیں اکثر چھیڑ دیتا۔ایک دفعہ ندامت کے طور پر عرض کیا: ''حضرت آپ کی مجلس کے آداب بجا نہیں لاتا اور سیاسی بکواس شروع کردیتا ہوں۔فرمایا: کیا حرج ہے انسان وہی اگلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔اچھا ہے قے ہوجائے گی۔''

خدا کی شان حضرت کے اس ارشاد کے بعد روز بروز سیاسی جھمیلوں سے بیزاری اور عملی سیاست سے کنارہ کشی کا میلان بڑھتا رہا۔یہاں تک کہ تعلیمی خدمت میں مشغول ہوکر رہ گیا، جب حضرت والا کو اس کی اطلاع دی گئی تو ارقام فرمایا:

''جماعتی کاموں میں اتنی کثیف گندگی ہے کہ اس کا ازالہ ہم ضعفاء سے ممکن نہیں''۔

تاہم حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے آخری وقت تک سیاست کے چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

بلکہ میری آخری حاضری کے ایام میں ایک مرتبہ جب سیاسی خرابیوں کا تذکرہ چھڑا تو ایک دوسرے صاحب نے راقم سے کہا کہ آپ اس گندی سیاست کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے، حضرت والا قدس سرّہٗ نے اس موقع پر فرمایا:

''یہ معاملہ ہر ایک کی اپنی قوت وضعف اور نیت کا ہے''۔

ایک مرتبہ راقم نے تحریر کیا کہ موجودہ سیاست کے ساتھ چلنا اور انہیں صحیح بنیادوں پر اٹھانا نہایت ہی دشوار کام ہے، قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں۔اس کے جواب میں ارقام فرمایا:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تو پاک باش مدار از کس باک

ترجمہ: تو پاک رہ کسی سے نہ ڈر۔ (یعنی آدمی اگر خود پاک ہو تو اس کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ راقم بغیر اپنی کوششوں کے ایک اہم سیاسی جماعت کا عہدہ دار بنا دیا گیا۔ حضرت والا کو مطلع کیا تو حضرت والا نے تحریر فرمایا:

''اللہ اس کی قوت آپ کو عطا کریں جب واقعہ ہو چکا تو مشورہ دینے کا موقع نہیں، اللہ تعالیٰ بہتر کر دیں''۔

رفقاء کے پیہم دباؤ کی بنا پر عاجز نے سرحد اسمبلی کی ممبری کے لئے کھڑے ہونے کا مشورہ طلب کیا تو نہایت ہی بلیغ جواب تحریر فرمایا:

''یہ معاملہ اپنی قوت وضعف کا ہے، اگر آپ یہ قوت اپنے میں پاتے ہیں یا کم از کم ارادہ رکھتے ہیں کہ مواقع خیر میں خیر کی اعانت کریں گے تو کھڑے ہو جایئے، مگر انتخاب کے لئے وہ مکائد و دسائس کام میں نہ لائیں، جو اہل دنیا اور طالب جاہ و مال کرتے ہیں، پس جاہ و مال کی طلب سے خالی ہو کر کرنے کی طاقت پائیں تو کھڑے ہوں''۔

ایک مرتبہ چند شامی نوجوان خدمت میں حاضر ہوئے اور نظام اسلامی اور شریعت کے نفاذ پر بات چیت ہوئی۔ ان کے رخصت ہونے پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر سے فرمایا:

''آج ہر جگہ نوجوانوں میں دینی احیا اور شریعت کے نافذ کرنے کا جذبہ ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ سٹیئرنگ دوسروں کے ہاتھ میں ہے''۔

مذکورہ بالا ارشادات سے سیاست سے متعلق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے کہ سیاست کو مقصد سمجھ کر اسی میں انہماک کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن اگر سیاست کو دین و خیر کے فروغ کا سبب و ذریعہ سمجھ کر کمال احتیاط سے اپنے کو حُبِ مال و جاہ کی آرائشوں سے بچاتے ہوئے اس میں شرکت کی جائے تو مسلک سلیمانی میں اس کی گنجائش ہے۔

لیکن یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں اور حضرت شیخ ہی کے الفاظ ہیں۔ ''جماعتی کاموں میں اتنی

کثیف گندگی ہے کہ اس کا ازالہ ہم ضعفاء سے ممکن نہیں۔'' اس لئے عموماً حضرت شیخ قدس سرّہٗ کی طالبین کو ہدایات اس طرح ملتی ہیں کہ:

''ضرورت اس کی ہے کہ سیاست سے بے پرواہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوا جائے۔ اخلاص کے ساتھ اس (تبلیغی) کام کو جاری رکھیں اور کبھی اس میں اپنے اندر استکبار اور دوسروں کے باب میں استحکار نہ آنے دیں۔''

''اگر میرے مشورے پر عمل کیا جائے تو عملاً ان (لیگ و کانگریس) میں سے کسی میں شریک نہ ہو ں اور اس کے لئے دعا کریں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمانوں کے لئے خیر ہو۔ اِتّقِ الفرق کلھا۔''

''خالص دینی تقریر جاری رکھیے سیاست سے کامل پرہیز۔''

''جہاد صرف کانگریس کی ممبری اور اس کے لئے جیل جانے کا نام نہیں۔ بلکہ دین کی بلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے تکالیف جانی و مالی کو گوارا کریں۔ یہاں تک کہ جان بھی اسی راہ میں چلی جائے۔ گو جان دینے کے بھی شرائط ہیں۔''

''پہلے تو یہ سمجھیں کہ جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے سعی و کوشش بالنفس والمال کا نام ہیں۔ وہ کسی بادشاہ کی سلطنت کے قیام کے لئے نہیں جس کو آج کل سمجھا جاتا ہے۔ قومی حکومت و سلطنت جس کا تصور آج کل ہے وہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ سے دور ہے۔ صحیح راہ یہ ہے کہ دل میں جہاد کی تمنا رہنی چاہیے اور وقت پر اس کا ظہور ہو''۔

غرض حضرت والا طلباء و علماء اور سالکین کا سیاست میں الجھنا پسند نہیں فرماتے تھے کہ حضرت شیخ کے نزدیک جو کام ان کے سپرد ہے، وہ اتنا ضروری و اہم ہے کہ اس کا ترک یا امہال ملّت کے بنیادی نظام اور تعلیم و تربیت کے لئے نقصان دہ ہے۔ تاہم جیسا کہ گزر چکا حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی وسعتِ بصیرت اور عمق نظر نے کلیۃً ان طبقات کے لئے سیاسیات کو ''شجر ممنوعہ'' نہیں قرار دیا۔ بلکہ اس بارہ میں حضرت سید الملّت کا یہ جملہ قول فیصل ہے: ''یہ معاملہ (سیاست میں شرکت یا عدم شرکت) ہر ایک کی اپنی قوت و ضعف اور نیت کا ہے۔'' مراد یہ ہے کہ مواقع خیر میں اعانت، احقاق حق اور ابطال باطل اور خدمت دین وملت کی قوت و ہمت پاتا ہو، تو گنجائش ہے اور اگر یہ ہمت و عزیمت نہ ہو تو عملی سیاست سے کنارہ کشی ہی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قرین صواب ہے۔اپنے دائرہ میں خدمتِ دین اور تعمیر ملت کے کاموں میں کمی نہ کرے۔امت کی دینی و ذہنی تعلیم و تربیت کی اہمیت کو جانے اور صدق و اخلاص سے ملت کی صحیح رہنمائی کی کوشش تحریر و تقریر اور دیگر ذرائع سے کرتا رہے کہ ملت کے دل و دماغ کی تربیت و آبیاری سیاست کے خارزار کی آبلہ پیمائی سے کسی طرح کم نہیں۔واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

❀❀❀

(۳)
قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت

یہ مقالہ پاکستان اکادمی برائے دیہی ترقی پشاور کے علماء پراجیکٹ کے منعقد کردہ علماء کنونشن میں ۲۹ر فروری ۱۹۷۲ء کو پڑھا گیا۔

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔جس کی بنیاد اسلام کی اس جامع اور عالمگیر نظریہ پر رکھی گئی ہے کہ دین اسلام ہی انسانوں کے دینی و دنیاوی تمام مسائل کے حل اور ضرورتوں کا کفیل ہے۔بانیانِ پاکستان قائداعظم مرحوم،لیاقت علی خان مرحوم،اور دیگر زعماء لیگ پاکستان کی جدوجہد میں اسی نظریہ کو لے کر آگے بڑھے تھے،اور اسی کی بنیاد پر اسلامیان ہندو پاک نے اپنی امنگیں اور امیدیں اس خطۂ زمین کے ساتھ وابستہ کر دی تھیں،جس کا نام پاکستان تھا اور جس میں بقول شہید ملت علی خان مرحوم اسلامی نظریہ حیات کو عملی طور پر رائج کرنا اور اسے اسلامی نظام حیات کی تجربہ گاہ بنانا مقصود تھا۔قائداعظم نے اپنے کئی بیانون میں اس بات کو واضح فرما دیا تھا کہ قرآن ہی مسلمانوں کا واحد ضابطہ حیات ہے۔جس میں اس کی آئینی،قانونی،مجلسی،معاشی،معاشرتی غرض زندگی کے ہر پہلو کا کامیاب حل موجود ہے۔ یاد دہانی کے طور پر چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

قائداعظم نے نومبر ۱۹۳۹ء کو عیدالفطر کے موقع پر بمبئی سے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''مسلمانوں ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گاندھی کو اگست ۱۹۴۴ء میں لکھتے ہیں:

''قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے، اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض یہ کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ امور حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و فرائض تک، اخلاق سے لے کر انسداد جرائم تک، زندگی میں جزا اور سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا وسزا تک ہر ایک فعل وقول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے، لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔''

ستمبر ۱۹۴۵ء کے پیغام عید میں فرمایا:

''ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادت اور اخلاقیات تک ہی محدود نہیں بلکہ قرآن کریم سب مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی، معاشرتی، تمدنی، تجارتی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔''

۱۹۴۴ء میں علی گڑھ میں ایک تقریر کے دوران فرمایا:

''رہنمائی کے لئے ہمارے پاس اسلام کی عظیم الشان شریعت موجود ہے۔ اسلام ہر شخص سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنا فرض بجالائے۔''

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن جالندھر ۱۹۴۳ء کی صدارتی تقریر میں واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:

''مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت کیا ہوگا۔ پاکستان کا طرز حکومت تعین کرنے والا میں کون! یہ کام پاکستان کے رہنے والوں کا ہے اور میرے خیال میں مسلمانوں کے طرز حکومت کا آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصلہ کر دیا ہے۔''

تقسیم سے پیشتر شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے جلسہ تقسیم اسناد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے سامنے ایک نہایت اہم سوال درپیش ہے اور وہ یہ کہ تم کس نظام کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اپنی آئندہ زندگی اسلامی طور وطریق اور آئین و

قوانین کے بموجب بسر کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہم کو ایک آزاد اور خود مختار ملک کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نظام زندگی کیا ہے، اور کن اصولوں پر اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جائے گی؟ اس سوال کا جواب مسلمان کے پاس سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ مسلمان کے پیش نظر اس مقصد حیات کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہے جو حضرت محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو برس قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ جو پیغام الٰہی لے کر تشریف لائے تھے اب وہ ہمارے پاس ہے، اور وہ دنیا کی عظیم المرتبت کتاب قرآن شریف میں اب بھی بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ ہر مسلمان کا دین و ایمان ہے کہ اس کی موت وحیات سب ہی اللہ کے لئے وقف ہے۔ اللہ ہی ہمارا بادشاہ ہے اور وہ ہی ہمارا حکمران ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جو کوئی بھی حکومت کرتا ہے۔ وہ اللہ ہی کی طرف سے حکومت کرتا ہے کیونکہ تمام حاکمیت اور طاقت اللہ ہی کو زیبا ہے۔ اسلامی نظام زندگی انسان کا ساختہ و پرداختہ نہیں ہے۔ بلکہ واقعی طور پر وہ اس دنیا میں عمل پذیر رہ چکا ہے اور اب بھی ہمارے پاس موجود ہے۔''

ان زعماء ملت کے یہ واضح اعلانات حقیقتاً اس سچائی پر مبنی تھے کہ امت محمدیہ ﷺ مرحومہ کا اپنا ایک خاص مزاج ہے اور یہ لافانی اور بے مثال امت ہے۔ اپنے قوام و تشکیل ملی میں صرف اس اندرونی یقین و اعتقاد و جذبۂ وحدت کی محتاج ہے جسے ''ایمان'' کہتے ہیں۔ امت محمدیہ ﷺ کا مزاج سراسر دین پر قائم ہے۔ اگر اس کے دینی مزاج کی رعایت نہیں کی جائے گی تو یہ ملت من حیث الامت ختم ہو جائے گی۔ دوسری قومیں رنگ و نسل، وطن و زبان کی بنیادوں پر تشکیل پاتی ہے لیکن اسلام ان میں سے کسی بنیاد کو اصل قرار نہیں دیتا۔ وہ ان سب کی تخریب کے بعد اس مابعد الطبیعاتی جذبۂ ملی پر ''امت'' کی تشکیل کرتا ہے جسے دین کہتے ہیں۔ اسلام وہ قوی رشتہ ہے جو مختلف قوموں، رنگوں، اور نسلوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ صہیبؓ رومی ہوں یا بلال حبشیؓ۔ سلمانؓ فارسی ہوں یا ابوبکرؓ قریشی سب ایک ہی ملت واحدہ کے محترم افراد ہیں۔ ان کی ''اسلامیت'' نے رنگ و نسل کے تمام بندھنوں کو توڑ دیا۔ پولیٹکل سائنٹسٹ موسیو رینان فرنساوی نے کہا ہے:

''قومیت وہ جذبہ اشتراک ہے جو مختلف افراد کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں مقاصد حیات کی یکجہتی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عطا کرتا ہے۔‘‘

اسلام مسلمانوں میں عشق الٰہی ومحبت رسول ﷺ کا والہانہ جذبہ پیدا کر کے اس داعیۂ اشتراک کو جنم دیتا ہے جو عقائد و مقاصد کی یکجہتی ہیں۔مختلف ملکوں اور مختلف نسلوں اور مختلف رنگوں اور مختلف طبقات کے انسانوں کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ یہ رشتہ روحانی، نسلی رشتہ سے برتر وقوی تر ہے۔ چنانچہ مفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وامام بغوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے شواہد سے اس حقیقت کو واضح ومبرہن کیا ہے۔

بقول جامیؔ

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ترجمہ: اے جامی! بندہ عشق بن جا (یعنی احکام الٰہی کی بے چوں وچرا تعمیل کر) اور نسب وحسب (پر فخر ومباہات) چھوڑ دے کہ اس (دین کی) راہ میں فلاں بن فلاں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اسلامی جذبہ ملی کے ایک سرشار سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ’’اسلامی قومیت‘‘ کی بنیاد کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ابی الاسلام لا اب سواہ
اذا افتخروا بقیس و تمیم

’’میرے باپ کا نام اسلام ہے، اسلام کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔لوگ قیس وتمیم کے قبیلوں پر فخر کرتے ہیں (اور میں مسلم ہونے پر فخر کرتا ہوں)۔‘‘

اسلام ملت مسلمہ کا اجتماعی نفس ناطقہ ہے، اگر اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ ملت کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہوگا، تو یہ امت پھلتی پھولتی رہے گی اور جس قدر یہ جذبہ کم ہوتا چلا جائے گا اس پر اضمحلال وزوال کے آثار طاری ہوتے جائیں گے۔حکیم شاعر اکبرالہ آبادی نے خوب کہا ہے:

جب سر میں ہوائے اطاعت تھی سر سبز شجر امید کا تھا
جب صر صر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

غرض امت محمدیہ ﷺ اپنے قوام ومزاج میں جملہ امم وملل انسانیہ سے جداگانہ حیثیت رکھتی

ہے۔دین ومذہب کے بغیر اس کا ملی تشخص قطعاً ختم ہوجاتا ہے۔اقبال نے سچ کہا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ،
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

بہرحال اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد مذہب یعنی اسلام کی اہمیت پاکستان کی تعمیر نو میں ظاہر و باہر ہوجاتی ہے۔ ہر وہ نظام زندگی یا طریقہ کار جو اسلامی نظریہ حیات کے مطابق نہیں ہوگا۔ پاکستانی ملت کو کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکے گا۔اس کی دو بڑی وجوہ ہے:

(۱) پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور اس کا وجود اسلامی نظریہ حیات کا مرہون منت ہے، جسے تحریک پاکستان کا ہر واقف کار جانتا ہے۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ کوئی نظریاتی مملکت اپنے بنیادی نظریہ کو نظر انداز کر کے اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ سکتی۔ جیسے کوئی سوشلسٹ مملکت سوشلزم کے نظریہ کو پس پشت ڈال کر اپنی نظریاتی حقیقت کو گم کر دیتی ہے۔اس طرح مملکتِ پاکستان اگر اپنے آپ کو اسلامی نظریہ حیات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کر پاتی۔تو وہ نہ صرف اپنی نظریاتی وجود کو کھودے گی بلکہ اس کا اپنا وجود و تشخص اور ’’نام‘‘ بھی (خاکم بدہن) مٹ کر رہ جائے گا۔ وہ ممالک اور قومیں جو وطنیت، رنگ اور نسل پر قائم ہیں وہ اگر کسی نظریہ کو قبول یا ترک کر دے تو ان کی وطنی، لونی اور نسلی انفرادیت باقی رہ سکتی ہے۔لیکن اگر پاکستان اسلامی نظریہ حیات سے دست کش ہوجائے تو اس کے ہاتھ سے وہ رشتہ ہی نکل جائے گا۔جس نے باشندگانِ پاکستان کو ’پاکستانی‘ بنایا ہے اور بنگالی، بلوچی، پٹھان، سندھی، پنجابی اور مہاجر کو ایک امت کا فرد بنایا ہے۔غرض پاکستانی قومیت ووطنیت بلکہ اس کا نام تک اسلامی نظریہ حیات ہے، باقی وقائم ہے۔اس لئے پاکستان کی تعمیر نو کا تصور بھی مذہب کو نظر انداز کر کے نہیں کیا جا سکتا۔ ہر وہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قدم جو پاکستان میں اسلام کے خلاف اٹھے گا، ملک کو مشکلات سے دوچار کردے گا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کا خاص مزاج ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد وہ بنیادی عقائد ونظریات اور رسوم ورواج ہوتے ہیں، جس میں وہ قوم دوسروں سے ممتاز ہوتی ہے۔ امت محمدیہ اپنے مزاج کے لحاظ سے بہرحال ''مذہبی'' واقع ہوئی ہے، جو اسلام کے خلاف کسی چیز کو گوارا نہیں کرسکتی اور اس کا اجتماعی مزاج کسی ایسی چیز کو ہضم نہیں کرسکتا جو اسلام کے مخالف ہو۔

ملت پاکستانیہ کا ملی شعور دائمی طور پر کبھی ایسی بات کو قبول نہیں کرسکتا جو مذہب کے خلاف ہو۔ اس وجہ سے قوم کے مذہبی مزاج کو نظرانداز کرکے کوئی قدم ملت کو تعمیر کی راہ پر نہیں ڈال سکتا۔

ان دو اہم بنیادوں کے بیان کے بعد چند حقائق کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

حضرات! اسلام نرا نظریہ نہیں، بلکہ بقول قائداعظم ''ایک مکمل اور عملی ضابطہ حیات ہے''۔ دوسرے مذاہب عملی زندگی میں آکر شکست کھا سکتے ہیں، لیکن اسلام کا آئین وقانون، نظام حیات ودستور مملکت چودہ سو سال تک عملی کسوٹی پر کسا جاچکا ہے۔ اس میں ہر زمانہ کے چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اسلام کا خدائی وعادلانہ نظام دکھی انسانیت کے لئے واحد پیام نجات ہے۔ پاکستان کے مسائل کا حل بھی صرف اسلام ہے، جس کے بغیر ہمارا ہر مسئلہ مزید الجھتا جائے گا۔ آج پاکستان کی ''وحدت کا راز ''مختلف لسانی وعلاقائی وحدتوں کو ایک ''ملت'' کی حیثیت سے مضبوط کرنے میں ہے۔ یہ بات واشگاف لفظوں میں کہی جاسکتی ہے کہ تعمیر نو میں اگر اسلام کے ''جذبۂ ملی'' کو زندہ وباقی رکھنے کی کوشش نہ کی گئی اور ''مذہبی وحدت وحمیت'' کی آبیاری نہ کی گئی تو خدانخواستہ اس پھول کی مختلف پتیاں بکھر کر رہ جائیں گی جس کا سب سے بڑا ثبوت مشرقی پاکستان کا دردناک سانحہ ہے اگر ہم نے اپنے دینی مزاج اور مذہبی یکجہتی کو پروان چڑھایا ہوتا تو آج یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ پاکستان کے مختلف خطوں اور لسانی و ثقافتی وحدتوں کے جوڑنے کا واحد ذریعہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ اس نمایاں حقیقت کے بعد تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت بلکہ سبقت وفوقیت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔

پاکستان میں معاشی ناہمواریوں سے معاشرہ میں زلزلہ آیا ہے اور معاشی بے چینی اور طبقاتی منافرت کا ایسا طوفان برپا ہے جس سے ملک کی چولیں تک ہل گئی ہیں۔ ہمیں یہ بات برملا کہنے میں کوئی

باک نہیں کہ پاکستانی بلکہ انسانی معاشی مسائل کا حل صرف اسلام کی لافانی تعلیمات میں ہے۔ اسلام کا نظام معاش سرمایہ داری کی قارونیت اور مزدکیت واشتراکیت واشتمالیت کی طبقاتی چپقلش کو بیک وقت ختم کردیتا ہے۔ اسلام نے معاشی ناہمواریوں کا علاج جس عدل وانصاف سے کیا ہے انسانی خودساختہ نظام اس کا پرکاہ بھی نہیں کرسکتے۔ اسلام ایک طرف نجی ملکیت اور انفرادی عمل پیدائش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے دوسری طرف تقسیم دولت کی ان راہوں کو وجود بخشتا ہے جن سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہتی۔ بلکہ ہر شخص کی ضروریات اربعہ (مکان، خوراک، پوشاک اور تعلیم) کی کفالت کے ساتھ باہمی ہمدردی اور مواسات، بھوک وافلاس کو معاشرہ سے ختم کردیتی ہے۔ تفصیل کا یہ مقام نہیں ورنہ بتایا جاتا کہ ناجائز پیداوار دولت کے ذرائع سود، قمار، احتکار، حرام آمدنیوں کو، جن کی کھوکھ سے حرام سرمایہ کاری نے جنم لیا ہے، اسلام نے کس طرح حرام قرار دیا ہے اور آمدنی کے وہ ذرائع جو دولت کو چند افراد کے ہاتھ میں پہنچادیتے ہیں انہیں کیسے ختم کیا ہے۔ جو دولت کسی کے پاس جمع ہے، اسے معاشرہ میں منتقل کرنے کے لئے زکوٰۃ وعشر، خمس وصدقات، میراث کے لازمی احکام صادر فرمائے۔ مزید برآں خیرات صلہ رحمی، غریبوں کی غمگساری ومدد وغیرہ کی مستقل خیراتی مدیں قائم کیں۔ امیروں کے مال میں ناداروں کا ''حصہ وحق'' شرعی حدود کے اندر مقرر کیا گیا۔

ناداروں کے مفاد کو مالداروں کا دین قرار دیا اور مالداروں کے حقوق کا پورا کرنا ناداروں کی دینی ذمہ داری قرار دی گئی۔ اسلامی معاشی نظریہ کی جان ہر طبقہ کی ضروریات کی کفالت کے ساتھ باہمی ہمدردی ومواسات، مواخاۃ ومحبت ہے۔ اسلامی معاشی نظریہ انسانوں میں طبقاتی تفریق ومنافرت پیدا نہیں کرتا بلکہ ہر طبقہ کو اپنے دائرہ عمل میں افزائش نسل ودولت کے اسباب مہیا کرنے کے ساتھ ان میں ایسی باہمی ہم آہنگی اور جوڑ پیدا کرتا ہے جہاں حسد ورقابت کی بجائے محبت وتعاون کی فضا قائم ہوتی ہے اسلام میں گو مساوات مالی نہیں، لیکن مساوات رتبی اور مساوات قانونی موجود ہے۔ مجلسی رتبہ میں مال و جائیداد کے اضافی قدروں کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اخلاق واعمال کی بلندی ''سرفرازی'' کا واحد معیار ہے۔ اسلام میں ملک ومال، جائیداد وجاہ معیار فضیلت نہیں، بلکہ علم وتقویٰ اور اخلاق واعمال معیار ہیں۔ ایک غیور ودین دار صاحب صلاح وتقویٰ مزدور ایک کروڑپتی بداعمال سیٹھ سے اسلام کی نگاہ میں اونچا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسی طرح قانون کی نگاہ میں آقا وغلام، شاہ وگدا سب برابر ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام اگر دیانتداری سے نافذ کر دیا جائے تو ایک ایسا ہموار معاشرہ پیدا ہو جائے گا جہاں تمام طبقات باہمی محبت وسلوک وحقوق کی ادائیگی، خدمت اور موانست کی زندگی گزار سکیں، جہاں آقا وغلام کی تمیز نہیں ہوگی اور جہاں ہر شخص خوشحالی، فارغ البالی اور فراوانی کی زندگی گزار رہا ہوگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام کی وسیع سلطنت میں کوئی زکوٰۃ قبول کرنے کے لائق محتاج نہیں رہا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سلطنت میں موجودہ مغربی پاکستان کی مشرقی سرحدوں سے لے کر اٹلانٹک اور دیوار چین سے لے کر وسط افریقہ اور اندلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی نادر ایسا نہ ملتا تھا جسے زکوٰۃ وخیرات دی جا سکے۔ یہ اسلامی معاشی نظام کی برکت تھی کہ جب تک مسلمانوں میں اسلامی اقدار کا پاس رہا، طبقاتی منافرت اور مالی حرص وآز کا جہنم وجود میں نہ آ سکا۔ اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا حل نہ سرمایہ داری میں ہے نہ اشتراکیت میں۔ ہم اپنی معاشی تعمیر نو صرف مذہب کے بتائے ہوئے خالص الٰہی اصولوں اور احکام کے مطابق کر سکتے ہیں۔ ورنہ ہر قدم مزید الجھنوں کا سبب بنتا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہمیں بابائے ملّت کے وہ الفاظ یاد رکھنے چاہئیں جو انہوں نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی بنیاد رکھتے ہوئے یکم جولائی ۱۹۴۸ء میں اپنی آخری پبلک تقریر میں فرمائے تھے:

''مغربی اقتصادی اصول ہمارے لئے عبرت آموز ہیں جن کی وجہ سے آج دنیا بحران کا شکار ہے۔ آپ کے تحقیقی ادارے کو چاہیے کہ وہ اسلامی نظریات پر سماجی اور اقتصادی زندگی کی بنیاد رکھے۔ ایک خوشحال اور مطمئن معاشرے کے لیے مغربی اصول کسی طرح مفید نہیں ہو سکتے۔ ہمیں تو ایک نئے طریق کار کو اپنانا چاہیے جو انسانی مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی اصولوں پر مبنی ہو۔''

ملک میں جرائم کا جور جحان اور لاقانونیت کا جو میلان پیدا ہو رہا ہے۔ اس کا علاج مذہبی قوانین اور اسلامی شریعت کا نفاذ واجرا ہے۔ اسلامی قانون وشریعت کے منافع اور اسلامی نظریہ عدل پر اس مختصر وقت میں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم یہ بات بے محابہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ انسانی خود ساختہ قوانین کبھی عادلانہ نہیں ہو سکتے۔ نہ انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کر سکتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہر شخص اور ہر انسانی جمعیت وطبقہ کے مخصوص رجحانات ومیلانات، تقاضے ومفادات ہوتے ہیں جن سے

وہ انسان ہونے کی حیثیت سے کلیۃً کبھی مبرا نہیں ہو سکتا۔ قانون ساز اداروں اور مجالس مقننہ کی روزانہ کی کاروائیاں انسان کی اس بارے میں کوتاہ رسی پر شاہد عدل ہیں۔ ایک ملک کی قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ ایک قانون بناتی ہے۔ وہ طبقہ جس کا وہاں غلبہ اور اکثریت ہوتی ہے، قانون سازی میں اپنے مفاد پر نگاہ رکھتا ہے۔ اگر انصاف ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے تو تاویلات کے پردوں میں اسے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آمریت اور فاشزم میں شخص کی انانیت قانون قومی کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ اگر کوئی سرمایہ دار کی بے جا حفاظت کرتا ہے تو کمیونسٹ ''مزدور کسان'' کی حدود سے بڑھ کر رعایت کرتے ہیں۔ قانون تو وہی عادلانہ ہوگا جس میں کسی کی رعایت نہ ہو، ملکی رجحان نہ ہو، نسلی میلان نہ ہو، لونی پاس نہ ہو، علاقائی لحاظ نہ ہو، وطنی مفاد نہ ہو، طبقاتی عصبیت نہ ہو، غیر سے مخاصمت نہ ہو، اپنے کی حمایت نہ ہو، کنبہ پروری نہ ہو، دوست نوازی نہ ہو۔ ''مفادات خاصہ'' کی ناجائز نگرانی نہ ہو، قانون سازی میں مال وجاہ کی طلب نہ ہو، مدح وذم کی پروا نہ ہو۔

غرض تمام مفادات سے بالا ہو کر اور ہر رجحان سے تہی خاطر وخالی دماغ ہو کر محض عدل وانصاف کی بقا کے لئے قانون بنائے یہ انسان کی بس کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو اس ذات کا کام ہے جو سب تعلقات سے بری، نہ کسی کا بیٹا، نہ کسی کا باپ، نہ کسی کا رشتہ دار ہو، ہر انفعال سے پاک ہو، خوف ورعایت سے مبرا، نسلی ولونی، ملکی وطنی بندشوں سے پاک ہو اور ہر وہ ذات جو مخلوق کے ظاہر واندروں اور اس کی جملہ ضروریات اجتماعی وانفرادی سے کلیۃً واقف ہو، عالم السرائر اور مستقبل کے جملہ کوائف وواقعات، حوادث وضروریات کی جاننے والی ہو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

اللہ تعالیٰ جو قانون دے گا وہ سب انسانیت بلکہ پوری مخلوق کو سامنے رکھ کر اور مستقبل کے وقائع وحوال کو جان کر دیکھ کر دے گا جس میں کسی کی رعایت نہیں ہوگی۔ نہ کسی کا خوف ''عدل'' میں مانع آیا ہو گا۔ وہ ہر ذاتی مفاد سے خالی ہو کر محض مخلوق پروری اور انسانیت کی دادرسی کے لئے دیا جائے گا۔ اس میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا، اس میں استحصال وجبر کے چور دروازے نہیں ہوں گے۔ اقبال نے بھی قانون الٰہی اور ''قانون غیر'' کے بارے میں خوب کہا ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وحی حق بینند سود ہمہ
در نگاہش سود و بہبود ہمہ
عادل اندر صلح و اندر مصاف
وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف
عقل خود بین غافل از بہبود غیر
سود خود بیند نہ بیند سود غیر
غیر حق چون ناہی و آمر شود
زور ور بر ناتواں قاہر شود
حاصل آئین و دستور ملوک
دہ خدایان فربہ و دہقاں چوں دوک

غرض ملک میں عدل وانصاف کا چلن سرف اسلامی شریعت کے نفاذ سے ہوسکتا ہے۔تعمیر نو میں مذہبی قانون کے نفاذ کی اس وجہ سے بھی ضرورت ہے کہ ''قانون'' کی بالادستی کا تصور احترام قانون پر مبنی ہے اور وہ قانون صرف ''خدائی قانون'' ہی ہے۔جسے پاکستان کے مسلمان غیر شعوری طور پر بھی مقدس مانتے ہیں۔قانون اسلامی کے جملہ فوائد بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔تاہم سمجھتا ہوں کہ یہ دو باتیں بھی تعمیر نو کے علم برداروں کی ثاقب نگاہوں کے لئے کافی ہوں گی۔

اے چشم طوفان اشک لانے سے فائدہ
دو اشک بھی بہت ہے اگر کچھ اثر کریں

اس ضمن میں ایک اور بنیادی مسئلہ ''قومی اخلاق'' کی تعمیر و بقا کا ہے۔آج ملک میں بد دیانتی، رشوت گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی، بے حیائی، ظلم و زیادتی کے جو بے شمار واقعات ہو رہے ہیں، ان کا علاج بھی اسلامی قانون کا اجرا اور اخلاق کو مذہب کی گرفت میں دینا ہے۔

چھوٹا بڑا مسئلہ نژادِ نو کو اسلامی مزاج پر قائم رکھنا ہے، جیسے کہ عرض کر چکا ہوں۔مسلمان اور اہل پاکستان کوئی نسلی وطنی قومیت و ملک نہیں بلکہ ان کا وجود صرف اسلام سے وابستہ ہے۔نئی پود جس طرح اسلامی عقائد و اعمال سے عاری اور مذہبی اقدار سے بے نیاز ہوتی جا رہی ہے۔وہ ایک نامعلوم عالمگیر ارتداد سے کم نہیں۔اس ہمہ گیر غفلت کا نتیجہ پاکستان اور نظریہ پاکستان کی تباہی پر منتج ہوسکتا ہے، اس لئے وقت کی سب سے بڑی پکار ہے کہ ہم ہر پاکستانی کو عموماً اور نئی پود کو خصوصاً اسلام کے لافانی اور بے مثال دین و اقدار سے آگاہ اور اس پر عمل پیرا کرنے کی کوشش کریں۔اس کے لئے ہمیں اپنے پورے تعلیمی و تربیتی نظام کو ہر سطح پر اسلامی تعلیمات و مزاج کے مطابق بنانا ہوگا۔آج تک ہم نے اپنے نظام تعلیم میں کوئی اہم اور بنیادی تبدیلی نہیں کی۔انگریز نے اپنے استعماری مفادات کے لئے جس نظام تعلیم کو رائج کیا تھا، اسی تقویم پارینہ کو ہم آنکھوں سے لگائے ہوئے ہیں اور اسی صد چاک قبا پر پیوند در پیوند لگاتے جاتے ہیں جب تک نظام تعلیم میں بنیادی اصولوں اور اجتہادی تبدیلیاں (جو اسے ہر سطح پر اسلامی مزاج سے ہم آہنگ کر دیں) نہیں کی جائیں گی۔ملت پاکستانیہ کا بحیثیت مسلمان کے باقی رہنا خام خیالی اور فریب نفس ہے۔

اس سلسلے میں سرکاری ملازمین اور عام اہل کاروں کی دینی تربیت کا مسئلہ ہے۔کسی ملک کی تعمیر میں سرکاری ملازمین کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔آج تک ہمارے ہاں یہ طبقہ الاّ ماشاء اللہ انگریز کے بتائے ہوئے پیش پا افتادہ راستے پر گامزن ہے۔شخصی مفاد قومی مفاد پر غالب آجاتا ہے اور ''دیانت و امانت'' کے مقدس قلعہ میں ''خوف و لالچ'' سے رخنے پڑ جاتے ہیں۔جس کا نتیجہ وہ ہمہ گیر خرابیاں ہے جس سے ہر شخص نالاں ہے۔ضرورت ہے کہ سرکاری ملازمین کی تربیت میں اسلامی اقدار کو اس طرح سمو دیا جائے کہ خوف خدا اور تقویٰ انہیں ہر غلط جنبشِ قلم اور لغزشِ قدم سے روک دے۔خشیت الٰہی 'رشوت و ناجائز آمدنی' کے بارے میں ان کے ہاتھوں کو شل کر دے اور کسی کا خوف و دہشت حق گوئی اور جائز دادرسی میں مانع نہ آئے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی اور مخلوق کے سامنے شرمندگی کا تصور ان پر اس طرح مستولی ہو کہ وہ قومی، ملکی اور پبلک مفادات کو کسی صورت میں پس پشت ڈالنے کی جرأت و ہمت نہ کر سکیں۔ان کی زندگی کا مقصد رضائے حق کے حصول کے لئے خدمت خلق

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہو۔ یہ بات تبھی پیدا ہوسکتی ہے جب ہم اپنی اعلیٰ سروسوں سے لے کر ادنیٰ ملازمتوں تک دینی ذہن و مزاج کو عام کردیں اور اسلامی نظریہ کے مطابق ملازمین محض خدمت خلق اور ادائیگی حقوق کو اپنا فریضہ سمجھیں۔آج حقوق طلبی کی فضا نے ملک کی بنیادیں ہلا دیں ہیں۔اس مشکل کا حل ''حقوق رسانی اور ادائیگی حقوق'' کے اسلامی جذبہ ہی سے ہوسکتا ہے۔غرض سرکاری ملازمین کے بارے میں جو آج ہنگامہ بپا ہے اس کا علاج صرف مذہبی تربیت اور اسلامی ذہن ہی کرسکتا ہے۔اسی طرح ہماری شیر دل افواج کی ہمت و جرأت اسلامی جذبہ شجاعت اور ولولہ شہادت کا ثمرہ ہے۔

اس مختصر وقت میں گنجائش نہیں کہ ''قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' کے تمام پہلوؤں پر گفتگو بھی کی جاسکے۔تاہم آخر میں ایک اور اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔وہ اپنے ذرائع ابلاغ کو ''اسلامیانا'' ہے۔آج ہمارے قومی کردار و اخلاق کی تعمیر و تخریب میں ریڈیو، اخبار و رسائل وغیرہ جو اہم حصہ ادا کررہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔عمومی ذہن پر اس کا اثر جتنا دوررس اور نتیجہ خیز ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ضرورت ہے کہ جملہ ''ذرائع ابلاغ'' کو مذہبی حدود و قیود کا پابند اور خالص اسلامی ثقافت اور اسلامی تعلیمات کے پرچار کا ذریعہ بنایا جائے۔کسی نظریاتی ملک کی تعمیر نو اسی وقت ممکن ہے جب ان تمام چور دروازوں پر سنگین پہرہ بٹھادیا جائے جہاں سے نظریہ کی تخریب کا اندیشہ ہو۔

پاکستان اور اس کے باشندے ایک درخشندہ مستقبل سے اسی صورت میں ہمکنار ہوسکتے ہیں کہ ہماری تعمیر نو کی بنیاد اسلامی زریں تعلیمات اور مذہب کے تابندہ و روشن احکام پر استوار کی جائے۔غرض پاکستان کی بقاو ترقی تمام تر ''مذہب'' پر مبنی ہے۔اس لئے ہمیں اپنے تعمیر نو کے خاکہ میں سراسر اسلامی رنگ بھرنے کی ضرورت ہے۔تاکہ پاکستان ایک عظیم مملکت بن سکے اور پاکستانی ملت ایک پرشکوہ عظیم اور مثالی امت کی حیثیت سے دنیا میں ابھر سکے اور آخرت میں بھی سرخرو ہوسکے۔تاکہ اس کے قیام کا اصل مقصد پورا ہو اور پاکستان اسلامی تہذیب و تمدن، قانون عدل و انصاف اور معاشی ہمواری اور معاشرتی زیبائی کا ''دیرینہ'' نظارہ دنیا کو دکھا سکے۔

اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے اور ''تعمیر نو'' کے ناخداؤں اور ملت کے رہنماؤں کو توفیق بخشے کہ پاکستان کی تعمیر نو اسلام کی عظیم تعلیمات کے مطابق کرسکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

(۴)
نفاذ شریعت بل

سنیٹرز قاضی عبداللطیف صاحب اور مولانا سمیع الحق صاحب پوری امت اور پاکستانی ملت کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے قرارداد مقاصد کے بعد پہلی بار ایک ٹھوس اور موثر تجویز نفاذ شریعت بل کی صورت میں سینٹ میں پیش کی۔اللہ تعالیٰ تمام سنیٹرز کو توفیق بخشے کہ اس موقع کو غنیمت جانیں اور اسے متفقہ طور پر منظور کرکے اللہ تعالیٰ اور ملت کے سامنے سرخرو ہوں۔

ہم اس بل کو منتخب کمیٹی کی پیش کردہ صورت میں اخبار جنگ اور ماہانہ بینات کے شکریہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

سنیٹرز قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق کی جانب سے سینٹ کے اجلاس میں پیش کردہ نفاذ شریعت بل اسلام آباد (جنگ نیوز) سنیٹرز قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق نے 13 جولائی 1985ء کو منعقدہ سینٹ اجلاس میں نفاذ شریعت بل 1985ء پیش کیا۔بل پہلے قائمہ کمیٹی اور بعد ازاں 10 نومبر 1985ء کو منتخب کمیٹی کو بھیج دیا گیا۔اس کمیٹی نے 12 دسمبر 1985ء کو اپنی رپورٹ ایوان میں پیش کی۔26 جنوری 1986ء کو یہ بل منتخب کمیٹی کی پیش کردہ صورت میں سینٹ کے زیر غور لایا گیا۔سینٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بل پر رائے عامہ حاصل کرنے کے لئے اسے مشتہر کیا جائے۔جو جو شخص ادارہ انجمن یا کوئی تنظیم اس بل کی تمام یا اس کی کسی دفعہ پر رائے کا اظہار کرنا چاہے وہ اپنی رائے سیکرٹری سینٹ سیکرٹریٹ بینک دولت پاکستان بلڈنگ اسلام اباد کو زیادہ سے زیادہ 25 اپریل تک ارسال کریں مکمل بل حسب ذیل ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

منتخب کمیٹی کی پیش کردہ صورت میں (ایک بل):

چونکہ قرارداد مقاصد کو جو کہ سابقہ دستاویز میں بطور تمہید کے رکھی گئی تھی۔ جناب صدر مملکت نے اپنے صدارتی اختیارات کو بروئے کار لائے ہوئے دستور مستقل کا حصہ قرار دے۔ اور چونکہ قرارداد مقاصد میں اس ملک کا حاکم اعلیٰ تشریعی اور تکوینی دونوں حیثیتوں سے رب العالمین خالق کائنات کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ ملک مسلمانوں کی عملی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لئے معرض وجود میں لایا گیا ہے۔ اور چونکہ اس ملک کے باشندوں کے ساتھ یہ عہد کیا گیا کہ یہاں قرآن وسنت کا قانون زندگی کے ہر شعبہ پر حاوہ اور نافذ ہوگا۔ اور چونکہ موجودہ ریفرنڈم اور انتخابات میں عوام نے صدر مملکت اور پارلیمنٹ کے عملی نفاذ کے لئے منتخب کیا ہے۔ لہذا اب حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

مختصر عنوان، وسعت اور آغاز نفاذ:

یہ ایکٹ نفاذ شریعت ایکٹ 1985ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

1۔ یہ پورے پاکستان پر وسعت پذیر ہوگا۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

2۔ تعریف:۔ اس ایکٹ میں شریعت سے مراد:۔

(الف) دین کا وہ خاص طریقہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے اپنے بندوں کے لئے مقرر کیا ہے۔

(ب) شریعت کا اصل ماخذ قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ ہے۔

(ج) کوئی حکم یا ضابطہ جو اجماع امت سے ثابت اور ماخوذ ہو، شریعت کا حکم متصور ہوگا۔

(د) ایسے احکام جو امت کے مسلمہ اور مستند فقہا (مجتہدین) نے قرآن پاک سنت رسول ﷺ اور اجماع امت کے قیاس واجتہاد کے ذریعے مستنبط کر کے مدون کئے ہیں۔ شریعت کے احکام متصور ہونگے۔

3۔ کوئی مقننہ شریعت کے خلاف قانون نہیں بنائیں گے:۔

مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرارداد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو۔ اگر ایسا

کوئی قانون یا قرارداد منظور کر لی گئی تو اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

4۔ عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرینگی:۔

ملک کی عدالتیں تمام امور ومقدمات میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند رہیں گی۔

5۔ وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار:۔

وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت وفیصلہ بلا استثناء تمام امور ومقدمات پر حاوی ہوگا۔

6۔ شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی:۔

انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا۔

7۔ عدالتی عمل اور احتساب:۔

حکومت کے تمام عمال بشمول صدر مملکت اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

8۔ حذف کر دی گئی۔

9۔ غیر مسلم کو تبلیغ کی آزادی۔

غیر مسلم باشندگان مملکت کو اپنے ہم مذہبوں کے سامنے مذہبی تبلیغ کی آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

10۔ علماء کو جج مقرر کیا جائے گا:

تمام عدالتوں میں حسب ضرورت تجربہ کار جید اور مستند علماء دین کا بحیثیت جج اور معاونین عدالت تقرر کیا جائے گا۔

11۔ ججوں کی تربیت کے انتظامات:

علوم شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا مؤثر انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علوم شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہر جج تیار ہو سکیں۔

12۔ قرآن وسنت کی تعبیر:۔

قرآن وسنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مستند مجتہدین کے علم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اصول تفسیر اور علم اصول حدیث کے مسلمہ قواعد وضوابط کے مطابق ہو۔

13۔عمالِ حکومت کے لئے شریعت کی پابندی:۔

انتظامیہ عدلیہ مقننہ کے ہر فرد کے لئے فرائض شریعت کی پابندی اور محرمات شریعت سے اجتناب کرنا لازم ہوگا۔

14۔ذرائع ابلاغ کی تطہیر:۔

تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت پروگراموں فواحش اور منکرات سے پاک کیا جائے گا۔

15۔حرام کی کمائی پر پابندی:۔

حرام طریقوں اور خلاف شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کمانے پر پابندی ہوگی۔

16۔بنیادی حقوق کا تحفظ:۔

شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگان ملک کو دیئے ہیں۔ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا۔

بیان اغراض ووجوہ:

مملکت خداداد پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔اس کی بنیاد اسلام کے نظریہ پر قائم ہے۔اس مسودہ قانون کی غرض وغایت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ملک کے اسلامی نظریہ کا استحکام ہے۔اہل ملک کو جو بلا امتیاز عرصہ سے اس نظام کے لئے بے چین ہیں مطمئن کرنا ہے۔ملک میں صحیح اسلامی معاشرہ کے ذریعہ امن وامان اور اسلامی مساوات قائم کرنا ہے۔

❀❀❀

(۵)

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معاشی نظام

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

صدر گرامی قدر وسامعین کرام! جس ذات گرامی کی معرفت وکلام وپیام کے لئے یہ تذکار منعقد کیا گیا ہے اس کی جلالتِ شان ورفعتِ مقام پر مجھ جیسے بے بصیرت تہی مایہ کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔تاہم ممنون ہوں کہ اس شرف سے نوازا گیا۔جناب حکیم سعید صاحب کی حکمت وسعادت ہے کہ شام ہمدرد میں تذکار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صبحِ تجلی کا منظر پیدا کر دیا۔یقیناً ایسی مجالس حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پر مایہ اور ان کے کلام وپیام کی اشاعت کے لئے مفید ہیں۔

تمہید:

ہمارے آقا سید الانبیا حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری رسول اور نبوت کی معراج کمال ہیں۔آپ کی بعثت کا دائرہ ہر زمان ومکان کو اپنے دائرہ عمل اور حیطۂ اختیار ونفوذ میں لئے ہوئے ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیاء کے سردار،اپنی تکمیل وجامعیت میں ممتاز،گلشن نبوت کے گل سرسبد اور باعث آفرینش وحاصل کائنات ہیں۔

آب وگل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں
تب کہیں اک آدمی کونین کا حاصل بنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر جو نبی یا رسول آئے وہ کسی خاص قوم اور محدود وقت کے لئے تشریف لائے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لیکن آپ ﷺ ہمیشہ کے لئے آئے اور ہر طبقہ، ہر گروہ، ہر نسل، ہر قوم، ہر ملک اور ہر علاقے کے لئے آئے۔ آپ ﷺ کی نبوت لازوال، آپ کی رسالت دائمی اور آپ ﷺ کا دین ابدی ہے، آپ ﷺ کی شان سب انبیاء میں نمایاں، کام سب سے اونچا، کردار سب سے پیارا، دائرہ سب سے وسیع، دعوت سب سے کامل، نمونہ سب سے اعلیٰ اور پیام ہمہ گیر و عالمگیر ہے۔ اس لئے آپ کا ہر نظریہ و عمل اور ہر قول و فعل اپنی جامعت و کاملیت میں اپنی نظیر آپ اور دل کشی و محبوبیت میں لاثانی و بے مثال ہے:

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپا جمال
کون سی تیری ادا دل کی طلب گار نہیں

آپ ﷺ کا دین توحید الٰہی کے ساتھ ''وحدت انسانیت'' دین و دنیا کی یکجائی، معاش و معاد کے ارتباط اور دنیا و آخرت کے باہمی ربط و تسلسل کا علمبردار ہے۔ آپ ﷺ کا دین مسجد و بازار، عبادت و معاملات، خدا پرستی اور دنیاداری کی دوئی کا قائل نہیں بلکہ آپ ﷺ کے دین وحدت نے انسانی زندگی کو ایک ''کُل'' کی صورت میں پیش کیا، جس میں انسان کے جملہ انفرادی و اجتماعی دینی و دنیاوی، قومی و طبقاتی، نجی و عائلی، تجارتی و زراعتی، صنعتی و معاشی، اقتصادی و سیاسی اور معاشرتی و عمرانی احوال و معاملات کا انتہائی منصفانہ اور قابل عمل حل پیش کر دیا گیا۔ جس میں جملہ طبقات انسانی کے مفادات و ضروریات کی رعایت کی گئی ہے۔

حضرات کرام! اپنے موضوع پر بات شروع کرنے سے پیشتر ایک ضروری نکتہ کی طرف آپ کی توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے جب ہم ان کی تعلیمات کے بارے میں کچھ بات کہنا چاہتے ہیں تو ہمیشہ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کا پیام ان کا ذاتی پیام نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے سن کر کہتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دیکھ کر سناتے ہیں۔ اس لئے ہر نبی کے قول و فعل پر الٰہی علم کی مہر لگی ہوتی ہے اور وہ اپنے قول و فعل میں علوم و مرضیات الٰہیہ کا پیام رساں اور نمونہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے جو قول و عمل بھی صادر ہوگا عقلاً اس کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو اللہ رب العزت کی طرف سے صراحتاً اس کا حکم کیا گیا ہوگا۔ یا وہ آپ ﷺ کے ''اجتہاد'' پر مبنی ہوگا۔ اس دوسری صورت کے لئے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کا

''اجتہاد'' ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق ہو، ورنہ وحی خداوندی اس پر قطعاً خاموش نہیں رہ سکتی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا ہر قول و عمل رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھل کر نکلتا ہے، نبی ﷺ کی ہر ادا منشائے خداوندی کی ترجمانی کرتی ہے، نبی ﷺ کا ہر نقش قدم شریعت ربانی اور صراط مستقیم کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور امت نقشِ پائے نبوت سے بھٹک کر گمراہی و ضلالت کی وادیوں میں ٹھوکریں تو کھا سکتی ہے مگر صلاح و فلاح کی منزل پر نہیں پہنچ سکتی، کبھی نہیں پہنچ سکتی، پیغمبرانہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کی فلاح و بہبود کے تمام راستے بند، تمام کتابیں اور صحیفے منسوخ اور تمام دساتیر عالم معطل کر دیئے گئے، اب صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے بس ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ ہے محمد ﷺ کا راستہ جو شخص زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی اس سے ہٹ کر اِدھر اُدھر جانا چاہتا ہے، اسے خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ذلت و نکبت اور تباہی و بربادی اس کا مقدر بن چکی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا مخلوق سے تعلق اپنی انسانی نسبت سے کم اور اپنی نبوی اور الٰہی نسبت سے زیادہ ہوتا ہے اگرچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔ (احزاب:۴۰)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔

اس آیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اے انسانو! حضرت محمد ﷺ سے تمہارا انسانی نسبی تعلق نہیں اس لئے ان کے کلام و پیام کو ان کی بشری حیثیت سے نہ پڑھو بلکہ ان کے رسول ہونے کی حیثیت سے ان کے ہر پیام و کلام اور ان کے عطا کردہ ہر نظام کو مانو خواہ وہ عبادت سے متعلق ہو یا معاملات سے، معاشرت سے متعلق ہو یا معاشیات سے، اقتصاد سے متعلق ہو یا سیاسیات سے، تدبیروں کے متعلق ہو یا عائلی قوانین سے، زندگی کے جس طبقے یا جس مسئلہ کے متعلق انہوں نے جو حل اور طریقہ بتا دیا ان کا ذاتی تجویز کردہ نہیں، بلکہ ''رسول اللہ'' ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم و پیام اور حکم و منشاء کو آپ تک پہنچایا ہے۔ اس لئے ان کی بات گویا اللہ تعالیٰ کی بات ہے اور ان کی اطاعت گویا اللہ تعالیٰ کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اطاعت ہے۔قرآن کریم ہمارے اس دعوے کی تصدیق ان آیات پاک میں کرتا ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم:۳،۴)

آپ ﷺ اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں فرماتے وہ تو بس وحی ہے جو آپ ﷺ کو دی جاتی ہے۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

جس نے حضور انور ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

مذکورہ آیت سے دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رتبی، زمانی اور مکانی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔

آپ ﷺ پر نبوت اور رسالت کے ہر جزوکل کو ختم کر دیا گیا۔اس لئے آپ کا پیغام اور لایا ہوا نظام زندگی اور حیاتِ انسانی کے متعلق بتائے ہوئے جملہ طریقے پوری انسانیت کے لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کا آخری پیام،فوز وفلاح،کامیابی اور نجات کا آخری نظام ہے۔جس میں کسی تبدیلی وتغیر کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس پیغام ونظام حیات کی بھیجنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو "کان اللہ بکل شئی علیما" کی مصداق ہے۔یعنی ازل میں،ابد تک کے احوال وکوائف کی جاننے والی جملہ طبقات انسانیہ کے مفادات کی نگہبان ونگران اور ہر زمانے میں آنے والے انسانی مسائل سے واقف ہے۔یہ جو نظام حیات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا وہ جملہ انسانوں اور ہر طبقہ کے مفادات وضروریات کا کفیل اور بہترین حل ہے کہ اس کا اصل موجد اور شارع یعنی پیش کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔اس لئے یہی نظام منصفانہ اور عادلانہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری شخصیت ایسا نظام حیات نہیں دے سکتی۔خواہ معاشی واقتصادی ہو،خواہ سیاسی وقانونی جس میں ہر طبقہ اور ہر گروہ کے حقوق کی برابر او رمنصفانہ نگہداشت اور رعایت کی گئی ہو۔اس لئے غیر اللہ کے کسی طبقہ یا گروہ یا فرد کا مجوزہ نظام یا اس کا کوئی حصہ اسلامی نظام کی جگہ لے سکتا ہے نہ اس کا پیوند اسلام میں لگایا جاسکتا ہے۔انسانوں کا جو گروہ یا طبقہ یا فرد قانون بنائے گا اس میں انسانی بشری میلانات وتقاضوں کی بناء پر طبقاتی،نسلی وطنی،لونی اور ملکی مفادات خاصہ (Vested interests) کی کچھ نہ کچھ رعایت ہو ہی جاتی ہے جیسا کہ دنیا کے

دساتیر وقوانین اور ان کی تاریخ سے واقف حضرات اچھی طرح جانتے ہیں۔سرمایہ دار مزدور کی رعایت کما حقہ نہیں کر پاتا۔مزدور سرمایہ دار کے مفادات سے کامل انصاف فطرتاً نہیں کرسکتا۔جمہوریت میں اقلیت کی رائے کو درخواعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ڈکٹیر شپ میں فرد واحد کی چلتی ہے۔غرض صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے جس کے لئے پوری مخلوق بدرجۂ عیال کے ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے:

"الناس عیال اللہ"۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے جو قانون بھیجا ہے اور جو نظام عدل یا نظام اقتصاد ومعاشیات دیا ہے۔وہ سب انسانیت بلکہ پوری مخلوق کو سامنے رکھ کر اور مستقبل کے تمام احوال ووقائع کو جان کر دیا ہے۔جس میں کسی طبقہ کی رعایت نہیں۔نہ کسی کا خوف "عدل" میں مانع آیا ہے۔اس لئے وہ نظام ہر ذاتی مفاد سے خالی ہو کر محض مخلوق پروری اور انسانیت کی دادرسی کے لئے دیا ہے۔بقول رومی:

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تالبر بندگان جودے کنم

اس میں کسی پر ظلم نہ ہوگا نہ ظلم کی کسی کو اجازت دی جائے گی۔حدیث قدسی میں رسول انور ﷺ نقل فرماتے ہیں:

یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلت بینکم محرماً فلا تظالموا.

(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ)

اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

اقبال نے بھی قانون الٰہی اور "قانون غیر" کے متعلق خوب کہا ہے:

وحیٔ حق بینندۂ سود ہمہ درنگاہش سود، بہبود ہمہ
عادل اندر صلح واندر مصاف وصل وفصلش لایراعی لایخاف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عقل خود بین غافل از بہبود غیر　　سودِ خود بیند نہ بیند سود غیر
غیر حق چوں ناہی وآمر شود　　زور ور برنا تو ان قاہر شود
حاصل آئین ودستور ملوک　　وہ خدایان فریب ودہقان چوں دوک

غرض قانون الٰہی میں کسی خاص طبقہ، گروہ، جماعت یا فرد کے لئے کسی ظالمانہ مراعات وتحفظات کا کوئی چور دروازہ کھلا نہیں رکھا گیا۔ بلکہ ہر طبقۂ انسانی کی فلاح وبہبود کے پیش نظر ایسا عادلانہ ومنصفانہ نظام اقتصاد ومعاشیات پیش کیا گیا ہے جس میں ہر طبقہ کے حقوق کی حفاظت، اس کی دارین کی ترقی کا انتظام اور مختلف طبقات انسانیہ میں الفت ومحبت ویگانگت واخوت کا پورا پاس رکھا گیا ہے۔

ان بنیادی حقائق کو پیش کرنے کے بعد ہم اسلام کے نظریہ اقتصاد کے چند اساسی نکات بیان کرتے ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ اس کا مختصر عملی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو نظام اقتصاد پیش کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کیا ہے اور جیسے ہر نظام کا مابعد الطبیعاتی یا فکری پس منظر ہوتا ہے جس پر اس نظام کی بنیادیں استوار کی جاتی ہیں، اس طرح حضرت محمد ﷺ کے پیشِ کردہ نظام اقتصاد ومعاش کی چند مابعد الطبیعاتی اور فکری بنیادیں ہیں۔

پہلی بنیاد اللہ تبارک وتعالیٰ کی رُبوبیت کُبریٰ اور رزاقیت مطلقہ کا تصور ہے کہ اصلاً پوری انسانیت کی پرورش وضروریات کی کفایت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات واحادیث مبارکہ کا ذخیرہ اس حقیقت پر گواہ ہے۔ ربوبیت الٰہیہ کا یہ نظام گو کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری وساری ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق چونکہ انسان نرا حیوان یا ''بڑھیا حیوان'' نہیں بلکہ خلیفہ الٰہی اور انسانی شرف وفضیلت کا حامل ہے اور اس کی زندگی اور ضروریات زندگی صرف اس عالم ہی میں ختم نہیں ہوجائیں گی، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے نظام کی انسان کے بارے میں چند موٹی موٹی بنیادوں پر بنا رکھی۔

(۱) اس کی دنیاوی ومعاشی بنیادی ضرورتیں کسی صورت میں نظر انداز نہ کی جائیں اور اس میں

مؤمن وکافر کی بھی تخصیص نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ہی ان ضرورتوں کی کم از کم تحدید فرما کر اعلان فرمادیا تھا۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۔

(طٰہٰ:۱۱۸،۱۱۹)

بلاشبہ تمہارا یہ حق ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہو اور نہ ننگے رہو اور یہ کہ تم نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کی تپش اٹھاؤ۔

یعنی انسان کے کم از کم بنیادی حقوق چار ہیں: روٹی، کپڑا، پانی اور مکان۔

(۱) آیت بالا کا تعلق دنیا سے نہیں، جنت سے ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کرتے ہوئے ان سے یہ فرمایا گیا تھا کہ تمہیں یہاں بھوک، پیاس، برہنگی اور دھوپ سے سابقہ پیش نہیں آئے گا۔ البتہ اس سے بطور 'اشارۃ النص' یہ سمجھا جاسکتا ہے، کہ ہر انسان کی کم از کم یہ چار ضرورتیں ایسی ہیں جنہیں پورا کرنے پر وہ مجبور ہے۔

(۲) چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے نزدیک انسان کی ضروریات صرف اس عالم ہی میں منحصر نہیں۔ بلکہ یہ عالم ایک رہ گزر ہے جہاں سے چل کر انسان کو اپنے اصلی ٹھکانے آخرت میں پہنچنا ہے، جہاں اس کا ہمیشہ کا قیام ہوگا، اس لئے اس کے حقوق کا نظام اور اس کی دنیاوی حاجتوں کی کفایت کا حکیمانہ طریقہ وہ مقرر کیا گیا کہ یہاں کی ضروریات بھی بطرز احسن پوری ہوں اور آخرت کی زندگی بھی اس کے ساتھ بنتی چلی جائے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۔

(ھود:۶)

اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس کا رزق ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تھوڑے (عرصہ) رہنے کی جگہ اور زیادہ (عرصہ) رہنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چنانچہ حدیث پاک میں دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے کہ انسان کے ہر عمل کا پھل اسے آخرت میں ملے گا۔ اس لئے حضرت محمد ﷺ نے جو طریقہ حیات دیا۔ وہ بیک وقت دین و دنیا دونوں کی بھلائی اور کفالت کا ضامن ہے۔

(۳) انسان چونکہ خلیفۂ الٰہی ہے اس لئے اس کے خلافت الٰہیہ کے جواہر و خصائص اور کمالات کے بقا کو اس نظام معاش و اقتصاد میں اس کے حیوانی تقاضوں سے بڑھ کر اہمیت دی گئی ہے۔ خلافت کے جواہر سے ہماری مراد انسان کی وہ اعلیٰ اقدار ہیں جو اخلاقِ فاضلہ، رحم و کرم، جود و سخا، صبر و شکر، قربانی و ایثار، اخلاص و بے نفسی، غمگساری و چارہ سازی، محبت و الفت وغیرہ اوصاف حمیدہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے انسان اور حیوان میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ ان جواہر کی بقا اور آخرت کی زندگی کے بناؤ کے لئے مختلف و متضاد صلاحیتوں کے انسانوں کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسا منصفانہ اور عادلانہ نظام معیشت و اقتصاد پیش کیا جس میں ہر فرد و طبقہ اپنی جملہ صلاحیتوں کو بطریقہ احسن بروئے کار لا سکے۔ اس کی دنیاوی اور معاشی حاجتیں بھی کما حقہ پوری ہو جائیں اور اس کے اخلاق فاضلہ کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے۔ بلکہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کا انسان اس نظام معاش و اقتصاد میں محبت و چین، سکون و اطمینان اور بھائی چارے کی زندگی گزار سکے، جس میں طبقاتی کشمکش، گروہی کشاکش، باہمی جنگ و جدل اور رقابت و منافرت کے جذبات کارفرما نہ ہوں، بلکہ ہر طبقۂ انسانی دوسرے طبقہ کا ہمدرد، غمگسار، معاون و مددگار، خیر خواہ اور خدمت گار بن کر زندگی گزارنے کو اپنی نجات و کامیابی کا ذریعہ سمجھے۔

حضرت رسول انور ﷺ نے فرمایا:

کونوا عباد اللہ اخوانا۔ (بخاری)

اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔

اور ارشاد فرمایا: لایؤمن احدکم حتیٰ یحب للناس مایحب لنفسہ.

(مسند احمد، ج:۳، ص:۲۷۲)

ترجمہ: تم میں اس وقت تک کوئی (کامل) مومن نہیں بن سکتا۔ جب تک لوگوں کے لئے ابھی اس چیز کو نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے)

اس بناء پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو نظام معاش و اقتصاد دیا، اس میں مزدور کے مفادات کی نگہداشت کو سرمایہ دار کا دین بنا دیا گیا ہے اور کاشتکار کے حقوق کی ادائیگی زمیندار کا مذہب قرار دیا گیا ہے۔ مالدار کی جائز حاجتوں کو پورا کرنا مزدور کے لئے عبادت ٹھہری اور زمیندار کے حقوق کی ادائیگی کاشتکار کے لئے نیکی بنا دی گئی۔ حاکم و محکوم، کاشتکار و زمیندار، مزدور و مالدار ہر طبقہ و ہر گروہ کے مفادات کو آپس میں ٹکرایا نہیں بلکہ انسانیت کی بنیاد پر جملہ طبقات کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں آپس میں ایک جسد واحد کی طرح جوڑ دیا گیا کہ رب العالمین کے فرستادہ رحمۃ اللعالمین ﷺ انسانوں میں منافرت و حقارت، جنگ و جدل کے جذبات کو سازشوں یا انقلابی دعوؤں کے ذریعہ بھڑکانے نہیں آئے تھے بلکہ آپ کا پیام باہمی الفت و محبت، بھائی چارہ و یگانگت، انسانی ہمدردی و غمگساری کا پیام تھا۔ بقول عارف رومی انبیا علیہم السلام توڑنے نہیں آتے جوڑنے آتے ہیں۔ وہ مختلف طبقات کو آپس میں لڑاتے نہیں آپس میں ملاتے ہیں:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

قرآن عظیم نے حضور انور ﷺ کے اس ''اخوت انسانیہ'' کے انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾

(اٰل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: جب کہ تم (ایک دوسرے) کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی تو اب تم اس کے انعام و فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

حضور انور ﷺ کے اس عادلانہ اور منصفانہ نظام معاشیات و اقتصاد پیش کرنے سے پیشتر دنیا میں رائج دو بڑے نظاموں سرمایہ داری و اشتراکیت کے متعلق بھی مختصر سی گفتگو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ اس افراط و تفریط کے غلط عمل اور اس کے باطل ردِ عمل کے درمیان اسلام کے معتدل نظام کی حقیقت اُجاگر ہو سکے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱) دنیا میں عموماً معاش بحران اور اقتصادی فساد جن وجوہ سے پھیلتا ہے ان میں سے پہلی وجہ سرمایہ داری کا وہ ظالمانہ و بہیمانہ نظام ہے جسے قرآن نے قارونیت و اکتنازیت (ارتکاز دولت) کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس کی بنیاد شخصی یا طبقاتی فوائد (VESTED INTERESTS) خودغرضی اور ذاتی منافع پر ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار دولت و زمین کو اپنی پیدا کردہ ذاتی ملک سمجھتا ہے اور اس کے تصرف و نمو کا اپنے کو مختار مطلق گردانتا ہے۔ جس میں وہ کسی خدائی ضابطہ یا حقیقی اخلاقی اقدار کا پابند نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ملت و انسانیت اور دیگر طبقات انسانی کے مفادات کو اپنا ذاتی مفاد اور ان کے نفع وضرر کو اپنا نفع وضرر سمجھتا ہے۔ قرآن کریم نے سرمایہ دار کے اس ذہن کا ارشاد قارون اور قوم شعیب علیہ السلام کے الفاظ میں بالترتیب اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ قارون کہتا ہے:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾۔ (القصص:۷۸)

ترجمہ: اس نے کہا: یہ سب مال و دولت مجھے اپنے ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔ (اس لئے میں اس کا مالک حقیقی ہوں اور اس لئے مجھے اس پر ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے۔

قوم شعیب نے کہا:

﴿اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾

(ھود:۸۷)

ترجمہ: کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم باپ، دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا حرام کر دیں۔

گویا سرمایہ دار مال و دولت کو صرف اپنی ملک سمجھتا ہے اور اس میں ہر جائز و ناجائز تصرف کو اپنے ذاتی مصالح و مفادات کے ماتحت جائز سمجھتا ہے خواہ اس کے اس عمل سے دوسرے طبقات کے حقوق کلیۃً یا جزئیۃً سلب ہو جاتے ہوں۔ قرآن کریم نے سرمایہ دار کی اس ذہنیت کا تذکرہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک پیش شدہ مقدمہ کے تذکرہ میں تفصیل کے طور پر کیا ہے کہ ان کے سامنے ایک مقدمہ

پیش ہوا۔ اس میں دو فریق تھے۔ ایک کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں۔ دوسرے کے پاس ایک دنبی۔ ایک دنبی والے نے مرافعہ کیا کہ ننانوے دنبیوں والا کہتا ہے کہ یہ ایک دنبی بھی مجھے دے دے کہ میری سو پوری ہو جائیں، ہمارے نزدیک سرمایہ دار کی حرص و آز کا یہی عالم ہے وہ ہر جائز و ناجائز ذریعہ سے دولت کے جملہ منابع اور ذرائع پر قبضہ کر لیتا ہے اور چند دنوں میں دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آ جاتی ہے وہ پاکستان کے بائیس خاندان ہوں یا امریکہ کے دو سو بیس خاندان۔

سرمایہ داری کی بنیاد جن بڑے بڑے ستونوں پر قائم ہے وہ بے لگام، آزاد و باطل نجی ملکیت کے علاوہ سود، قمار، سٹہ، ناجائز خرید و فروخت، احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی اور دیگر ناجائز آمدنیاں ہیں۔ اس نظام پر تفصیلی نقد و تبصرہ کا وقت نہیں ورنہ بتایا جاتا کہ یہ ظالمانہ نظام کس طرح انسانیت کے جملہ اخلاقی و عادلانہ تقاضوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کے ضمن میں زمینداری کا وہ غیر اسلامی نظام (FEUDAL SYSTEM) بھی ہے جو کسی خدائی ضابطہ اور حدود و قیود کا پابند نہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں ''دولت'' کی ناجائز و غلط لوٹ کھسوٹ کے ردعمل میں وہ منفی نظام جسے اشتراکیت و اشتمالیت اور انقلابی سوشلزم وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ہر اس دور میں وجود میں آتا رہا ہے جب بھی سرمایہ کی بدعملی نے نادار طبقات کی زندگی اجیرن کر دی ہے، چنانچہ مصر قدیم میں فراعنہ کے عہد میں اس کے نقوش ملتے ہیں۔ افلاطون نے نظریاتی طور پر اسے کسی حد تک پیش کیا، مشہور یونانی مقنن سولن کے عہد میں سپارٹا میں لیکارگاس نے اصول اشتراکیت کے مطابق دولت کو مساوی تقسیم کر دیا۔ ایران قدیم میں مزدک نے زن، زر، زمین کے عام ہونے کا نعرہ لگایا۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے یورپ کے حالات نے اس ذہن کو جلا بخشی، جس کا سب سے بڑا قائد کارل مارکس ہے، جس نے انجیلز کے ساتھ مل کر اشتمالیت و اشتراکیت کو ایک مستقل مذہب بنا دیا اور بیسویں صدی میں لینن نے اسے عملی صورت بخشی اور اب روس و مشرقی یورپ کے علاوہ چین میں ماؤزے تنگ کی سرکردگی میں وہ ایک مستقل نظام حیات کی صورت میں رائج ہے اور دیگر ممالک میں بھی پر و بال نکالنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، اشتراکیت غلط سرمایہ کاری کے ردعمل میں وجود میں آتا ہے اس لئے اس کا مزاج ہر اس بات کا انکار کرتا ہے، جو سرمایہ دارانہ نظام معاش میں ساری و طاری ہیں۔ ''ردعمل'' کے غیض

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وغضب میں وہ سرمایہ دارانہ نظام کے غلط مالی خاکوں کو ہی نہ صرف مٹانا ہے بلکہ جو چیز وہاں رائج تھی اس کا قلع قمع بھی کر دیتا ہے۔ یورپ کے زمانہ وسطی کے حالات جن کے ردعمل نے مارکسزم کو جنم دیا اس نظام پر اس طرح اثر انداز ہوئے کہ اس نے نہ صرف اقتصادی نظام کی نفی کی، بلکہ بقول اقبال:

کہ وہ ام اندر مقاماتش نگاہ
لا کلیسا لا سلاطین و لاالہ

کا وہ منفی نعرہ بلند کر دیا جو اشتراکی نظام کی رگ و پے میں سرایت کر گیا اور اشتراکیت کی بنیاد میں انکار خدا، انکار آخرت اور انکار اقدار روحانیہ اور اثبات پیٹ و مادیت سمو دی گئی۔

دین آن پیغمبرے ناحق شناس
بر مساوات شکم دارد اساس

گویا اب اشتراکیت ایک ملحدانہ نظام زندگی قرار پایا جس میں خدا کی جگہ کارل مارکس نے، صحیفہ آسمانی کی جگہ کیپٹل نے اور پیغمبر کی جگہ لنین اور ماؤزے تنگ نے لے لی۔

اس اقتصادی نظام کی بنیاد ہیگل کے جدلیاتی نظریہ اور ڈارون کے ارتقائی نظریہ کی بنیادوں پر استوار ہونے کے بعد باہمی طبقاتی کش مکش اور مزدور و کسان اور سرمایہ دار و زمیندار کی باہمی آویزش قرار پائی۔ یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ دنیا میں اصل مسئلہ پیٹ اور صرف پیٹ کا ہے۔ اس ''بڑھیا حیوان'' کی حیوانی زندگی کی ضروریات کے جو مصادر و منابع تھے باہمی کش مکش میں سرمایہ داروں نے قوت و حیلے سے ان پر قبضہ کر کے ایک بڑے طبقہ کو آسائش زندگی سے محروم کر دیا اور سرمایہ کے دھوکے اور فریب نے غریب اور مزدور کو پھانسنے کے لئے مذہب کا افیون ایجاد کیا اور خدا، پیغمبر اور آخرت وغیرہ کے نظریات اور دین کے حدود قیود میں اسے الجھا کر پیٹ کے اصل مسئلہ سے بیگانہ کر دیا۔ اس لئے اشتراکی نظریہ میں جیسے سرمایہ دار کا وجود گالی ہے اسی طرح نظریاتی اور عملی طور پر اشتراکی سوسائٹی میں خدا پیغمبر اور دین کا وجود بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں ایک ہی نظریہ جاری ہوگا اور ایک ہی کی بات چلے گی۔ وہ مارکس و لینن ازم کی بات ہو یا چیرمین ماؤزے تنگ کی جیسے ایک مملکت میں دو بادشاہ

نہیں سما سکتے۔ اسی طرح اشتراکی مملکت میں ''اشتراکی مذہب'' کے سوا دوسرا دین عملاً نہیں سما سکتا جو اس کا انکار کرتا ہے وہ حقائق کو جھٹلاتا ہے خصوصاً اسلام جیسا مذہب جو زندگی کے جزو کل پر حاوی ہے۔ اشتراکی نظریات کی بقا کے ساتھ اس کا وجود قطعاً باقی نہیں رہ سکتا۔

(۲) اشتراکیت چونکہ نادار (HNES) اور مالدار (HANENTS) کی آویزش کی نقیب ہے۔ اس لئے انسانی آبادی کا وہ کثیر حصہ جیسے سرمایہ داری کے ظالمانہ نظام نے قلاش بنا دیا ہے یعنی مزدور و کسان، اس کے مسائل کے حل کرنے کی دعوت لے کر وہ آگے بڑھتی ہے گویا وہ ایک ''طبقہ'' کے مسائل کے حل کی داعی ہے اور ''پوری انسانیت'' کے مسائل کے حل کا وہ خود بھی دعویٰ نہیں کرتی۔ اشتراکیت ذرائع آمدن اور مصادر و منابع پیداوار کی عام ملکیت کی قائل ہے۔ اس لئے ''نجی ملکیت'' کا وہ قطعاً انکار کرتی ہے۔ لیکن عملاً اشتراکی ممالک میں ''مصادر و منابع پیداوار'' مملکت کی ملکیت قرار پاتے ہیں اور مملکت کی باگ ڈور چونکہ ''کمیونسٹ پارٹی'' کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو کہ ایک ''مخروی پارٹی'' ہوتی ہے جس پر صرف چند جوش کے لیڈروں کا عملاً اختیار ہوتا ہے اس لئے سب دولت و سرمایہ کے سپید و سیاہ کے مالک و حاکم اور مختار کل کمیونسٹ پارٹی بالفاظ دیگر اس کے چند سرکردہ لیڈر قرار پاتے ہیں۔ جن کے خلاف کسی آواز کا اٹھانا بغاوت قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح اشتراکی ممالک میں دولت و زر غریب مزدور و کسان کو نہیں ملتا، بلکہ سرکاری ملکیت بن کر عملاً کمیونسٹ پارٹی کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اور اس کے منابع بھی برابر تقسیم نہیں ہوتے بلکہ جیسا کہ روس و دیگر ممالک کی تنخواہوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تنخواہیں ۸۰ روبل یعنی ۵۰۰/۰۰ روپے سے تیس ہزار روبل یعنی چھ ہزار روپے تک چلی گئی ہیں۔

(COMADE YVON بحوالہ اکنامکس آف اسلام صفحہ:۶۵)

بہرحال اشتراکی تحریک مزدور کسان اور نوجوان طالب علموں کو سبز باغ دکھا کر ایسے نظام میں قید کر دیتی ہے جس سے بدتر آمرانہ نظام تاریخ میں نہیں دیکھا گیا جہاں انسانی بنیادی آزادیوں کا حال یہ ہوتا ہے۔

نہ شکایت کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقبال نے سچ کہا ہے:

زمام کارا گر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کو مکن میں سبھی وہی حیلے ہیں پرویزی

اسلام نے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے ردعمل غیر فطری و باطل اشتراکی نظام کے مقابلہ میں جو نظام اقتصاد و معاشیات دیا، وہ انسانی فطرت کے عین تقاضوں کے مطابق ہے۔ وہ جملہ انسانی طبقات کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ ان کی روحانیت و آخرت کی کامیابی کا بھی کفیل ہے۔ معاشیات میں سب سے اہم مسئلہ ملکیت ''زمین و مال'' کا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام بے لگام آزاد نجی ملکیت کا قائل ہے۔ اشتراکیت قطعاً ''نجی ملکیت'' کی منکر ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے لائے نظام اقتصاد و معیشت کی بنیاد چونکہ اللہ تعالیٰ کے قصور ربوبیت، مالکیت و حاکمیت وغیرہ پر ہے۔ اس لئے اسلام میں اصلاً کوئی انسان کس چیز کا حقیقی مالک اور متصرف نہیں ہوسکتا۔ کائنات اور اس کی جملہ اشیاء زمین اور اس کی جملہ چیزوں کا مالک و متصرف و مختار حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن کریم کی بیشتر آیات کا منشاء ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ (آل عمران:۹)

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (المنافقون:۷)

لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انسانوں کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر مجازی طور پر اپنے احکام اور نازل کردہ حدود و قیود کی پابندی کے ساتھ مختلف طبقات انسانیہ کو ان کے مفادات کی رعایت کرتے ہوئے اور ان کی صلاحیتوں کو روبکار لانے کے لئے جتنا مناسب سمجھے ''زمین و دولت'' کا نجی مالک بنادے۔ یہ نجی ملکیت آزاد اور انسانی چاہتوں کی پابند نہیں ہوگی۔ بلکہ اس الٰہی نجی ملکیت کا نظام آمد وصرف ہر حیثیت سے احکام الٰہی کا پابند اور حدود الٰہیہ سے مقید ہوگا اور اس نجی ملکیت و دولت کا حصول و استعمال ایک امین کی حیثیت سے انسان کرے گا۔ مگر اسلام مقید اور پابند حدودِ الٰہی نجی ملکیت (Dvine controlel prinate party) کی اجازت دیتا ہے۔ جس کی ایک ایک پائی کی آمد وصرف کا حساب اسے اللہ تعالیٰ کو دینا ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق آمد وخرچ نہیں کرے گا تو وہ ایسا

مجرم ہوگا جس کی عبادت تک بعض اوقات مقبول نہیں ہوں گی۔ حرام کی کمائی والے کی نماز و حج و زکوٰۃ بھی حضور انور ﷺ کے ارشادات کے مطابق مقبول نہیں ہیں۔ غرض حضور انور ﷺ کا نظریہ ملکیت کے بارے میں یہ ہے:

در حقیقت مالک ہر شے خدا است
ایں امانت چند روزہ نزدما است

یہ مال و دولت و نجی ملکیت اصلاً فضیلت و شرف کا سبب نہیں بلکہ حکمت الٰہیہ نے اسے دے کہ انسان کے اخلاقی جواہر و کمالات کو پرکھنا چاہا ہے کہ کیا انسان خلیفۂ الٰہی اور ایک ''انسان'' کی حیثیت سے اس کا استعمال کرتا ہے یا حیوانوں اور درندوں کی طرح اخلاق کے تقاضوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک اصلِ کمال انسان کا مال و دولت نہیں بلکہ اس کا ایمان و عمل ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مقید و پابند حدود الٰہی نجی ملکیت کے نظام کو اس طرح قائم فرمایا کہ اسلامی نجی ملکیت کی اجازت ظالمانہ اور قارونی سرمایہ دارانہ نظام کو جنم نہ بنادے، بلکہ دولت کی ایسی عادلانہ تقسیم ہو، کہ ایک ہموار معاش زندگی وجود میں آسکے، جس میں ہر طبقہ انسانی کا ہر فرد راحت و چین کی زندگی گزار سکے اور نہ صرف اس کی حاجات ضروریہ ہی پوری ہوں بلکہ وہ معاشرہ میں ایک وقار، خودکفیل، فارغ البال، انسان پروقار اور خداپرست شخص کی زندگی گزار سکے۔

مقید اسلامی نجی ملکیت کو ارتکاز دولت کا سبب بننے سے روک کر اسلامی معاشیات کی ایک بنیاد قرار دیا گیا۔ قرآن کریم نے ایک مقام پر فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:۷)

ترجمہ: تاکہ دولت تمہارے تونگروں ہی میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔

لیکن اسلام جہاں ارتکاز دولت کو روکتا ہے وہاں انسان کے اخلاق و روحانیت اور خلافتی کمالات کے بقاوارتقا کے لئے مساویانہ تقسیم دولت کا بھی قائل نہیں ہے کہ اگر دولت سب میں برابر تقسیم ہوجائے تو جود وسخا، صبر وشکر، ایثار وقربانی، بھائی چارہ وغمگساری وغیرہ اور انسانی صفات بھی ختم ہوجاتی ہیں اور انسان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک بڑا حیوان یا ایک خودکار مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ انسانی قویٰ اور صلاحیتوں کے تفاوت کی بنا پر بھی یہ مساوات عادلانہ نہیں۔ کیا آپ کی عقل سلیم یہ گوارا کرتی ہے کہ ایک مجھ جیسا جاہل گنوار اور ایک یونیورسٹی کا اعلیٰ تعلیم یافتہ، ماہر و حاذق استاذ مالی و معاضہ کے لحاظ سے ایک ہی سطح پر لا کر کھڑے کر دیئے جائیں۔ اس لئے اسلام میں مالی مساوات کا نعرہ غلط ہے۔ اسلام کی نظام معاشیات میں مساوات نہیں مواسات یعنی ہمدردی و غمگساری ہے کہ ہر انسان کے درد کو اپنا درد سمجھو اور اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھ کر پورا کرو۔ قرآن کریم نے اس عدم مساوات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ (الزخرف:32)

ترجمہ: ہم ہی نے دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کو رکھا ہے۔ اور ہم نے ایک کو دوسرے پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تا کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے۔

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ (النحل:71)

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعضوں کو بعضوں پر رزق کی فضیلت دی ہے۔

علاوہ ازیں اس اسلامی نجی ملکیت کا انکار قرآن کریم کے تقریباً ایک چوتھائی احکام کا ابطال اور اسلام کے پورے نظام معاش کا انکار ہے۔ یہ بات بھی قطعاً غلط اور اسلام کے اصول اقتصاد اور انسانی فطرت کے خلاف ہے کہ کسی سے اس کی ساری نجی ملکیت کو طلب یا جبراً سلب کر لیا جائے۔ قرآن حکیم اپنے حکیمانہ انداز میں فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴾ (الحشر:36،37)

ترجمہ: اور اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارا سارا مال طلب نہیں کرے گا۔ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے۔ پھر انتہا درجہ تک طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ (اس طرح تمہارے مال صرف

کرنے کی فطری) ناگواری کو ظاہر کر دے۔ (دیکھو روح المعانی و تفسیر کبیر زیر آیت مذکورہ)

غرض اسلام نے تو نجی ملکیت کو قطعاً ختم کیا ہے، نہ وہ اسے بالکل آزاد اور بے لگام چھوڑتا ہے، بلکہ عادلانہ قوانین کے اجراء سے ایسا مقید و پابند کر دیا کہ دولت کی ناہموار تقسیم ختم ہو گئی۔ نہ تو قارونی دولت کے ایسے مواقع چھوڑے کہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے۔ نہ نجی ملکیت کا انکار کر کے انسانی فطری ساخت کے خلاف، ہر چیز کا مالک مملکت کو اور نہ عملاً ایک خاص طبقہ کے نمائندوں کو اس کا متصرف بنایا۔ اس سلسلہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو عہد آفرین منصفانہ معاشی خاکہ پیش کیا اس کے موٹے موٹے خدوخال اس مختصر نشست میں پیش کرتا ہوں۔

اولاً نجی ملکیت سے بہت ساری چیزوں کو خارج فرما کر انہیں وقف عام کر دیا کہ جس سے ہر انسان مساوی فائدہ اٹھانے کا حق دار ہے اور وہ انفرادی ملکیت میں نہیں دی جا سکتی۔ ان چیزوں میں آگ، پانی، مٹی، ہوا، روشنی، خودرو گھاس، جنگل اور پانی، کا شتکار، معادن (کانیں) غیر مملوک بنجر زمین وغیرہ شامل ہیں، ان میں بعض چیزوں کے استعمال کا حق دار ہر شخص ہے اور بعض اشیاء سے اسلامی مملکت کے امیر کے حکم کے مصالح عامہ کو پیش نظر رکھ کر استفادہ کیا جائے گا۔

معادن میں فقہا کی تصریح کے مطابق نمک، گندھک، تارکول، تیل، سرمہ، یاقوت وغیرہ جیسی دھاتیں شامل ہیں گویا اگر کوئی شخص اسے نجی طور پر آباد بھی کرے تب بھی اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: بعض آمدنیوں کو قطعاً حرام و باطل قرار دے دیا۔

قرآن کہتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النساء:29)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔

ان باطل طریقوں میں سرفہرست سود کا ہر قسم کا کاروبار ہے جس کے جز و کل کو اسلام نے حرام قرار دے دیا اور سود خوار کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کا چیلنج دے دیا۔ سود کی بربادیوں کا احساس، ہر منصف مزاج معاشی سمجھ رکھنے والا شخص کر سکتا ہے۔ حاجت مند اور محتاج کو جس طرح یہ لوٹتا ہے اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ چالیس سال میں اگر پانچ فیصد شرح سود ہو تو سود مفرد میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

محتاج سے یہ سود کی بجائے تین سو اور مرکب سود میں سات سو وصول کرتا ہے اور شرح سود کی زیادتی و کمی اور اس کے پھیلاؤ کے بقدر اشیاء کی قیمتوں کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ یہ بنکاری سود ہی کا کمال ہے کہ بیس سال کے عرصہ میں پاکستان کی مجموعی دولت کا پچانوے فیصد حصہ بائیس خاندانوں کے ہاتھ میں سمٹ آیا اور ابھی هَلْ مِنْ مَزِيْد کی صدا آرہی ہے۔ قمار، جوئے، ہر صورت سٹہ بازی جس سے تاجر کروڑوں کے وارے نیارے کرتے ہیں اور پل بھر میں امیر بنا دینے والے ہر داؤ کو حرام کر دیا۔

احتکار (یعنی ذخیرہ اندوزی) کو حرام قرار دیا۔ رشوت، لوٹ کھسوٹ اور ہر قسم کے جبر و اکراہ سے حاصل کردہ مال کو ناجائز بنا دیا۔ گویا ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کی ان تمام بنیادوں کو اکھاڑ دیا جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے۔ تجارت میں بھی دھوکہ، فریب یا ظلم و زیادتی کی ممکنہ راہوں کو بند کرنے کے لئے تجارت کی کئی صورتوں کو حرام قرار دے دیا۔ آمدن کے ذرائع کے محدود کرنے کے علاوہ اخراجات کی راہ کشادہ کر دی اور قانوناً 'دین' بنا کر مال کی تقسیم کے طریقہ مقرر کر دیئے۔ جس سے مال چند اشخاص کی بجائے پورے معاشرے میں پھیلتا جاتا ہے اور غریب کی حاجات اس طرح پوری ہو جاتی ہیں کہ وہ خود توانگر اور مالدار بن جاتا ہے۔ ان میں بڑی بڑی مدات یہ ہیں:

زکوٰۃ: سونے چاندی اور تجارتی مال کے اصل پر ڈھائی فیصد سالانہ کے حساب سے مفلس اور ناداروں کے لئے ان کا حق قرار دے کر جو مال نکالا جاتا ہے۔ اسے زکوٰۃ کہتے ہیں، ۱۹۶۹ میں N.P قومی آمدن بہتر ہزار کروڑ تھی، اگر صرف اس پر ہی زکوٰۃ نکالی جائے تو اٹھارہ سو کروڑ بنتی ہے۔ یہاں یہ نکتہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ افلاس کو ختم کر دینے میں زکوٰۃ کا اتنا عظیم اثر ہے کہ اگر چند سال کے لئے یہ نظام قائم ہو جائے تو کوئی نادار نہ رہے۔ مالدار اگر کوئی کروڑوں ٹن سونے کا مالک ہو اور کسی جائز تجارت میں سرمایہ کو نہ لگائے تو اس کا تقریباً سارا سرمایہ چالیس سال میں غریب اور نادار کی جیب میں چلا جائے گا۔ مال کی طرح زمین سے نکلنے والی ہر پیداوار پھل، سبزی، ترکاری، اناج اور کپاس وغیرہ پر دسواں یا بیسواں حصہ غریب کا حق ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾.(المعارج:25,24)

ترجمہ: ان کے اموال میں مانگنے والے اور محتاج کا حق ہے۔

اگر مصنوعی ذرائع سے کاشت ہے تو بیسواں حصہ غریب کا مال ہے ورنہ دسواں حصہ۔ اسی طرح چوپایوں اونٹ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس وغیرہ پر بھی زکوٰۃ ہے۔ جس پر رسول انور ﷺ کے زمانے کے لکھے ہوئے احکام و فرائض اب تک موجود ہیں۔

دفینوں اور معدنیات کی آمدن کا پانچواں حصہ ناداروں اور غریبوں کا حق ہے۔ اس کے علاوہ صدقۂ فطر، کفارات وغیرہ کی کئی آمدنیاں غرباء اور ناداروں پر تقسیم ہوں گی۔

حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے:

"تو خذ من اغنیاء هم و ترد علیٰ فقراء هم".

ان کے امیروں سے لے کر یہ زکوٰۃ اور اس قسم کی دیگر مدات کی رقمیں فقراء میں تقسیم ہوں گی۔

یہ رقم بیت المال میں جمع ہو کر انہیں "مصارف" میں صرف کی جائیں گی، جن کی قرآن نے تصریح کی ہے۔ بیت المال سے حاجت مندوں کی ضرورت کے وقت اس رقم سے قرضہ وغیرہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ اجتماعی خزانہ ہے جو ہر فرد کی ضرورت کے وقت میں کفالت کرتا ہے اور مصنوعی اور ناجائز بیموں اور سودی کاروبار سے انسان کو بچاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہر شیر خوار بچہ کو بیت المال سے دو سو درہم ماہوار وظیفہ دیا جاتا تھا اور بڑوں کے مختلف حیثیتوں سے وظائف مقرر تھے۔ یہ بیت المال ہر شخص کی روٹی، کپڑا، صحت و مسکن اور دیگر ضروریات کا ضامن ہے۔

اسلام کا قانون میراث بھی تقسیم دولت میں بڑا اہم کردار انجام دیتا ہے۔ بڑی بڑی جائز زمینداریاں بھی دو تین نسلوں یعنی پچاس، ساٹھ سال میں تقسیم کے عمل سے ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

زمینوں کے ناجائز عطیات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، ہمارے ملک میں اکثر جاگیریں اس کے ذیل میں آجاتی ہیں، غیر آباد زمینیں آباد کرنے والے کا حق ہے۔ زمیندار پر لازم ہے کہ کاشتکار کے حقوق کی رعایت کرے اور کاشتکار کی اجیر کی حیثیت ہے، جس پر لازم ہے کہ مالک کا حق پورا ادا کرے۔

اسلام نے آجر و اجیر، سرمایہ دار اور مزدور، زمیندار اور کاشتکار کا تعلق "طلب و رسد" کی بنا پر قائم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نہیں کیا، بلکہ بھائی چارے کی اسلامی بنیادوں پر اٹھایا ہے۔فرمایا ہے: جوخود کھاؤ اس کو کھلاؤ جوخود پہنو اسے پہناؤ۔اسے برے لقب سے عبد''غلام'' کہہ کر نہ پکارو۔ بلکہ اسے بھائی کہہ کر خطاب کرو۔قانونی دفعات کے علاوہ اسلام نے اخلاقی لحاظ سے صدقہ، خیرات اور انفاق پر اس قدر زور دیا ہے کہ بعض اسلامی محققین نے اسلامی نظریہ معاش کو نرا انفاقی نظریہ معاش قرار دیا ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ صحابہ یہ خود بھوکے رہ کر اوروں کو کھلا دیتے تھے۔خود حضور انور ﷺ کی دہش کا یہ حال تھا کہ جب ایک سائل کے سوال پر اسے بھیڑ، بکریوں کا ایک ریوڑ دے دیا تو وہ بے اختیار پکار اٹھا: اے لوگو! اسلام لے آؤ۔محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ اس کے بعد ناداری کا خوف نہیں رہتا۔

مختصر وقت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سراپا رحمت نظام معیشت پر پوری گفتگو کرنا مجھ جیسے بے علم کے لئے مشکل تھا۔تاہم اتنی بات کہے دیتا ہوں کہ جس کے پاس اسلام کا عادلانہ نظام موجود ہے وہ کسی دوسرے نظام معاش و اقتصاد کو گوارا نہیں کرسکتا اور جس کے پاس حضرت محمد ﷺ جیسی شخصیت موجود ہو وہ مارکس و انجیلز، لینن، ماؤزے تنگ کی شخصیات پر نگاہ نہیں ڈال سکتا ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

❀❀❀

(۶)

مملکت خداداد عطیہ الٰہی

مملکت خداداد پاکستان اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ اور مسلمانان ہند کی دوصد سالہ قربانیوں کا ثمرہ ہے۔ جسے ظاہری اسباب میں آخرش علامہ اقبال کی فراست قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کی سیاسی بصیرت، بلند ہستی، عزم راسخ اور قائدانہ صلاحیت اور ان کی رہنمائی میں اسلامیان پاک و ہند کی غالب اکثریت کے بے مثال اتحاد، نظم و یقین اور قربانیوں نے وجود بخشا۔سلطنت مغلیہ کے زوال وسقوط کے بعد ملت اسلامیہ جہاد و قتال قربانیوں اور جہد مسلسل سے پیہم دو چار رہی۔اس خونچکاں داستان کے مختلف روشن و رنگین ابواب جنگ پلاسی 1757ء، معرکہ سرنگا پٹم 1798ء، مشہد مقدس بالاکوٹ 1830ء جنگ آزادی 1857ء اور علماء و مجاہدین کی مختلف تحریکیں ہیں۔آزادی کے متوالے بار بار دار و رسن کو زینت بخشتے اور برطانوی استعمار سے معرکہ آرا ہوتے رہے۔کبھی جزائر انڈومان کی جلاوطنیاں، کبھی مالٹا کی اسارت، کبھی چھندواڑہ جیل کی قید تنہائی، کبھی مقدمہ کراچی کی جرأت مندی عزیمت و جی داری کے اس باب کو روشن کرتی رہی، کبھی تحریک خلافت و عدم موالات اور محمد علی جوہر کے سیاسی جوہر قصر حکومت کو متزلزل کرتے رہے۔ تاہم انگریزوں کی شاطرانہ سیاست ان سب اولعزمیوں کی راہ میں رکاوٹ بنی رہی۔جس میں ہندو برابر کے شریک تھے، مسلمانوں کا ایک خاص طبقہ بھی اپنی ذاتی مفادات کے لئے ملک و ملت کی غداری کا منصب سنبھالے ہوئے تھا اور آزادی کی راہ میں حائل تھا، جن میں سے دو کے بارے میں اقبال نے کہا:

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم، ننگ ایمان، ننگ وطن

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہندو مسلم سیاسی قضیہ اور اس کا تصفیہ بھی انگریزی استعمار کی طولائی کا بہانہ تھا، ہندو سات سو سال تک مسلمانوں کے غلام رہے تھے۔ انگریز نے مسلمانوں کے اقتدار چھینا اور ہندوؤں کو اپنی سرپرستی میں آگے بڑھایا۔ مسلمان آزادی کے لئے قربانیاں دے رہے تھے اور ہندو مراعات حاصل کر رہے تھے، تاہم مسلمانوں کا جذبہ حریت ہر قسم کی جانی و مالی قربانیوں اور ہندو و انگریز کی سازشوں کے باوجود روز افزوں تھا۔ بقول حالی:

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

بقول جوہر:

لذت ہنوز مائدہ عشق میں نہیں
آتا ہے لطف جرم تمنا سزا کے بعد

انگریز نے ملک میں جمہوریت کے نام پر دسیسہ کاری کا ایسا صور پھونکا کہ ہر اقلیت اکثریت کے عفریت سے خائف ہو کر رہ گئی۔ گو جمہوریت خود مسائل کا حل نہیں۔ بقول اقبال: جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں انسانوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر، انسانی نمی آید

کسی ملک میں خصوصاً جب دو ایسی قومیں بستی ہوں جن کا مذہب عبادات، روایات، تاریخ، رہن و سہن کے طریقوں میں ایک دوسرے کی ضد ہو اور اکثریت اقلیت کو کھا جانے پر تلی ہوئی ہو۔ ہر چند کہ ہند میں ہندو قوم کی تاریخ (اکال الامم) کی حیثیت سے نمایاں ہے۔ اپنی چھوت چھات اور مسلمانوں کی رواداری کی وجہ سے مسلمانوں کے دور عروج میں اس نے اپنے کو بحیثیت قوم بچا لیا لیکن جب انگریز نے اسے اپنی پناہ اور سیاسی سرپرستی میں لیا، اس نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کیے اور اس بڑے ناگ کی طرح جو سردی میں ٹھٹھر کر بے جان معلوم ہوتا ہے۔ اور گرمی میں پھر سے پھنکارنے لگتا ہے، انگریز

کی نگرانی میں مسلمانوں کے درپے ہو گئی انگریز نے اس کی مردہ زبانوں سنسکرت و ہندی اور پراچین تہذیب کو حیات نو بخشی۔ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر کے ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی انتہائی منافرت اور دشمنی پیدا کر دی اور "تفریق ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کے ماتحت اپنی حکومت کی مضبوطی کے سامان کرتا رہا۔ غرض ایک دبی ہوئی قوم کو ایک ایسی غالب اور فاتح قوم کے مقابل کھڑا کر دیا جو سات سو سال تک اس پر حکومت کر چکی تھی۔ ستم ظریفی یہ کہ انگریز نے ہندوؤں کو ہر میدان میں فوقیت دینے کی کوشش کی، تعلیم، تجارت، سرکاری ملازمتوں میں انہیں "اکثریت" کا نام دے کر مسلمانوں سے آگے بڑھایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیاوی لحاظ سے مسلمان ہندوؤں سے پیچھے رہ گئے۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں بھی تجارت، تعلیم، زمینداریوں پر غیر مسلموں کا استیلاء و غلبہ ہو گیا۔ ان حالات میں ملت اسلامیہ ہند و پاک کا درد رکھنے والے مسلمان مفکرین ہر کوچک کے سیاسی حل کے لئے مختلف تجاویز پیش کرتے رہے۔ لیکن تقدیر الٰہیہ میں یہ طے ہو چکا تھا کہ انجام کار مفکر اسلام اقبالؒ مرحوم کی پیش کردہ تجویز جو انہوں نے 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں پیش کی تھی، مسلمانان ہند کے لئے قدرت کا فیصلہ ثابت ہو گی۔ جو اپنے استقلال کے وقت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت تھی، دنیا نے دیکھا کہ 14 اگست 1947ء کو مسلمانان ہند کی یہ عظیم مملکت وجود میں آئی۔ جس کا مقصود اسلامی حکومت و معاشرہ کا قیام تھا، تاریخ کا یہ بھی ایک طرفہ حادثہ ہے، کہ مملکتوں کا وجود عموماً جان و مال کی پیشگی قربانیوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ پاکستان قائداعظم کی آئینی جدوجہد کا نتیجہ تھا، جس میں اس کے قیام تک کوئی خاص قربانی نہیں دی گئی تھی۔ لیکن قیام پاکستان کے ساتھ ہی انگریز و ہندو اور سکھ مشترکہ سازش کے ماتحت خون و آگ کی وہ ہولی کھیلی گئی کہ چنگیز و ہلاکو خان کی خون ریزیوں میں بھی نہ ملے، واگہ سے لے کر دہلی تک پوری زمین مسلمانوں کے وجود سے خالی کر دی گئی۔ مسجدیں ویران، مدارس غیر آباد، اور خانقاہیں سونی ہو گئیں، تاریخ کی غالباً سب سے بڑی ہجرت جو ایک کروڑ کے لگ بھگ انسانوں پر مشتمل تھی، اپنے آباؤ اجداد کے مکانات، زمینوں اور مقابر چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ دس لاکھ کے قریب مسلمان شہید ہوئے، پچاس ہزار کے قریب مسلمان عورتیں کفار کے قبضے میں رہ گئیں۔ (پاکستان کے لئے ان عظیم قربانیوں کا تصور کیجیے اور سوچیے کہ یہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مملکت کن قربانیوں کا ثمرہ ہے اور اس سرزمین کا ذرہ ذرہ کس قدر قیمتی ہے اس دراز نفسی کا مقصد یہ ہے کہ آج جو لوگ اپنے سیاسی مفادات اور گروہی تعصّبات، صوبہ جاتی میلانات یا ذاتی مقاصد کے لئے اس مملکت کو کمزور کرنا یا نقصان پہنچانا چاہتے ہیں وہ کتنے بڑے ملی جرم، دینی گناہ اور اخلاقی کم مائیگی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شہیدوں کے خون، لاکھوں مسلمانوں کی بے لوث خدمات اور خود بقائے ملی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایسے قدم، تحریک اور عمل سے اجتناب برتا جائے جس سے مملکت خداداد کمزور ہو سیاسی قائدین کی قیادت، سرمایہ داروں کا سرمایہ، زمینداروں کی زمین، حاکموں کی حکومت اور ملازمین کی ملازمتیں پاکستان کے دم قدم سے ہیں۔ خاکم بدہن اگر پاکستان پر کچھ آنچ آ گئی تو اسلامیان پاکستان کو العیاذ باللہ ایسا روز سیاہ دیکھنا پڑے گا، جس کے تصور سے بھی دل لرز اٹھتا ہے۔ اس لئے ملک کے ہر رہنما ہر سیاسی جماعت، ہر مکتبہ فکر، ہر عامی و عالم، ہر طالب علم و فاضل، ہر تاجر و زمیندار، ہر ملازم و حاکم، غرض ہر باشندہ کا فرض ہے کہ پاکستان کے سالمیت، اس کی بقا اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی ہر توانائی صرف کر دے۔ مملکت کی بقا کے ساتھ ہماری بقا وابستہ ہے اور مملکت کی بقا اس کی ملکی اور فکری سرحدات کے بچاؤ پر منحصر ہے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم اپنی ہر کوشش و طاقت اس اسلامی ملک کو بچانے اور اس کے اندر اسلامی و دینی نظام نافذ کرنے اور شریعت کی بالادستی قائم کرنے کے لئے صرف کر دیں گے۔

بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بیناوش برا ندازیم

❀❀❀

(۷)

اسوۂ نبویہ اور عصری شہریت

ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور انسانی فضل و کمال کا انتہائی نکتۂ معراج تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات پاک تمام انسانوں کے لئے قیامت تک راہ نمائی اور ہدایت کا سبب ہے۔ انسانیت کے تمام طبقات کے لئے آپ کی کامل زندگی اور مکمل تعلیمات ہر زمانہ میں مشعل ہدایت اور ذریعۂ نجات ہیں۔ شاہ و گدا حاکم و محکوم، امیر و غریب، تاجر و زارع، صنعت کار و مزدور، عورت و مرد، جوان اور بوڑھا ہر ایک اس آفتاب نور سے فیض و روشنی حاصل کر سکتا ہے نبی کی آمد اس دنیا میں ہدایت کے عام کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی ذات سراپا رشد و ہدایت ہوتی ہے اور نبی اس زندگی کے کسی عمل میں بھی مشغول ہو انسانیت کی رہنمائی کے لئے اس کی ذات سے ہر آن ہدایت کے انوارات نکل کر دوسروں کو روشن کرتے رہتے ہیں۔ اس کا دل بینا حقائق آشنا ہوتا ہے اور بے محابا اس کے قول و عمل سے حق و باطل میں تفریق ہوتی جاتی ہے۔ اس پر زندگی کے جملہ شعبوں کے حقائق خوبیاں اور برائیاں کھولی جاتی ہیں وہ اپنی نبوی آنکھ سے خیر و شر کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ایک کامل نمونہ کی زندگی پاتا اور اپناتا ہے اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتا ہے۔ وہ اپنی الٰہی بصیرت و روشنی کی بنا پر انسانیت کے جملہ طبقات کو ان ہدایات سے روشناس کرتا ہے، جس میں ان کی دائمی دنیاوی و اخروی کامیابی و فلاح پوشیدہ ہوتی ہے۔ وہ انسانوں میں پیدا ہوتا ہے، انسانوں میں زندگی گزارتا ہے، انسانی افعال و اعمال اس سے طبعاً سرزد ہوتے ہیں لیکن اس کے ہر قول و عمل کی خدائی حفاظت اور اس کے ہر قدم و نظر میں ربانی رہنمائی کی جاتی ہے۔ اس کی ذات بشریت کا کمال اور بنی آدم کا فخر ہوتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وہ اس دنیا میں رہتا ہے لیکن اس کی زندگی کی ہر حرکت وسکون آسمانی احکام کی پابندی ہوتی ہے اور بشریت کے باوجود وہ بزرگی اور معصومیت کا فرشتہ نظر آتا ہے۔ ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مانِ خدا اور پیغمبر ذی جاہ کے سلسلہ کی آخری کرن اور ان سب کے سردار تھے۔ اور ہدایت ربانی کے لئے آئے تھے۔ اس لئے آپ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے محاسن وفضائل وکمالات کو اپنی ذات عالی میں سموئے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شرف وفضیلت، تکمیل و جامعیت کے لحاظ سے نمایاں وناز اور گلشن نبوت کے گل سرسبد تھے۔ آپ کی شان سب سے نرالی، کام سب سے اونچا، کردار سب سے پیارا، نمونہ سب سے اعلیٰ، کمال سب سے انوکھا اور دائرہ سب سے وسیع و مکمل تھا۔ آپ کا ہر قول وفعل نظریہ وعمل اپنی جامعت وکاملیت میں اپنی نظیر آپ اور دلکشی اور محبوبیت میں لاثانی میں بے مثال تھا:

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

جہاں نور نبوت کے نور سے خالی حکماء وفضلاء کے علم وعقل کی آخری سرحد ہے، اس سے آگے بائیٔ حکمت و دانائی کی ابتدا ہوتی ہے۔ نبی حکمت و دانائی، وسعتِ نظر اور فکر ومعرفت کی جس بلندی پر ہوتا ہے۔ غیر نبی کا انتہائی پرواز بھی اس کے گرد کو نہیں پاسکتا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی زندگی عام انسانی معیار سے جانچنا اور پرکھنا نادانی ہے۔

نبی کے علم ونظر اور عمل کی پاکیزگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے جملہ تصورات ومعروضہ عام پیمانوں سے قطع نظر بے چوں و چرا اس کا اتباع کرنے لگے۔ یہ بات اس لئے عرض کی گئی ہے کہ نبی کی زندگی انسانوں کے بنائے ہوئے خاکوں کی پابند نہیں ہوسکتی۔ وہ متبوع ہوتا ہے، مخلوق کا تابع نہیں ہوتا۔ اس سے زندگی کا نمونہ لیا جاتا ہے، اسے دوسرے انسان زندگی نہیں سکھا سکتے۔ اس بنا پر اس نبی کی زندگی کے کسی پہلو کا جائزہ بھی ہم انسانی تراشیدہ اصولوں اور معیار سے نہیں کرسکتے۔ خاص کہ سید النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ہم فکرِ انسانی کے فکر نارسا کسوٹی پر نہیں پرکھ سکتے۔ اس لئے جب ہم حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا مطالعہ ایک شہری یا تاجر کی حیثیت سے

کریں گے۔ اس وقت یہ حقیقت ہمیں اپنے ذہن میں رکھنی ہوگی کہ اولین وآخرین کے سردار ولد آدم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا کے کسی جدید وقدیم مفکر وحلیم ونظریاتِ شہریت یا اصولِ تجارت پر نہیں پرکھیں گے، بلکہ انسانیت کے اس سب سے بڑے معلم سے سیکھنے کی کوشش کریں گے کہ آپ جس عالمگیر وہمہ گیر دعوت ودین کے داعی تھے اور آپ نے جس انسانی برادری کی طرح ڈالنی تھی اور تمام نسلِ انسانی کی جس آفاقی ومکمل مملکت کی بنیاد رکھنی تھی، اس کا تصور بھی دنیا کے دیگر حکماء وفضلاء نہیں کرسکتے۔ اسلام کی آفاقی وعالم گیر شہریت، یونان کی شہری مملکتوں یا عصر حاضر کی نسلی ولونی حکومتوں یا محدود معاشی وسیاسی نظریوں پر مبنی دولتوں میں نہیں سما سکتی۔ افلاطون وارسطو، لارڈ براس ویل وغیرہ کے نظریاتِ شہریت ام القری کے اس معلم انسانیت ﷺ کے سامنے پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔

آپ نے دارالاسلام کی جس عالمگیر مملکت کی بنیاد ڈالی، اس کا کمال یہ تھا کہ یورپ کے نام نہاد تمدن و استیلاء سے پیشتر مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں بھی ابن بطوطہ سا جہاں گرد سیاح یا سعدی جیسا بے نوا درویش پاسپورٹ وکرنسی کی موجودہ پابندیوں سے دوچار ہوئے بغیر دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے اسلامی ممالک میں یہ کہتے ہوئے پھر جاتا تھا کہ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست اور جہاں جاتا مسلمانوں کے ہمہ گیر جذبہ واخوت کی بنا پر اپنے کو اپنے وطن بلکہ اپنے گھر میں پاتا تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو بتایا کہ تمام زمین اللہ تعالیٰ کی مملکت ہے جس پر الٰہی بالادستی وسروری قائم ہے اور تمام انسان رنگ ونسل، ملک ووطن کے اختلاف کے باوجود اس کے بندے ہیں۔ پس جو شخص اس الٰہی مملکت میں بستا ہے اور خدا کی خدائی کو مانتا ہے اور اس کے احکام کی پابندی اختیار کرتا ہے، وہ ہر اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا بھائی ہے، جس کے خاص حقوق وفرائض ہیں، جن کی پابندی وادائیگی ان میں سے ہر ایک شخص پر لازم ہے۔ الٰہی مملکت کے ان ماننے والوں کا طبقہ مؤمن ومسلم یعنی ماننے والا وفرمانبردار کہلاتا ہے اور یہی اصل میں خدائی مملکت کے اصل شہری ہیں۔ ان کے علاوہ جو خداوند تعالیٰ کی حاکمیت واحکام کو نہ ماننے والا ہے وہ کافر کہلاتا ہے۔ اس کی مثال آج کل کی اصطلاح میں غیر ملکی ''ALIEN'' کی ہے۔ اگر وہ اس میں رہتا ہے تو اس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت بھی ماننے والوں کی طرح ہے اور اگر باغی اور سرکش ہیں تو حقوق شہریت کو زائل کردیتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بہر حال انسانیت کے جملہ طبقات کو محمد رسول اللہ ﷺ نے عیال اللہ قرار دے کہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ علمائے شہریت اور سیاست کہتے ہیں کہ ہر شہری کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور ان حقوق کی بنا پر اس پر فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اچھا شہری وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی میں حقوق طلبی کی نسبت زیادہ سرگرم ہو۔ آج دنیا میں مزدور اور سرمایہ دار کا جھگڑا حاکم و محکوم میں رقابت، بیچنے اور خریدنے والوں میں منافست اور ہر طبقہ میں فساد کا سبب یہ ہے کہ حقوق کا تو ہر ایک طالب ہے لیکن اپنے فرائض کی ادائیگی سے غفلت برتتا ہے۔ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اگر ایک طرف حقوقِ انسانی کا بے مثل منشور دنیا کو پیش فرمایا اور آقا اور خادم، حاکم و محکوم عزیز و اقارب اپنے اور بیگانے مسلم اور غیر مسلم، مملکت امیر کے حقوق، یہاں تک کہ انسان سے آگے حیوان تک حقوق بیان فرمائے اور جس طبقہ کا مفاد جس گروہ سے وابستہ تھا، اس کے مفاد کو دوسرے گروہ پر لازم فرما کر اس کا دین بنا دیا اور اعلان فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسہ۔

تم میں سے اس وقت تک کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے انسان کے لئے وہی بھلائی نہ چاہو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

وہاں اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنے حقوق کو نہ طلب کرنے کا ایسا جذبہ انسانوں میں پیدا فرمایا اور ان کا نمونہ پیش کیا کہ شہریت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کبھی اپنا ذاتی بدلہ کسی سے نہیں لیا۔ زہر کھلانے والی یہودیہ کو جانتے ہوئے معاف فرما دیا اور اپنے قتل کی سازش کرنے والوں، وطن سے بے وطن اور ہر قسم کی ایذائیں دینے والوں، جن کی تلواروں سے اب تک خون ٹپک رہا تھا، سب سے بڑی کامیابی کے دن یعنی فتح مکہ کے روز یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ آج کے دن تم پر کوئی سختی نہیں، تم سب آزاد ہو۔ جب پورا عرب زیر نگین تھا، اس وقت بھی آسمانی بادشاہت کا شہزادہ دوسروں کو کھلا کر خود بھوکا رہتا تھا۔ جس وقت اس پر ایک پرجلال شہنشاہ کا دھوکہ ہوتا تھا، اس ذاتِ مبارک کا کل سرمایہ ایک کھڑی چارپائی، ایک مٹھی ستو اور چمڑے کا ایک مشکیزہ تھا۔ وہ دینے آیا تھا، مخلوق سے لینے نہیں آیا تھا، وہ کسی سے اپنے حقوق کا طالب نہیں تھا، بلکہ اوروں کے

حقوق کی ادائیگی میں سرگرم تھا۔ لارڈ برائس نے اچھے شہری کی صفات ضبطِ نفس، بے نفسی اور ذہانت بتائی ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی پوری عمر جس ضبطِ نفس، بے نفسی اور اخلاص کے ساتھ گزاری اس کا تذکرہ سورج کو چراغ بتانا ہے۔ آپ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ دین کے فروغ اور پھر اسلامی مملکت اور خلافت الٰہیہ کی بقا کے لیے صحابہ کرام نے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ہر شہری پر دینی خدمت اور ملکی حفاظت کے لیے جہاد لازم ٹھہرا اور آزادیٔ گفتار اور ضمیر کی وہ آزادی عطا ہوئی کہ ایک بڑھیا اور ایک دیہاتی بدوی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک دیتا ہے اور وہ جب تک اپنی صفائی نہیں پیش کرتے دوسری بات نہیں کر پاتے۔

معاشرتی مساوات کا یہ حال ہے کہ آقا و غلام، امیر و محکوم، شاہ و گدا میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ معاشی مساوات اس حالت پر ہیں کہ جو ادنیٰ مسلمان کو میسر آتا ہے۔ سردارِ عالم ﷺ اور ان کے خلفاء اس سے کم لیتے اور نوش فرماتے ہیں۔ بنیادی ضروریات زندگی کی فراوانی کا یہ حال ہے کہ بے سروسامان اور فاقہ کش عرب، شہر انسانی کی اس خدائی قلم رو میں بیس سال کے عرصہ میں فارغ البالی کے اس مقام پر پہنچتے ہیں کہ صدقہ و زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا۔ تمام شہری اسلامی مملکت کے وفادار اور اپنے مقصد کے لیے جان قربان کرنے والے انسانوں کو انسانوں کے خود ساختہ بندگیوں کی زنجیروں سے آزاد کرانے والے اور عالم گیر اخوت و محبت و خدمت و ایثار کا نمونہ پیش کرنے والے ہیں۔ غرض انسان کامل اور معلم انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جس کمال بشریتِ انسانی کا درس دیا وہ آج بھی اس پریشان حال انسانیت کے مداوی اور انسانی مشکلات کا آخری حل ہے۔ سلام ہو اللہ تعالیٰ کے اس فرستادہ پر جو آسمانی مملکت اس عالم میں قائم کرنے آیا تھا اور درود ہو اس پر جس نے عالم گیر انسانی شہریت کے زرین اصول بتائے۔

یہاں نہ نقل کی گنجائش ہے نہ عقل کی، بلکہ کسب و عمل کی ضرورت ہے۔ جو رنگِ فطری ہے بلا کسب کے ہر ایک کا خود اپنا ہی نمایاں ہو جائے گا اور وہی مقبول ہوگا۔ اس کے حاصل کرنے یا تبدیل کرنے کی سعی غیر ضروری بلکہ بے ثمرہ جائے گی، اس لیے اس کی فکر ہی کی ضرورت نہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

138

(۸)

سرکاری ملازم اوراس کے کردار کی اہمیت

ہر طبقہ جو زندگی گزار رہا ہے ان کے لیے خصوصی حالات اور ماحول ہوتا ہے اور ان حالات اور ماحول پر عبور حاصل کرنے کے لیے بعض خصوصیات کی موجودگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے ایک خاص کردار اپنانا پڑتا ہے۔ جہاں تک سرکاری ملازم کی ذمہ داری اور فرائض منصبی کا تعلق ہے اس کے تین رخ ہیں:

ایک ہے ذاتی مفادات یعنی اپنی شخصیت اور علمیت یا بالفاظ دیگر اپنے فن میں صلاحیت یہ تو ذاتی چیزیں ہوئیں۔ چونکہ یہ سرکاری ملازم ہے، اس لیے اس کے فرائض منصبی کا ایک رخ عوام الناس کے ساتھ رابطہ کی شکل میں ہے اور دوسرا رخ حکومت وقت کے ساتھ ہے اور سرکاری ملازم کے فرائض منصبی کا تیسرا رخ وہ تعلق ہے جو اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ ان تینوں رخوں کو تھوڑا تھوڑا اپنے ذہن میں رکھے تو مسلمان سرکاری ملازم کے لائحہ عمل کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ ہر شخص سب سے پہلے اپنے مفادات کو مدنظر رکھتا ہے، ہمارے ہاں تعلیم کا مقصد حصول ملازمت اور ملازمت کا مقصد حصول مفاد ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔ شخصی ضرورتیں کسی طور پر پوری ہوجائیں اس لیے ہم ملازمت کرتے ہیں۔ حکومت کا تقاضا تم سے یہ ہے کہ تم سرکاری ملازم کی حیثیت سے حکومت کے مفادات اور پالیسی کے مطابق اپنے فرائض منصبی کو ادا کرو۔ سرکاری ملازم کے فرائض منصبی کا تیسرا رخ یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے مسلمان ہے، عبداللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور پھر نفس کا بندہ ہے۔ اس احساس سے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں ذہن بدل جاتا ہے، اس سے زندگی میں تغیر اور تبدل آجاتا ہے

اور سرکاری ملازم ہر کام سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں اس سے کہیں اللہ تعالیٰ تو ناراض نہیں ہو رہے ہیں اور اس کی اسلام نے اجازت دی ہے یا نہیں جن کو صرف اپنا مفاد ہی دکھائی دیتا ہو، وہ حکومت اور پبلک کے مفاد کو نہیں دیکھتے اور اپنے مفاد کے لیے بعض اوقات ملک سے بھی غداری کر بیٹھتے ہیں۔ اسلام سرکاری ملازم سے پہلے یہ مطالبہ کرتا ہے۔

۱۔ کہ تم پہلے اللہ تعالیٰ کے بندے ہو۔

۲۔ پھر ملک کے ملازم اور وفادار ہو۔

۳۔ اور پھر آخر میں اپنے نفس کے بندے ہو۔

اگر ہم ان تینوں فرائض کو اپنا مقام دے دیں تو اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگا، ملک بھی خوش ہوگا اور سرکاری ملازم بھی خوش ہوگا۔ ذاتی مفادات حدود کے اندر ہوں تو برے نہیں۔ کون کھانا نہیں کھاتا، کون کپڑا نہیں پہنتا، مکان نہیں چاہتا؟ یہ طبعی مطالبات اور ضروریات ہیں، اگر ان سے کسی کو روکا جائے تو فطرت بغاوت کرتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب خدا کے مفاد اور ملکی مفاد سے شخصی مفاد ٹکراتا ہو تو اپنے ذاتی مفاد کو پیچھے کرو۔ اللہ تعالیٰ کے تو حقیقتاً اپنے ذاتی مفادات ہے ہی نہیں۔ ہم اپنے ذاتی مفادات کے حصول میں جب حدود سے آگے بڑھتے ہیں تو ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔

ایک چیز ہمارے ملک میں چل پڑی ہے جس کو معیار زندگی کی بلندی کہتے ہیں۔ جس کا تصور یہ ہے کہ جس کے پاس بنگلہ، موٹر اور بینک بیلنس ہوگا وہ بڑا آدمی ہوگا۔ اسی سونے کے پنجرہ کی وجہ ہے کہ آج ہم سب پھڑا پھڑا رہے بلکہ ٹکریں مار رہے ہیں اور اپنے جسموں اور سروں کو زخمی کرتے ہیں۔ چونکہ اس خیالی معیار زندگی کی بلندی تک پہنچنے کے لیے ہماری تنخواہیں کفایت نہیں کرتی ہیں تو اس کے نتیجہ کے طور پر پہلا رخنہ ہماری دیانت میں پڑتا ہے اور اس سے کچھ قباحتیں وجود میں آتی ہیں جس میں ایک رشوت ہے اور دوسری چیز خصوصی مراعات جس سے ہم اپنے معیار زندگی کو بلند کرتے ہیں۔ اسلام آپ کو آدم کے ابتدائی لباس کی حالت میں واپس نہیں لے جاتا، نہ آپ کو پتھر کے زمانہ کے انسان کے مقام پر لے جاتا ہے۔ لیکن اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس لباس و پوشاک اور خوراک کے حصول کے لیے آپ اپنی امانت و دیانت کو داؤ پر لگا دیں۔ جس سوسائٹی میں امانت اور دیانت، راست بازی کی قدر نہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہواور صرف لباس اور مکان سے انسانوں کو تولا جاتا ہے۔ وہ سوسائٹی بہت گری ہوئی اور پست ہے۔ اس کی مثال حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی طرح ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے دعوت کی تو بہت ہی سادہ کپڑوں میں چلے گئے۔ دربان نے فقیر سمجھ کر اندر جانے کی اجازت نہ دی اور آپ کو واپس کر دیا۔ واپس آ کر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اعلیٰ اور نفیس کپڑے پہن لیے اور واپس چلے گئے۔ اس دفعہ دربان نے بہت عزت واکرام کے ساتھ اندر جانے کی اجازت دی جب کھانا پیش ہوا تو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آستینوں کو سالن میں ڈبو رہے ہیں۔ جب پوچھا گیا کہ یہ کیا حرکت کر رہے ہو؟ تو کہا کہ دعوت تو میری نہیں ہوئی ہے، بلکہ کپڑوں کی ہوئی ہے۔ ورنہ میں تو اس سے پہلے بھی آیا تھا۔ اسلام میں بلندی اور عزت دولت کی بنیاد پر نہیں ہے ہمارے ایک دوست کہتے تھے کہ مولانا میرے لئے دُعا کرو کہ تین بی (Bs) مل جائیں۔ یعنی بینک بیلنس، بنگلہ اور بیگم اسی طرح جب معیار زندگی کی بنیاد مال و دولت ہو تو اس کے لئے ہر جائز و ناجائز اقدام کو کرے گا۔

ایک معیار زندگی کی بلندی اللہ تعالیٰ اور اسلام کے نزدیک ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:13)

ترجمہ: کہ تم میں اللہ کے نزدیک مکرم اور عزت والا وہ ہے، جو متقی ہو۔

یہ معیار زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ ہے چاہے مال ہو یا نہ ہو، عہدہ ہو یا نہ ہو۔ میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم۔﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے ہیں۔ بلکہ تمہاری نیتوں اور عملوں کو دیکھتے ہیں۔

ایک ڈگر چل پڑی ہے، جس میں نہ آپ قصوروار ہیں اور نہ ہم قصوروار ہیں۔ لیکن میراث میں ملی ہے اور وہ یہ ہے کہ عزت اس کی ہے کہ جس کے کپڑے قیمتی ہوں، مکان عالی شان ہو، سواری عمدہ ہو،

دیانت داری اور اخلاق کی اہمیت جاتی رہی۔

قرآن کریم جو ایک ملازم کے اندر صفات کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے:

﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ (القصص:26)

یعنی ملازم میں یہ دو صفتیں ہوں کہ وہ قوی ہو جو کام اس کے سپرد کیا جائے، اس کا اہل ہو۔ یعنی یہ نہیں کہ ڈاکٹر کی جگہ انجینئر اور انجینئر کی جگہ ڈاکٹر لگا دیا جائے۔ ڈاکٹر کی قوت انجینئر کی جگہ اور انجینئر کی قوت ڈاکٹر کی جگہ کام نہیں آئے گی۔ اگر آپ مجھ کو سائنس کا لیکچرار لگا دیں تو میں کیا پڑھاؤں گا۔ قویٰ سے مُراد وہ استعدادیں صلاحیتیں اور کمالات ہیں کہ جو کام اس کو سپرد کیا جائے، اس کو خوش اسلوبی سے پورا کرے۔

قرآن نے ملازم کے لیے جو دوسری شرط عائد کی ہے، وہ امانت ہے۔ امین صرف وہی نہیں جو مال میں خیانت نہ کرتا ہو۔ بلکہ جو کام ذمہ لگایا گیا ہے، آپ اس کے کرنے میں اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ امانت کا ایک دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ جب آپ کے اپنے مفادات سامنے آتے ہیں جس کا سب سے پہلا حملہ آپ کی امانت اور دیانت پر ہوتا ہے اور یہ ذاتی امانت اور دیانت کبھی مال کے لالچ کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے اور کبھی خوف کی وجہ سے ضائع ہوتی ہے۔ آپ کے بڑے کبھی اپنے مفاد کے لئے آپ سے کام کروائیں گے اور آپ ان کو خوش کرنے کے لئے یا ان کے شر سے بچنے کے لئے ناجائز کام کریں گے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

غیر اللہ را مسلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرافگندہ نیست

کہ مسلمان غیر اللہ کا بندہ نہیں اور وہ کسی فرعون کے سامنے گردن نہیں جھکاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ سب سے افضل جہاد جو ہے وہ کسی جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے۔ ایک صاحب افسر ہے، میں اس کا ماتحت ہوں، مُجھ سے مطالبہ کیا کہ فلاں مد میں اتنی رقم لے لو، اس میں تمہارا ابھی فائدہ ہے کہ نصف تمہارا ہوگا اور نصف میرا ہوگا۔ میں جھک گیا، بات مان لی، اپنی دیانت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بھی خراب کی اور ملک کے ساتھ بھی ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی غداری کی، حالانکہ ایسے حالات میں دب کر بات نہیں ماننی چاہیے۔ ایسی حالت میں ہم کہتے ہیں: کیا کریں؟ معاشرہ سارا کا سارا ایسا ہو گیا، پورا ماحول بگڑ گیا ہے، سب ہی کھا رہے ہیں، اکیلا میں اگر بد دیانتی نہ کروں تو کون سا پہاڑ پھاڑوں گا۔ ایسے مقام پر دامن بچا کر لے جانا افضل جہاد ہے۔

خوف کے بعد دوسری بات لالچ ہے۔ اس میعار زندگی کی بلندی کے پھندے نے ہم سب کو ہلاک کیا، سب کو پریشانیاں لاحق ہیں، بہت کم لوگ ہیں جن کے ذہن آسودہ حال ہیں اور وہ قانع اور مطمئن ہیں۔ ہر ایک جس درجہ پر ہے، اس سے اُونچے درجے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ قرآن کریم نے ایک مثال دی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک آدمی کے پاس ۹۹ دُنبیاں تھیں اور ایک آدمی کے پاس صرف ایک دُنبی تھی۔ وہ ۹۹ دُنبیوں والا کہتا تھا کہ یہ ایک دنبی بھی مجھے دے دی جائے کہ میری پوری سو دنبیاں ہو جائیں۔ انسان کا پیٹ سوائے قناعت کے نہیں بھر سکتا۔ اگر موجودہ وقت میں بھی کوئی ٹھان لے کہ چاہے کچھ بھی ہو میں خیانت نہیں کروں گا تو اللہ راستے کھول دیتا ہے۔ فلاں کے پاس کار ہے ہمارے پاس نہیں۔ کہاں سے آئی؟ آپ بھی ملازم میں بھی ملازم۔ اور شاید کہ گر پڑ اور تنخواہ میری زیادہ ہو۔ آج کل فائل ایک دفتر سے دوسرے دفتر تک مہینوں میں پہنچتی ہے۔ اس لئے تو ایسی صورت حال میں نہ آپ خوش نہ پبلک خوش۔

قرآن مجید نے قویٰ اور امین کی شرط سرکاری ملازم کے لئے رکھی ہیں۔ اسی طرح جب یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزائن سپرد ہوئے تو فرمایا: انی حفیظ علیم کہ مجھے زمین کے خزانوں پر نگران مقرر کرو اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ میں حفیظ بھی ہوں اور اس کو چلانے کا علم بھی رکھتا ہیں۔ یعنی خزائن کے چلانے کا فن بھی جانتا ہوں یعنی سرکاری ملازم کے لیے اس فن کا ماہر بھی ہونا ضروری ہے اور اس کا حفاظت کرنے والا بھی ہو یعنی وقت کی بھی حفاظت کرے، مال کی بھی حفاظت کرے اور ملک وقوم کے مفادات کی بھی حفاظت کرے۔ اگر خادم قوم سچ مچ کا خادم قوم بن جائے تو قوم کا سردار بن جائے گا۔ سید القوم خادمھم اگر قوم اور پبلک کو سچ مچ اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ ملازم یا افسر ہمارا مفاد چاہتا ہے اور ہمارا خیر خواہ ہے تو محبوب بن جاؤ گے۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

کہ حقیقتاً جو خادم ہوتا ہے وہ آخرش مخدوم ہو جاتا ہے۔ عبادات سے جنت ملتی ہے اور خدمت سے اللہ تعالیٰ ملتے ہیں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

پس سرکاری ملازم کے لئے یہ چار صفات بہت ضروری ہیں: کہ قوی، امین، علیم اور حفیظ ہو۔ حکومت کے بھی کچھ مفادات ہوتے ہیں اور اگر حکومت اچھی ہو۔ ملک وقوم کی خیر خواہ ہو تو اس کے مفادات بھی حقیقتاً پبلک کے مفادات ہوں گے اور اگر حکومت ایسی ہے کہ ایک خاص طبقہ کے مفادات کو آگے بڑھاتی ہو اور پورے عوام کے مفادات کو ضائع کرتی ہو، تو پھر وہ حکومت حکومت ہی نہیں۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہوں کہ حکومت کے اس اقدام سے سارے عوام کا فائدہ ہوگا تو دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کام کو اچھی طرح سے کریں۔ اگر حکومت کے اقدام غلط ہوں تو پھر کُھل کر بتانا چاہیے کہ یہ اقدام غلط ہے، اس میں ملک وقوم کا نقصان ہے۔ بعض اوقات حکومت کسی پالیسی کو نافذ کرنا چاہتی ہے، وہ غلط ہوتی ہے لیکن ہماری لبوں پر تالے لگے ہوتے ہیں اور جب وہ بات واقع ہو جاتی ہے تو پھر حکومت پر عیوب تھوپتے ہیں بیداری ذہن بیداری قلب اور بیداری علم کا ہونا ضروری ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

بعض اوقات ذاتی مفادات پر بات آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں جو ذاتی مفادات پر قوم وملک کے مفادات کو آگے کرتے ہیں۔ اگر کوئی افسر بھی غلطی کرے تو چھوٹوں کو بھی اس کا ٹوکنا چاہیے۔ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک یہودی نے جھوٹا دعویٰ کیا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آزمانا چاہتا تھا۔ یہودی کا یہ دعویٰ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جو زرہ ہے وہ میری ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ قاضی شریح کی عدالت میں پہنچے، امیر المؤمنین تھے لیکن قاضی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی کرسی وغیرہ پیش نہیں کی اور جس طرح یہودی عدالت میں کھڑا رہا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے رہے اور فیصلہ یہودی کے حق میں کیا۔ فیصلے کے بعد قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معذرت کی کہ عدل کی وجہ سے آپ کو کوئی کرسی وغیرہ پیش نہ کر سکا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آپ ایسا کرتے تو جہاں میں کھڑا تھا، وہاں آپ مجرم کی حیثیت سے کھڑے ہوتے۔ ہمارے ہاں یہ بات نہیں کہ جو جس طرح کرے ان کو کرنے دو۔ بس اپنا وقت پورا کرو۔ چلتی کا نام گاڑی والا معاملہ نہیں تھا، بلکہ جہاں کوئی ناجائز بات کو دیکھتے وہاں وہ روکتے تھے، ٹوکتے تھے، اگر کوئی غلطی کرتا، اُس کو منع کرتے۔ ہمارے ملک کے جو یہ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، یہ ایک دن کی مصیبت نہیں جیسے لکڑی کو گھن لگ جاتی ہے اور لکڑی بالکل مٹی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک کو بھی گھن لگ گیا تھا۔ جس کا زبردست ہچکولا 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قوموں کی بربادی کا سب سے بڑا سبب اخلاقی گراوٹ اور حق گوئی کا فقدان ہوتا ہے۔ ہم کردار کی بلندی کو اپنائیں، پھر دیکھیں ہم کیسے ترقی کرتے ہیں۔

سرکاری ملازم کے فرائض منصبی کا تیسرا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق ہے اور یہ اتنا ہمہ گیر، عالم گیر اور دور رس ہے اگر انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، وہ حاضر و ناظر ہے اور مجھے ہر وقت دیکھتا ہے۔ میرے ارادہ اور ہر عمل کو جانتا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی کی، ناجائز کام کیا، کسی پر ظلم کیا، کسی کا غلط کام کیا، کسی کا حق مارا، توکل جواب دہی ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوگا تو پھر کبھی بھی ناجائز اور غلط کام نہیں کرے گا۔ تقویٰ یعنی اللہ کا پاس ولحاظ جب ہوگا تو ہر کام ٹھیک ٹھیک کرے گا۔ پہلے ہمارے معاشرہ میں بڑوں کا بھی پاس ولحاظ ہوتا تھا اور بڑوں کی موجودگی میں چھوٹے ایسا ویسا کام نہیں کرتے تھے۔ جب پاس ولحاظ بڑوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔ تقویٰ کے ہوتے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور جب انسان کا اللہ تعالیٰ کی رازقیت پر یقین ہوگا تو وہ رشوت غبن وغیرہ کی طرف نہیں جائے گا۔ اگر تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا لحاظ ہوگا تو فقیروں کو بھی اللہ چکاتا ہے۔ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ظاہری لحاظ سے فقیر تھے۔

محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کے پاس دُنیا کا ساز وسامان اور عہدہ نہیں تھا، لیکن بادشاہوں اور بڑوں بڑوں کی گردنیں ان کے سامنے جھکتی تھیں۔ اسی طرح عزت کا دینے والا بھی ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے اگر ایک دربستہ تو صد دروا ہوتے ہیں یعنی ان کے لئے اگر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے تو سو دروازے اور کھل جاتے ہیں۔ تیرا رزق جہاں بھی ہوگا وہ پہنچ کر ہی رہے گا۔

اُڑ کے پہنچتا ہے رزق جو تیرے مقسوم کا ہے
پر دیئے ہیں میرے رزاق نے ہر دانے کو

ناجائز کی دولت کمانے والوں اور حرام کے کھانے والوں کے لئے معاشرہ میں عزت نہیں۔ بلکہ بعض اوقات حرام کی کمائی انسان کو یہاں بھی رسوا کرتی ہے۔ اور پٹواتی ہے۔ دولت ہو تو دیانت کے ساتھ امانت کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے۔ پس سرکاری ملازم کے پبلک اور حکومت کے ساتھ جو تعلقات ہوں۔ اس پر اللہ کا تعلق چھایا ہوا ہو۔ اگر جج کوئی مقدمہ فیصلہ کرتا ہو۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔ نہ کسی کے ساتھ ظلم کرے۔ اور نہ کسی کی بے جا رعایت کرے۔ اور نہ دولت کی لالچ اس کو انصاف سے روکے اگر خوف ہو تو وہ اللہ کا ہو۔ اور سب سے زیادہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دُعا ہے۔ کہ اے اللہ اپنے خوف کو تمام خوفوں سے زیادہ کر دے۔ اور اپنی چاہت اور محبت کو تمام محبتوں اور چاہتوں سے زیادہ کر دے، کسی کے خوف ومحبت کی وجہ سے نہ قدم ڈگمگائے اور نہ قلم ڈگمگائے، اگر سرکاری ملازم کے اندر یہ صفات موجود ہوں تو پبلک کے ہاں بھی محبوب بنے گا اور اللہ کے ہاں بھی، اسلام ایک اہبانی مذہب نہیں پر عمل اگر وہ صحیح طریقہ سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے تو وہ عبادت ہے اگر ایک جج صحیح اور اصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے ایک استاد صحیح پڑھاتا ہے اور ایک تاجر صحیح تجارت کرتا ہے اور ایک انجنیئر ایک عمارت دیانت کے ساتھ بناتا ہے تو یہ سب عبادت ہے اسلام نے ہر عمل پر جزاء رکھی ہے اور یہ اسلام کا کمال ہے کہ ہر عمل کو دین بنایا، ہمارے ہاں کیمیا کیا ہے کہ دنیائی اعمال کو دین بنادے، اور کیمیا کیا ہے اخلاص نیت ہو، اللہ کا حکم ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہو ایسا جو عمل بھی ہوگا وہ یہاں بھی بابرکت ہوگا اور آخرت میں بھی بابرکت ہوگا آج تو برکت کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

142

نام ہی نکل گیا، شرکاء میں کسی کو اس کے سوال کے جواب میں میں فرمایا کہ اسلام معیار زندگی کہ بلندی کی حقیقت، ہمت، تقویٰ، او مال حسنہ اور اخلاق فاضلہ کو دیتا ہے اگر ان صفات کی موجودگی میں مال و دولت بھی ہو تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا موجودہ دور میں ہم معیار زندگی صرف سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی کو کہتے ہیں۔ اور جو اقدار ہیں۔ ان کو پیچھے ڈال دیتے ہیں۔ اخلاق کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اس اسلامی مملکت پاکستان میں ضابطہء اخلاق اسلامی پر کتنے لوگ عمل کر رہے ہیں۔ جب ہم میں یہ خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ تو ہم نے دینی اور دیناوی محنتوں کو چھوڑ دیا۔ تقریباً ۳۰۰ سال ہو گئے۔ کہ یورپ اُٹھا ہے۔ ان ۳۰۰ سالوں میں یورپ نے ساری ترقی کی ہے۔ اور ہم ان میں سوتے رہے ہم جتنے آگے بڑھتے ہیں وہ ہم سے آگے بڑھتے ہیں پہلے یہ ترقیات صدیوں میں ہوتی تھیں۔ اور اب بہت جلدی جلدی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ ۱۹۴۵ء کو Atomic Age پھر Space Age اور اب Moon Age وجود میں آیا۔ یورپ میں سائنس کا بیج ہم نے بویا اور پھل یورپ نے کھایا۔ اخلاق کی کمی کی وجہ سے ہم سے حکومت گئی۔ پھر جو نظامِ تعلیم آیا وہ ہمارے دین و مذہب و تمدن سے کتنا مختلف تھا۔ ہمیں وہ تعلیمی نظام دیا کہ ہم افسانوں اور لطیفوں میں اُلجھ گئے۔ اور ایسا نظام دیا کہ ہم اچھے کلرک اور بابو بنے۔ حالانکہ اسلام نے ہم کو سائنس سے نہیں روکا ہے۔

❀❀❀

(۹)

تہذیب حاضر اور مسلمان

گزشتہ تین سو سال میں مغرب اپنی تہذیب و تمدن کے ساتھ جس طرح پورے عالم پر چھا گیا، وہ تاریخ انسانی کا اس اعتبار سے المیہ ہے کہ یہ تہذیب لادینی نہاد، ایمان و دین، اخلاق و اقدار عالیہ کے لئے زوال و اضمحلال کا سبب بن گئی۔ انسان نے بحیثیت انسان کے زندگی گزارنی ختم کر دی اور وہ ایک بڑھیا حیوان کی حیثیت سے دنیا کے سپید و سیاہ کا مالک ہو گیا۔ جس کا مقصود اعلیٰ انسانی قدریں نہیں بلکہ اپنی حیوانی سفلی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ تہذیب حاضر کی ترقیات اس کے سائنسی ایجادات اور اس کی رفاہی کامیابیوں کا خلاصہ اور حاصل صرف انسان کی جسمانی ضروریات کا پورا کرنا، ان کی آسائش و زیبائش اور ان کے لئے تعیش کے سامان مہیا کرنا ہے۔

مغرب مادی دوڑ میں دینی و اخلاقی ضروریات سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ اولاً تو یورپ کی نشاۃ ثانیہ جن عوامل کی وجہ سے ظہور میں آئی، ان میں مذاہب و اخلاق کی قیمت و وقعت نہ تھی، مزید براں جدید مغرب جس یونان و روما اور نام نہاد کلیسائی مذہب کا وارث تھا، وہ صحیح دین اور اخلاق فاضلہ اور انسانی اعلیٰ قدروں کا کبھی محافظ نہیں رہا تھا۔ نتیجۃً جس جدید تمدن و تہذیب نے فروغ پایا، وہ نہ صرف دین و اخلاق سے نا آشنا تھا، بلکہ اس کے اندر الحاد و کفر، زندقہ اور بے دینی کے وہ اثرات سموئے ہوئے تھے جو انسان کو دین و اخلاق سے بے گانہ کرنے کے لیے کافی تھے۔

مغرب اپنے استیلا کے جلو میں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے جس سیلاب کو لے کر آیا، وہ اپنی ظاہری چمک، دمک میں اتنا مردافگن و پرفریب تھا کہ مشرق سے مغرب تک قدیم تہذیب و تمدن اس کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لپیٹ میں آ گئے۔سب سے بڑا نقصان اس خدا بیزار، لادینی تہذیب سے مسلمانوں کو پہنچا کہ وہی اس دور کے زندہ اور خدا کے دین کے پیروکار تھے۔

اس وقت ملت اسلامیہ کا کوئی حصہ جو دنیا کے کسی علاقے میں بھی بستا ہو کفر والحاد، زندقہ و دہریت کی ان مسموم ہواؤں کے اثرات کی زد سے باہر نہیں۔عراق وشام، اردن وترکیہ، ایران و پاکستان وغیرہ مسلم اکثریت کے ممالک اور ان کی دینی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔مسلم اکثریت والے ممالک جس طرح مغربیت کے افکار و معاشرت کا شکار ہو چکے ہیں، یا ہو رہے ہیں۔اخبار بین دنیا سے اوجھل نہیں۔

اشتراکی ممالک میں مسلمانوں کی جو حالت ہے، اس کا کچھ نظارہ یوگوسلاویہ میں دیکھا تھا، جس کے بیان سے قلم کا کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔غرض پورا عالم اسلام فتنہ مغرب سے ایک عالم گیر، ہمہ گیر اور دوررس نتائج کے حامل ابتلا میں گرفتار ہے۔بقول حضرت سید الملۃ سلیمان ندوی قدس سرہ:

''تعلیم جدید کی نئی آب و ہوا نے تفرنج اور فرنگی مآبی کا وہ زہر پھیلا دیا ہے جس سے دینی عقائد و اعمال کی ہر چیز پر مرونی چھا گئی (ہے) اور جہاں دین کا کچھ خیال زندہ بھی ہے، شکوک وشبہات کی کثرت اور شدت نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری سلطنتوں کا فخر ہے۔ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں۔ہماری خواتین کے سامنے انگلستان وفرانس کی عریانی ورنگینی اور بے حجابی ہے۔ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص وسرور اور ظاہری پوشاک ووضع اور طرز ماندو بود فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔علم وفن پر غور کیجیے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت و گمراہیٔ خیال کی عکاسی میں مصروف ہے اور سوائے تقلید ونقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے، تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوشربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتی ہے اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہو جاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم وفن اپنا خاص ہے اور اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہمارا قومی وملی غرض وغایت ہے۔''

یہ سب کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے؟ کہ ہمارا ایمان وعقیدہ حقائق اسلامیہ اور عقائد حقہ سے متزلزل ہو چکا ہے۔اس زمانے کا سب سے بڑا مرض علوم خداوندی اور مغیبات کے بارے میں شک وارتیاب اور الٰہی حقائق، دینی بصائر، مذہبی معتقدات پر سے یقین کا اٹھ جانا ہے۔موجودہ مغربی افکار وعقائد، علوم وفنون، تہذیب وتمدن، معاشرت وسیاست، اقتصاد ومعاشرت کی بنیاد و بقاء نری مادیت اور ظواہر پر ہے۔شاید تاریخ انسانی نے مادیت کا ایسا استیلا، غلبہ وترقی وجگمگاہٹ اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھا ہو جو دور حاضر نے پیش کیا ہے۔اس بے مایہ کے نزدیک تو مغربی روحانی اور مابعد الطبیعاتی افکار بھی مادی آلائشوں سے پاک نہیں (بلکہ انہیں کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں)۔

روحانی اقدار اور غیبی قویٰ سے انکار عصر حاضر کا خاصہ وامتیاز ہے۔اشتراکیت نے تو کھلے بندوں سلاطین کی نفی کے ساتھ ''لاکلیسا۔لا الٰہ'' کا منفی نعرہ بلند کر کے مغربی لادینی مزاج کا اظہار اور روحانی اقدار سے انکار کا اعلان کر ہی دیا ہے، لیکن جو اقوام مسیحیت کا دم بھرتی ہیں ان کی حالت دیکھ کر بے اختیار حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف یہ منسوب قول یاد آ جاتا ہے:

''یہ امت ہونٹوں سے تو میری تعظیم کرتی ہے، لیکن ان کے دل مجھ سے دور ہیں اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں، کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔'' (انجیل مرقس:7۔7/8)

مغرب کے اس مادی اور ملحدانہ مزاج کی بنا پر وہ تمام علوم جنہوں نے ان کے دل ودماغ سے فروغ پایا، اپنے اندر مادیت اور الحاد ولادینیت کے اثرات کو سموئے ہوئے ہیں۔وہ معاشی علوم وفنون جن کی دنیاوی (اثرات) افادیت سے انکار نہیں۔وہ بھی ان کریہہ اور ہلاک کن اثرات سے بچ نہیں سکے۔

نکتہا می گفت او آمیختہ
در جلاب قند زہر ریختہ
ہاں مشو مغرور زان گفت نکر
زانکہ باشد صد بری ور زیر او

(رومیؒ)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو مجھے یہ کہنے میں اصلاً کوئی باک نہیں ہوگا کہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دہریت و انکارِ خداوندی، الحاد زندقہ، امہاتِ عقائد میں شک و ارتیاب محض ان کتابوں سے نہیں آرہا جو اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں۔ بلکہ علم وفن کے ہر شعبے سے کفر وارتیاب الحاد وانکار کے مسموم اثرات پیدا ہورہے ہیں اور دینی بنیادیں ہمارے قلوب واذہان میں متزلزل ہورہی ہیں۔ یہ علوم فلسفہ ونفسیات سے تعلق رکھتے ہوں یا معاشیات و نفسیات، تاریخ واقتصاد طبیعات ومابعد الطبیعات سے متعلق ہوں۔ اس کا تجربہ اتنا تلخ ہے کہ محض انگریزی ادب کا شغف ومطالعہ ہی بعض اوقات ان کفریہ عقائد، ملحدانہ نظریات کو پیدا کردینے کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک کالج کے ایک انگریزی کے استاذ کے ان ملحدانہ اور دہریہ نظریات کے اظہار واصرار پر جل کر کہنا پڑا:

کیا انگریزی ادب آپ کو انکار خدا اور دین سے بیزاری کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں بتاتا۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کفر والحاد ہر سمت سے، ہر رخ سے علم وفن کے ہر دروازہ سے آرہا ہے اور ہمارے دل ودماغ اس زہریلے شربت کو بڑے شوق واشتیاق سے پیتے اور ہضم کرتے چلے جارہے ہیں کہ ضروریاتِ زمانہ نے ان علوم وفنون سے مفر کی راہیں ایک حد تک مسدود اور ان کا ہونا ناگریز کردیا ہے کہ گوناگوں مادی منفعتیں بھی ان کے اندر موجود ہیں، جس کا نتیجہ ہمہ گیر ارتیاب والحاد و بے دینی کا یہ سیلاب ہے۔

مسلمانوں کو اپنی پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں شاید ہی اس نوعیت کا اس قدر عظیم خطرہ کا مقابلہ کرنا پڑا ہو۔ پہلے جب یونانی وعجمی علوم نے مسلمانوں میں بار پایا اور اس کے اثرات سے امت کے بعض طبقات متاثر ہوکر بہکے۔ تو متکلمین کا ایک طبقہ آگے بڑھا اور اس نے نہ صرف اس لادینی حملہ کا جواب دیا بلکہ ان حملوں کے نقصانات سے بچانے کے لیے بقول حضرت سید صاحب قدس سرہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے درس میں عیسائیوں اور یہودیوں کی عیسائی و یہودی کتابوں کو داخل نہیں کیا، بلکہ پہلے ان کتابوں کو مسلمان بنایا، پھر ان کو داخل درس کردیا۔

لیکن آج متعدد وجوہ کی بنا پر یہ صورت بھی ممکن نہیں کہ سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے بقول:

اب یورپ کے اثر سے دنیا میں انقلاب آگیا ہے۔ یونانی علوم عقلیہ کا بچہ بچہ اب سمندر بن گیا ہے۔ اب نئے علوم، نئے مسائل، نئی تحقیقات ہیں اور جو پرانے علوم بھی ہیں، وہ بڑھ کر اب بحر ناپیدا کنار ہوگئے ہیں۔ ریاضیات کو چھوڑ کر علوم عقلیہ کا جو سرمایہ صرف وشفاء، اشارات، اور نجات کے چند اوراق میں محدود تھا (اور ایک ایک علم ایک ایک فصل میں آجاتا تھا) اب بڑھ کر دفتر وکتب خانہ ہوگیا ہے۔ طبعیات، حرکیات، سکونیات، جویات، معدنیات، نباتیات، حیوانیات ونفسیات، بشریات وغیرہ علوم جن کی بحثیں گزشتہ زمانے میں چند صفحوں سے زیادہ میں نہیں، اب وہ مستقل علوم بن گئے ہیں۔ ایسی حالت میں وہی دو ضرورتیں۔۔۔ علمائے دین کا ان علوم سے واقف ہونا اور ان کے لائے ہوئے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا۔۔۔ جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تھیں، آج پھر درپیش ہیں۔ لیکن ان کا علاج آج اتنا آسان نہیں، جتنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تھا۔

لیکن اس بیان سے مقصود مرض کو مشکل اور لاعلاج سمجھ کر موجودہ حالات پر راضی اور قانع ہوجانا نہیں، بلکہ اس دور کے مزاج واحوال کے مطابق نئی صورتیں سوچنی اور اختیار کرنی ہیں کہ

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جیسا کہ کہا جاچکا ہے کہ یورپ کے عمومی استیلا اور معاشی ضروریات نے ان علوم وفنون کا حصول ایک حد تک ناگریز کردیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی طرح ان علوم کی منفعت والے پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا جائے اور مضر اثرات سے بچنے کی کیا صورتیں ہیں۔ خذ ما صفا ودع ما کدر، مجھ جیسے ہر مبتدی کا کام نہیں۔ بلکہ بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ:

مرغ پر نارستہ چوں پراں شود
طمعہ ہر مرغکِ دراں شود

موجودہ دور کے علوم جن کے پیچھے یورپ ومغرب کی جملہ ظاہری تابناکیاں اور شان وشکوہ ہیں۔ ظاہر پرست اور نفع باطل کی طلب گار دنیا کو حسن وقبح وخیر وشر، نفع وضرر کے امتیاز وفرق سے بے نیاز کیے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیتا ہے۔اس سلسلہ میں کوتاہ فکر کے ذہن نارسا میں چند منتشر خیالات ہیں جو ممکن ہیں، اہل فکر کی جولانی طبع اور مہمیز فکر کا سبب بن سکیں۔اس لئے حوالہ قلم کرتا ہوں **وما توفیقی الا باالله علیه توکلت والیه انیب.**

موجودہ انسانی علوم کی تابانی نے الٰہی علوم کی حقیقت ومنزلت عصر حاضر کی نگاہوں سے گم کر کے رکھ دی ہے۔آج ہمارے فکر و ادارک کی جولانیاں، ہماری ذہنی وفکری کاوشوں اور قلبی اذعان و ایقان کا سرمایہ واثاثہ بھی علوم انسانیہ ہیں۔جنہیں ہم نے حقائق مطلقہ اور یقینیات کا درجہ دے دیا ہے اور ان پر ہمارا ایمان واعتماد اس طرح راسخ ہو چکا ہے کہ ہر وہ علم وخبر جو ہمارے ان مفروضہ حقائق ویقینیات کے خلاف ہو، ہم اس کے انکار کے درپے ہو جاتے ہیں۔اس لئے سب سے پہلے ضرورت ان مفروضہ علمی حقائق ویقینیات کا تجزیہ ہے کہ بتایا جائے کہ ان علوم کا اکثر حصہ محض ظن وتخمین، قیاسات اور اوہام پر مبنی ہے اور وہ حصہ جسے انسانی تواتر اور توارث، تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر یقینیات وبدیہیات کا درجہ دے دیا گیا ہے۔وہ بھی ہر آن تغیر وتبدل کا محل، اوچھا اور اشیا کی اصل حقیقت جاننے سے قاصر ہے۔خواصِ اشیا کا جاننا اور بات ہے اور حقیقت کا جاننا اور۔اس بنا پر ایمانی حقائق اور دینی مسلمات کا مدار ان ظنون و قیاسات وہر آن ممکن التغیر حقائق پر نہیں رکھا جا سکتا۔ضرورت ہے کہ الٰہی علم کے محکم، یقینی، لامحدود اور پائیدار ہونے کو ثابت کیا جائے اور انسانی علوم پر اس کی فوقیت جتائی جائے اور ان علوم کے اس حصے کی تنقید وابطال کیا جائے جو الٰہی یقینی علوم کے مخالف، متضاد اور اس کے اصول ومبادی سے ٹکراتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں یہ بات واضح کر دینی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ظنی علوم کے صرف اسی حصہ کی نشان دہی اور رد ضروری ہے جو دینی حقائق سے ٹکراتا ہو۔ورنہ جو حصہ دین سے نفیاً یا اثباتاً مخالف نہیں، اس کے درپے ہونا سعی لاحاصل ہے۔ظاہر ہے کہ یہ علوم جس طرح حقائق اشیا کے ادراک سے قاصر ہیں۔اسی طرح الٰہیات کے جملہ علوم ان دائرۂ عمل وفکر سے مافوق اور باہر ہیں۔اس لیے ان علوم ظنیہ کی بنا پر الٰہیات کے کسی مسئلہ کا رد وابطال صریح غلطی اور جہالت ہے۔مقصود یہ ہے کہ انسانی علوم کے ظنی اور غیر یقینی، تغیر پذیر ہونے کو ثابت اور ان کے حدود ودوائر کو متعین کیا جائے اور دینی حقائق مذہبی دقائق، الٰہی رموز وعلوم کا رد وقبول، ابطال واثبات ان علوم پر نہ رکھا جائے۔بلکہ اگر ایک طرف ان علوم انسانی

کے ارتقا کی تاریخ، افکار، تجزیہ، اس کا ظنی ہونا اور الٰہیات کے بارے میں اس کی نارسائی اور بیچارگی اور انسانی مسائل کے حل کرنے میں اس کی ناکامی کو واضح کیا جائے تو دوسری طرف الٰہی علوم کی حقیقت اہمیت، انسانوں کی رہنمائی کے لئے اس کی ضرورت، اس کا یقینی اور غیر مبدل ہونا اور انسانی مسائل کا انتہائی حل انہیں سے ثابت کیا جائے۔

ہاں! اگر ان انسانی علوم کو ثانوی درجے میں ازدیادِ معرفتِ حق کا ذریعہ بنا لیا جائے، تو کوئی حرج کی بات نہیں۔بندہ اپنے رفقا سے کہا کرتا ہے کہ سائنس جب تک اللہ تعالیٰ سے غفلت، مخلوق میں مشغولیت اور حق سے انکار کا سبب بنتی ہے، کافر ہے اور جونہی وہ قدرت الٰہی کے اظہار واقرار، معرفتِ حق میں زیادت کا سبب، مصنوع سے صانع کی طرف اور مخلوق سے خالق کی طرف رہنمائی کرنے لگے، مسلمان ہو جاتی ہے۔گویا ہر وہ علم جو حق سے گریز، ذاتِ الٰہی کے انکار اور ہدایت سے روگردانی کا ذریعہ بنے باطل اور قابل رد ہے۔

علمے کہ راہ حق ننمایدت بطالت است

لیکن صوفیا کی اصطلاح میں اس بارے میں اہل نظر اور اصحاب فکر امالہ سے کام لے کر ان باطل علوم کو احقائق حق اور اثبات دین کے لئے استعمال فرما سکیں، تو یہ دین کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

اس بارے میں یورپ کی دینی و مذہبی تاریخ کا علمی و دینی نکتہ نظر سے تجزیہ اور دین وایمان کے بارے میں اس کی کوتاہیوں کے بے لاگ تبصرہ، اس کے مذہبی تعصب وکوتاہ نظری کا اظہار، الٰہیات میں اس کی نارسائی و ناکامی کی واضح نشاندہی مفید رہے گی۔اسی طرح مغرب کے فکری اور معاشرتی علوم کی لادینی بنیادوں کی مدلل وضاحت اور ان کی اساطیری، رومی و یونانی، قرون مظلمہ اور جاہلی (باربیرین) منابع کا بیان اور موجودہ علوم میں ان کے اثرات ونقوش معلوم کرنا اور اس کے ہمہ گیر اور عالم گیر ہلاکت آفریں اور مہلک نتائج کا کھوج لگا کر ان کے تدارک کی تدابیر سوچنا اور بتانا خود ایک دینی اور علمی خدمت ہو سکتی ہے جو بالواسطہ موجودہ الحاد وارتیاب وفکری ارتداد کے دفعیہ کے لئے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگی۔

اس جگہ اس بات کا تذکرہ غالباً مناسب ہوگا کہ موجودہ دور کے مغربی لادینی ذہن کی تشکیل اور مذہب سے بیزاری میں کلیسائی نظام کی ناکامی کا بھی بڑا دخل ہے۔کلیسائیت کے ردعمل نے دین و

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اصحاب دین، بلکہ اللہ تعالیٰ اور غیبی حقائق اور روحانیت سے انکار و بیزاری، گریز وفرار کو وجود بخشا۔ اگر چہ دوڈیڑھ صدیوں میں مغرب میں مذہبی رجحان اور مذہب بیزاری کی مختلف لہریں یکے بعد دیگرے وقفوں کے بعد مختلف وجوہ سے اٹھتی رہیں، لیکن بحیثیت مجموعی مذہبی رجحان کے وقت بھی لادینیت اور خدا بیزاری کا کلی استیصال نہیں ہوتا۔

ہمارے لئے کلیسائی نظام کے اثرات اور ردعمل پر غور وفکر کرنا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ بدقسمتی سے ہمارا ایک طبقہ دینی علم کے ماہرین علمائے کرام کو ارباب کلیسا پر قیاس کرنے کی غلطی میں مبتلا ہوکر ان کے دینی کارناموں، علمی اجتہادات و مذہبی کوششوں کو ''ملا'' اور ''ملائیت'' کا نام دے کر اصل اسلام، صحیح دین اور جمہور کے مذہب سے دست کش ہوکر دینی خودکشی پر آمادہ ہوگیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ناواقفیت اور علمی بے بضاعتی کی بنا پر ایک طبقہ یورپ کی کلیسائی غلطیوں کا مورد علمائے اسلام کو گردان کر خواہ مخواہ کلیسا کا بدلہ علما سے لینا چاہتا ہے اور اس کی ایک وجہ اس طبقہ کا اپنے دینی علوم کے اصل ماخذوں سے ناواقفی، اسلام کے علمی ارتقا اور دینی تاریخ سے لاعلمی ہے۔ وہ مطالعہ یورپ اور اس کے مذاہب کا کرتا ہے اور غلطی سے اسلام کو بھی اس پر قیاس کر لیتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ کلیسائی دین اور اسلام اور اس کے دینی وملی سرمایہ اور اسلامی علوم و معارف اور دینی تاریخ کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے اور اسلام اور علمائے اسلام کے مجاہدات واجتہادات کی فوقیت کو کلیسائی نظام پر ثابت کیا جائے۔

آج ملا اور ملائیت کے نام سے جس طرح دین حق اور اسلام پر حملے کیے جارہے ہیں، ممکن ہے اس کی اہمیت ہماری نگاہوں میں نہ ہو۔ لیکن ہیچمدان کے نزدیک اپنے تعلیم یافتہ طبقے کو اگر ہر بوالہوس کی ستم رانی اور دین کے نادان دوستوں اور ان کی دینی کتر وبیونت، تحریف وتدلیس سے بچانا ہے۔ تو علمائے حق کے وقار اور اپنے چودہ سوسالہ علمی ودینی سرمایہ کی عزت ووقعت قلوب میں پیدا کرنی اور باقی رکھنی ہوگی۔ ورنہ طرح طرح کے ''باطنی مذاہب'' کا شیوع وفروغ ہوکر رہے گا اور آج بھی علمائے حق اور اپنے چودہ سوسالہ دینی سرمایہ سے اعتماد اٹھ جانے کی بنا پر مذہبی اجتہاد کے نئے نئے دعوؤں سے جو جماعتیں اور گروہ اور افراد پیدا ہورہے ہیں۔ ان کے قلمی وذہنی ''نوادرات'' اسلامی جنت میں شجرہ خبیثہ کا حکم رکھتے ہیں۔ لیکن صحیح اسلام سے ناواقف حضرات ان کی تحریفات وتلبیسات کو دین سمجھ کر ان کا شکار ہوتے

چلے جارہے ہیں۔ آج ہمارے کتنے ادارے اور اشخاص ہیں جو مسلمانوں کو بزعم خود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے اس پیش کردہ دین سے محروم کرنے کے درپے ہیں، جو حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے لے کر امت کو پیش کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسے سمجھا اور نسلاً بعد نسل چودہ سوسالہ علمی وعملی تواتر وتوارث سے ہم تک پہنچا۔ آج یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کرائی جارہی ہے کہ العیاذ باللہ حق وہ نہیں جس کے خط وخال ہمیں امت کے سوادِ اعظم کی چودہ سوسالہ تاریخ کے آئینہ اور علمی ودینی کتابوں کے دفاتر میں، صحابہ، تابعین تبع تابعین، علمائے کرام، سلف صالحین کے اسوہ، اعمال واقوال میں نظر آتے ہیں۔ بلکہ دین وہ ہے جسے آج چند خام خیال، اسلام ودین سے ناواقف، انبیائی طرز دعوت وہدایت سے ناآشنا مفکرین نے اپنے ذہنی خاکے میں دیکھا ہے اور جس کا منشا اور قوام مغربی ذہن کے وہ ہلاکت آفرین نظریات، وہ اثرات ہیں جنہیں ان کا ذہن، دل ودماغ قبول کر چکا ہے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ الٰہی ہدایت ونور کو بھی ضلالت وظلمت سے مبدل کر کے اسلام کے نام سے پیش کردیں۔

﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ (الطور:32)

ترجمہ: کیا ان کی دانش مندیاں ان سے یہ کہلواتی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں۔

اس مہلک غلطی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب قلوب الٰہی صداقتوں اور دینی حقائق کے ایمان ویقین کے نور سے خالی ہوجاتے ہیں، یا یہ قلوب ان ایمانی حقائق وبصائر کو پوری طرح قبول نہیں کر پاتے، بلکہ شک وریب میں مبتلا ہوتے ہیں، ماحول وتوارث دین کے کلی انکار سے انہیں روکتا ہے۔ ایسی جماعت میں اسلام وکفر، حق وباطل، نور وظلمت ان پر مختلط اور ملتبس ہوجاتا ہے اور وہ لادینی اور اسلامی عقائد و اعمال میں سمجھوتہ کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں دین خالص اس لیے باقی نہیں رہتا کہ وہ حق مطلق ہے اور اس میں باطل کی کسی آمیزش کی گنجائش نہیں۔ وہ خود اپنی تابانیوں اور نورانیت کے ساتھ ایک الٰہی چشمہ صافی کی طرح بہتا رہے گا۔ الحق یعلو ولا یعلی۔

اگر اس میں باطل کے ملانے کی کوشش کی گئی تو حق وباطل کا یہ آمیزہ دین کا چشمہ صافی نہیں ہوگا بلکہ مجموعہ بطلان اور قابل رد۔ گزشتہ دور میں باطنیت کی بعض خالی شاخیں اور اکبر کا دین الٰہی اس ذہن کی منحوس اور ناقابل قبول پیداوار تھا اور آج ہمارے بعض متجد دین اور روشن خیال طبقہ اسی مہلک غلطی کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شکار ہوا چاہتا ہے، یا ہو رہا ہے۔

بات یہ ہے کہ یورپ سے مرعوب ذہن جب اسلام اور دین کو نئے تقاضوں کی روشنی میں پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ یوں سمجھ لیتے ہیں، یا باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ صرف اسی صورت میں کرسکتا ہے کہ العیاذ باللہ عصری علوم وافکار کو اساس وحق سمجھ کر دینی حقائق واحکام کو ان کے مطابق بنانے کی حتی المقدور کوشش کی جائے، جو حقیقت میں اسلام اور دین کا پیش کرنا نہیں ہوگا بلکہ دین کی تحریف، اس کا بگاڑنا اور مسخ کرنا ہوگا۔ اجتہاد کتاب وسنت اور نصوص کو اپنی رائے یا انسانی افکار ونظریات کے مطابق بنا دینے کا نام نہیں بلکہ کتاب وسنت اور منشائے ربانی اور مقصد نبوی کے سمجھنے اور جاننے اور معلوم کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش وعلم صرف کر دینے کے ہیں، تاکہ مراد الٰہی معلوم ہو سکے۔ پس اسلام اور دین کے حقائق کو عصر حاضر کے نئے اذہان کے سامنے پیش کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ زبان اور اصطلاحات کی کہنگی نے دین قدیم کے سمجھنے میں اگر کوئی رکاوٹ ڈال رکھی ہے تو اسے عصری زبان ومحاورہ میں سلف صالحین کے مسلک سے سرمو انحراف کے بغیر اس طرح پیش کر دیا جائے کہ موجودہ پود اُسے آسانی سے قبول کر لے گویا تسہیل مقصود ہے، تحریف وتاویل منشا نہیں۔ دین میں مداہنت حرام ہے، تبشیر وتیسیر مطلوب ومحمود۔ یہ علیحدہ مسئلہ ہے کہ نئے حوادث اور معاملات کے لئے شریعت کے معلوم ومتفق علیہ حدود وقیود کے اندر اجتہاد کیا جائے، لیکن اس سے اپنے گزشتہ چودہ سو سالہ فقہی سرمایہ کا ضائع کرنا لازم نہیں آتا۔

ہمارے حضرت والا سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''گو قدیم جوہر کی بقا کے ساتھ ساتھ جدید نقش ونگار سے پرہیز نہیں، لیکن اگر یہ جدید نقش ونگار اصل قدیم جوہر کو فنا کر دے، تو اس نقش ونگار سے بے نقش رہنا ہی اچھا ہے۔''

فرماتے تھے: ''یہی اپنی وصیت ہے اور یہی زندگی کی آخری فرمائش کہ سلف کی راہ سے سرمو تجاوز نہ ہو۔''

مغربی ملحدانہ افکار وتعلیمات سے مسلمانوں میں جو بے دینی اور الحاد پھیل رہا ہے۔ اس کی کئی نوعیتیں اور مدارج ہیں، لیکن سب کا مرکزی نقطہ اور قدرِ مشترک ان الٰہی حقائق سے یقین کا اٹھ جانا ہے، جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں۔ الٰہی حقائق اور دینی بنیادی عقائد کے اضمحلال کے بقدر ارتداد والحاد کا

رسوخ ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات وجود باری تعالیٰ ہی کے منکر ہیں، بعض کا ملائکہ، حیات اخروی اور یوم الآخر پر ایمان نہیں، بعض نبوت کی ضرورت نہیں سمجھتے، بعض عقلمند موجود دور کو الہامی مذہب (Revealed religion) کا زمانہ نہیں سمجھتے کہ دنیا ان کے نزدیک ایام طفولیت سے نکل چکی ہے اور اس بلوغ کے دور میں اسے الٰہی رہنمائی کی ضرورت باقی نہیں رہی، بعض دین کو محض عقائد واخلاق میں محدود سمجھتے ہیں اور معاملات، معاشرت میں دین کی دخل اندازی کو ناجائز قرار دیتے ہیں، بعض کے نزدیک اُمی عربوں کا اسلام (العیاذ باللہ) موجودہ دور کے ترقی یافتہ انسان کے لئے کافی نہیں، بعض اسلامی تحریک اور پیغمبر اسلام (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں اور انسانی تہذیب وتمدن کے ارتقا وتشکیل میں ان کے ''حصے'' (Contribution) کے مداح وقائل ہیں، لیکن اسے تاریخِ پارینہ کا ایک سنہری ورق سمجھتے ہیں، جو مرورِ ایام اور ذہنی اور علمی ترقیات کی بنا پر (العیاذ باللہ خاکم بدہن) موجودہ دور کے تقاضوں اور مسائل کیلئے اپنے اندر کوئی رہبری نہیں رکھتا۔ غرض، فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست۔ اور اگر دیکھا جائے تو یہ تمام افکار انہیں خناسی علوم ونظریات کا ثمرہ ونتیجہ ہیں جو یورپ ومغرب کے لادینی اور ملحد ذہن نے ان کے دل ودماغ میں پیدا کر دیئے ہیں اور جس کے متعلق اقبال مرحوم نے انہیں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

بر زبانت گفتگو ہا مستعار
دل در دلت آرزو ہا مستعار
قمریانت را نواہا خواستہ
سروہانت را قباہا خواستہ
ارجمندی ازشعارش می بری
من ندانم تو توئی یاد دیگری

اس لئے اس سلسلے میں ایک عظیم کام تو یہ ہوگا کہ کفر ودہریت، الحاد ولادینیت کے اصل منبع اور مرکز کے ان افکار ونظریات کا تجزیہ کیا جائے اور ان کی غلطیاں، آبلہ فریبیاں اور کوتاہیاں بتائی جائیں۔ یقین

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

والٰہیات کے بارے میں ان کی بے بصری، انسانی کمالات وجواہر اصلیہ کی ناشناسی اور اس کے ضیاع کی نشان دہی کی جائے اور یہ چیز واضح کر دی جائے کہ اس بارے میں انسان کا علم وتجربہ قطعاً قاصر و بے بس ہے اور خواص اشیاء کا جان لینا، اس سے استفادہ کی صلاحیتوں کا بڑھ جانا، مصنوعات اور اختراعات کی حیرت انگیز ترقیات، کائنات کے ظواہر پر قبضہ، حقیقت میں انسانیت اور فضائل آدمیت کا کمال نہیں۔ صنعت اشیاء کا اپنا میدان ہے اور انسانی جواہرات کے چمکنے کا دوسرا محل ومیدان ہے۔ آج مادہ واشیاء بن رہی ہے اور انسان انسان کی حیثیت سے مٹتا چلا آرہا ہے۔ انسان ظواہر کائنات کی تسخیر میں کسی مقام پر پہنچ جائے اور اس راہ کے علوم وفنون کو جس قدر بھی حاصل کرلے اس کا دائرہ علم الٰہیات کے حقائق اور سچائیوں کے جاننے سے قاصر رہے گا کہ علوم وحقائق حریم نبوت کے دائرے وحدود سے باہر کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ جیسے بصارت سے محروم شخص کسی چیز کی رؤیت سے محروم رہتا ہے، اسی طرح نبوی بصیرت ہی پر حقائق کھولے جاتے ہیں اور پھر دنیا میں جیسے بھی ملتا ہے، انہیں کے واسطے سے ملتا ہے۔ بہرحال مقصد یہ ہے کہ موجودہ علوم وفنون کی تابانی کی بنا پر نبوی علوم کا انکار، الٰہی حقائق کا ابطال، عقائد دینیہ کا ردنا واقفیت، جہالت، قبیح ناشناس اور خود اس علم کا بے محل استعمال، ناانصافی اور ظلم وزیادتی ہے۔ ان علوم کا دائرہ الٰہی اور دینی علوم سے جداگانہ اور علیحدہ ہے کہ اگر ان انسانی علوم کی رسائی الٰہی حقائق، غیبی وروحانی رموز ووقائق، دینی صداقتوں اور نبوی علوم تک کسی صورت میں بھی ہوسکتی اور انسان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت اور الٰہیات کے دیگر مسائل اس کے عقلی وتجرباتی، قیاسی وظنی کوششوں سے کھل سکتے ہیں، تو انبیاء کی بعثت کی قطعاً ضرورت نہ رہتی کہ معرفت وہدایت کا راستہ بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام ہی کو چن لیا ہے۔ اس لیے ہدایت ومعرفت اور اس کے متعلق علوم کا جو ذرہ بھی کہیں چمکے گا اور جب بھی چمکے گا، انہیں کی ذوات عالیہ کے توسط ووسیلہ سے اس کا ظہور ہوگا۔ نبوت موہبت و اجتباء ہے۔ کسب وتجربہ، عقل وظن کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس لئے دنیاوی علم وفہم وتجربہ وعقل کے آسمانوں پر اڑنے والے اور سورج اور چاند پر کمندیں ڈالنے والے اذہان الٰہیات کی دنیا اور معرفت و عرفان کے عالم میں اندھے اور بہرے ہوجاتے ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے نہ سمجھنے کی بنا پر ہمارا ایک اچھا خاصا طبقہ دینی حقائق اور الٰہی صداقتوں کے بارے میں مذبذب اور شک وریب میں مبتلا ہوگیا ہے

148

کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ عقلمندوں اور دانشوروں کا وہ طبقہ جو اپنے زعم میں آج (العیاذ باللہ) کائنات کے سپید وسیاہ کا مالک اور تکوینیات کی تسخیر میں انتہائی بلندیوں تک پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے، دینی والٰہی حقائق کے نہ ماننے والا یا ان کی ضرورت کے قائل نہیں، یا ان کے بارے میں ارتیابی ذہن رکھتا ہے یا اس کا مخالف ہے۔ تو یہ ناواقف بے چارہ گروہ تقلیداً انہیں کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان علوم کے دائروں کی حدود کو متعین کیا جائے اور بتایا جائے کہ بغیر نبوت کی رہنمائی کے انسان الٰہیات کے حقائق کو کبھی نہیں پاسکتا۔

اس بارے میں انسان کا تجربہ وعلم قطعاً قاصر و بے بس ہے اور وہ کلی طور پر انبیاء کی ہدایات کا محتاج ہے۔ عقل ودانش کے فریب نے دین وایمان کے نور کو جس طرح سلب یا مضمحل کر دیا ہے۔ اس کے علاج ومداوا کے لیے سب سے اہم اقدام وضرورت ایمانیات کی تجدید ورسوخ کی ہے۔ ایمان ویقین کی ضرورت واہمیت، اس کی قیمت ووقعت، اس کی حقیقت وافادیت، اس کے حصول کے طریق وذرائع کی تعین وترتیب کو نئے طرز سے واضح ومبرہن کرنا ہے۔ قرآن کریم واحادیث نبویہ کے ان گوشوں کو سامنے لانا ہے جو تجدید ایمان کی اس کوشش میں عصر حاضر کے تقاضوں کے لئے ضروری ولابدی ہیں۔ ایک ایسی کتاب الایمان اور شرح عقائد کو مرتب کرنا ہے جو اسلام کے صحیح اور اصل عقائد، سلف صالحین اور اہل حق کے (جمہور) کے مسلک کے مطابق کتاب وسنت سے مستنبط، واضح وبین، سلجھا ہوا مؤثر اور اثباتی رنگ کا مجموعہ ہو۔ مغلق اور گنجلک عبارات، فلسفیانہ اور منطقیانہ موشگافیوں اور یونانی عقائد کے رد وابطال کی متکلمانہ کاوشوں اور نظریات وافکار سے مبرا و پاک ہو۔ دوسرے لفظوں میں عقائد حقہ کے بارے میں جملہ تعلیمات نبوی کو ان کے اصل رنگ میں بغیر کسی بیرونی آمیزش کے عالم کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

اپنا ایمان ہے کہ اسلام کے اصل عقائد میں وہ حقیقت وپختگی جاذبیت وکشش ہے کہ جسے ہر زمانہ کا دل ودماغ، مزاج وذہن قبول کرسکتا ہے اور اپنا سکتا ہے۔ ضرورت طرز نبوی کے اتباع اور پیشکش حکیمانہ کی ہے۔ سعی وکوشش یہ ہو کہ عقائد باطلہ، نظریات فاسدہ، مشکیکین ومرتابین، منکرین، محرفین کے خیالات واعتراضات تو زیر نظر ہوں لیکن ان کے رد وابطال کا مثبت پہلو اختیار کی جائے، ان کی آراء اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نظریات کو نہ چھیڑا جائے بلکہ ایسا طرز اختیار کیا جائے کہ قاری وسامع کے ذہن وفکر، دل ودماغ کو تسلی دی جائے۔اس کے اوہام ووساوس کا ازالہ ہوجائے اور یقین وعقیدہ کا رسوخ اسے اللہ چاہے تو نصیب ہو جائے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ عقائد کو محض الفاظ کے منوانے تک محدود نہ رکھا جائے۔ بلکہ عقائد کو اس طرح پیش کیا جائے کہ ہر عقیدہ لفظی اقرار کے بجائے قلب وجان کا حال وحقیقت بن جائے اور اگر پڑھنا اور سننا اس کے لیے کافی نہ ہو تو اس کے لیے ایسے طریقے بتائے جائیں کہ ایمانی کیفیت وحقیقت ہر مؤمن اور ماننے والے کی یافت، وجدان اور حال بن جائے۔

تجدید ایمان ویقین کی اس کوشش میں جتنا بھی سنجیدہ اور معیاری لٹریچر انگریزی، عربی، اردو وغیرہ میں مرتب کیا جائے، ان شاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگا۔ظاہر ہے کہ ذہنی سطح کے مختلف مدارج اور دین و ایمان کے تفاوت والحادوارتیاب کی متفرق منازل اور دیگر وجوہ کی بنا پر اس قسم کی کتابوں میں کم وکیف، مغز وپوست، ہر لحاظ سے تنوع لازمی ہے۔تاہم ایک بات سب میں مشترک ہونی چاہیے وہ ایمان ویقین کا احیا اور حقائق دینیہ اور مغیبات پر غیر متزلزل عقیدہ کا پیدا کرنا ہے۔یہ کتب ذات باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے اثبات اور اسلامی نظریہ توحید ورسالت سے لے کر معاد، حیاۃ بعد الموت اور دگر امہات عقائد تک اور آسمانی مذاہب وادیان کی عمومی ضرورت اور ان میں اسلام کی فوقیت سے لے کر وحی نبوت کی حقیقت وغیرہ صدہا مضامین پر مشتمل ہوسکتی ہیں۔حجم کے لحاظ سے بھی بڑی چھوٹی اور منجھلی کتابوں میں ان حقائق کو مختلف صورتوں اور طریقوں سے بیان کیا جائے کہ حق ویقین کی یہ صدا ہر ایک کی کان تک پہنچ جائے۔

اس سلسلے میں ہمیں اپنے موجودہ علمی سرمایہ کو بھی کھنگالنا اور اس کا جائزہ لینا اور نئے طرز سے ترتیب دینا ہوگا۔اس کوتاہ علم اور بے بصر کے نزدیک ہمارے اس پچھلے دور کے فضلا کی نشاندہی غالباً ضروری نہ ہوگی۔بعض بزرگوں کے طرز انشاء وتحریر پر کہنگی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔لیکن اگر ان کے مضامین کو نئے طرز سے پیش کیا جائے تو غالباً انتہائی نافع ہوگا۔

ایک دوسری بات اس ضمن میں یہ عرض کرنی ہے کہ اپنی طرف سے پوری کوشش اس بات کی ہو کہ ایمان ویقین کے پیدا ہونے کا مدار نری کتابوں پر نہ رکھا جائے۔بلکہ اہل یقین اصحاب دین اور صاحبان

149

ایمان وتقویٰ کی صحبت ومعیت کی اہمیت کو پوری طرح واضح کرکے ان سے استفادہ اور استفاضہ کے بالمشافہ اور میل ملاپ کے ذریعہ ترغیب دی جائے۔

جدید کلامی رنگ وطرز کی کتابوں کے علاوہ سلیم الطبع اور صاف ذہن والے مسلم اور غیر مسلم طبقات کے لیے سلیس وسادہ مؤثر، عقائد واسلامی الٰہیات کی کتابوں کی ضرورت ہوگی۔یورپ اور امریکہ میں ایک کثیر طبقہ بحمد اللہ تعالیٰ اب بھی اسلام کی آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہے اور ان کے لیے صحیح دینی دعوت اسلامی نمونہ زندگی کے علاوہ ایسے لٹریچر کی اشد ضرورت ہے جو اسلامی عقائد، عبادات، اخلاق ومعاملات اور معاشرت کو مختصر سادہ اور دلنشین انداز میں پیش کرکے ان کے مزاج وذہن کا بھی خیال رکھنا ہوگا، عیسائیت اور اسلام کے مابہ الاشتراک چیزوں کو نمایاں حضور ﷺ کی بے داغ زندگی، اسلامی اخلاق کی فوقیت، رحم وکرم، حب الٰہی، انسانی حقوق، مساوات وعدل وغیرہ کے عنوانات اور اسلام کی عملیت اور کامیاب زندگی کی ذیلی سرخیوں کو اجاگر کرنا ہوگا۔متعصب پادریوں اور متشرقین نے جو زہر پھیلا رکھا ہے۔ ان کے تریاق بغیر اعتراضات کی نقل یا تعریض واشارہ کے مثبت ومؤثر پیرایہ میں کرنا ہوگا۔

غرض اگر کام کرنے والے ہوں اور کام کیا جائے تو میدان انتہائی وسیع، ضرورت ناگریز اور تقاضہ شدید ہے، جس کے لئے ایک نہیں متعدد اداروں اور کثیر اشخاص کی صرف تصنیفی وتالیفی میدان میں ضرورت ہے۔جن کا پیدا کرنا خود ایک اہم سوال ہے۔لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ کی نزاکت اور کام کی اہمیت کی بنا پر امت مسلمہ کو یہ کام سنبھالنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور دین قدیم کی حفاظت کے وعدوں پر پورا یقین رکھتے ہوئے اس کی ذات عالی سے امید ہے کہ امت کے اس ابتلائے عظیم میں یاوری اور مدد فرمائے گا اور ایسی صورتیں پیدا ہوں گی جو اس سیلاب کے رخ کو پھیر دیں۔

خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جن کا مال وجان دین کی خدمت میں صرف ہو اور قابل مبارکباد ہیں وہ اشخاص جن کا سرمایہ درد وفکر اسلام کی سرسبزی وشادابی میں کام آئے۔

اپنی معروضات اور منتشر خیالات کے ختم کرنے سے پیشتر چند علمی کاموں کے متعلق عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔اس تصنیفی سلسلہ میں بقول حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضرورت ہے کہ عقائد و عبادات کے ساتھ اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات، اسلامی طریق تجارت، اسلامی اصول

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مضاربت، اسلامی طریق کارخانہ داری، اسلامی طریق کاشتکاری، کسانوں اور مزدروں کے اسلامی حقوق، اسلامی عین دین اور معاملات کے مسائل اور دیگر تمام ضروری امور زندگی کے متعلق اسلامی تعلیمات کولوگوں کے سامنے رکھا جائے اوراس کے قبول وعمل کی دعوت دی جائے جس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہواور مسلمان مسلمان بن کر دنیا میں ظاہر ہوں۔

ہیچمدان راقم کے نزدیک مندرجہ ذیل کاموں کی ترتیب وتدوین وقت کا ایک اہم تقاضہ ہے۔

1۔تعبدی اعمال کی اہمیت وحقیقت نئے ذہن کے سامنے لانے کی انتہائی ضرورت ہے کہ ایمان باللہ اور تعلق مع اللہ کے اضمحلال کی بنا پر تعبدی اعمال نماز، روزہ، حج، قربانی، زکوٰۃ وغیرہ کی تاویل وانکار کی صورتیں روز بروز سامنے آتی جارہی ہیں۔

2۔معاملات کے بارے میں جدید احکام القرآن کی ترتیب وتدوین ہو۔جس میں معاملات کے متعلق آیات قرآنی کواس طرح فقہی صورت میں مدون کیا جائے کہ آج تک کی چودہ سوسالہ فقہی کاوشوں کا حاصل اور مذاہب اربعہ کے استنباط ہرآیت کے ذیل میں ترتیب وار جمع کردیئے جائیں کہ ہمارا فقہی مسائل کا قیمتی سرمایہ مجھ جیسے بے بصروں کوقرآن کے باہر کی چیز معلوم نہ ہو، بلکہ قرآنی علم وحکمت کا گنجینہ دکھائی دے۔معاملات ہی کے بارے میں فقہ کی تدوین نو کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں اصول فقہ کی نئی طرز سے ترتیب وتدوین بھی وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

سیرت ہفتم (معاملات) اگر مرتب ہوجاتی، تو اسلامی احکام کی خوبی تفوق، دیگر مذاہب کے قوانین پر اس کی برتری اور عہد حاضر میں اس کی ضرورت کا ایک ثبوت مہیا ہوجاتا۔حضرت شیخ قدس سرہ کے اس کارنامہ کی تکمیل نامعلوم کس سعید قلم کے ہاتھ میں آتی ہے۔

یہاں یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ اگر علما اور دینی طبقہ نے فقہ کے جدید تقاضوں اور تدوین و ترتیب کی طرف پوری توجہ نہ کی۔تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ نام نہاد مجتہدین جدید، اسلام کے اعلیٰ اور الٰہی قوانین کو اپنی ذہنی اور فکری ستم رانیوں اور ہوس کا شکار بنالیں، جس کی تازہ مثالیں بعض اسلامی ممالک کے جدید طبقہ کی کوششوں میں مجسم ہوکر سامنے آنی شروع ہوگئی ہیں۔

3۔منکرین حدیث کی آبلہ فریبیاں اور حیلۂ پرویزی، ناواقف تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے ایک حدتک

150

ابتلا کا سبب ہے۔موجودہ اباحت پسند معاشرہ انکار حدیث کے پردے میں اپنی تعیش اور اتباع ہوئی کا سامان پیدا کررہا ہے۔کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی صاحب قلب ونظر عالم احادیث مقدس کے ایک معتد بہ حصہ کے قرآنی ماخذ، آیات قرآنیہ کے تحت میں جمع کردے۔(اور اس طرح نام نہاد اہل قرآن کا جواب قرآن ہی سے مہیا کردے) گو اس بارے میں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ غیر نبی فراست نبوت کا وہ حصہ نہیں پاسکتا جو جملہ احادیث کے مضامین کو اسے قرآن میں اسی طرح دکھا سکے۔جو بصیرت نبوت نے دیکھا۔تاہم علماءِ محققین کا ایک طبقہ جو ایمانی فراست اور میراث نبوت سے سرفراز تھا۔ایک حدتک اس حقیقت کو پاگیا۔ابن کثیر نے تفسیر کے شروع میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

کل ما حکم به رسول الله صلی الله علیه وسلم فهو مما فهمه من القرآن۔

متاخرین میں ہمارے حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر علما کا بھی خیال ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تو الخیر الکثیر میں یہاں تک لکھ دیا ہے:

''اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں تفسیر قرآن اور قرآن کریم سے استنباط ہے اور یہ (استنباط یعنی علوم الحدیث) اعظم العلوم ہے اور عنقریب ہم اس کا اتنا حصہ پیش کردیں گے جو کفایت کرتا ہو۔''

اس کے بعد شاہ صاحب نے آپ کے علوم حدیث اور دیگر علوم کو قرآن کریم سے ماخذ بتاتے ہوئے مثال کے طور پر نماز کو لیا ہے اور پھر لکھتے ہیں:

''ہم نے ان تمام احادیث کو جو کہ کتاب الصلوۃ میں وارد ہوئی ہیں اور ہم تک پہنچی ہیں، تتبع کیا تو ہم پر یہ چیز بالکل واضح ہوگئی کہ یہ سب کے سب قرآن کریم سے نکالی گئی ہیں اور استنباط انتہائی حکیمانہ ہے اور عنقریب ممکن ہے کہ ہم اسے ایک علیحدہ رسالہ میں حیطہ تحریر میں لے آئیں۔''

(تفصیل کے لئے دیکھو الخیر الکثیر ص:122۔123)

بہرحال یہ بھی انکار حدیث کے رد میں ایک بڑا کام ہوسکتا ہے۔راقم کے مصری استاد الدکتور محسن الحسینی (اسکندریہ) فرماتے تھے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''تفسیر قرطبی اس سلسلہ میں نافع ہے۔''

کچھ خیالات اس بارے میں ذہن میں ہیں، لیکن اظہار کا یہ موقع نہیں۔

4۔مولانا روم کی مثنوی کے سپر دصدیوں سے حقائق واسرار اور دینی دقائق کے دفاتر ہیں۔عصر نو کے ذہن ومزاج کے مطابق اس حق شناس، نے نواز کے سرود ونغمات کو طرز جدید میں پیش کرنا بھی یقین و ایمان کے پیدا کرنے میں ان شاء اللہ نافع رہے گا۔اس سلسلے میں مثنوی کی بعض حکایات ونظریات کی تلخیص وخلاصہ،تشریح ومطلب ایمانیات کی افزائش کے سلسلے میں ان شاء اللہ کارگر رہے گا۔احقر نے حقائق دینیہ کے اثبات کے بارے میں مثنوی کو انتہائی مفید پایا ہے۔

5۔اسی طرح اقبال مرحوم نے دانش فرنگ کے فریب اور اس کا علاج تجویز کیا ہے۔اس کے کلام کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ جائزہ اور پیش کش بہتر ہوگی۔

نہ معلوم یہ آشفتہ بیانی کہاں تک اس پریشان خیال کی ترجمانی کر پائی ہے۔تاہم امت محمد یہ مرحومہ جس عظیم خطرے سے دوچار ہے۔اس پر اپنے چند تاثرات پیش کردیے ہیں۔دل سربسجود اور جسم و جان سراپا دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو دین کی اس ذمہ داری کی ادائیگی کی توفیق بخشے۔یہ امت مبعوثہ اپنے ایمان اور دینی رنگ میں نکھر کر اپنے دعوتی فریضہ کی ادا کرنے والی اور تشنہ طلب گار انسانیت کو الٰہی لطف وچین کا پیام دینے والی اور مادیت ولادینیت ظلم وفساد کے ظلمتوں سے نکال کر اسلامی سکون وچین اور دینی ایمان ویقین کی روشنی میں لانے والی ہو۔

❀❀❀

(۱۰)

رومی کا پیام عصر حاضر کے نام

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم!

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن۔ (یونس:۶۲)

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر
رومی آن عشق و محبت را دلیل
تشنہ کاماں را کلامش سلسبیل
پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست
پائے او محکم فتد درکوئے دوست

(اقبال)

عہد رومی وعصر حاضر:

عزیزو اور دوستو! جس عنوان پر بات کرنے کو کہا گیا ہے اس کا یہ پہلو ذہن میں رہے کہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آج سے سات سو سال پہلے تھا۔اس قدیم زمانے کا ایک شخص ''عہد نو'' کو کیا پیام

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بخش سکتا ہے اور ہم اس سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں؟

ہم صفیرو! رومی نے اپنے دور اور اپنے اہل زمانہ کو جو پیام دیا اسے اگر ہم پیش نظر رکھیں تو ذہنی اور فکری لحاظ سے جو مماثلت دونوں زمانوں میں پائی جاتی ہے وہ اس مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔اس مماثلت کے جاننے کے لئے ہمیں مختصراً رومی اور ان کے ماحول پر ایک نگاہ ڈالنی ہوگی اور پھر موجودہ زمانے کے ذہنی پس منظر اور فکری افتاد کو دیکھنا ہوگا۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے رومی کے پیام کی اہمیت و عظمت عصر حاضر کے لئے ثابت ہو جائی گی۔

خانوادۂ رومی:

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے وہ پشتوں سے مسند علم و عرفان کا وارث تھا۔ان کے والد سلطان العلماء حضرت بہاؤالدین کی علمی شان اور عرفانی عظمت نے بلخ کے لوگوں کو اس طرح مسخر کر رکھا تھا کہ خوارزم شاہ جیسا با جبروت بادشاہ ان کے اثر ونفوذ کو دیکھ کر گھبرا گیا اور آخرش انہیں وہاں سے ہجرت کر کے قونیہ میں آباد ہونا پڑا۔

متکلم وقت رومی اور علم کلام:

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ خود بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔فتویٰ نویسی تو آخر وقت تک ان کا مشغلہ رہا۔وہ متکلم وقت بھی تھے اور علم کلام کے جملہ پہلوؤں پر ان کی نگاہ محرمانہ بلکہ مبصرانہ و ناقدانہ تھی، وہ اس کے حسن وقبح کو پرکھ چکے تھے،اس لئے جب وہ اس کے دلائل پر زبان کھولتے ہیں تو ایک محرم راز کی بولی بولتے ہیں جس پر اعتراض کی خود متکلمین کو بھی گنجائش و ہمت نہیں ہو سکتی۔علم کلام وہ فن ہے جس میں اسلامی دینی حقائق وعقائد اور نظریات واحکام کو حسی عقلی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے اور دیگر مذاہب پر اس کی فوقیت ثابت کی جاتی ہے اور ادیانِ باطلہ ومذاہبِ فاسدہ کو غلط و باطل ٹھہرایا جاتا ہے، گویا عقل کی راہ سے اثبات دین وحق اور ابطال وانکارِ عقائد باطلہ کا نام ''علم کلام'' ہے۔

عقل پرست و متکلمین:

اس فن کی ابتدا مسلمانوں میں اس طرح ہوئی کہ جب تیسری چوتھی صدی ہجری میں یونان وہند اور عجم کے عقلی علوم عربی میں منتقل ہوئے اور عجمی مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو بعض طبقات تو دین کی سیدھی سادی منطق اور قلبی ایقان ویقین کی روشنی کو چھوڑ کر عقلی دلائل میں الجھ گئے اور عقل کی راہ سے باطن کا سکون اور نور ایمان حاصل کرنے کی لاطائل کوشش کرتے رہے، انہوں نے عقل کو معیار حق و باطل قرار دے لیا اور جو بات ان کی نارسا عقل کے خلاف ٹھہری اسے باطل قرار دے دیا یا شک کی نگاہ سے دیکھا۔ان عقل پرستوں کے مقابلہ میں امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کرام 'جو' اشاعرہ'' کے نام سے موسوم ہیں' اٹھے، اور انہوں نے عقل پرستوں کی دینی نارسائی اور حقائق دینیہ کے بارے میں ان کی بے بصری کو فاش کیا، اہل عقل کے دلائل کو انہیں سے لے کر ان کے خلاف اثبات دین اور ابطال باطل کے لئے استعمال کیا۔

عقل کی نارسائی اور اہل حق متکلمین کا اعتراف:

بڑے بڑے ائمہ اس مسلک کے سرخیل تھے، تاہم چونکہ حق پرست تھے، عقل جزئی کی نارسائی اور دین کے بارے میں اس کی بے بصری کو جانتے تھے، اس لئے ان میں سے بہت سے بڑے بڑے ائمہ نے آخر میں اس ''عقلی'' راہ کو چھوڑ کر دین کی ''قرآنی'' راہ کو اختیار کیا، جس میں انسان کی محدود و نارسا عقل سے زیادہ انسان کے ''دل'' یا اس کی ''عقل کل'' کو خطاب کیا گیا ہے۔ان ائمہ کرام میں بعض اساطین امت کا نام بھی لے سکتے ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم کلام کے کوچہ سے نکل کر فقہ کے میدان میں آئے۔امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ، شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ، خسرو شاہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اہل حق متکلمین آخرش عقل کی تنگ ناؤں سے نکل کر وحی الٰہی کی بحر حقیقت میں طمانیت کا سانس لیتے ہیں اور اس کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔مرتے وقت جوینی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر تھا: ''میں اسلامی علوم کو چھوڑ کر عقل کے سمندر میں غوطے لگاتا رہا اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو افسوس ہوتا۔اب میں اپنی ماں کے عقیدہ پر مرتا ہوں۔'' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام سے کون ناواقف ہے! اپنی ذاتی تجربہ اور تحقیق کے بعد علم کلام سے بیزار ہونے کا اعلان کر دیا اور واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ:

''اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس (علم کلام) سے حقائق کھل جاتے ہیں اور ان کا پورا پورا علم ہو جاتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے۔لیکن افسوس علم کلام اس بلند مقصد کے لئے کافی نہیں بلکہ اس سے کشف حقیقت کی بجائے خبط اور گمراہی زیادہ بڑھتی ہے۔''

پھر جس طرح اپنے کو عشق الٰہی و وحی نبوی کے سپرد کر کے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے گوہر مقصود کو پایا اور اسے وقف عام کیا، دنیا اسے جانتی ہے۔احیاء العلوم، کیمیائے سعادت وغیرہ کتب اس پر شاہد عدل ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جو متکلمین کے مشہور سرخیل ہیں اور جنہوں نے بقول شبلی مرحوم علم کلام کو بازیچۂ اطفال بنا دیا اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی، جنہیں عقل کے نمائندے کی حیثیت سے مثنوی میں پیش کیا ہے اور کہا ہے:

اندرین بحث ارخرد رہ بین بُدے
فخر رازی راز دار دین بُدے

آخرش وہ بھی پکار اٹھے:

نہایۃ اقدام العقول عقال
وغایۃ سعی العالمین ضلال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا
سوی ان جمعنا فیہ قیل وقال

ترجمہ:''عقلوں کے قدم کی انتہا ناکشودہ گرہ ہے اور دنیا والوں کی کوششوں کی حد نا کامی ہے۔ہم نے اپنی ساری عمر کی بحث سے سوا اس کے کچھ اور نہ پایا کہ لوگوں کے اقوال کے دفتر جمع کر لئے۔''

اور اس قسم کے اعترافات بار بار اور ببانگ دہل کیے کہ:

''میں نے کلام کے سارے مباحث اور فلسفہ کے سارے ابواب پر پوری طرح غور و خوض کر لیا تو میں نے دیکھا کہ نہ ان سے بیمار تندرست ہوتا ہے اور نہ پیاسا سیراب اور میں نے پایا کہ منزل مقصود تک لے جانے والا سب سے قریب راستہ قرآن پاک کا راستہ ہے اور جس کو میری طرح ان علوم کا تجربہ ہوگا اس کو یہی معلوم ہوگا۔''

سچ ہے:

فلسفی سر حقیقت نتوانست کشود
گشت راز دگر آن راز کہ افشامی کرد

حکیم شاعر اکبر نے اسی حقیقت کو اپنے انداز میں کہا ہے:

ہر چند فلسفہ کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا اثر عہد رومی پر:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات محرم ۶۰۶ ھ میں ہوئی، ان کی سو سے اوپر تالیفات ہیں اور حقائق کی وضاحت کے لئے دلائل عقلی کے انبار لگا دیئے ہیں، گو جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ وہ آخر میں خود عقل کی کوتاہی کے مقر اور ہدایت ربانی کے نبوی طریقہ کے ہی قائل ہو گئے تھے اور یہ ہی وصیت فرما کر انتقال فرمایا:''کہ دین کے حقائق تک رسائی عقل کے بس کی بات نہیں بلکہ قلب کی راہ قرآنی ہدایت اور عشق الٰہی سے ہی طے ہوتی ہے۔''بقول اقبال:

گزر جا عقل سے آگے، کہ یہ نور
چراغ رہ گزر ہے منزل نہیں ہے

تاہم امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات نے علم کلام و عقل کا جو صور پھونکا تھا، زمانہ اس سے پر شور تھا اور عقل ہی کو حقائق یابی کا آلہ، یقین کا ذریعہ اور دین کے اثبات کا سبب گردانا جا رہا تھا۔اس ماحول اور اس زمانہ میں ۶۰۴ ھ میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔اپنی خاندانی ماحول، اپنی افتاد طبع اور عصری تقاضوں کے پیش نظر جوانی کے دنوں ہی میں مولانا علوم عقلیہ اور نقلیہ کے اوج کمال پر پہنچ گئے تھے۔اگر دعوت و ارشاد اور درس و تدریس سے ان کو شغف تھا تو فلسفہ اور کلامی مباحث میں انہماک ان کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شغل اور استدلال علمی وعقلی سے حقائق ودین کی گتھیاں سلجھانا ان کا مشغلہ تھا۔لیکن رومی رحمۃ اللہ علیہ کا باطن دیگر اہل حق متکلمین کی طرح پکار رہا تھا:

خردکی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنون کر

(اقبال)

رومی وشمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ زمانہ بازیچۂ عقل وخرد ۶۱۶ھ سے ۶۴۲ھ تک رہا یعنی جب تک ان کی ملاقات شمس الحقائق والعرفان حضرت شمس الدین التبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں ہوئی۔ ۶۴۲ھ میں شمس تبریز آتے ہیں، رومی سے ملتے ہیں اوران کی دنیا بدل جاتی ہے۔وہ آگ جو شمس کے سینے میں سلگ رہی تھی، رومی کے اندر منتقل ہوتی ہے اور عشق کی چنگاری عقل وخرد کی دنیا کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

کیا آتش حل کر دہ پلادی ساقی
پھونک ڈالا، آگ لگا دی ساقی

رومی عقل کے کوچے سے عشق کی منزل میں:

بات یہ ہے کہ جیسے آنکھیں آنکھوں سے اثر لیتی ہیں، دل دلوں سے فیض پاتے ہیں، ایک دل کا نور باطنی اندر ہی اندر دوسرے میں منتقل ہو جاتا ہے اور جیسے آتشیں شیشہ کاغذ کو جلا دیتا ہے۔اہل دل کے قلوب کی سوزش دلوں کو جلا دیتی ہے۔رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر عشق کا جذبہ دبا ہوا تھا، وہ چھپا ہوا محبت کا بارود کسی شرارہ کو چاہتا تھا۔شمس کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے رومی رحمۃ اللہ علیہ کی آتش عشق کو شعلہ جوالا بنا دیا اور انہیں عقل جزئی کی تنگ نائے سے نکال کر عشق کے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں حقائق، دلائل کے محتاج نہیں ہوتے۔شمس پہلی مرتبہ مولانا کے پاس ایک سال دو مہینے رہے۔قربت شمس سے صاحب خرد وہوش رومی جو علوم ظاہرہ وعقلیہ کے امام تھے، ایک درویش بے گلیم کے عاشق وشیدا بن کر رہ گئے۔مجلس افتاء و

تدریس، تربیت وتعلیم غرض ہر مشغلہ چھوٹ گیا۔شمس تھے اور رومی، اور ہر آن افادہ اور استفادہ کا بازار گرم تھا۔یہ گرم بازاریٔ عشق حاسدوں کے مردہ دلوں اور ظاہر بین معتقدوں کے ٹھنڈے سینوں کو پسند نہ آئی، شمس کے درپے ہوئے۔آخر ان کی اذیتوں سے تنگ آ کر شمس بغیر رومی کو اطلاع دیئے غائب ہو گئے۔شمس کی جدائی نے جلتی پر تیل کا کام کر دیا، اور بجائے شمس کی محبت کم ہونے کی آتش فراق نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور رومی کو شمس میں فنا کر کے رکھ دیا۔آخری مرتبہ شمس دوبارہ آئے، جو دولت باطنی دینی تھی، دی اور چلے گئے۔مولانا تلاش شمس میں دمشق وغیرہ کی خاک چھانتے رہے لیکن شمس پھر نہ دکھائی دیئے۔شمس کے فراق وغیاب نے رومی کے دل ودماغ اور قلب وروح کو جس طرح متاثر کیا، دیوان شمس تبریز اس پر شاہد ہے۔مثنوی جتنا یہ لحیم وشحیم دیوان جو رومی کی فغان فراق وفریاد عشق ہے اس لئے دیوان شمس تبریز کہلایا کہ رومی غلبۂ حال وواردات میں مقطع میں اپنا نام ڈالنے کی بجائے، فنائیت شیخ کی وجہ سے شمس کا نام ڈالتے ہیں۔محبت کی مستی اور فراق کی تپش دیوان کی ایک ایک سطر سے ٹپک رہی ہے۔چند مقاطع عرض ہیں:

ہمچو من شو، در ہَوائے شمس دین
آن صبا کز وَے دلم گلزار شُد
دوتا چوں آسمانم من زعشق شمس تبریزی
مزن زخمہ جز آہستہ، کہ ناگہ بگسلد تارم
شمس تبریز کہ ہست اصل وجود
من ندیدم در جہان ہمتائے او

آخری بار شمس کی غَیبت اور تلاش کے بعد ہجر کی کیفیت نے مولانا کے اندر شمس کے تعلق کی ایک خاص نسبت پیدا کر دی، جسے اگر نسبت فراق کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا، ''نسبت'' تعلق خاص اور باطنی رابطہ کو کہتے ہیں۔محبت کی وجہ سے محب ومحبوب کے لئے قرب وبعد کے ظاہری فاصلے اور حجابات ختم ہو جاتے ہیں اور باوجود دوری کے مستفید مفید سے فیض پاتا رہتا ہے کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بعد منزل نہ بود در سفر روحانی

عظمت فراق:

غَیبت شمس سے مولانا پر فراق کی قیمت وحقیقت کھلی کہ گو ہجر جاں گسل سہی لیکن از دیاد طلب کا سبب ہے اور زیادت طلب مفتاح فیوض وبرکات لامتناہی ہے۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

عالم سوز وساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو، ہجر میں لذت طلب

مولانا کی یہ ''نسبت فراقیہ'' مختلف رنگوں میں اپنے جلوے دکھاتی رہی۔ مثنوی جو مولانا کا شاہکار ہے اسے اگر نالۂ فراق کہوں تو غلط نہ ہوگا۔ فاتحہ مثنوی (جو علوم مثنوی کا عطر وخلاصہ ہے۔) کے ابتدائی اشعار اس حقیقت پر گواہ ہے:

بشنو از نے چون حکایت می کند
از جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستان تا مرا ببُریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

مثنوی رحمۃ اللہ علیہ کا عنوان ہی فراق ہے۔ مثنوی کی پہلی حکایت جو ''کنز یک'' پر ہے۔ اس میں فراق کو ہی بنیاد بنا کر بے شمار انسانی مسائل اور حقائق غیبیہ کو حل فرمایا ہے۔ یہاں یہ بات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہر فن کی اصطلاحات ہوتی ہیں اور مولانا اپنی ''اصطلاح'' میں کلام کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح
سندیان را اصطلاح سند مدح

بہر حال اصطلاحات کی حیثیت رموز کی ہے۔ مولانا چونکہ پروردۂ عشق اور ترجمان حقیقت ہے اس لیے وہ زبان کے ظاہری آلہ سے بھی بے نیاز ہیں اور برملا کہتے ہیں:

فارسی گو گرچہ تازی خوشتر است
عشق را خود صد زبانِ دیگر است

یعنی عربی اچھی ہے لیکن فارسی میں ہی اظہار خیال کیجئے کہ عشق ظاہری آلات ابلاغ کا محتاج نہیں اس کی اپنی سوز بانیں ہیں۔

رومی وفیض عشق:

غرض شمس کے تعلق سے مولانا کے اندر ایک یقین ابھرا، جس نے عشق کی عقدہ کشائی اور حقیقت رسی کے راز کو ان پر کھولا۔ وہ تقریباً اٹھائیس سال عقل کی موشگافیوں میں گزار چکے تھے۔ ظاہری علوم کی سنگلاخ وادیوں کو طے کر چکے تھے۔ لیکن عشق نے تھوڑے ہی عرصے میں انہیں غیاب سے حضور تک، حیرت سے تسکین تک، شک سے یقین اور راہ سے منزل تک پہنچا دیا۔ شیخ کے آخری تلاش کے بعد جب وہ قونیہ واپس پہنچے تو جو حقائق ومعارف، ایمان ویقین، علوم ودقائق سینۂ شیخ میں دیکھتے تھے، اپنے میں دیکھنے لگے اور اس ''یافت'' نے انہیں ایمان ویقین کی وہ پختگی اور حقائق یابی ومعارف رسی کا وہ مقام عطا فرمایا جو صدیوں سے ''مثنوی'' کی ''منظوم نے'' کی شکل میں دلوں کو عشق ویقین اور حقائق ومعارف سے روشن کر رہا ہے۔

فیض عشق کے اس اعجاز کو ایک مثال سے سمجھیے: مرغی انڈوں پر اکیس دن بیٹھتی ہے اور اس کے سینے کی تپش سے اکیس دن کے اندر ظاہراً بے جان انڈوں سے چوں چوں کرتے چگنے والے زندہ بچے نکل آتے ہیں۔ اگر اس کے سینے کے نیچے بطخ کا انڈہ ہو تو بطخ کا بچہ پیدا ہوگا ورنہ مرغی کا۔ اس تمثیل سے مراد یہ ہے کہ سینۂ شیخ کا سوز ایمان وحقیقت مردہ دلوں کو (گو ان میں شیخ سے استعداد زیادہ ہی ہو) زندگی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بخش دیتا ہے۔حدیث میں آتا ہے:

نزلت الامانة فی جذر قلوب الرجال۔ الخ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ومسلم،ص:۴۹۱)

تاثیر صحبت شیخ اور حدیث کا مطلب:

ہم نے (توحیدرسی کے لئے عشق ومحبت الٰہی کی) امانت کا بیج انسانوں کے دلوں کے اندر ڈالا۔ یہی وہ بیج ہے جو صحبت شیخ کی حرارت سے بارآور ہوتا ہے اور وہ زندگی جو شیخ میں ہوتی ہے مرید میں دکھائی دینے لگتی ہے۔رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کا اظہار جابجا کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

میں کہ اسرافیل وقت اند اولیا
مردہ را ذیشان حیات است ونما
جانہائے مردہ اندر گورتن
بر جہد ز آواز شان اندر کفن
گوید ایں آواز زاں واہا جدا است
زندہ کردن کارِ آواز خدا است

نیز:

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارای مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
مہر پا کان درمیان جان نشان
دل مدہ الّا، بہر دل خوشان

رومی یا ترجمان عشق ولسان تبریزی رحمۃ اللہ علیہ:

یہی حال صحبت شیخ نے رومی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا، جو شمس میں تھا وہ رومی میں تھا۔ وہ اب عقل کے ترجمان نہیں تھے بلکہ شمس کے عشق کی زبان تھے۔فرماتے ہیں:

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را
قال را بگزار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مرد کامل کی قدموں میں پامالی:

مرد کامل کے قدموں میں نفس کی پامالی، دل کی آبادی کا سبب اور اس کے در کی غلامی ذمائم ورذائل سے پاکی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔اس کا عشق ومحبت حب الٰہی کا زینہ اور فیوض ربانی کے حصول کا وسیلہ ہے کہ:

اولیا را در دروں ہم نغمہا است
طالبان راز ان حیات بے بہا است

اولیاء اللہ کے قلوب وہ آئینہ ہے جہاں صفات الٰہیہ کا انعکاس ہوتا ہے اور طالبین وہاں سے فیض پاکر الٰہی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔رومی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں باتوں کے بارے میں کہتے ہیں:

صف آدم مظہر آیات اوست
ہر چوں چہ دروئے مے نماید عکس اوست

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہمچو عکس ماہ اندر آب جو است
خلق را چوں آب دان صاف وزلال
وندر و تاباں صفات ذوالجلال
علم شان وعدل شان ولطف شان
چون ستارہ چرخ در آب رواں

اس لیے:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
گو نشیند در حضور اولیاء
از حضور اولیاء، گر بگلی!
تو ہلاکی زانکہ جزوی نے کلی
چون شوی دور از حضور اولیاء
در حقیقت گشتۂ دور از خدا

حصول علم کے دوطریقے:

رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حصول علم کے دوذریعہ ہیں: ایک مروجہ کسبی طریقہ ہے کہ علم کے ہر ہر جز پر محنت کرواور اسے حاصل کرواور ایک علم کے حصول کا ''انعکاسی'' طریقہ ہے کہ دل کورذائل اور غیراللہ کے تعلق سے پاک کرلواور پھر اسے مجاہدات شرعیہ اور صحبت شیخ کے ذریعہ آئینہ بنالو۔ تو علوم ربانیہ کا انعکاس غیب سے تمہارے قلوب پر ہوگا اور یہ حالت ہوجائی گی کہ:

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و استاد

اسے انہوں نے چینی و رومی نقاشوں کی تمثیل میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس

157

چینی اور رومی نقاش پہنچے، ان میں مقابلہ ٹھہرا، ایک مکان کی مقابل کی دو دیواریں نقش کاری کے لئے دے دی گئیں اور درمیان میں پردہ حائل کر دیا گیا، جب چینیوں کا کام ختم ہوگیا، بادشاہ آیا، ان کے عجیب وغریب نقش ونگار کو دیکھا، پھر سامنے سے پردہ ہٹایا گیا تو بادشاہ کی حیرت کی انتہا نہ تھی کہ جو چینیوں کی صنعت کاری تھی، ہو بہو وہی خاکہ رومیوں کی دیوار پر تھا۔ بات یہ تھی کہ چینی نقش بناتے رہے اور رومیوں نے اپنے فن سے دیوار کو آئینہ بنادیا، جب پردہ اٹھا تو جو چینیوں کے نقش ونگار تھے وہ رومیوں کے دیوار پر منعکس ہوگئے یہی حال علم انعکاسی کا ہے کہ جب صوفیہ کے سینے پاک ہوجاتے ہیں تو علوم غیبیہ والٰہیہ وکونیہ جس قدر خدا چاہے انھیں نظر آتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

درمیان آن صوفیان اند اے پسر
بے ز تکرارِ کتاب و بے ہنر
لیک صیقل کردہ اند آن سینہا
پاک زا آز و حرص و بخل و کینہا
آن صفاءِ آئینہ وصف دل است
صورت بے منتہا را قابل است
اہلِ صیقل رستہ انداز بو و رنگ
ہر دمے بینند خوبی بے درنگ
نقش دفتر علم را بگذاشتند
رأیت عین الیقین افراشتند
رفت ''فکر'' و روشنائی یافتند
بحر و بر رآشنائی یافتند

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

158

عقل وعشق کے دوائر علمیہ:

رومی عقل کے کوچہ سے اقلیم عشق میں آئے تھے۔عشق کی تابانیوں نے ان کے قلب صافی کو جب منور کر دیا اور ان کی دعا ''قلب را تابان کن از انوار ماہ'' قبول ہوئی۔تو ان پر حقیقت کھلی کہ ''عقل'' اپنے حیطہ سے باہر انتہائی قاصر ہے اور عشق کی جولانگاہ مکان ولامکان ہے۔عقل معلومات سفلی اور محسوسات کے دائرے ہی میں کارفرما ہوسکتی ہے۔لیکن علوم الٰہیہ کے بارے میں اندھی ہے۔عشق نے ان پر علم حقیقی کے دروازے کشادہ کئے اور اس مقام القا والہام پر پہنچا دیا جہاں علوم غیب سے قلب پر وارد ہوتے ہیں اور انسان کی زبان ''آلہ الٰہی'' بن کر علوم الٰہیہ کی ترجمان بن جاتی ہے۔حدیث پاک میں ہے:

احذروا فراسة المؤمن انه ينظر بنور الله و ينطق بتوفيق الله۔

(کنزالعمال،ص:۲۲،ج:۶،بحوالہ ابن جریر عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:''مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا اور اور اللہ کی توفیق سے بولتا ہے۔''

مولانا کا شعر ہے:

اے خدا بنما تو جان را آن مقام
کاند روبے حرف می روید کلام

رومی وعلوم الٰہیہ:

مولانا پر علوم غیبیہ، معارف وحقائق اور سیل معانی کا جو ورود تھا، اس کا ثبوت خود ''مثنوی معنوی'' کے چھ ضخیم دفاتر ہیں۔تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ مثنوی مولانا نے نہیں لکھی۔عشاء سے صبح تک ''حال'' کی کیفیت میں مولانا املا کراتے اور حسن چلپی لکھتے، بلا کی آمد تھی، کہلوایا جارہا تھا اور وہ کہتے جارہے تھے۔دل کا تعلق اس ذات سے تھا جو عین علم ہے، علم کا فوارہ وہاں سے پھوٹتا تھا اور رومی کی زبان پر جاری ہوجاتا تھا۔غرض ''عشق'' نے ''مولوی'' کو ''مولائے روم'' بنادیا اور ان پر علم وعرفان کی غیر منکشف راہیں کھول دیں۔عقل کی واماندگی ظاہر ہوگئی اور روح وعشق کی بلند پروازی وفرزانگی کی حقیقت آشکارا ہوئی۔مولانا کی یہ داستان عجیب ولذیذ اور بصیرت افروز تھی۔طویل ہوگئی معاف کیجئے!

ع حکایتے لذیذ بود دراز تر گفتیم

مولانا کے تجرباتِ زندگی کی روشنی میں اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔مگر آگے بڑھنے سے پیشتر ایک بات کی وضاحت کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل حق صوفیہ ومتکلمین کی عقل نارسا سے کیا مراد ہے اور اس عقل کا دائرہ نفوذ وعمل کیا ہے۔تاکہ آئندہ رومی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کے سمجھنے میں آسانی رہے۔

عقل نارسا کی مراد: حواس خمسہ، عقل انسانی اور علم محسوسات:

انسانی علوم کا تمام اثاثہ انسان کے ان معلومات پر مبنی ہے جو اسے حواس خمسہ کی فراہم کردہ معلومات کی صورت میں نسلاً ہوتا آیا ہے اور جس میں ہر زمانے کے انسان اپنے تجربات تازہ سے اضافہ کرتے رہے ہیں۔بات یہ ہے کہ روز ازل ہی میں اللہ تعالیٰ نے انسان میں خواص اشیاء کے ادراک کا مادہ اور ان کا تجسس رکھا ہے اور ان کی پرکھ اور غور وخوض وحصول نتائج کے لئے عقل عطا فرمائی۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ (البقرۃ:۳۰)

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (چیزوں کے) اسماء (یعنی ان کے خواص وصفات وغیرہ) کا علم دے دیا۔''

کا ایک مفاد یہ بھی ہے:

بوالبشر کو علم الاسماء بگ است
صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ است

انسان اپنے حواس سے اشیاء کو محسوس کرتا ہے۔تجسس سے ان کے خواص واستعدادات کے ادراک کی کوشش کرتا ہے اور اس کے حواس جو اسے معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ان کی عقل ان پر اپنی ذہنی افکار اور اپنی علمی ایجادات کی عمارت کھڑی کرتی ہے۔گویا انسانی مابعد الطبیعاتی نظریات، اس کے فلسفیانہ افکار، اس کی جملہ عقلی خیال آرائیاں وموشگافیاں اور بلند دعاوی جو اس کی پیش کردہ معلومات کے ہی پابند اور اس کے دائرہ میں محدود ہیں۔گویا عقل کی تمام تر کتازیاں 'محسوسات' کی دنیا ہی سے متعلق ہیں اور اگر اس سے اوپر اڑنا بھی چاہے تو محسوسات کی گرفتاری اسے پابگل وپابجولاں رکھتی ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور یہ اپنے غور وفکر، استقراء واستخراج وغیرہ، غرض ہر زاویہ نظر سے حواس کی مہیا کردہ معلومات وتجارب سے کلیۃً آزاد نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے بقول اطالوی فلسفی کانٹؔ کے 'عقل مابعد الطبیعاتی حقائق کے کلی وجدان سے عاجز ہے'؛ یہ عقل حسّی یا مادی جسے مولانا رومی نے 'عقل جزئی' کا نام دیا ہے اور بعض دیگر مسلم محققین نے اسے 'عقل معاش' کے عنوان سے موسوم کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ایک عطیّہ ہے۔ لیکن اس کا دائرہ محدود ہے اور وہ کائنات کی اشیاء سے تجسس وتجربہ کے ذریعہ استفادہ کے لئے عطا فرمائی گئی ہے، تاکہ انسان اپنی دنیاوی حاجات اور مادی ضروریات کو اس ذریعہ سے حاصل کرے۔ چنانچہ سائنس و ٹیکنالوجی کی جملہ ایجادات وکارنامے اسی کی رہین منت ہیں اور رہیں گے اور اس میں مؤمن وکافر کی کوئی تخصیص نہیں، جو بھی اپنے حواس خمسہ، قوت تجسس وعقل کو انسانی موروثی علم وفن کی روشنی میں مزید تجارب اور جستجو میں لگائے رکھے گا، اس پر فطرت کی مادی طاقتیں اشیاء کے خواص وقویٰ واستعدادات کھلتی رہیں گی اور وہ ان سے مستفید ہوتا رہے گا۔ لیکن یہ 'عقل جزئی' مابعد الطبیعاتی اور روحانی حقائق کے جاننے سے اس طرح قاصر ہے، جیسے کان دیکھنے سے، آنکھ سننے سے، زبان سونگھنے سے، ناک بولنے سے عاجز ہے، جس طرح ہر ایک حس کا اپنا خاص دائرہ عمل ہے، اسی طرح حواس خمسہ اور ان کی معلومات کی بھی ایک حد ہے۔ جس سے آگے حواس خمسہ اور ان کی معلومات پر مبنی علوم وافکار بیکار ہوکر رہ جاتے ہیں۔ انسان اگر اپنے عقلی بازوؤں سے اڑنا بھی چاہے تو نہیں اڑ سکتا۔ اس لئے پروں کی یا دوسرے آلات کی ضرورت ہے۔ اسی لئے حقائق کے ادراک ویافت کے لئے اور فضائے روحانی کی پرواز کے لئے انسان کو جو پر پرواز بخشے گئے ہیں، وہ اس کا دل، اس کے قوائے باطنی اور وحی ربّانی کی روشنی ہے۔

حقائق کے ادراک کا ذریعہ اور حس باطن:

جب انسان کا دل نور ربانی سے روشن، اس کے قوائے باطنی عشق الٰہی سے زندہ اور اس کی روحانیت وحی الٰہی سے تاباں ہوجاتی ہے، تو اسے ایک قوت باطنی ملتی ہے، جسے ہم 'عقل کل'، 'نور بصیرت'، 'شرح صدر'، 'حس باطن'، یا 'قوت مدرکۂ حقائق' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا نے اسے 'عقل عقل' بھی کہا ہے۔ جب یہ قوت ملتی ہے تو حقائق خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔ 'دلائل حسی' کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسے بھوکا بھوک کو اور پیاسا پیاس کو محسوس کرتا ہے ایسے ہی 'دل والا' (یا اس قوت باطنی والا) حقائق کا ادراک کرتا

ہے، اس کی 'باطنی یافت'، دینی حقائق، مغیبات اور روحانی اور مابعد الطبیعاتی اشیاء وکوائف کو اس کے لیے کالعین مشاہد کردیتی ہے۔ ریب وشک کے اندھیرے کافور ہوجاتے ہیں اور آفتاب حقیقت کی جلوہ سامانیاں اسے طمانیت وسکون اور یقین کی لازوال دولت سے نواز دیتی ہیں اور وہ پیر ہرَوی ابوسعید ابو الخیر کی طرح ہر 'بوعلی' کو کہہ دیتا ہے۔

آنچہ تومی گوئی من می دانیم
وآنچہ تومی دانی من می بینیم

کہ:

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلت باید از دے رو متاب

عصر رومی رحمۃ اللہ علیہ اور عہد نو میں مماثلت، حواس وعقل جزئی کی غلامی:

انسان کی کمزوری ہے کہ وہ اسیر حواس خمسہ ہے اور ان کی مہیا کردہ معلومات پر اپنی زندگی کی بنیادوں کو اٹھاتا ہے۔ عصر رومی اور ہر زمانے کی طرح موجودہ دور میں انسان نے بھی اس 'حواس' کے عطا کردہ علوم کا پابند اور 'عقل جزئی' کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ عہد حاضر کا بڑا کمال علم اشیاء، سائنسی ایجادات اور متناقض مکاتب وافکار ہیں۔ جن سب کی قدر مشترک حواس ظاہرہ کی مہیا کردہ معلومات 'مادہ' اور علم اشیاء ہے۔ جسے انسان کی عقل جزئی اپنی جولانیوں سے نت نئے روپ بخشتی رہتی ہے۔ آج انسان کا مقصد 'انسان' اور 'مقام انسانیت' کا حصول، اعلیٰ قدروں، روحانیت، عقل کل اور رب الاشیاء کی طلب نہیں رہا۔ بلکہ انسان چیزیں بناتے بناتے چیزوں کا بن کر رہ گیا ہے۔ گویا وہ کائنات اور اشیاء کے لئے ہے اشیاء وکائنات اس کے لئے نہیں۔ وہ چیزوں کے بنانے اور حاصل کرنے کی دوڑ میں انسانیت، عقل کل، روحانیت، اقدار عالیہ سب کو پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ دور میں انسان نے اشیاء کے علم کو خوب جانا اور اس راہ میں ان بلندیوں تک پہنچا، جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سائنسی اکتشافات، مادی ایجادات، طبعی معلومات، ہر چیز حیرت انگیز ہے لیکن انسان کائنات کی دریافت میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

160

اپنے کو گُم کر بیٹھا اور اس نے اپنے 'خلافتی جوہر' کھو دیئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس تمام تگ و دو کا مقصد انسان کی حاجات و ضروریات کی کفالت اور اس کی آسائش ہے۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو حصول اشیاء و تسخیر کائنات کی محنت نے انسان کو 'مصروفیت' کے عذاب میں مبتلا کر دیا، پھر بھی دلوں کا چین اور پوری انسانیت کی ضرورتوں کی کفالت نہیں ہوسکی۔ ہمارے نزدیک اس زمانہ کا سب سے بڑا المیہ (اور بعض کے نزدیک خوبی) یہ ہے کہ اس نے انسان کا مقصد حصول اشیاء کو بنا دیا ہے۔ ضرورت کی چیزیں بجا، لیکن اس مقصودیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مادہ بن رہا ہے اور انسان مٹ رہا ہے۔ یا یوں کہئے کہ انسان 'نفس' اور 'معدہ' میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ عقل جزئی نے 'جو محسوسات اور مادہ کے علم کو ہی اپنا سکتی ہے۔' انسان کا رشتہ روحانیت سے توڑ کر مادہ سے جوڑ دیا۔ دل رخصت ہوا اور معدہ و نفس کی علمبرداری قائم ہوگئی۔ دل و روح کی اُفتادگی نے بے خدا زندگی کو جہانگیری بخشی اور پورا عالم ایک بے خدا مادی زندگی کا آماجگاہ بن گیا۔ بقول اقبالؔ:

عصرِ ماوا رفتۂ آب و گل است
اہل حق را مشکل اندر مشکل است

عصر حاضر کو رومی کا اجمالی پیغام:

ان حالات میں رومی کا کیا پیام ہے؟ اجمالاً ہم اتنا کہیں گے کہ مولانا عصر حاضر کو عقل جزئی سے عقل کلی، محسوسات و مادہ سے روحانیت و مغیبات، معدہ سے دل، اور اشیاء سے خالق اشیاء کی طرف لانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے اُس کی حسِ عشق کو زندہ و مہمیز کرتے ہیں۔ اس اجمال کی مختصر تفصیل اس بیان کا مقصد ہے۔

حواس ظاہری پر کلی اعتماد نہیں:

رومیؔ حواس ظاہری پر کلی اعتماد کے قائل نہیں۔ ظاہری آنکھ کے بارے میں فرماتے ہیں:

خاک زن بر دیدہ حس بین خویش
دیدہ حس دشمن عقل است و کیش

دیدہ حس را خدا اعماش خواند
بت پرستش خواند و ضدّ ماش خواند
زانکہ او کف دیدہ و دریارا ندید
زانکہ حالے دید و فردار اندید

ترجمہ: اپنی حسی خود بین آنکھ پر پردہ ڈالو کہ وہ عقل و دین کی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کہا ہے اور بت پرست اور ہمارا اور اپنا دشمن اور مخالف کہا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ سمندر کی جھاگ یعنی ظاہر دریا کو دیکھتی ہے اور دریا کو نہیں دیکھتی۔ حال دیکھتی ہے اور مستقبل نہیں دیکھتی۔

حواس خمسہ باطنی:

رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان ظاہری حواس خمسہ کے علاوہ باطنی و روحانی پانچ حواس بھی ہیں، جن کی مثال زر خالص کی ہے ان کی خوراک نورِ الٰہی ہے جبکہ حواس ظاہرہ کی غذا مادی ظلمتیں ہیں۔

پنج گوہر دادیم ور درج سر
پنج حس دیگر ہم مستتر
پنج حسے ہست جزایں پنج حس
آن چون زر سرخ و ایں حسہا چون مس
حس ابدان قوت ظلمت می خورد
حس جان از آفت بے می چرد

حس ظاہری موت کے وقت بے کار ہو جائے گی۔ لیکن حس جان ہم دم و دمساز ہوگی۔

روز مرگ ایں حس تو باطل شود
نور جان داری کہ یار دل شود

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حس روحانی امتیاز انسانی ہے:

مولانا کہتے ہیں کہ اگر انسان صرف حواس ظاہری اور حیوانی ہی رکھتا اور حس فوقانی اور روحانی اس میں نہ ہوتی تو اس میں اور حیوان میں کیا فرق ہوتا۔

گر بنو دے حس دیگر مرترا
جز حس حیوان ز بیرون ہوا
پس بنی آدم مکرم کے بدے
کے بحس مشترک محرم شدے

حواس ظاہری سے نکلنے کی راہ:

مولانا حواس ظاہری کے دائرہ سے نکلنے کی راہ بتاتے ہیں کہ لوگ ان پر نرا تکیہ کرنا چھوڑ دیں اور اسے ہی صرف منبع علم اور منتہائے ذرائع یافت نہ سمجھیں۔

پنبۂ آن گوش سرگوش سراست
تا نہ گردو ایں کر آن باطل کر است
بیحس و بیگوش و بے فکرت شوید
تا خطاب ارجعی را بشنوید

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لب ببند و چشم ببند گوش ببند
گر نہ بینی روئے حق بر من بخند

وہ فرماتے ہیں کہ حواس خمسہ کا ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ اس لئے ایک حس کے تاثر سے دوسری حس متاثر ہوتی ہے۔ جیسے پانچوں حواس بیک دیگر پیوستہ اور آپس میں معین و مددگار ہیں۔ اسی طرح اگر ایک حس پر ''غیب'' کی راہ کھل جائے تو سب غیب کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور یہ راستہ عشق وصدق سے کشادہ ہوتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں:

پنج حس بایک دگر پیوستہ اند
زانکہ ہر پنج زِ اصلے رستہ اند
قوت ہر یک قوت باقی شود
مابقی را ہر یکے ساقی شود
دیدن دیدہ فزاید عشق را
عشق اندر دل فزاید صدق را
صدق بیداریٔ ہر حس می شود
حسہا را ذوق مونس میشود
چوں یکے حس در درون بکشاید بند
ما بقی حسہا ہمہ مبدل شوند
چون یکے حس غیر محسوسات دید
گشت غیبے بر ہمہ حسہا پدید

دوسری جگہ کہتے ہیں کہ جس پر راہ غیب کھل جاتی ہے اس پر بقا کے احوال طاری ہو جاتے ہیں۔

ہر حسے راچوں دہی رہ سوئے غیب
نبود آ حس رافتور و مرگ و شیب

مولانا کے نزدیک ''حس ظاہر'' ہی کو سب کچھ سمجھنے والے ''معتزلی'' ہیں اور ''نبوی راہ'' سے کٹے ہوئے ہیں۔

چشم حس را ہست مذہب اعتزال
دیدۂ عقل است سنّی در وصال

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سخرۂ حِس اند اہل اعتزال
خویش را سنی نمایند از ضلال
ہر کہ در حِس ماند معتزلی است
گر چہ گوید سنیم از خامی است
ہر کہ بیرون شد ز حِس سُنّی ویست
اہل بینش اہل عقل خوش پیست

حس ظاہری اور حس باطنی کا دائرۂ افادہ واستفادہ:

حس ظاہری اس دنیا کے فائدے کے لئے ہیں اور حس باطنی آخرت کے فائدے کے لئے ہے۔ دنیوی حس کا علاج طبیب کرتا ہے، لیکن باطنی حس کا علاج پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی آبادی تن پروری سے ہے اور اس کی صحت نفس کشی سے ہے۔

فرماتے ہیں:

حس دنیا نرد بان ایں جہاں
حِس عقبی نرد بان آسماں
صحت ایں حِس بجوئید از طبیب
صحت آں حس بجوئید از حبیب
صحت ایں حس زمعموریٔ تن
صحت آں حِس ز تخریب بدن

عقل جزوی کی کوتاہیاں:

وہ عقل جو حواس ظاہرہ کی معلومات وظاہر کی پابند ہے اسے وہ عقل جزوی قرار دیتے ہیں اور اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

عقل جزوی آفتش وہم ست و ظن
زانکہ در ظلمات شُد او را وطن
عقل جزوی عقل را بدنام کرد
کام دنیا مرد را بے کام کرد
عقل جزوی عقل استخراج نیست
جز پزیراء فن و محتاج نیست

ترجمہ: ''یعنی عقل جزوی کی آفت وہم وگمان ہے اس لئے اس کا وطن ظلماتِ مادہ ہے۔ جزوی عقل نے حقیقی عقل کو بھی بدنام کر دیا۔ دنیا کا بھی اس سے پورا فائدہ نہیں ہوا۔ عقلی فوائد وحقائق کا استخراج بھی نہیں کر سکتی۔ فن کی پذیرائی اور محتاجی کے سوا وہ کچھ بھی نہیں۔''

عقل کل کی رہنمائی:

عقل جزوی کی اس کم مائیگی کی بنا پر وہ اس پر اعتماد کے قائل نہیں، بلکہ عقل کل (جو عطیہ رحمن ہے اور جس کا سرچشمہ جان ہے) کی رہنمائی کی دعوت دیتے ہیں۔

غیر عقل و جان کہ درگاؤ وخر است
آدمی را عقل و جان دیگر است
باز غیر عقل و جان آدمی
ہست جانے در نبی و در ولی !
عقل دیگر بخشش یزداں بود
چشمۂ او در میاں جان بود

عقل جزوی دفتر سیاہ کر دیتی ہے اور عقل کل (یا عقلِ عقل) عالم کو انوارِ الٰہی سے پرنور کر دیتی ہے۔

عقل دفتر ہا کُند یکسر سیاہ
عقلِ عقل آفاق دارد پُر ضیا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

از سیاہی وز سفیدی فارغ است
نور ماہش بر دل و جان بازغ است

عقل جزوی آدمی کو پابند مادہ ومحسوسات ومعقولات کر دیتی ہے اور وہ گھٹیا باتیں کیا کرتی ہے اور عقل کل صاحب دل کو شہسوار علم بنا دیتی ہے۔

بند معقولات آمد فلسفی
شہسوار عقل عقل آمد صفی
فلسفی گوید ز معقولات دون
عقل از دہلیز می ناید بُرُ دن

پیر رومی کے مرید ہندی اقبال نے عصر حاضر کے انسان کے بارے میں کہا تھا:

عشق ناپید وعقل می گزدش صورت مار
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم وپیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کرنہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کرنہ سکا

پیام رومی مادہ پرستوں کو:

پیر رومی کا پیام بھی ہر زمانے کے عقل جزوی کے پرستارو، مادہ پرست فلسفیوں اور سائنسدانوں کو یہی ہے کہ جسم سے جان کی طرف اور مادہ سے انسان وروح کی طرف لوٹو، وہ ان کی حالت زار بیان کر

تے ہیں اور مقصد کی نشان دہی فرماتے ہیں:

صد ہزاراں فضل دارد از علوم
جان خود را می نداند ایں ظلوم
داند او خاصیّت ہر جوہرے
درمیاں جوہرے خود چون خرے
قیمتِ ہر کالۂ دانی کہ چیست
قیمت خود راندنی ز احمقی است
جان جملہ علمہا اینست ایں
کہ بدانی من کیم دریوم دین
اے با عالم ز دانش بے نصیب
حافظ علم است آنکس نے حبیب

دعوتِ حکمت ایمانی:

''عقل جزوی'' اور ''مادہ'' کی راہوں اور علوم سے آگے بڑھ کر وہ ''حکمت ایمانی'' کی دعوت دیتے ہیں:

چند چند از حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں

اس لئے صفائی قلب ونفس کی طرف بلاتے ہیں:

خویش را صاف کن زاوصاف خود
تابہ بینی ذات پاک و صاف خود
بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے مُعید واستاد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وہ کہتے ہیں: ''حکمتِ دنیا'' سے شک وریب بڑھتا ہے۔ اور حکمت دینی آسمانوں سے بلند لے جاتی ہے۔

حکمتے دنیا فزاید ظن و شک
حکمتِ دینی برد فوق فلک

حکمت دنیا کی نارسائی:

چونکہ عقل جزوی اور حکمت دنیاوی اَن دیکھے عالم کی باتیں بغیر ذوق ورسائی کے کرتی ہیں اس لئے 'خرد کا استدلال' حیرت وشک کو پیدا کرتا ہے، افزائش یقین کا ذریعہ نہیں بنتا۔

اندرین بحث از خرد رہ بین بدے
فخر رازی رازدار دین بدے
لیک چوں من لم یذق لم یدر بود
عقل وتخییلات او حیرت قزود
پائے استدلالیاں چوں بیں بود
پائے چوبین سخت بے تمکین بود

ظاہر پرستوں کا انکار غیب اور رومی کا جواب:

ظاہر پرست اور پابند حواس انکار غیب اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں وہ چیزیں محسوس اور دکھائی نہیں دیتیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر ظاہر کا وجود اس کے باطن کی دلیل ہے۔ جیسے دوا ظاہر اور اس کا نفع اس میں پوشیدہ ہے:

حجت منکر ہمی آید کہ من!
غیر ازیں ظاہر نمی بینم وطن
فائدہ ہر ظاہرے خود باطنیست
ہمچو نفع اندر دوا ہا مضمر است

ظاہر کا وجود اس کی باطن کی دلیل ہے:

سب سے بڑا باطن البطون وسر الاسرار وجود باری تعالیٰ ہے۔ جسے عقل 'خود بین' اور اندھے حواس محسوس نہیں کرتے، حالانکہ باری تعالیٰ 'نہاں' ہوکر بھی 'عیاں' ہیں، وہ پوشیدہ نہیں، مگر ہمارے حواس انہیں نہیں پاتے۔ ورنہ بقول اقبال:

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
میری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

فاعلیت حقہ وآثار ربانی سے ثبوت باری تعالیٰ:

مولانا فاعلیت حقہ سے وجود حق کا ثبوت اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ذات حق مخفی اور اس کے آثار پیدا ہیں۔ مناجات کے پیرایہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

یا خفی الذات محسوس العطا
انت کالماء و نحن کالرحا
انت کالریح و نحن کالغبار
تختفی الریح و غبراء جہار
تو بہاری ماچو باغ سبز و خوش
او نہان و آشکارا بخشش
تو چو جانی ما مثال دست و پا
قبض و بسط دست از جان شد اَدا
تو چو عقلی ما مثالِ ایں زباں
ایں زباں از عقل دارد ایں بیان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تو مثال شادی و ماخندہ ایم
کہ نتیجہ شادیٔ فرخندہ ایم
جنبش ماہر دمے خود " اشہد " است
کہ گواہ ذوالجلال سرمد است
گردش سنگ آسیا در اضطراب
اشہد آمد بر وجود جوئے آب
اے برون از دہم و قال وقیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

حاصل مناجات یہ ہے کہ اے اللہ! گو تیری ذات مخفی ہے لیکن تیری عطا کھلی محسوس ہوتی ہے۔ (تیرے آثار پیدا تیرے وجود باوجود پر اسی طرح دلیل قطعی ہیں) جیسے پن چکی کا چلنا پانی پر اور غبار کے وجود پر ہوا کہ ہوا پوشیدہ ہے لیکن غبار ہویدا ہے۔ یا تیری مثال موسم بہار کی ہے، جس کی آمد سے باغ سرسبز وشاداب ہوجاتا ہے، بہار دکھائی نہیں دیتی، لیکن اس کے آثار ہر گل و برگ میں نمایاں ہوتے ہیں۔ یا تیری مثال جان کی اور میری ہاتھ پاؤں کی ہے کہ ہاتھ پاؤں کا کھلنا، بند ہونا (حرکت کرنا) جان کے سبب سے ہی ہے۔ یا تیری مثال عقل وقوت گویائی کی ہے کہ زبان اس کے دم قدم سے گویا ہے۔ یا تیری مثال خوشی کی اور میری مثال ہنسی کی ہے کہ خوشی ومسرت کا نتیجہ ہی ہنسی وخندہ ہے۔ غرض میری ہر گھڑی کی جنبش تیرے وجود کے بارے میں خود' اشھد الّا الہ الا اللہ'' کی گواہی ہے۔ جس طرح پن چکی کا پتھر اپنی حرکت میں نہر کے پانی کی موجودگی پر 'اشہد' پڑھتا ہے یعنی گواہ ہوں: میری جنبش پیہم اللہ جل جلالہٗ کی وجود کی گواہ ہے۔ آخر میں ذات قدس متعال کی تنزیہہ بیان فرماتے ہیں کہ اے وہ ذات جس کی کُنہ میرے وہم وخیال اور قیل وقال سے باہر ہے کہ تو ادراک انسانی سے وراء الوراء ہے (کہ تیری ذات مانی تو جاتی ہے جانی نہیں جاتی) اس لئے تمثیلات بھی اس مقام پر قاصر ہیں، اس لئے ان پر خاک پڑے۔

الحاصل ہر چند کہ ہمارے حواس ظاہرہ کے لئے ذات باری عیاں ونمایاں نہیں لیکن اس کے آثار اتنے روشن ہیں کہ وہ پس پردہ رہ کر بھی ظاہر ہیں۔ "ھو الظاھر و الباطن" ایک قرآنی حقیقت ہے۔ بقول فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ:

جان نہان در جسم او درجان نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جان جان

غرض مولانا منکرین خداوندی کے لئے آثار ربانی سے اس کے وجوہ کے دلائل قائم کرتے ہیں کہ حقائق دینیہ کے ثبوت کا مدار اللہ کے ثبوت پر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اقرار اور اس کی فاعلیت کبریٰ ودائمہ کا یقین واستحضار ہوجائے تو باقی تمام مسائل حل ہوجاتے ہیں۔ اس لئے وہ مثنوی کو ایک جگہ ''دکان وحدت'' قرار دیتے ہیں:

مثنوی من دکان وحدت است
ہر چہ بینی غیر وحدت آں بت است

اور آثار رب کو دلیل رب قرار دیتے ہیں:

خود نما شد آفتابے را دلیل
جز کہ نور آفتاب مستطیل

روح سے غفلت:

اسی طرح انسان جسم میں گم ہوکر 'جان' کو بھول جاتا ہے۔ جیسے کپڑا جسم پر ہونے کے باوجود اپنی بے بصری سے جسم کو نہیں جانتا۔

تن زجان و جان زتن مستو ر نیست
لیک کس راوید جان دستور نیست
زانکہ باجامہ دراں سُو راہ نیست
تن ز جان و جان زتن آگاہ نیست

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جسم پروری، نفس پرستی اور معدہ نوازی نے ہمیں روح اور جان و دل سے نا آشنا اور غافل کر رکھا ہے۔ ہمارا دل 'تنگ و تاریک'، 'کور ذوق' اور خدا سے دور ہے، نہ اس میں نور ربانی ہے نہ کشادِ دل، نہ حل امور۔

خانہ، آن دل کہ ماند بے ضیاء
از شعاع آفتاب کبریا !
تنگ و تاریک است چوں جان جہود
بینوا از ذوق سلطان ودود
نے در آن دل تاب نور آفتاب
نے کُشاد دل و نے فتح باب

تعلیم دل:

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا دل بھی 'دل' ہے حالانکہ جیسے کیچڑ کا پانی کہ مغلوب خاک ہے اور اس میں لت پت ہے اس لئے اسے پانی نہیں کہتے، اس سے وضو نہیں کرتے۔ اس طرح ہمارا دل جو چاہت نفس کے تابع ہے، خاکی جسم کی مرضیات سے مغلوب اور مادیت میں ڈوبا ہوا ہے، دل کہلائے جانے کا مستحق نہیں کہ 'مقام دل' تو عرش سے بھی بلند ہے۔

مولانا کہتے ہیں:

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست
دل فراز عرش باشد نہ بہ پست
در گِل تیرا یقین ہم آب ہست
لیک ازاں آں بت نباید آمدست
زانکہ گر آب است مغلوب گِل است
پس دل خود را مگو کاین ہم دل است

آں دلے کز آسمانہا برتر است
آن دل آبدال یا پیغمبر است

دل کی وسعت کا کیا کہنا، دل کی مثال نہر کی اور 'دنیا' کی 'خم' کی ہے۔ دل شہر ہے اور 'دنیا' حجرہ یا دکان کی صورت۔

چیست اندر خُم کہ اندر نہر نیست
چیست اندر خانہ کہ اندر شہر نیست
ایں جہاں خم است و دل چوں جُوے آب
ایں جہاں حجرہ است و دل شہر عجاب

دل عرش تک ترکتازیاں کرتا ہے اور امن چین کا مسکن ہے، گلشن تن فانی اور چین دل باقی ہے۔

گر کشاید دل سَرِ انبانِ راز
جان بسوئے عرش ساز و ترکتاز
ایمن آباد است دل اے مرد مان
حصن محکم موضع امن و امان
گلشنے کز تن دمد گرد وتباہ
گلشن کز دل دمد و اذحتاہ

سب سے بڑھ کر یہ کہ ہے کہ دل کا خریدار خود ایزد متعال ہے وہ جسم و مال کو نہیں چاہتا۔

صد جو مال زر بیاری اے غنی
حق بگوید دل بیار اے منحنی

دعوت ترکِ معدہ و اختیار دل:

اس لئے مولانا فرماتے ہیں: کہ معدہ اور تن کو چھوڑ دو اور دل کی طرف آؤ۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

معدہ رابگزار سوئے دل خرام
تاکہ بے پردہ ز حق آئید سلام

وہ 'خاکبازی' سے نکلنے اور 'دل سازی' 'دل طلبی' کی دعوت دیتے ہیں۔ خاک و مادہ جوئی انسان کو ذلیل وخوار و برباد و پست کر دیتی ہے۔ اور دل طلبی انسان کو زندہ و پائندہ و تابندہ کر دیتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

این خریداران مفلس را بہل
چہ خریداری کند یک مشت گل
گل مخر گل را مخور گل را مجو!
زانکہ گل خواراست و ایم زرد رو
دل بجو تا دائما باشی جوان
از تجلی چہرہ است چوں ارغوان
طالب دل شو کہ تاباشی چو گل
تاشوی شاداں و خنداں ہمچو گُل

تن پروری زہر قلبی ہے:

انسان تن پروری اور پرورش معدہ کے لئے 'روح' 'دل' کو زہر کھلاتا ہے۔ جیسے کوئی بیماری کی وجہ سے مٹی کھانے کا عادی ہو اور اسے ہی خوراک اصلی سمجھے تو وہ حقیقت میں اپنے مرض کو بڑھاتا ہے، اسی طرح حیوانی خوراک روحانی مرض کو بڑھاتی ہے کہ روحانیت کی غذا 'نور خدا' ہے۔

چوں کسے کو از مرض گل داشت دوست
گرچہ پنداردکہ خود قُوتِ اوست

قوت اصلی را فرامش کردہ است
روئے در قوت مرض آوردہ است
نوش را بگزشتہ وسم خوردہ است
قوت علت، ہمچو چو بش کردہ است
قوت اصلی بشر نور خدا است
قوت حیوانی مرا ورنا سزا ست
لیک از علّت دریں افتاد بدل
کہ خورد او روز شب از آب و گل
آں غذا کے خاصگان دوست است
خوردن او بے گلو و آلت است

غذائے تن وغذائے دل:

اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ معدہ کو 'کاہ و جو' کے کھانے سے روکو اور ریحان وگل، روحانی غذاؤں کا عادی بناؤ کہ 'معدۂ تن' کی غذا 'گھاس پھوس' ہے اور 'معدۂ دل' کی غذا 'ریحان ونور خدا' ہے۔ 'جو' کاہ و جو' کھاتا ہے، فنا ہو جاتا ہے اور جو نور حق کھاتا ہے وہ 'فرقان' و بندۂ خاص بن جاتا ہے۔

خوئے معدہ از گہ و جَو باز کن
خوردن ریحان و گل آغاز کن
معدۂ تن سوئے کہداں میکند
معدہ دل سوئے ریحان میکشد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہر کہ کاہ و جو خورد قربان شود
ہر چہ نور حق خورد فرقان شود

دل کے بنانے کے لئے 'تن شکنی' کی ضرورت ہے۔ جیسے شگوفہ کے گرنے کے بعد پھل آتا ہے۔ ایسی ہی نفسانی تقاضوں کی شکست سے دل بنتا ہے۔

چون شگوفہ ریخت میوہ سرکند
چونکہ تن بشکست جان سر بر کند

تلاش انسان:

انسان سفلی اور معدہ وتن کے تقاضوں میں الجھ کر اپنی انسانیت کو گم کر دیتا ہے اور حیوان بن جاتا ہے۔ مولانا جو 'حیوان نما' انسانوں سے بیزار اور انسان کے متلاشی ہیں، تمثیل کے پیرایہ میں فرماتے ہیں:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام ودد ملولم و انسانم آرزوست
زین ہمرہان مست عناصر ولم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست!
گفتم کہ یافت می نہ شود جستہ ایم ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست

حیوانیت انسانیت کو ختم کر دیتی ہے:

مولانا فرماتے ہیں کہ 'حیوان' کی عزت اس لئے نہیں کہ وہ انسانیت سے عاری ومحروم ہے۔ اگر انسان بھی وحشی گدھا اور حیوان بن جائے تو اس کی کیا عزت رہ سکتی ہے۔

عزت وحشی بدان ساقط شدہ است
کامر انسان را مخالف آمدہ است

پس چہ عزت بشدت اے نادرہ
چون شدی تو "حمر مستنفرہ"

مقام انسانیت:

وہ انسان کا مقام بار بار بتاتے ہیں اور حیوانیت سے نکال کر روحانیت وخلافت اور انسانیت کے مقام ارفع پر اسے پہنچانا چاہتے ہیں۔

تاج کَرَّمنَا ست بر فرق سرت
طوق اَعْطَیْنَاکَ آویز برت
جوہر است انسان وچرخ او را عرض
جملہ فرع و سایہ اندو توغرض
اے غلامت عقل وتدبیر است وہوش
تو چرائی خویش را ارزاں فروش؟
خدمتت بر جملہ ہستی مفترض
جوہرے چوں عجزد ارد بر عرض
"احسن التقویم" در "والتین" خواں
کہ گرامی گوہر است اے دوست جاں
احسن التقویم از فکرت بروں
احسن التقویم از عرشش فزوں
گر بگویم قیمت آن ممتنع!
من بسوزم ہم بسوزد مستمع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یعنی اللہ تعالیٰ نے تاج کرامت وفضیلت کو تیرے سر پر رکھا، عطائے لامتناہی سے تجھے نوازا، تجھے اصل اور جملہ مخلوقات کو فرع قرار دیا، عقل وتدابیر کو تیرا غلام بنایا۔ ہر چیز پر تیری خدمت لازم کردی، تو کیوں اپنے کو اتنا ارزاں بیچ رہا ہے۔ قرآن میں ''احسن التقویم'' کہہ کر تیرے جوہر کی گراں مائیگی کا تذکرہ کیا اور یہ ''بہتر تقویم'' تیرے فکر وقیاس سے بالا اور عرش سے بلند ہے۔ میں تیری قیمت کا کیا بیان کروں۔ اگر کہوں تو میں اور سننے والا تاب نہ لا سکے۔

دوسری جگہ کہتے ہیں:

آدمی چو نور گیرد از خدا
ہست مسجود ملائک زاجتبا

آدمی خلیفہ ربانی، ظل رحمانی، جلوگاہ ذات، حامل صفات ومظہر آیات رب ہے اور اصل ومقصود جہاں ہے۔ یہ جسم میں 'عالم اصغر' اور حقیقت میں 'عالم اکبر' ہے، گو اس کا ظاہر حقیر ہے۔ لیکن اس کا باطن محیط بے کراں ہے۔ ذرہ میں خورشید پنہاں، پوستین میں شیر نر پوشیدہ ہے۔

آدم اصطرلاب اوصاف علو است
وصف آدم مظہر آیات اوست
ہر چہ در وے می نمایند عکس اوست
ہمچو عکس ماہ اندر آب جواست
خلق راچوں آب داں صاف و زلال
واندرو تاباں صفات ذُوالجلال
علم شان وعدل شان ولطف شان
چوں ستارہ چرخ در آبِ رواں

بس بصورت آدمی فرع جہاں
در صفت اصل جہاں ایں رابدان
ظاہرش را پشۂ آرد بچرخ
باطنش باشد محیط ہفت چرخ
پس بصورت 'عالم اصغر' توئی
پس بمعنی 'عالم اکبر' توئی
ظاہراً آں شاخ اصل میوہ است
باطناً بہر ثمرشد شاخ رست
اینت خورشید نہاں در ذرہ
شیر نر در پوستین برّہ

اس طرح رومی انسان کی خودی کو جھنجھوڑتے ہیں اور اسے خود شناسی اور انسانیت کا سبق دیتے ہیں اور اسے حیوانیت کی پست اور تباہ کن راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

کہاں تک رومی کے بحر ذخار سے عصر حاضر کے لئے اصلاحی پیام کے موتی نکالے جائیں۔ ہم نے موجودہ دور کی حواس کی غلامی، محدود عقل پرستی، مادیت، معدہ پروری، تن نوازی، خدا فراموشی، انسانیت سوزی، حیوانیت نوازی وغیرہ کے بارے میں مولانا کے کلام سے چند چیزیں پیش کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مولانا انسانیت کی کھوئی ہوئی عظمت اسے دلانا چاہتے ہیں۔ اسے حیوانیت سے انسانیت، معدہ سے دل، تن سے جان، مادیت سے روحانیت، خدا فراموشی سے معرفت الٰہی کی طرف لانا چاہتے ہیں۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کی موجودہ جملہ امراض کا خلاصہ دو باتوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ خدا ناشناسی، خود فراموشی۔ ہم نے خدا کو جانا نہیں، اس لیے اشیاء کو مقصود بنایا۔ اپنا مقام نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے، اس لئے ہم اعلیٰ سے اسفل بن گئے، خدا شناسی وخود شناسی لازم وملزوم ہیں،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس لئے اگر انسان اپنے مقام کو پانا چاہتا ہے اور اپنے جملہ مسائل کا حل چاہتا ہے تو اسے 'خدا آشنا' بننا پڑے گا۔ بقول رومیؔ:

تا نخوانی لا و الا اللہ را
درنیابی منہج ایں راہ را

ہماری تمام سرگردانی و گمراہی کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خدا کو گم کر دیا ہے کہ ہم اپنے باطن و روح سے بیگانہ ہو گئے ہیں، تن و معدہ نے ہمیں دل سے غافل کر دیا۔ مادہ کی طلب و جستجو سے ہم روح کی ضرورتوں سے بے نیاز ہو گئے، اس غلط بے نیازی نے ہمیں ہر غیر کا نیاز مند بنانے کے باوجود ہماری پریشانیوں کو دور نہیں کیا۔ ہمارے دل اور روحیں ویرانہ ہو گئیں، لیکن ہمارے ظاہری کاشانے بھی آباد نہ ہو سکے۔ جب انسان بنیادی غلطی کر بیٹھتا ہے تو تمام نتائج غلط مرتب ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنی اصل احتیاج کو پہچانا نہیں کہ اصلاً ہم روح ہے۔ جسم مَرْکَب ہے۔

مرکب (سواری) کا جلوہ و سامان تو کائنات ہے، لیکن راکب روح کی منزل لامکان اور اس کا مطلوب و مقصود ذات الٰہی ہے۔ روح ازل سے مشتاق رب ہے۔ اس کا سکون و چین اسی سے ہیں اور دارین میں اس کی بقا و ترقی، صلاح و فلاح کی تمام صورتیں اسی ذات متعال سے قائم ہیں۔ ہماری روحوں کو جب وجود بخشا گیا تو عالم ارواح میں ہم پر تجلّی ربّانی ہوئی اور پوچھا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُم'' ہم سب نے والہ و شیدا ہو کر 'ربوبیت ربانیہ' کا اقرار کیا۔ اور پکار اٹھے: 'بلیٰ'۔ اس عالم میں ظاہری و باطنی پرورش کا نظام فطرتاً اس کی شہادت کا طالب اور وہاں کا 'بلیٰ' یہاں کے قلبی و قولی اور عملی "اَشْھَدُ" کا متلاشی اور خواہاں ہے؟ اور جب تک ہم اپنی پرورش ظاہری و باطنی کو رب سے نہیں جانتے اور اس کا ہر آن اقرار ہر رُخ سے نہیں کرتے۔ ہماری جان ناصبور، ہمارا دل بیقرار، ہماری روح پریشان رہے گی کہ ہم عاشق الٰہی اور مست حق ہیں۔ تجلی ازل نے ہمیں اس کا دیوانہ بنا دیا ہے۔

جرعۂ خون ریخت ساقئ الست
بر سر ایں خاک شد ہر ذرہ مست

روح انسانی عشق الٰہی میں بزبان حال پکارتی ہے:

گرچہ من قلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم
غیر آں زنجیر زلف دلبرم
گردو صد زنجیر آری بر درم
عاشقم من بر فن ایں دیوانگی
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی
باز دیوانہ شدم من اے طبیب
باز سودائی شدم من اے حبیب

روح کے لئے جائے قرار خلوت گاہ حق ہے۔

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست
جز خلوت گاہ حق آرام نیست

روح کی بے قراری کا سبب اور اس کا علاج:

روح کی ناصبوری قلب کی بے تابی اور باطن کی بے قراری کا اصل سبب فراق محبوبِ حقیقی ہے۔ مثنوی معنوی کا موضوع اس فراق کا بیان و اظہار اور اس کا علاج ہے۔ 'فاتحہ مثنوی' کے اشعار جو قرآن پہلوی کا 'مغز و فاتحہ' ہیں۔ اس میں اسی حقیقت کو کھولا گیا ہے۔ روح انسانی پکارتی ہے کہ جب مجھے عالم ارواح سے 'جہاں رب کی جلوہ سامانیوں سے شاد کام تھی' جدا کیا گیا۔ میں سوز و فراق میں نالہ کناں ہوں۔ اگر میں اپنا حال زار بیان کروں تو خود میرا سینہ پارہ پارہ ہو جائے اور یہ حقیقت ہے کہ ہر چیز جو اصل سے جدا ہو جاتی ہے اس کی طرف واپسی چاہتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بشنو از ے چوں حکایت می کند
و ز جدا یہا شکایت می کند
کز نیستان تا مرا ببر یدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق!
ہر کسے کو دور ما ند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

دورحاضر کی اصل بنیادی بیماری:

مثنوی کی پہلی حکایت 'کنیزک' کی ہے، اس میں بھی کنیزک کی مثل سے یہ بتایا گیا ہے کہ اصل مرض 'رنجوری دل' تھا۔ عطائی طبیبوں نے اس کی بیماری نہ سمجھی اور اسے مزید رنج میں مبتلا کر دیا۔ طبیب حاذق نے شروع میں جان لیا کہ دوسروں کی تشخیص غلط ہے، اصل علاج عشق کا چاہیے اور وہ وصل محبوب ہے۔ اور ان کی تشخیص وصحیح علاج نے کنیزک کو روبہ صحت کر دیا۔ اسی طرح آج کا انسان جن بیماریوں میں مبتلا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے مقصود اصلی اور محبوب حقیقی کو گم کر چکا۔ اس کا مقصد 'نفس ومعدہ' اور 'جسم و پوست' ہے۔ وہ ان کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے مادہ اور اشیاء کی طلب میں ہے اور روح جو اصل وجان ہے اور جس کے تابع 'نفس ومعدہ' ہے، اسے اس کی چاہت وشوق وغذا کی پروا نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ روح وجان کے بگاڑ سے جسم بگڑا اور اس کے اعمال بگڑے، انسان نے اپنے کو حیوان سمجھ کر عالم کو بگاڑا۔ بقول شخصے: ''وہ پرندوں کی طرح ہواؤں میں اڑا، مچھلیوں کی طرح سمندر میں تیرا، چاند پر پہنچا، سورج کی شعاعوں کو اپنایا لیکن اپنی ظلمت شب کو پرنور نہ بنا سکا۔''

عشق الٰہی سے علاج مرض:

رومی کے نزدیک ان سب باتوں کا مختصر اور جامع علاج یہ ہے کہ 'انسان' پھر سے اپنی کھوئی ہوئی متاع عشق کو اپنائے اور اس راہ سے اپنے معشوق کو پائے۔ 'یافت ربانی' مخلوقات الٰہی کو اس کے قدموں میں ڈال دے گی، یہ راستہ آسان ہے، لیکن ہمت وارادہ شرط ہے۔ عقل سے یہ راہ طے نہیں ہوگی، بلکہ عشق تمام علتوں کا مداوا اور مصیبتوں کا علاج بن جائے گا۔ فرماتے ہیں:

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

عشق ربانی جب دل کو تابانی بخشتا ہے۔ اللہ جل جلالہٗ کے سوا ہر چیز رخصت ہو جاتی ہے۔ توحید تام اور وحدت حقیقی نصیب ہو جاتی ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت
تیغ لادر قتل غیر حق براند
درنگر زاں پس کہ بعد از لا چہ ماند
ماند "الا اللّٰہ" باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

اس لئے مولانا عشق الٰہی کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں
عشق ہائے اولین و آخریں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قصۂ عشقش ندارد مطلعہ
ہم ندارد ہمچو مطلع مقطعہ

عشق الٰہی کی قوت کا کیا کہنا سمندروں کو ابال میں لے آئے، پہاڑوں کو ریت کردے، آسمان میں شگاف ڈال دے، زمین میں لرزہ پیدا کردے۔

عشق جوشد بحر را مانند دیگ
عشق سایدکوہ راما نند دیگ
عشق پشگافد فلک را صد شگاف
عشق لرز اند زمین را از گزاف

عشق الٰہی لازم اور عشق مخلوق ممنوع ہے:

مولانا خالق وصانع کا عاشق بنانا چاہتے ہیں اور مخلوقات اور مصنوعات کی محبت سے روکتے ہیں کہ اللہ کی صفت صنع کاری کا عاشق قابل قدر ہے لیکن عاشق مصنوع کفر ظاہر میں مبتلا ہے اور اس فرق کو ہر سلیم الطبع پہچان سکتا ہے۔

عاشق صنع خدا با فر بود
عاشق مصنوع او کافر بود
درمیاں ایں دو فرقے بس خفی است
خود شناسد آنکہ در رویت صفی است

فانی کی محبت تنگ ہے، عشق حیّ وقیوم سے چاہیے، یہی انبیاء کی راہ صفا کا طریقہ اور دل کی تازگی و جاودانی کا راستہ ہے۔

عشق ہائے کز پئے رنگے بود
عشق نبود عاقبت ننگے بود

عشق بر مردہ نباشد پائدار
عشق را بر جان افزائے دار
عشق آں زندہ گزیں کہ باقیست
و ز شراب جانفزیت ساقیست
عشق زندہ درروان ودر بصر
ہر دمے باشد نوغنچہ تازہ تر
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء
یا فتند از عشق او کار و کیا

اعجاز عشق:

یہ عشق انسان کو افلاک سے بالا کر دیتا ہے۔ یہ خاکی جسم خاک کے حکم میں نہیں رہتا۔ بلکہ عشق کی نورانیت اسے نورانی اور واقف رمز پنہاں بنا دیتی ہے۔ عشق پہاڑ کو مست اور موسیٰ علیہ السلام کو بیہوش کر دیتا ہے۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شُد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست ”وَ خَرَّ مُوسیٰ صَاعقاً“

اس لئے فرماتے ہیں:

ملک دنیا تن پرستان راحلال
ما غلام ملک عشق بے زوال

عشق میراث آدم وزیرکی میراث شیطان ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مولانا کہتے ہیں کہ عشق میراث آدم اور زیر کی ابلیس کا ورثہ ہے۔

داند آن کو نیک بختِ محرم است
زیرکی زابلیس و عشق از آدم است

اس عشق گرہ کشا کی دعوت کوتاہ ہمتوں کو دیتے ہیں کہ یوں نہ کہو کہ خدا تک پہنچ ممکن نہیں۔ وہ ہر دل کا خریدار ہے۔

ہیچ قلبے پیش او مردود نیست
زانکہ قصدش از خریدن سود نیست
تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
باکریاں کار ہا دشوار نیست

کس کے در پر بیٹھ جاؤ! کبھی تو مقابل ہو ہی جائے گا۔

گز نشینی بر سر کوئے کے
عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

عشق و محبت وہ نوشدارو کیمیا ہے جو ہر مشکل کی دوا اور ہر مشکل کا علاج ہے۔ مولانا نے محبت کے بارے میں خوب کہا ہے:

از محبت تلخہا شیریں شود
وز محبت مسہا زریں شود
از محبت دردہا صافی شود
وز محبت دَردہا شافی شود
از محبت خارہا گل می شود
وز محبت سرکہ مُل می شود

از محبت دار تختے می شود
وز محبت بار بختے می شود
از محبت سجن گلشن می شود
بے محبت روضہ گلخن می شود
از محبت نار نورے می شود
از محبت دیو حورے می شود
از محبت حزن شادی می شود
وز محبت غول ہادی می شود
از محبت نوش نیشے می شود
وز محبت شیر موشے می شود
از محبت سقم صحت می شود
وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت مردہ زندہ می شود
وز محبت شاہ بندہ می شود

یہ محبت عشاق الٰہی کے سینہ کا نور ہے۔ اگر یہ نور ربانی اپنا نا چاہتے ہو تو ان کی صحبت اختیار کرو۔ بقول جگر مرحوم جو ان کے سینوں میں ہے، تمہارے اندر آجائے گا۔

جو آگ کی تاثیر وہی عشق کی تاثیر
ایک خانہ بہ خانہ ہے ایک سینہ بہ سینہ

رومی فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صاحب دل جو اگر بیجاں نہٗ
جنس جاں شوگر ضد سلطان نہٗ

کہ صاحب دل کی صحبت اختیار کرو، اگر رمق جان موجود ہے اور جان والوں میں آجاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ کے خلاف نہیں ہو۔ صاحب دل کی صحبت دل والے تک پہنچادیتی ہے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
گو نشیند در حضور اولیاء
چوں شوی دوراز حضور اولیاء
در حقیقت گشتہٗ دور از خدا

نتیجہ حب الٰہی للّٰہیت ہے:

جب محبت حق آئی گی تو اللہ تعالیٰ کو بھلا نہیں سکو گے اور مجنون کی طرح ہر آن اس سے یا اس کے نام سے تسلی پاتے رہو گے۔ مولانا نے مجنون کا قصہ لکھا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا کہ انگلی سے ریت پر مسلسل لکھ رہا تھا۔ پوچھا کیا کر رہے ہو؟

گفت مشق نام لیلیٰ میکنم
خاطر خود را تسلی می دہم

جس طرح زبان نام حق میں مشغول اور دل یاد الٰہی میں شاغل ہوگا۔ آپ کے جوارح واعضاء بھی اس کی مرضیات کے تابع ہو کر اس کے ہو جائیں گے۔ جب آپ اس کے ہو جائیں گے تو وہ آپ کا ہو جائے گا اور جس کا رب ہو گیا، اس کا سب ہو گیا۔

اس لئے بقول اکبر مرحوم:

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گئے

جو خدا کا ہوا مخلوق اس کی ہوئی:

جب انسان اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بن جاتے ہیں، ان کی مخلوق اس کی ہو جاتی ہے، علوم کائنات کی راہیں اس پر کھل جاتی ہیں کہ جو حقائق آشنا ہوگا، اس کے لئے کائنات کے بھید و خواص معلوم کرنا گراں نہ ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں:

آنکہ واقف گشت بر اسرار اد
سر مخلوقات چہ بود پیش اد
آنکہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمین رفتن چہ دشوارش بود

خلاصہ پیام رومی:

پس پیام رومی کا خلاصہ یہ ہے کہ پابند حواس عقل کی تنگ ناؤں سے نکلو۔ عشق الٰہی کے بحر ناپیدا کنار کے شناور بنو۔ معدہ و مادہ کو اپنا مقصد نہ بناؤ۔ بلکہ 'دل وروح' کو زندہ و روشن کرو۔ صرف زمین و آسمان اور ان کی اشیاء تمہارا میدان تگ وتاز نہیں۔ تمہاری جولانگاہ سدرہ وعرش سے بھی آگے ہے۔

بزیر کنگرۂ کبریایش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار ویزداں گیر

رومی عمل کا پیغام دیتے ہیں، مصاف زندگی کا بہادر سپاہی بنانا چاہتے ہیں، غار وکوہ کی عزلت نشینی و رہبانیت کو وہ 'مسیحیت' اور 'جنگ وشکوہ' کو اپنے 'دین' کی مصلحت قرار دیتے ہیں۔

مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ
مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ

وہ کسب واستحصال دنیا سے نہیں روکتے، حب دنیا سے منع کرتے ہیں، ان کے نزدیک اشیاء وفرزند و زن دنیا نہیں، بلکہ خدا سے غفلت دنیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقره و فرزند و زن

ان کے نزدیک دنیا دین کی کشتی کے لئے بمنزلہ پانی ہے، جس کا وجود کشتی رانی کے لئے ضروری ہے۔ لیکن اس کا کشتی کے اندر آنا ہلاکت ہے۔ گویا حب دنیا حرام اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کسب واستعمال دنیا جائز ولابدی ہے۔

آب زیر کشتی او راپشتی است
آب اندر کشتی ہلاک کشتی است

ہماری دنیاوی چاہتوں اور خواہشوں کو حمام کی انگھیٹی سے تشبیہ دیتے ہیں جس سے حمام روشن وگرم ہوتا ہے، اسی طرح انسان کی 'شہوات دنیا' تقویٰ کے حمام کے لئے انگھیٹی کی مثل ہے۔ یہ چاہتیں نہ ہوتیں تو حدود الٰہی کی پابندیاں کیسے انسان کو تقویٰ کی دولت سے نوازتیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است
کز وحمام تقویٰ روشن است

ان کا پیام ترک دنیا وعزلت نشینی کا نہیں بلکہ تسخیر کائنات کے ساتھ بلکہ اس سے بھی پہلے تسخیر نفس و بیداری قلب اور ربانیت وللّٰہیت کا ہے کہ خدا کی رضا ومعیت کی دولت کو لے کر مخلوق الٰہی کے لئے سراپا رحمت وعدل بن کر خلیفۂ الٰہی کی حیثیت سے زندگی گزارو۔ 'دل' خدا میں شاغل، روح اس کے انور سے روشن، زبان اس کے ذکر سے تو اعضاء اس کے احکام کی اطاعت سے پرنور وگرانبار ہوں اور مخلوق کے ساتھ رابطہ 'دست الٰہی' بن کر عطاء وخدمت کا ہو۔

رویَدُ اللّٰہ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ باش
ہمچو دست حق گزانہ رزق بش

حاصل پیام یہ ہے:

زندگی بے دوست جان فرسودن است
مرگ حاضر غائب از حق بودن است
عمر و مرگ این ہر دو با حق خوش بود
بے خدا آب حیات آتش بود

وآخر دعوانا الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

❀❀❀

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱۱)

خودی وقرآن

الحمدلله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین وعلیٰ آله و أصحابه إلیٰ یوم الدین و بعد!قال الله عزوجل أنتم الاعلون إن کنتم مؤمنین۔ اللهم صل وسلم و بارك علیٰ سیدنا و مولانا محمد واٰله وأصحابه إنك حمید مجید۔

سب سے پہلے جناب محترم حکیم محمد سعید صاحب اور ''شام ہمدرد'' کے قابل احترام کارپردازوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس ہیچمیرز کو آپ نے اس مؤقر بزم اور اس عالی عنوان پر بولنے کے قابل سمجھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے اور یہ ''شام ہمدرد'' اپنی انوار سے صبح تجلی کا منظر پیش کرتا رہے۔

ہم صفیرو!

اوروں کا پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے
طائر زیر دام کے نالے تو سن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالہ طائرِ بام اور ہے
آتی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات ہے سکون
کہتا تھا مورِ ناتواں لطف خرام اور ہے

جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے

موضوع پر بات کرنے سے پیشتر چند مبادیات عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:

1۔ قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے وہ کسی کے کلام کا تابع یا ترجمان نہیں ہوسکتا۔ یہ کس کی خوش نصیبی ہوگی کہ اس کا کلام قرآن کا ترجمان اور قرآنی حقائق کا بیان ہوجائے۔ کسی کے کلام کی خوبی و کمال اور حسن و جمال اسی قدر ہوگا، جس قدر وہ کلام ربانی کو اپنے میں سمو سکا اور اس کا پیام آسان بن سکا۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم اپنے موضوع پر ان شاءاللہ گفتگو کریں گے۔

2۔ خودی کیا ہے؟ اقبال نے اسے اپنا نصب العین کیوں اور کن حالات میں بنایا اور قرآنی تعلیمات سے اقبال کا ''نظریہ خودی'' کس قدر ہم آہنگ ومطابق ہے۔

مشرقی ادب خصوصاً فارسی و اردو کے صوفیانہ شاعری کی شد بد رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ اقبال سے پیشتر ''خودی'' کا لفظ غرور نفس، تکبر اور رعونت اور انانیتِ مذمومہ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ اقبال نے اسے نئے معنی دیے اور اس لفظ ''خودی'' کو وہ آفاقیت و وسعت بخشی کہ اس کو ذرہ سے صحرا اور اس قطرہ کو بحر بے کنار بنا دیا۔

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں
تو آب جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

اقبال کے نزدیک خودی کسی ایک صفت یا حال ومقام کا نام نہیں بلکہ ان کی اصطلاح خودی اپنے اندر سمندر لیے ہوئے ہے۔

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اندھیرے اجالے میں ہے تابناک
من و تو میں پیدا من تو سے پاک
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز پس و پیش سے
حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ

اقبال کے نزدیک خودی ایک حقیقت ثابتہ اور ایک مستقل ضابطہ حیات ہے، جو طے شدہ نوامیس و قوانین زندگی سے عبارت ہے۔ جس کا تانا بانا بناءِ وجود، نشوونما وارتقا، مؤمنانہ عقائد ویقین، اخلاق و صفات، مزایا وکمالات، اسلامی علوم واقدار، دینی تعلیمات وافکار اور قرآنی احکام وہدایات پر مبنی ہے، گویا 'خودی' خود ایک مستقل دستور حیات، لائحہ عمل اور طے شدہ منہج اخلاق اور طرز ماندوبود ہے۔

''خودی'' کی اس معنوی وسعت کو سمجھنے کے لیے انگریزی، عربی اور پشتو میں مستعمل ایک ایک لفظ کی مثال دینا چاہتا ہوں۔ انگریزی میں ایک لفظ Virtue کے عام معنی (ورچو) ہے۔ ور Vir لیٹن (لاطینی) میں مرد کو کہتے ہیں۔ Virtue کے عام معنی ان مردانہ وشریفانہ صفات وفضائل کے ہیں جو مردانگی کا نشان وآبرو ہیں۔ اس ایک لفظ کی معنوی وسعت میں جملہ کمالات وفضائل آجاتے ہیں۔

اسی طرح عربی میں ایک لفظ 'المروۃ' ہے۔ جو ''المرء'' سے مشتق ہے۔ ''المرء'' عربی میں مرد کو کہتے ہیں۔ دور جاہلیت اور اسلام میں بھی ''المروۃ'' ان تمام شریفانہ و پاکیزہ خصائل وصفات کے مجموعہ کا نام تھا جو ایک ''مرد'' کو زیب دیتی ہیں۔ پشتو میں ''پختو'' اس معنی میں ان تمام عمدہ اور پاکیزہ صفات کا نام ہے جو پٹھان قوم کا طرہ امتیاز وکمال ہے۔ جس طرح انگریزی کا ''Virtue'' عربی کا ''المروۃ'' اور پشتو کا ''پختو'' کے ایک ایک لفظ میں معانی کی ایک دنیا پنہاں ہے، اقبال کا لفظ خودی بھی اپنے اندر مقاصد و

مطالب، حقائق ومعانی، اقدار وافکار، علوم وہدایات، مبانی وغایات کے عالم اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔ جن کا مبنیٰ ومحور اسلام اور اس کی ہدایات، پیغمبر اسلام اور ان کی تعلیمات ہیں۔ اقبال نے گو مشرق و مغرب کے علوم سے استفادہ کیا لیکن اصلاً وہ اسلام ہی کا پیام رساں اور مسلمانوں کا حدی خواں رہا اور اس کی زندگی کے شب وروز اس امت کے دردوفکر میں خاصان امت کے طور پر گزرے۔

اس کشمکش میں گزری میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

اسلام کا یہ منادی دنیا کو اسلام کی دعوت دیتے دیتے اللہ کو پیارا ہوا۔ تپیدم آفریدم آرمیدم

اقبال کی پیدائش ایک دین دار گھرانے میں ہوئی تھی، ان کے والد ایک صوفی منش بزرگ اور خانوادہ قادریہ کے شیخ تھے۔ اقبال خود سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے، شب خیزی ان کا معمول تھا۔ 1915ء سے ان کی تہجد گزاری معلوم ہے۔ قرآن پاک کا سوز وگداز اور رقت کے ساتھ پڑھنا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور ان کے سینے میں ایک رقیق اور اثر پذیر دل تھا۔ اسلام کی ہر چیز انہیں عزیز تھی۔ فقیر کا خیال ہے کہ اقبال کے ''جذبۂ شاعرانہ'' کے لئے اسلام اور اس کے متعلقات کا جزو وکل محرک ومہمیز تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت وعشق مرادِ زندگی بن چکا تھا۔ اس مفہوم میں کیا رباعی کہی ہے:

بیا اے ہم نشین باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شان جمالیم
دو حرفے از مراد دل بگویم
بپائے خواجہ چشمان را بنالیم

اقبال کی شاعری کا نشوونما جن ظروف واحوال اور جس زمانے میں ہوا وہ اسلام اور مسلمانان عالم پر انتہائی ابتلا وآزمائش کا دور تھا۔

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یورپ کا استعمار اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ ہر جگہ مسلمانوں کے ممالک پر چھا رہا تھا۔ ایک طرف وہ ممالک جو مسلمانوں کے زیر نگین تھے، ایک ایک کر کے یورپی استعمار اور جوع الارض کے شکار ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس صدی کا سب سے بڑا حادثہ سقوطِ استنبول اور الغائے خلافت کی صورت میں پیش آیا۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

دوسری بڑی مصیبت یورپ کا ذہنی استیلا وغلبہ تھا، جس نے جدید نسل کو مرعوب اور شکستہ کر کے رکھ دیا تھا۔

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب ، رنگ
خواجگی نے خوب خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مرا نادان، خیالی دیوتاؤں کے لئے
سکر کی لذت میں لٹوا گیا نقد حیات

ملی اعتبار سے ''نظریہ وطنیت'' نے جس کے سب سے بڑے مناد بلنٹ صاحب تھے، نے مسلمانوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، بقول اقبال:

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

شخصی اعتبار سے مغرب کی تعلیم پا کر نژاد تو مغرب ہی کو اپنا مرجع، مقتدا اور زندگی کی کامیابی کا منتہا سمجھ رہی ہے۔ جس پر اقبال کا دل خون کے آنسوان الفاظ میں روتا ہے:

علم غیر آموختی اندوختی
روئے خویش از غازہ اش افروختی
ارجمندی از شعارش می بری
من ندانم تو توئی یا دیگری

عقل تو زنجیری افکار غیر
در گلوئے تو نفس از تار غیر
بر زبانت گفتگو ہا مستعار
در دل تو آرزو ہا مستعار
قمریانت را نوا ہا خو استہ
سروہانت راقبا ہاخواستہ
بادہ می گیری بجام از دیگران
جام ہم گیری بوام از دیگران

مسلمانوں کے زوال پر بہت کچھ کہا۔ وقت کی کمی کی وجہ سے صرف چار شعر نقل کرتا ہوں:

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور
جہاں رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے رہے
وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر اُن کے مٹ گئے، آبادیاں بَن ہو گئیں

ان حالات میں اقبال کا دردمند دل متأثر ہوا۔ اسے قرآن کے شغف نے قلب بینا، چشم گریاں اور سینہ بریاں عطا کیا تھا۔ رومی کی مثنوی سے اس پر حقائق اسلامیہ کا انکشاف ہوا اور اسے مسلمانوں کے جملہ انفرادی اور اجتماعی امراض اور زبوں حالی کا علاج قرآن اور تعلیمات مصطفوی ﷺ میں نظر آیا:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی
متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کا فسادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

اور اس نے تعلیمات کا تفصیلی چربہ، اسرار خودی اور رموز بے خودی میں پیش کیا اور خودی کی وہ اصطلاح ملت کو دی جو امت کے انفرادی اور اجتماعی تشخص کی کلید اور ان کی دینی بازیابی اور دنیوی کامیابی کی چابی ہے۔

اقبال کا قرآن کریم سے والہانہ تعلق تھا۔ ان کے والد صاحب نے انہیں ایک عمل بتایا تھا کہ جب قرآن شریف پڑھیں تو یوں سمجھیں گویا قرآن یعنی اس کے انوار آپ کے قلب پر اتر رہے ہیں۔ اس کا اشارہ انہوں نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن ہی ان کا مسلک تھا۔ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

''مسلک میرا وہی ہے جو قرآن کا ہے۔ ایک تبلیغی ادارہ قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کی رہنمائی کے لئے ایسا معلم چاہتے ہیں، جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارت نامہ رکھتا ہو اور نیز انقلابِ دور حاضر سے بھی واقف ہو تا کہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح سے واقف کرے۔ یہ شخص علوم شرعیہ اور تمدن اسلامی میں ماہر ہو۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''میں مسلمان ہوں اور ان شاء اللہ مسلمان مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہوں، مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا۔ (ص:319)

اقبال کی زندگی مؤمنانہ نہیں لیکن اس کا دل مؤمن ہے۔ (اقبال نامہ، ص:252)

اسرار خودی میں اقبال نے خودی کے بارے میں اپنے بنیادی نظریات کو پیش کیا ہے، اس کے بارے میں ڈاکٹر نکلسن (جنہوں نے اسرار خودی کا ترجمہ کیا تھا) لکھتے ہیں:

''میرا دعویٰ ہے کہ اسرار کا فلسفہ مسلمان صوفیا اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے اور تو اور وقت کے متعلق برگسان کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں۔ قرآن (نری) الہیات کی کتاب نہیں بلکہ اس میں انسان کے معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ پوری قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا تعلق الہیات کے ہی مسائل سے ہے۔ عہد جدید کا ایک مسلمان اہل علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے۔ جن کا مبدا اور سرچشمہ قرآن مجید ہے، تو اس یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔''

بندہ کا مقصود ان اقتباسات سے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اقبال کے افکار کا اصل ماخذ قرآن کریم اور تعلیمات اسلامی ہیں۔

خودی کے بارے میں ایک خط میں ارقام فرماتے ہیں:

''دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے، نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا، بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود معین کرتا ہے۔ ان حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاح اسلام میں شریعت یا قانون الٰہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو خواہ ہٹلر کی۔ دین الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔ مسولینی نے حبشہ کو محض ''جوع الارض'' کی تسکین کے لیے پامال کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں اور دوسری صورت میں قانون الٰہی اور اخلاق کی پابند ہے۔ بہرحال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکام الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے۔ زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے ان کا نام بقا رکھا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقبال کی خودی کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجائے کہ ''خودی'' پابند احکام الٰہی اور ظاہراً و باطناً تابع شریعت ہے۔جس میں امیال وعواطف تک کا مقصود رضائے الٰہی ہوجاتی ہے۔گویا اقبال کا نظریہ خودی ربانیت ہے۔وہ رہبانیت کا قائل نہیں، بلکہ قرآن کے الفاظ میں اس کا تصورِ ''خودی'' برملا پکار رہا ہے:

﴿كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ﴾ (ال عمران،3:79)

''ترجمہ:تم لوگ اللہ والے بن جاؤ۔''

گویا اقبال اس قرآنی دعوت کا داعی ہے جو مسلمان کو پھر سے قرنِ اول والا مؤمن بنا دے جو نفسانیت کے پیچاک سے نکل کر ربانیین کی صفات کا حامل بن جائے۔

اقبال نے اسرار خودی میں خودی کے مختلف مظاہر پر روشنی ڈالی ہے، حیات خودی با مقصد زندگی کو قرار دیا ہے اور مقصد بھی ایسا بلند کہ

مقصد مے مثل سحر تابندہ
ما سوئ را آتش سوزندہ
مقصد مے از آسمان بالا ترے
دل ربائے دلستانے دلبرے
باطل دیرینہ را غارت گرے
فتنہ در جیبے سراپا محشرے

امت مسلمہ ایک با مقصد امت ہے۔جس کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾. (ال عمران،3:110)

ترجمہ:ہو تم بہتر امت جو نکالی گئی ہے واسطے لوگوں کے، حکم کرتے ہو ساتھ بھلائی کے اور منع کرتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو ساتھ اللہ کے۔

اس سے برتر و بالا کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ یہ امت تمام انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ کی

حیثیت سے نیکی کو پھیلانے والی اور برائی سے روکنے والی ہو۔جو اس عالم میں نقش حق کی مرتسم کرنی والی، جملہ امم کی نگراں ونگہباں، شاہد علی الناس اور آخرت میں بھی جملہ اقوام پر حق کی گواہی دینے والی ہو۔

قرآن کریم کہتا ہے:

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾.

(الحج،22:78)

ترجمہ:(ابراہیم علیہ السلام نے) تمہارے نام مسلمان رکھا قرآن کے نزول سے پہلے ہی اور اس قرآن میں بھی، تاکہ تمہارے قابل شہادت اور معتبر ہونے پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہ ہو اور ہو تم گواہ اوروں پر لوگوں کے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾.(البقرۃ:2:147)

ترجمہ:اور اس طرح کیا ہم نے تم کو ایک نہایت اعتدال والی امت، تاکہ ہو تم گواہ اوروں پر لوگوں کے اور ہو وہ پیغمبر اوروں پر تمہارے گواہ۔

اقبال اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برھان
قدرت کے مقاصد کے عیاں اس سے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

ان اعلیٰ و بلند مقاصد والی امت کا کاروبار عشق سے فروغ پاتا ہے۔محبت حق اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طائر قدس کے دو پر ہیں۔اس بنا پر اس امت کا مرکز نبی انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے، جن کا ٹھکانہ ہر مسلم کا دل ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما زنام مصطفیٰ است
ہستی مسلم تجلی گاہ او
طورہا بالا زگردِ راہ او

﴿اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ﴾.

(الاحزاب33:6)

ترجمہ: نبی مؤمنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

﴿فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَ عَزَّرُوۡہُ وَ نَصَرُوۡہُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾(الاعراف7:157)

ترجمہ: سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ایسے لوگ پورے فلاح پانے والے ہیں۔

عاشقی محکم شو از تقلید یار
تا کمند تو شود یزداں شکار
شکوہ سنج سختی آئین مشو
از حدود مصطفیٰ بیروں مرو

اقبال نے تربیت خودی کے تین مراحل بیان کیے ہیں: (۱) اطاعت (۲) ضبط نفس (۳) نیابت الٰہی۔ قرآن کریم ان تینوں مراحل کے احکام سے پرشور ہے۔ جہاں تک اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کا تعلق ہے، قرآن کریم کا ایک ایک صفحہ اس سے روشن ہے۔ صرف ایک آیت پر اکتفا کرتا ہوں:

﴿وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴾. (آل عمران3:132)

ترجمہ: اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول اللہ ﷺ کی، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اقبال کہتا ہے:

تو ہم از بار فرائض سرمتاب
بر خودی از عندہ حسن المآب
در اطاعت کوش اے غفلت شعار
می شود از جبر پیدا اختیار
ناکس از فرماں پذیری کس شود
آتش از باشد ز طغیاں خس شود

مرحلہ دوم ضبط نفس کے بارے میں قرآن کریم کے احکام واضح ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی﴾. (النازعات79:40,41)

ترجمہ: اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور روکا اپنے نفس کو حرام خواہش سے، سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

اس مرحلہ میں اقبال نے خود اشعار میں قرآنی مضامین کو قلم بند کر دیا اور اسلام کے بنیادی پانچ ارکان کو ضبط نفس کا سبب قرار دیا ہے۔ دنیا کے جملہ امور کے خوف کا مداوا ''لا الٰہ الا اللہ'' کو قرار دیتا ہے اور قوت وطاقت کا گنجینہ اسی ہی کو بتاتا ہے۔

تا عصائے لا الہ داری بدست
ہر طلسم خوف را خواہی شکست

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خوف را در سینہ او راہ نیست
خاطرش مرعوب غیر اللہ نیست

ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

باقی چار ارکان کے بارے میں ضبط نفس کی تحت میں لکھتے ہیں:

لا الہ باشد صدف گوہر نماز
قلب مسلم را حج اصغر نماز
درکف مسلم مثال خنجر است
قاتل فحشا و بغی و منکر است
روزہ بر جوع و عطش شبخون زند
خیبر تن پروری را بشکند
مؤمناں را فطرت افروز است حج
ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایہ جمعیتے
ربط اوراق کتاب ملتے
حب دولت را فنا سازد زکوٰۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ

دل ز حتی تنفقوا محکم کند
زر افزاید الفت زرکم کند
ایں ہمہ اسباب استحکام تست
پختہ، محکم اگر اسلام تست
اہل قوت شوز ورد "یاقوی"
تاسوار اشتر خاکی شوی

تیسرا مرحلہ نیابت الٰہی کا ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾. (البقرۃ 2:30)

ترجمہ: تحقیق، میں بنانے والا ہوں بیچ زمین کے نائب۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کی پیدائش کا مقصد یہی بتایا تھا کہ وہ زمین میں ہمارا نائب ہوگا، وہ انسانی شرف وفضیلت کا معیار بلند ہے، اگر وہ سچ مچ یہی ہے کہ وہ دنیا کے صفات وکمالات سے بھرپور ہو کر اپنی خلقت کا مقصد پورا کرے۔

اقبال کہتا ہے:

نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمران بودن خوش است
نائب حق ہمچو جان عالم است
ہستی او ظل اسم اعظم است

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

از رموز جزو و کل آگہ بود
در جہاں قائم بامر اللہ بود

یہ نائب حق خودی کا منتہیٰ، کاروان زندگی کی منزل اور نوع انسان کا حاصل ہے۔ اس لیے اقبال کہتا ہے:

اے سوار اشہب دوران بیا
اے فروغ دیدہ امکان بیا
خیز و قانون اخوت ساز دہ
جام صہبائے محبت باز دہ

تقریر بالا سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ خودی کا ساز و برگ، سب قرآن پاک سے ماخوذ ہے۔ فرد کی خودی جیسے اطاعت، ضبط نفس سے بنتی ہے اور وہ نائب حق بن کر عالم میں نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا ہیولیٰ صفات عبدیت کے کمال سے اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾.

(البقرۃ، 2:138)

ترجمہ: رنگ دیا ہے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اور کون ہے بہتر خدا سے رنگ میں اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

نرے عبد کے مقام سے نکل کر عبدہٗ اس کا خاص بندہ جاتا ہے۔ طالب سے مطلوب، مرید سے مراد اور محب سے محبوب بن جاتا ہے۔ اقبال کہتا ہے:

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو ہوتا ہے اور وہ جلوہ گاہ ذات بن جاتا ہے۔ وہ خدا کی صفات جلال و جمال، کمال و قوت کا مظہر بن جاتا ہے۔ تعلق الٰہی سے زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ بقول اقبال:

لی مع اللہ ہر کہ را در دل نشست
آن جوان مردے طلسم ما شکست

وہ جلوہ گاہ ذات اور مظہر صفات رب ہوتا ہے۔ وہ خدا کی صفات، اس کے جلال و جمال، قوت و کمال کا آئینہ ہوتا ہے۔ وہ قرآن کے رنگ میں بکھر کر سراپا قرآن اور فرقان بن جاتا ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبرائیل امین بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

مسجد قرطبہ میں مسلمان کی صفات بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمین بے حدود اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق، فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پناہ لا الہ

قرطبہ کی مسجد کو خطاب کر کے کہتا ہے:

تجھ سے ہو آشکار بندۂ مؤمن کا راز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز، اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ
غالب و کارآفریں، کارکشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہان سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل پاکباز

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

آگے چل کر کہتے ہیں:

آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم، صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنتِ اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بین
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط، سادہ و روشن جبیں

یہ تمام صفات مؤمن جو خودی کے مظاہر ہیں، قرآن سے ثابت ہیں۔ وقت کی قلت کی وجہ سے دو آیتیں نقل کرتا ہوں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾. (المائدہ 5:54)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا۔ جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر۔ تیز (وبھاری) ہوں گے کافروں پر۔ جہاد کرتے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوں گے، اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی جس کو چاہیں عطا فرمائے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ﴾. (الفتح 48:29)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بھاری (سخت) اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا، کبھی رکوع کر رہے ہیں۔ کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے آثار بوجہ تاثیر ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

اقبال کی خودی ایک بحرِ بے پیدا کنار ہے، اقبال کا تمام کلام اسی کے گرد گھومتا ہے، یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ خودی کا اقبال کا تصور قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ لیکن پوری تشریح و وضاحت ایک مختصر نشست میں ممکن نہیں اور نہ جملہ پہلو بحث میں آسکتے ہیں۔ اس اپنی بات کو اقبال کے چند اشعار پر ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کوتاہ علم کی لغزشوں سے اغماض برتیں گے۔

یہ عالم یہ بت خانہ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
خودی کی یہ ہے منزل اولین
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان ومکاں توڑ کر

خودی شیر مولیٰ، جہاں اس کا صید
زمین اس کی صید آسمان اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں، ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود
ہر ایک منتظر تیری یلغار کا
تیری شوخی فکر و کردار کا
یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
تو ہے فاتح عالم خوب وزشت
تجھے کیا بتاؤں تیری سرنوشت
حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
فروزاں ہے سینے میں تارِ نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس
اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغِ تجلیٰ بسوزد پرم

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱۲)

اسلامی تقویمِ قمری کی اہمیت

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری وابدی پیام اور مکمل وعالمگیر دین ہے جس کے حقائق لازوال اور جس کے احکام بے مثال ہیں۔ یہ انسانوں کی دینی ودنیوی، معاش ومعاد کی جملہ ضروریات کا رہتی دنیا تک رہنما وکفیل ہے۔ اسلام میں دین ودنیا، قیصر وخدا کی کوئی دوئی نہیں۔ یہ دینِ وحدت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات قرآن حکیم کی صورت میں سید الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائیں اور آپ ﷺ کی ذاتِ عالی سے احکامِ الٰہیہ نے قولاً وفعلاً فروغ پایا اور آپ کی ذات مبارک سراپا قرآن اور ہدایت ربانی کا عملی مظہر بن کر ظاہر ہوئی۔ آپ کا ہر قول وفعل، ہر جنبش وسکون، ہر اشارہ وادا، ہر نطق وسکوت، ہر حکم وعمل اسوہ بنا۔ آپ کا نمونہ ہمیشہ کے لئے آیا اور آپ کی زندگی انسانوں کے لیے دنیوی واخروی اعتبار سے نکتہ معراج ٹھہری، آپ کی امت خیر الامم اور آخر الملل، لافانی وجاودانی بنی۔ اب جس کو جو بھی ملے گا، جب بھی ملے گا، جہاں بھی ملے گا آپ کے منصبِ نبوت کے اقرار، آپ کی امتِ اجابت میں دخول اور آپ کے اسوۂ کاملہ کی پیروی سے ملے گا۔ ''ختمِ نبوت'' میں حکمتِ ربانی نے ''رحمت'' کے جملہ دوائر کو سمو دیا اور ''رحمۃ للعالمین ردا'' تمام جہانوں پر تان دی گئی بلکہ ''زمان ومکان کی وسعتیں'' اس کے اندر سمیٹ ولپیٹ دی گئیں۔ آپ ﷺ کے ظہور اقدس کے بعد آپ کی راہ سے جو بھی بچلا، بہکا، یا ہٹا، گمراہی وجہالت، سرکشی وظلم کی وادیوں میں جا بھٹکا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نے بتایا کہ کونین کے جز وکل کی طرح توقیت وتقویم کا حساب بھی اللہ تعالیٰ کے احکامِ تکوینی کا پابند ہے۔ انسان اپنی خواہش سے جیسے سورج وچاند کی گردشوں اور رفتار کو نہیں بدل سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقرر

کیے ہوئے ماہ وسال کے حساب میں تغیر وتبدیلی نہیں کرسکتا، وہ جیسے سورج کے موسموں کو آگے پیچھے نہیں کر سکتا، خریف بہار میں اور سردی گرمی میں نہیں لاسکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ماہ وسال بھی اس دسترس سے باہر ہیں۔ اس کا بھلا اس میں ہے کہ جیسے منشار بانی ہے ان سے اسی طرح استفادہ کرتا رہے۔

قرآن حکیم کتابِ ہدایت ہے، تکوینیات اصالۃً اس کا موضوع نہیں، لیکن ہدایت یابی، عبرت پذیری یا احکامِ الٰہی کی ادائیگی سے ان کا جس قدر تعلق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی خوب وضاحت فرما دیتا ہے۔ سورج وچاند اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں اور ان کی پیدائش اور وجود وبقا میں بیشمار تکوینی فوائد حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ حکمتِ الٰہیہ نے ان دونوں کو صرف تکوینی ضروریات ہی کے لئے مختص نہیں کیا بلکہ بیشتر دینی احکام وارکان کی ادائیگی کو شمس وقمر کے سلاسل کا پابند اور ان کے نظاموں کے ساتھ متعلق کر دیا ہے۔ ان کی تشریعی اہمیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج جیسے بنیادی ارکان کی بجا آوری کا تعلق سورج وچاند کے نظاموں کیساتھ وابستہ ہے۔ دیگر بہت سے احکام ومصالح دینیہ بھی ماہ وسال کے حساب کے تابع ہیں۔ قرآن کریم نے سورج وچاند کی توقیت وتقویم کے بارے میں مختلف مقامات پر کلام فرمایا ہے جس سے شمسی وقمری نظاموں کی افادیت کا اندازہ ہوتا ہے اور تقویم خصوصاً قمری تقویم کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس بارے میں چند آیات نقل کرتا ہوں۔

(۱) ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾. (یٰسٓ: ۳۷ تا ۴۰)

ترجمہ: اور ایک نشانی (اللہ تعالیٰ کی قدرت وخالقیت کی) ان لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں۔ سو یکایک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے اور یہ اندازہ باندھا ہوا ہے (اس خدا کا جو زبردست علم والا ہے اور چاند کے لئے ہم نے اس کی منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر (ایک) اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

(۲) ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾. (یونس:۵)

ترجمہ: وہ (اللہ) وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشنی اور اس (یعنی چاند) کے لئے منزلیں مقرر کر دیں۔ تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو اور اللہ نے یہ چیزیں بے مقصد نہیں پیدا کیں۔

(۳) ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾. (البقرۃ:۱۸۹)

ترجمہ: آپ سے لوگ نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ وہ چاند آلۂ شناختِ اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔

(۴) ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾. (التوبہ:۳۶)

ترجمہ: بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہی مہینہ ہے۔ کتابِ الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ اس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ان میں چار (مہینے) حرمت والے ہیں۔ یہی دین مستقیم ہے سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

(۵) ﴿وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾. (الکھف:۲۵)

ترجمہ: اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اوپر اور رہے (یعنی شمسی حساب سے تین سو برس اور قمری حساب سے تین سو نو برس رہے)

مندرجہ بالا آیات اور دیگر قرآنی آیات پر غور و تامل سے چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ واسعہ اور حکمتِ بالغہ سے سورج و چاند کو پیدا فرما کر اپنے احکام کا دونوں کو پابند فرما دیا۔ یہ اسی غالب و زبردست علم والے کے لگے بندھے مقررہ ضوابط و طرق اور حدود و قیود ہیں جس کے اندازوں کے آگے سورج و چاند دونوں سرافگندہ، مجبور و مقہور ہیں، جو مدار، سمت، دائرے، منزلیں، بروج وٹھکانے، راستے و موڑ، اوقات اور وقفے ان کے لئے مقرر فرما دیئے گئے، ان سے وہ سرِ مو انحراف نہیں کر سکتے۔

دوسری آیتوں میں ارشاد ہے:

﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾.

(الانعام:۹۶)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کی چیز بنایا ہے اور سورج اور چاند (کی رفتار کو) حساب سے رکھا ہے۔

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ﴾. (ابراھیم:۳۳)

ترجمہ: اور مسخر کیا واسطے تمہارے سورج اور چاند کو ہمیشہ پھرنے والے۔

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾. (لقمان:۲۹)

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے) حکم اپنے میں لگا رکھا ہے سورج اور چاند اور ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔

چاند کا اپنا مدار، رفتار، دائرہ اور منازل ہیں جس سے مہینہ بنتا ہے۔ چاند کبھی ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے اور پھر بڑھتا ہے، بدر بن کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ محاق و سلخ پر پہنچتا ہے، ۲۸ دن دکھائی دے کر آنکھوں سے مستور ہو جاتا ہے اور ۲۹، ۳۰ منازل طے کر کے پھر ''نئے چاند'' کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ سال کے بارہ مہینے اسی طرح اس کی منازل طے ہوتی رہتی ہیں۔ چونکہ چاند کی رؤیت اور اس محاق و انسلاخ مشاہدہ اور رؤیت پر مبنی ہے اس لئے دنیا میں ماہ و سال کا حساب قمری حساب ہی سے رہا اور قومیں عموماً اس حساب کو اپناتی رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمت الٰہیہ نے فطرتی الہام کے طور پر انسانیت کے قلوب میں قمری ماہ و سال کی شناخت اور اس کے استعمال کا داعیہ پیدا فرما دیا تھا۔ چنانچہ مختلف النسل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقوام وملل نے چاند کی تقویم اور قمری مہینوں اور سال کو تاریخِ انسانی کی ابتدا سے معمول بہا بنائے رکھا جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں 'مہینہ' کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اس زبان میں 'چاند' کے لفظ سے ہی عبارت ومتعلق ہے۔ آریائی زبانوں کو لیجیے، ہندی میں 'مہینہ'، سنسکرت میں 'ماس'، فارسی میں 'ماہ'، انگریزی میں 'منتھ' (Month)، جرمن میں 'مونیٹ' (Monat)، لاطینی میں 'منسز' (Mensis)، اس زبان کے 'چاند' کے ہم معنی لفظ کے مترادف یا اس سے مشتق ہیں۔ یہی حال سامی زبانوں کا ہے۔ عربی کا لفظ 'شہر' جو مہینے کے لئے مستعمل ہے، قدیم 'چاند دیوتا' کا نام تھا۔ 'سنہ' بھی غالباً سامی چاند دیوتا 'سن' سے نکلا ہے۔ 'عام' جو سال کے معنی میں ہے وہ بھی 'عم' چاند دیوتا سے نکلا ہے۔ (واللہ اعلم)

مختلف قوموں کا شروع تاریخ سے چاند کے حساب پر متفق ہونا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ ایک فطری تقاضا تھا جسے چاند کی سہل روایت نے تقویت بخشی اور بنی آدم اپنا ماہ وسال کا حساب ''قمری'' تقویم وکیلنڈر کے مطابق رکھنے پر مجبور ہوئے۔ ازمنہ قدیمہ سے مختلف اقوامِ عالم کا قمری حساب کا اختیار کرنا ایک امی (فداہُ ابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے کہلوائے گئے اس ربانی بول کی حقانیت اور صداقت پر شاہد عدل ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ (البقرۃ:۱۸۹)

ترجمہ: آپ سے لوگ نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات لوگوں کے لئے اور حج کے لئے ہے۔

اہلِ عرب بھی ہزار ہا سال تک خالص قمری تقویم کے پابند رہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو تصریح کی ہے کہ ان کے ہاں قمری سال تھا جو انھیں سیدنا ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام سے توارثاً ملا تھا۔

(تفسیر کبیر ص:۶۳۳ ج:۴)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ توبہ کی آیت ۳۶ میں اس قمری سال کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

الدین القیم ای المستقیم دین ابراھیم و اسمٰعیل و کانت العرب من تمسکت بہ وراثۃ منھما. (روح المعانی۔ ص:۳۰۳، ج:۳)

188

ترجمہ: (یہاں) الدین القیم سے مراد وہ مستقیم دین ہے جو سیدنا ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کا دین تھا اور عرب اس (قمری تقویم) کو ان سے ہی وراثت میں مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔

چاند کی منازل اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیں اور ان کا فائدہ یہ بتایا گیا ''تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو''۔ منشائے ربانی صاف معلوم ہوتا ہے کہ وقت اور زمانہ کا حساب تقویمِ قمری کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگلے الفاظ اس کی مزید تائید فرما رہے ہیں۔ سورۃ توبہ اور سورۃ یونس کی مذکورۃ الصدر آیات کا مشترکہ مفاد بھی یہی ہے کہ شریعتِ الٰہی میں معتبر قمری سنہ کا حساب اور اس کے بارہ مہینے ہیں اور مسلمانوں کو اپنی عبادات اور معاملات میں سنہ قمری کی پابندی واجب ہے۔ عجمی، ہندی، انگریزی کی پابندی اس حساب کو چھوڑ کر جائز نہیں۔

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

قال اھل العلم الواجب علی المسلمین بحکم ھذا الایۃ ان یعتبروا فی بیوعھم ومدد یونھم و احوال زکوٰتھم و سائر احکامھم السنۃ العربیۃ بالاھلۃ ولا یجوز لھم اعتبار السنۃ العجمیۃ والرومیۃ.

(تفسیر کبیر ص:۶۳۶، ج:۴)

ترجمہ: اہلِ علم کہتے ہیں: اس آیت (سورۃ توبہ:۳۶) سے مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی خرید وفروخت، قرضوں کے حساب اور زکوٰۃ کے معاملات اور اپنے سارے احکام میں سنہ عربی قمری کا اعتبار واہتمام کریں اور ان کے لئے عجمی یا رومی سال کا اعتبار جائز نہیں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ھذہ الایۃ نزلت علی ان الواجب تعلیق الاحکام من العبادات وغیرھا انھایکون بالشھوروالسنین التی تعرفھاالعرب دون الشھورالتی تعتبرھا العجم والروم والقبط وان لم تزد علی اثنی عشر شھرا۔

(احکام القرآن القرطبی، ص:۱۳۳، ج:۸)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

”ترجمہ: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جملہ احکام عبادات وغیرہ کا تعلق (و اعتبار) ان مہینوں اور سالوں کے حساب سے ہو جنھیں عرب جانتے ہیں (یعنی قمری تقویم و حساب سے) نہ کہ ان مہینوں کے حساب سے جنہیں عجم، روم اور قبط وغیرہ معتبر سمجھتے ہوں گو وہ اپنے حساب کو بارہ ماہ سے زیادہ نہ بھی بڑھائیں۔“

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اثنیٰ عشر اشھراً کی تفسیر کرتے ہوئے کیا پیارے الفاظ لکھے ہیں:

وھی الشھور القمریۃ المعلومۃ علیھا یدور فلك الاحکام الشرعیۃ۔

(روح المعانی، ص:۳۰۲، ج:۳)

”ترجمہ: اور یہ معلوم قمری مہینے ہیں کہ احکامِ شریعت کا دائرہ انہیں کے گرد گھومتا ہے۔“

اور یہی الفاظ ابوالسعود نے بھی لکھے ہیں۔ (تفسیر ابوالسعود برحاشیہ تفسیر کبیر، ص:۶۳۳، ج:۴)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے "قل ھی مواقیت للناس والحج" کی تفسیر پر عجب جامع فائدہ لکھا ہے، ارقام فرماتے ہیں: آپ فرما دیجیے کہ (فائدہ اس کا یہ ہے کہ) وہ چاند (اپنے اس گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے لزوماً یا سہولۃً) آلۂ شناخت اوقات ہیں، لوگوں کے اختیاری معاملات (مثل عدت ومطالبہ حقوق کے لیے) اور غیر اختیاری عبادات مثلاً حج (وزکوٰۃ وروزہ وغیرہ کے لیے)۔ مطلب یہ کہ سورج تو اپنے تشکل کے اعتبار سے ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے گو مطالع ومغارب کے اعتبار سے ہر روز وہ بھی مختلف ہوتا رہتا ہے، لیکن وہ امر خفی ہے اور ایک مدت تک اس کا فرق ظاہر نہیں ہوتا اور کسوف دائم اور معین نہیں بخلاف چاند کے کہ جلد جلد اس کے تشکلات مختلف ہوا کرتے ہیں۔ پھر ہر ماہ ایک ہی ضابطہ پر ہوتے رہتے ہیں اور وہ اختلاف ایسا بین ہے کہ ہر کہ ومہ بے تکلف اس کو محسوس کرتا ہے اس لئے عام طور پر مختلف طبقات اور درجات کے آدمیوں کو جیسا قمری حساب سے اوقات کا انضباط اور انتظام سہل ہے، شمسی حساب سے ممکن نہیں۔ لہٰذا شریعت نے بالاصالۃ قمری حساب پر احکام وعبادات کا مدار رکھا ہے کہ سب کا اجتماع واتفاق ان امور میں سہولت سے ممکن ہو پھر بعض احکام میں تو اسے لازم کر دیا ہے کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار رکھنا جائز ہی نہیں، جیسے حج وروزہ، رمضان وعیدین وزکوٰۃ و عدت طلاق وامثالہا، اور بعض میں گو اختیار دیا ہے، جیسے کوئی چیز خریدی اور وعدہ ٹھہرا کہ اس وقت سے

ایک سال شمسی گذرنے پر زرِ ثمن بے باک کریں گے۔ اس میں شرع نے مجبور نہیں کیا کہ سالِ قمری ہی پر مطالبہ کا حق ہو جاوے گا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ابتداً قمری پر مدار رکھا جاوے تو عام طور پر پھر سہولت اس میں ہے۔ (تفسیر بیان القرآن، ص:۱۰۷، ج:۱)

اسلام ہر بات میں ممکن سہولت کا داعی ہے، قرآن کہتا ہے:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ:۱۸۵)

”ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام وقوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں۔“

حدیث شریف میں ہے: انما انا بعثت بالملۃ السمحۃ او السھلۃ الحنیفیۃ البیضاء۔ (مسند احمد، ص:۲۶۶، ج:۵)

”ترجمہ: میں سہل اور آسان روشن حنیفی دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔“

قمری حساب کو شمسی حساب پر ترجیح دینے میں ایک وجہ اسلام کی یہی سہولت پسندی ہے۔ شمسی تقویم حساب وکتاب کو چاہتی ہے۔ ہر ان پڑھ، بے علم، تہذیب وتمدن سے کورا، جنگلات وصحراؤں میں رہنے والا شخص اس کا اہتمام نہیں کر سکتا، اس لئے ایسے طبقات کی رعایت کرتے ہوئے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ”مہینہ“ کے دنوں کا بیان فرماتے ہوئے کیا بلیغ انداز اختیار فرمایا:

انا أمۃ أمیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا وعقد الابھام فی الثالثۃ. الشھر ھکذا وھکذا وھکذا یعنی بتمام ثلاثین.

(جمع الفوائد، ص:۴۱۱، ج:۱ بحوالہ بخاری ومسلم ابوداؤد ونسائی)

”ترجمہ: ہم ایک امی امت ہیں، ہم نہ تو لکھ سکتے اور نہ حساب کر سکتے ہیں۔ (پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو یکجا کھول کو ان سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مہینہ ایسا وایسا اور ایسا ہے۔ (تیسری بار انگوٹھا مبارک بند فرمالیا۔ یعنی مہینہ انتیس دن کا ہے) دوبارہ بھی اسی طرح اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا: مہینہ ایسا اور ایسا اور ایسا یعنی پورے تیس دن کا ہے۔“

اس کا مدعا یہ نہیں کہ آپ کو انتیس یا تیس کے اعداد نہیں آتے یا امت بالکل لکھنا اور حساب کرنا نہیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جانتی۔ بلکہ صرف امت کے ان طبقات کی رعایت تھی جو لکھنا اور حساب نہیں جانتے ورنہ بقول شبستری:

امی وگویا بزبان فصیح از الف آدم تا میم مسیح

ترجمہ: وہ ان پڑھ تھے لیکن آدم علیہ السلام کے الف سے لے کر مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے میم تک فصیح زبان سے بولے۔

یہ دین فطرت نہاد اور آسان ہے، ہر طبقہ کو آسانی بخشی، رعایت کا اہتمام فرمایا، اس لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھل کر اعلان کر دیا:

ان هذا الدين يسر ولن يشاد الدين احدا الا غلبه۔ (جمع الفوائد ص:۳۴ ج:۱)

''ترجمہ: یہ دین آسان ہے جو کوئی شخص دین سے سختی میں مقابلہ کرے گا (یعنی دین کو سخت بنائے گا) تو دین اس کو مغلوب کر دے گا۔''

مہینہ کے بارے میں اس آسانی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جب چاند آنکھ سے نظر آجائے تو انتیس کا مہینہ ہوا اور نظر نہ آئے تو تیس کا مہینہ شمار کرو، کسی آلہ وحساب کی ضرورت نہیں۔

رمضان کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رأيتموه فافطروا فان غم عليكم فصوموا ثلاثين يوماً. (جمع الفوائد ص۴۰۹ ج۱، بحوالہ بخاری مسلم و نسائی)

''ترجمہ: جب ہلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھو تو روزہ رکھو اور جب (دوبارہ عید کے) چاند کو آنکھوں سے دیکھو (اگر انتیس دن بھی گذرے ہوں تو) افطار کرو اور اگر نہ دکھائی دے تو تیس دن (مہینہ کے) پورے کرو۔''

قمری حساب میں موسموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ چاند کی بارہ رؤیتوں پر جو کبھی ۲۹ کبھی ۳۰ دن میں پوری ہوتی ہے قمری سال کا شمار کیا جاتا ہے، چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے اور اس کی ایک گردش کبھی انتیس اور کبھی تیس دن میں پوری ہوتی ہے، اس طرح ایک قمری مہینہ بنتا ہے۔ چاند کی گردش کی مجموعی مدت اہل ہیئت کے نزدیک 4834.354 دن ہوتی ہے۔ (اس میں کچھ معمولی سا اختلاف بھی ہے) اس سے کم مدت میں تیرھویں بار چاند ہرگز نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہی قمری سال مسلمانوں کی ہجری تقویم میں معتبر گنا جاتا ہے۔

قمری سال کے علاوہ دوسری تقویم شمسی سال کی ہے، اللہ جل جلالہٗ زمین کی ایک گردش سے جو سورج کے گرد ہوتی ہے، شمسی سال کو وجود بخشتے ہیں۔ (شانِ الٰہی ہے کہ سورج بھی چل رہا ہے اور اس کے ساتھ پورا نظامِ شمسی بھی متحرک ہے۔ ذٰلك تقدير العزيز العليم) اہلِ ہیئت کے نزدیک یہ سال 24199.365 دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح شمسی سال اور قمری سال میں تقریباً پونے گیارہ دن (75879.10) کا سالانہ فرق پڑ جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اہلِ کہف کے قصہ میں آتا ہے:

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (الکھف:۲۵)

''ترجمہ: اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے۔''

اہلِ تفسیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اور سلف سے نقل کیا ہے کہ تین سو برس سے شمسی سال مراد ہیں اور نو برس مزید (یعنی ۳۰۹ سال) سے قمری سال مراد ہیں۔ (معالم التنزیل، البحر المحیط وغیرہ) ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تین سو سال میں نو سال کا تفاوت شمسی اور قمری حساب میں پڑ جاتا ہے کہ ہر سو سال میں شمسی اور قمری سال میں تین سال کا فرق ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کا یہ حساب موجودہ اہلِ ہیئت کے حساب کے بھی مطابق ہے، چند کسور کا فرق ہے، سو فقیر سمجھتا ہے کہ یہ انسانی علم کی کوتاہی کی وجہ سے ہے، ورنہ پورے تین سو سال میں تین سال کا ہی فرق حق و درست ہے۔ موجودہ اہلِ ہیئت کے اور قرآنی حساب میں ایک سال میں صرف 8223948.2 گھنٹہ، مہینہ میں 2353371.0 گھنٹے اور دن میں 6684.28 سیکنڈ کا فرق ہے۔ خیال رہے کہ اہلِ ہیئت بھی سو فی صد اپنی بات پر متفق نہیں۔ تاہم یہ اعجازِ قرآن ہے کہ ایک امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ وحی وہ بتا رہی ہے کہ آج جب چاند زمین کا آنگن بن گیا، اس کے اور ان کے حساب میں فرق نہیں اور اگر ہے تو انسانی ناقص علم کا قصور ہے۔ (واللہ اعلیٰ واجل وعلمہ اتم) شمسی سال بھی یکساں بارہ مہینوں پر منقسم نہیں بلکہ مختلف اقوام مختلف دنوں کی تعداد میں تقسیم کرتی ہیں، پھر بھی کسور رہ جاتے ہیں اور چار سو سال میں موسم اور مہینہ میں فرق پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے شمسی کیلنڈر میں بھی بار ہا تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ سورج کا سالانہ دورہ عام آدمی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا اور تقویم کیلنڈر کے جانے بغیر سوائے موسموں کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تبدیلی کے اس کا ادراک بھی مشکل ہے۔

سورج کا اپنا دائرہ، مدار سمت اور رفتار ہے، اللہ جل جلالہٗ نے اسے روشنی و چمک اور گرمائش سے نوازا، زمین کا رابطہ خاص زاویہ سے اس کے ساتھ قائم فرما کر زمین کو بھی گردش عطا فرمائی اور ان گردشوں اور سورج کی روشنی سے سلسلہ روز وشب اور ان کے گھٹنے بڑھنے کا انتظام فرمایا۔ اس طرح قدرت ربانیہ نے اس کی روشنی گرمائش اور تمازت کو موسموں کی تبدیلی اور دیگر متعدد امور واشیا جن پر زمین پر حیاتِ انسانی کا مدار ہے، سورج کو سبب قرار دیا ہے۔ ذٰلك تقدير العزيز العليم۔ (یہ اندازہ (اور نظام) قائم کیا ہوا ہے غالب علم والے کا۔)

مختلف قطعاتِ ارضی میں سورج کے طلوع وغروب اور دلوک یعنی ڈھلنے کو نماز کے اوقات کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ نماز کے بارے میں صرف ایک آیت نقل کرتا ہوں جس میں پانچوں نمازوں کے اوقات آ گئے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾. (بنی اسرائیل:۷۸)

”ترجمہ: سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیجئے اور صبح کی نماز بھی۔ بیشک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔ (اس میں پانچوں نمازیں آ گئیں)“

دلوک ڈھلنے کو کہتے ہیں، سورج زوال کے وقت سمت الراس سے ڈھلتا ہے، پھر نگاہ سے نیچے آتا ہے، پھر افق میں سے غروب ہوتا ہے، پھر شفق کے چھپنے پر رات کے اندھیروں (غسق الیل) میں ڈوب جاتا ہے۔ ان میں چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشا آ گئیں، طلوع فجر کے بعد فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ گویا سب نمازیں سورج کی یومیہ حرکات اور اس کے ذریعے پیدا کردہ اوقات کے ساتھ متعلق ہیں اور سورج کی خدائی کے انکار کے لئے اس کے زوال، چھپنے اور ڈوبنے اور نکلنے سے پہلے کے اوقات میں نماز کو رکھا گیا ہے۔ (یعنی چڑھتے سورج کے اوقات میں کوئی فرض نماز نہیں آتی) اسی طرح سورج اور زمین کی گردشوں کو ملا کر موسموں کے تغیر سردی، گرمی، بہار، خزاں کو فصلوں کی تبدیلی کا ذریعہ بنایا گیا۔

اسلام سے پیشتر یہود و نصاریٰ، قدیم اقوام اور اہلِ جاہلیت کے میلے، دینی رسمیں چونکہ موسموں کے

تغیرات پر عموماً مبنی ہوتی تھیں، اس لئے گو وہ قمری حساب کے بھی پابند ہوں ان ”موسموں“ کی رعایت سے اپنے قمری حساب میں تغیر کر لیتے تھے جسے ”لوند“ یا ”کبیسہ“ یا ”النسی“ کہتے ہیں، جس سے وہ قمری سال میں تین سال بعد ایک ماہ بڑھا کر اسے شمسی کے مطابق بنا دیتے ہیں۔ اس سے سارے قمری نظامِ تقویمی میں فرق پڑ جاتا۔ جاہل عربوں نے یہ طریقہ یہود سے سیکھا تھا اور ابراہیمی شریعت کے مسلمہ محترم مہینوں کو بھی اپنے دنیاوی مفاد کے لئے بدل دیتے تھے۔ کبھی سال کے بارہ کی بجائے تیرہ یا چودہ مہینے کر دیتے۔ کبھی اپنے ذاتی ونفسانی مفادات کو پورے کرنے کیلئے کبھی کسی مہینہ کو محترم قرار دے لیتے کبھی کسی کو، اور خدا کے مقرر کردہ چار مہینوں ذیقعد، ذوالحجہ، محرم، رجب کی بجائے اپنے مفاد کے مطابق کسی چار مہینوں کو محترم قرار دے لیتے، قرآن کریم نے اس ناجائز لوند اور تغیر وتبدل اور مہینوں کے اپنی جگہ سے ہٹا دینے کو کفر میں زیادتی قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾. (التوبہ: ۳۷)

”ترجمہ: مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے اس سے (عام) کفار گمراہ کئے جاتے ہیں۔ وہ کسی سال حرام مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اسے حرام سمجھتے ہیں تاکہ ان (مہینوں) کی جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے گنتی پوری کر لیں۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں۔“

شمسی حساب اور قمری تقویم کے فرق نے اس ”النسی“ اور ”لوند“ وغیرہ کو وجود بخشا۔ قمری تقویم اپنی آسانی سہولت اور عمومیت وغیرہ کی وجہ سے جن فوائد پر مشتمل ہے اسلام نے اسے انسانوں کے واسطے مفید سمجھا اور عبادات ومعاملات میں اسے مدار بنایا اور مسلمانوں کی تقویم کے لئے قرار دیا اور ملت اسلامیہ عہدِ نبوت سے اس پر عمل پیرا رہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع ۱۰ھ میں لوند، کبیسہ اور النسی کی کمی بیشی کو ختم فرما کر ذوالحجہ کے مہینہ کو صحیح اس وقت پر لایا جو ”لوند“ وغیرہ سے پیشتر تھا اور حضورِ انور ﷺ نے اعلان فرما دیا:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

192

ألا ان الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق الله السمٰوٰت والارض، السنة اثنا عشر شهراً منها اربعة حرم.

''ترجمہ: خوب جان لو کہ زمانہ پلٹ کر اس ہیئت پر آگیا ہے جیسا اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا تھا، سال بارہ (قمری) مہینوں کا ہوگا۔ جس میں چار محترم مہینے ہوں گے۔''

(روح المعانی، ص ۳۰۲، ج ۳، بحوالہ بخاری ومسلم)

اس طرح قمری سال بغیر غل وغش اور ''النسی'' کی کمی بیشی کے مسلمانوں کا معمول بہ 'تقویم' بن گیا۔ امت اس پر عمل کرتی رہی یہاں تک کہ کیلنڈر کے ابتدائی سال کے لیے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے سال کو قرار دیا گیا اور اس وقت سے آج تک سنہ ہجری قمری پر امت کا تعامل چلا آرہا ہے۔ دینی احکام وضروریات کا مدار ہونے کی وجہ سے ''قمری حساب'' فرضِ کفایہ ہے اور ہر دور کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ قمری تقویم کی حفاظت کریں اور قمری مہینوں کے حساب کا ایسا اہتمام رکھیں کہ احکامِ شرعیہ (مثلاً روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کے حسابوں میں فرق وخلل واقع نہ ہو۔ اگر خدانخواستہ ایسی صورت پیش آجائے کہ احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں اختلال یا غلطی ہونے لگے تو پوری امت گنہگار ہوگی۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر قمری حساب محفوظ رہے تو اس کے ساتھ دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے، لیکن بقول حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ''خلافِ سنت سلف ضرور ہے اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لابد (ضروری)، افضل واحسن ہے''۔ (تفسیر بیان القرآن، ص:۱۱۱، ج:۴)

امت جب زندہ تھی، پورے عالم میں جہاں بھی وہ بستی تھی، اسی اسلامی قمری تقویم کو اپنائے ہوئے تھی۔ جب مغرب کے استعمار واستیلا نے اپنا صور پھونکا تو جہاں اسلامی تشخص کی دوسری چیزیں ملت کے ایک بڑے طبقے نے گم کردیں، وہاں ''قمری'' تاریخ کا رواج بھی چند محدود طبقات اور صورتوں میں منحصر ہوکر رہ گیا۔ ہمارا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ کاش اس نئے سال کی ابتدا سے امت کا ہر طبقہ اور گروہ انفرادی واجتماعی طور پر اس ''اسلامی قمری تقویم وحساب'' کو اپنا معمول اور شعار بنالے۔

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(۱۳)

اسلام میں مسجد کی اہمیت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین لے کر آئے تھے وہ دین دنیا کی وحدت ویکجائی کا مدعی وحامل ہے۔ اسلام میں کلیسا وشاہی محل کی کوئی تفریق نہ تھی بلکہ ان کی مسجد ہی ان کا قصر خلافت اور ان کا منبر ہی ان کا تخت تھا۔ ان کی پوری زندگی مسجد کی بنیاد پر اٹھائی گئی تھی اور ان کی پوری اجتماعی وانفرادی زندگی مسجد کے محور کے گرد گھومتی تھی۔ مسجد صرف ان کی عبادت گاہ ہی نہ تھی بلکہ وہی ان کا دارالامارت تھا۔ وہی دارالشوریٰ تھا وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہی درسگاہ وہی خانقاہ اور وہی معبد تھا۔ مسجد سے ہی مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم تھی اور مسجد ہی مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز تھا۔ اور نماز اس مرکزی اجتماع کی مرکزی رسم تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے عصر سعادت میں جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا یا کوئی ملی، قومی یا سیاسی یا اجتماعی مشکل پیش آتی یا کسی خاص مذہبی بات کا اعلان کرنا ہوتا تو الصلوٰۃ جامعۃ (نماز جمع کرنے والی کا اعلان کیا جاتا) اور اس اہم اعلان کے بعد سب مسلمان مسجد میں جمع ہوتے تحیۃ المسجد پڑھتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس اہم بات سے آگاہ ہوتے اور اخلاص و روحانیت کی اس فضا میں اس معاملہ کے بارے میں اپنے مخلصانہ مشورے پیش کرتے۔ اور اس طرح مسلمانوں کے مذہبی اجتماعی سیاسی مسائل بخیر وخوبی حل ہوتے۔

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دورِ سعادت وبرکت میں مسجد نہ صرف نماز پنجگانہ کی ادائیگی کا مقام تھا بلکہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کی بھی سب سے بڑی درسگاہ وجامعہ تھی۔ مسجد نبوی ملت کا سب سے بڑا فعال ادارہ تھا۔ جہاں ایک طرف اسلامی تعلیم اور قال اللہ و قال الرسول

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ﷺ کی مسند بچھی ہوئی تھی۔تو دوسری طرف ذکر وقرآن خوانی کے حلقے قائم تھے۔تیسری طرف صفہ کا چبوترہ تھا جو اسلام کی مخصوص مجاہدانہ خانقاہی زندگی کا نشان تھا۔جس منبر نبوی ﷺ سے عبادات واخلاق ارشاد وتلقین کے موتی بکھیرے جاتے تھے اسی سے حکومت و سیاست کی گتھیاں بھی سلجھائی جاتی تھیں،اقتصاد وتمدن کے نکتے بھی حل ہوتے تھے اور جنگ وسپاہ گری کے اصول بھی بیان ہوتے تھے۔ گویا مسجد نظم ملت اور اسلام کے نظریہ وحدت ملی اور وحدت زندگی کا وہ نکتہ ارتکاز تھا جس سے مسلمانوں کی صلاح وفلاح کی ہر کڑی پیوست اور شیرازہ حیات کا ہر تار بندھا تھا۔اور مسلمانوں کے دائرہ حیات کے پرکار کا ہر خط اسی نکتہ کے گرد گھومتا تھا۔اس وجہ سے قرن اول میں اسلامی زندگی کے جتنے شعبے بروئے کار آئے ان کا خام مواد اور اس کے چلانے والے مسجد نبوی کی تربیت گاہ سے وجود میں آئے۔مسجد نبوی کی ہمہ گیری اور اس کے نظام تربیت کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ عصر صحابہ کی علمی، ادبی، مذہبی، عسکری، عدالتی ہر شعبہ زندگی کی جملہ عظیم شخصیتیں مسجد نبوی کے ماحول سے پیدا ہوئیں وہ عبقری (genius) اور عظیم اشخاص جو اس ''جامعہ نبوت'' سے فارغ ہوئے ان کا تنوع اور ان کے کارنامے شاہد ہیں کہ اسلام کا یہ مرکزی ادارہ شخصیت سازی اور مختلف علوم وفنون کی افادیت واشاعت میں کتنا کامیاب تھا۔اس درسگاہ کے فارغ التحصیل طلبہ میں اہم حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وعمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے خلفاء وکشور کشا، حضرت عثمان ذوالنورین اور زید ابن ثابت جیسے ماہرین و جامع قرآن، حضرت علی ابن مسعود ومعاذ ابن جبل وابن عباس جیسے فقیہ وعالم، ابوہریرہ عبداللہ ابن عمر، ابوسعید خدری جیسے محدث، ابوذر و سلمان فارسی وابودرداء جیسے زاہد مرتاض، خالد، ابوعبیدہ، سعد ابن ابی وقاص، نعمان ابن مقرن جیسے شجاع جرنیل وفاتح، عمرو ابن العاص ومعاویہ رضی اللہ عنہم جیسے مدبر سیاسی زعماء پاتے ہیں۔غرض ہر شعبہ زندگی اور طبقہ فکر وعمل کے بہترین قائدین کی ایک روشن مثال ہمیں مسجد نبوی کے ان فارغ طلبہ میں مل جاتی ہے، جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مسجد کی یہ مرکزی تربیت گاہ کتنی اہم اور نتیجہ خیز تھی۔اقبال نے سچ کہا ہے:

فقیران تا بمسجد صف کشیدند — گریبان شہنشاہان دریدند
چوں آن آتش درون سینہ افسرد — مسلمانان بدرگاہان خزیدند

ترجمہ: فقیروں نے جب مسجد میں صف باندھی تو بادشاہوں کے گریبانوں کو پھاڑ ڈالا۔
اور جب سینوں کے اندر کا یہ جذبہ بجھ گیا تو مسلمان دوسروں کے دروازوں پر گیا۔

عصر صحابہ کے بعد گو قصر خلافت اور منبر ومسجد جدا ہوگئے، لیکن مسجد کی عظمت واہمیت وافادیت ہمیشہ مسلمانوں میں مسلمہ رہی۔ چنانچہ مسلمان فاتحین جہاں بھی گئے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قصر خلافت سے پیشتر انہوں نے مسجد بنائی اور آج بھی گو ان کی قصور ومحلات کی بلندیاں سرنگوں ہوگئیں لیکن ان کی مساجد کے منبر ومحراب ان کی دینی محبت اور مسجد سے تعلق پر گواہ ہیں۔دور صحابہ میں مدائن (کسریٰ کا دارالحکومت) دمشق، حمص، فسطاط، قیروان وغیرہ اور یروشلم میں مسجد عمر اور جملہ مما لک محروسہ میں مساجد کی تعمیر ایک تاریخی حقیقت ہے۔اموی دور کی صرف دو مسجدیں ہی ان کی عظمت کے لیے کافی ہیں۔ایک دمشق کی جامع اموی اور دوسری اندلس کا وہ لافانی شاہکار مسجد قرطبہ جس کے جلال وجمال نے شاعر مشرق عظیم فیلسوف اقبال سے وہ وجد آور شاہکار نظم کہلوادی جو ان کی اردو نظموں کا کوہ نور ہے۔جس میں مسجد کے بارے میں اسلامی نظریہ فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے انہوں نے مسجد سے خطاب کر کے اپنے یہ جاودانی اشعار کہے ہیں:

اے حرم قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود!
تیری فضا دل فروز، میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود
تیرا جلال وجمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل وجمیل تو بھی جلیل وجمیل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تیری بنا پایدار تیرے ستون بیشمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منار بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل
تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مؤمن کا راز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
کعبۂ اربابِ فن! سطوتِ دینِ مبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

اقبال کے یہ اشعار گو مسجد قرطبہ کے بارے میں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کم وبیش ہماری ہر عظیم مسجد پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ میں عرض کررہا تھا کہ جہاں مسلمان فاتح گئے انہوں نے قصر خلافت سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ہندو پاک میں بے شمار ایسی مساجد پائی جاتی ہیں جن کی ابتدا محمد بن قاسم سے ہوئی اور جن کی انتہا عالمگیر اعظم پر ہوئی، جن کی شاہی مسجد آج بھی لاہور کا تمغۂ امتیاز ہے۔

دہلی میں قطب الدّین ایبک کی بنا کردہ مسجد قوۃ الاسلام اور اس کے فن تعمیر کا عظیم و محیر العقول کارنامہ، قطب مینار، دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد، اورنگ آباد کی عالمگیری مسجد، مسجد بنارس، سرینگر کشمیر کی عجیب وغریب مساجد، بھوپال کی تاج المساجد، ٹھٹھہ (سندھ) کی شاہی مسجد غرض گلگت سے راس کماری تک اور برما کی سرحد سے نوشکی تک آپ بے شمار ایسی مساجد پائیں گے جو مسلمان بادشاہوں کی یادگار

ہیں۔ خلافت عثمانیہ پانچ سو سال تک مسلمانوں کی سطوت کا نشان رہی۔ استنبول آج دنیا کی عظیم مساجد کا سب سے بڑا شہر ہے جن میں سلیمان ذی شکوہ کی جامعہ سلیمانیہ اپنی عظمت وجلال وحسن وزیبائی وسعت وشان میں دنیا کی نادرہ روزگار تعمیرات میں سے ہے۔ ترکوں نے دمشق، مصر اور جنوب مشرقی یورپ میں ہر جگہ مساجد بنائیں صرف ایک شہر sarayuvo وسطی یوگوسلاویہ میں ایک سو مساجد ہیں۔ جس میں بعض ترکی فن تعمیر کا اچھوتا نمونہ ہیں جامعہ طولون، جامعہ ازہر پینانگ کی مسجد غرض مشرق سے مغرب تک انڈونیشیا سے مراکش تک مسلمانوں کی مساجد کا آپ کو ایک تسلسل نظر آئے گا۔ جن کا فن تعمیر تنوع کے باوجود اپنے میں ایک خاص یک رنگی اور وحدت رکھتا ہے۔

اس درازنفسی سے مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں سب سے اہم چیز مسجد ہے۔ جس سے مسلمان کبھی غافل نہیں ہوئے اور جو مسلمانوں کی ملی زندگی کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے دور زوال میں مسجد کی ہمہ جہتی افادیت محدود ہوکر رہ گئی۔ ضرورت ہے کہ ہم مسجد کے اس اسلامی ہمہ گیر اور ہمہ جہتی نظام کو دوبارہ زندہ کریں۔ مساجد اور ائمہ مساجد کا صحیح مقام ومنصب پہچانیں اور قرون اول کی طرح مسلمانوں کے تعلق کو مسجد کے ساتھ جوڑ دیں اور اسے صرف نماز تک محدود نہ رکھیں بلکہ ہر مسجد تبلیغ ودعوت، تعلیم وتربیت اور ہماری انفرادی واجتماعی زندگی کا مرکز ہو اور ہماری مسجدیں ہماری معاشرتی زندگی کا مرکزی نکتہ ہوں ہمارے دل مساجد میں اٹکے ہوئے ہوں۔ ہم مسجد کی زندگی سے حیات پائیں اور مسجد کی روح ہماری پوری ملی حیات کے رگ وپے میں سرایت کی ہوئی ہو۔ محلہ کی مسجد سے ہمارے محلہ کے جملہ ملی اجتماع وانفرادی مسائل کا حل ہو۔ علاقہ کی جامع مسجد علاقے کی زندگی کا سامان ہو۔ شہر کی جامع مسجد پورے شہر کے لئے دینی حیات کا خون اور دنیاوی راحتوں کا ذریعہ ہو۔ غرض پھر سے ہم مسجد کے ساتھ متعلق ہوجائیں کہ جیسا حدیث میں مومن کامل کی مثال دی گئی ہے کہ اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہوتا ہے اور مومن مسجد میں ایسا سرور وچین پاتا ہے جیسا کہ مچھلی تالاب میں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱۴)
اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مردِ مسلم

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے:۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

انسان اسی عالم میں اللہ کا نائب بن کر آیا ہے، اور اسے بادنیٰ مناسبت صفات الٰہی کا مظہر بنایا گیا ہے، انسان جس قدر سفلی تقاضوں سے پاک ہوگا اور اپنے جواہر باطنی کو تزکیہ اور احکام الٰہی کی پابندی سے روشن کرتا جائے گا۔ اس میں صفات حق کا انعکاس ہوگا۔ اور وہ خدا کی صفات، جمال وجلال، کمال و تنزیہہ کا آئینہ بن جائے گا۔ انسان کی تکمیل صفات حق کی تجلیات سے ہوتی ہے۔ انسان کا وجود وظہور اور بقاوترقی تمام اللہ تعالیٰ کی صفات کے مختلف مظاہر ہیں۔ بندہ جب خدا سے تعلق پیدا کرتا ہے اور ماسوا کے تعلقات سے فارغ ہوکر ذات حق میں ہر آن شاغل ومشغول ہوجاتا ہے۔ تو صفات رب کا پرتو اس کے ظاہر وباطن کا نور بن جاتا ہے، وہ اپنی ذات سے گم ہوکر خدا کی ذات سے قائم ہوجاتا ہے۔ اسی کی ذات سے اسکی ہر ادا، اور اسی جمیل مطلق کے اشاروں سے اسکی حرکت وسکون ہونے لگتی ہے، صوفیہ کی اصطلاح میں اسے فنا وبقا کا مقام کہتے ہے، یعنی اپنی ذاتی حثیت ختم ہوجاتی ہے، اور وہ آلہ رب بن کر اس عالم میں زندگی گزارتا ہے، اور یہ کمال اسے صبغت اللہ میں رنگ جانے اور عبدیت میں کامل ہوجانے سے نصیب ہوجاتا ہے۔ قرآن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرۃ:138)

ترجمہ: اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے۔

یہ اللہ کا رنگ صفات الٰہیہ کے رنگ میں رنگین ہوجاتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے:۔

قلب را صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام ننگ دہ

اقبال کے مرشد معنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

آنکہ او بے نقش و سادہ سینہ شد
نقشہائے غیب را آئینہ شد
آدم اصطرلاب اوصاف وعلو است
وصف آدم مظہر آیات اوست
ہر چہ دروے مینماید عکس اوست
ہمچو عکس ماہ اندر آب جواست
خلق را طوں آب داں صاف و زلال
و ندر و تاباں صفات ذو الجلال
علم شان وعدل شان ولطف شان
چوں ستارہ چرخ در آبِ رواں

اقبال کا قول ہے:۔

اینکہ در سینہ پیچد یک نفس
سر از اسرار توحید است و بس
رنگ او برکن مثال او شوی
در جہاں عکس جمال او شوی

بندہ مؤمن کا انتہائے کمال اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب خاص اس کے احکام کی پابندی اور اس کا نائب بن کر نقش حق کو عالم پر مرتسم کرنا ہے۔ قرب الٰہی، احکام الٰہیہ، احکام الٰہیہ کی پابندی اور اس کا نائب بن کر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نقش حق کو عالم پر مرتسم کرنا ہے۔قرب الٰہی، احکام الٰہیہ کی پابندی اور نائب حق کی حیثیت سے جس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ جلال و جمال، کمال وتنزیہہ کا پرتو اس کی ذات سے ظاہر ہوگا۔اسی قدر انسان اپنے فرائض مظہر حق اور خلیفہ ربانی بن کر ادا کر سکے گا۔خداوند قدوس کی جلالی و جمالی اور کمالی صفات ہی مومن کے ایمان کی عناصر ہیں۔ذات حق کی کنہ تک پہنچنا ممکن نہیں۔معرفت الٰہی کا زینہ صفاتِ حق کی ہی پہچان و یافت ہے۔بندۂ مؤمن چونکہ خلیفۂ الٰہی ہے۔اس لئے اس کا باطن خدا کی ہر قسم کی صفات کا تجلی گاہ ہے، اور مؤمن انہیں صفات کے مجموعے سے اپنے اخلاق وکردار کو وجود بخشتا ہے۔اقبال نے اپنے اس شعر میں

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

خدا کی صفات جمال وکمال وجلال کی طرف اشارہ کیا ہے۔اگر ایک صفت کا غلبہ ہو تو اعتدال جو خلافت کے لئے ضروری ہے باقی نہیں رہ سکتا۔اس بناء پر مؤمن سے ہر موقع ومحل کے مطابق مناسب صفات کا ظہو ہوتا ہے۔'ضرب کلیم'' میں مومن کے عنوان پر اقبال نے جو کچھ کہا ہے وہ ہمارے اس قول کی تصدیق کرتا ہے۔کہتا ہے ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہیں اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک وحمام اس کی نظر میں
جبرائیل وسرافیل کا صیاد ہے مؤمن
کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مؤمن
حوروں کو شکایت ہے کہ کم آمیز ہے مؤمن

جب اس سے صفات جمالی کا اظہار ہوتا ہے تو وہ ؎

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

اور جب وہ جلالی کا مظہر بنتا ہے تو وہ ؎

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

؎

اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری

بندہ مؤمن کی انہیں متضاد ومختلف صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

قلندراں کہ براہ تو سخت می کوشند
زنہ شاہ باج ستانند وخرقہ می پوشند
بجلوت اند وکمند سے بہ مہر ومہ پیچند
بخلوت اندو زمان و مکان دار آغوشند
دریں جہاں کہ جمال تو جلوہ ہا وارد
ز فرق تابقدم دید و دل و گوشند
بروز بزم سراپاچہر مرینا و حریر
بروز رزم خرد آگاہ و تن فراموشند

مؤمن کی یہ جامعیت صفاتی اسی ذات جمیل وجلیل کا فیض کامل تھی جو اس عالم میں صفات الٰہی کا مظہر بن کر آیا تھا۔صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا
بشری ہے آئینہ دار نذیری

مؤمن کی جلالی و جمالی صفات کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ۔(الفتح:29)

ترجمہ: نبی پاک ﷺ کے ساتھی (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کفار پر بھاری و غالب ہیں، اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔

غرض مؤمن خدا کا بندہ بن کر اس کی صفات میں رنگین ہو کر کبھی جلال الٰہی کا مظہر بنتا ہے، کہیں جمال ربانی کا منظر پیش کرتا ہے اور کبھی کمال خداوندی کا پرتو اس کی ذات سے ظاہر ہوتا ہے۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

یہی بندہ مؤمن ہے جو اللہ کا ہاتھ بن کر عالم میں خدا کی حدود کا اجرا، اس کے احکام کا نفاذ کرتا ہے، اور خدائی صفات کی مختلف شئون و تجلیات اس کی ذات سے ظہور پاتی ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا و کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اسکی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگاہ میں دل نواز
نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو!
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

مؤمن کی صفات چہارگانہ ''قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت'' حقیقت میں ان صفات الٰہیہ کا امتزاج ہے جن کی تشکیل سے مؤمن کا اخلاق بنا ہے۔ قہاری خدا کی صفات جلال کا عکس ہے، غفاری جمالی صفات کا پرتو ہے۔ قدوسی صفاتِ تنزیہہ کا ظل ہے اور جبروت کمال صفات کا سایہ ہے، پہلی صفت کا حاصل

حق کے لئے غلبہ وسطوت، دوسری صفت کا مدعا قوت پا کر مظلوموں زیردستوں یہاں تک کہ قاہروں اور جابروں کو بخش دینا ہے۔ تیسری صفت قدوسی کا منشا عفت و پاکیزگی، تزکیہ باطن و تطہیر نفس وقلب ہے۔ چوتھی صفت کا خاصہ ان صفات صفات سرگانہ کو اپنا کر خلافت الٰہیہ کے مقام پر اس طرح فائز ہونا ہے کہ اس کی ہیبت وجلال کی بناء پر کوئی شخص احکام الٰہی سے سرتابی نہ کر سکے۔

صفات کے متعلق اس اجمالی بیان کے بعد ہم صرف غفاری کی کچھ تشریح پر اکتفا کرتے ہیں۔ اسلام کا خدا غفور ہے، بقول سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دو جگہ غافر (بخشنے والا) کہا ہے۔ پانچ دفعہ غفار (بڑی بخشائش کرنے الا) اور اتنی ہی دفعہ عفو اور ستر سے زیادہ آیتوں میں غفور کہا ہے۔ خدا نے اپنی اس صفت کی تجلی کا پرتو پیدا کرنے کے لئے مؤمنین کو کھلی دعوت دی ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ۔(الجاثیۃ:14)

ترجمہ: ایمان والوں سے کہہ دے کہ جو اللہ کے جزا و سزا کے واقعات پر یقین نہیں رکھتے انہیں معاف کر دیا کریں۔

مؤمن کی صفت بتائی:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔(شوریٰ:37)

ترجمہ: جب غصہ آئے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کا نبی ﷺ سراپا بخشش و رحمت ہے اور اس کا پرتو تو عام مؤمنین کی ذات سے ہویدا ہے۔ یہی مغفرت و بخشش، عفو و درگزر کا جذبہ ہے جو عملاً اس امت کا خاصہ ہے اور جو لوگوں پر شفقت کی ایمانی صفت سے وجود میں آیا ہے۔

اقبال کہتا ہے:

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آنکہ مہتاب از سر انگشتش دو نیم
رحمتِ او عام و اخلاقش عظیم

یہی غفاری کا بے پایاں جذبہ تھا، جس کی وجہ سے نبی پاک حضرت محمد ﷺ نے اپنے خون کے پیاسوں، وطن سے بے وطن کرنے والوں اور طرح طرح کی اذیت دینے والوں کو فتح مکہ کے دن یہ کہہ کر بخش دیا:

لا تثریب علیکم الیوم انتم۔

ترجمہ: آج کے دن تم پر تنگی و پکڑ نہیں۔ تم سب کے سب آزاد ہو۔

زہر کھلانے والی یہودیہ سے باز پرس نہیں کی۔ پیارے چچا کے قاتل وحشی پر دار و گیر نہیں فرمائی۔ دانت شہید کرنے والوں، پتھر برسانے والوں، خون میں نہلانے والوں کو ہمیشہ بخشنے، نوازتے اور دعائیں دیتے رہے اور یہی نمونہ و اسوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کیا اور یہی دستور ہر زمانے میں خاصان خدا اور مؤمنین کاملین کا رہا۔ کاش! آج پھر مسلمان ان صفات الٰہیہ کا مظہر بن کر عالم میں جلوہ گر ہو تو اسلام کی رحمت اور برکت سے پوری دنیا پھر سے امن و سکون، چین و راحت کا گہوارہ بن جائے کہ ع

قاہری با دلبری پیغمبری ایست

اور پیغمبرانہ کردار ہی عالم کی نجات کا ذریعہ ہے۔

❀❀❀

(۱۵)

موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل

ہر ملت کا ایک مزاج پیدا ہوتا ہے اور امتِ محمدیہ مرحومہ کا بھی ایک خاص مزاج ہے جو دیگر جملہ اقوام و ملل سے جداگانہ ہے۔ اس کی تشکیل رنگ و نسل و وطن وغیرہ کی بنیادوں پر قطعاً نہیں ہے جس سے دوسری قومیں بنتی ہیں۔ امتِ محمدیہ کا قوام و بنا سراسر مذہبی اقدار پر قائم ہے، اس کی وجہ سے یہ سب قوموں سے جداگانہ اپنا ایک خصوصی مزاج رکھتی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

ہر امت کا مزاج جو کسی سچے آسمانی دین کی پیروکار ہو، اس کے نبی کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اس امت کو اس اساس اور بنیاد سے ہٹا دینے کی کوشش کی جائے تو خلافِ مزاج ہونے کی بنا پر اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ملت کا قوام بگڑ جاتا ہے اور جب قوام بگڑ جاتا ہے تو انحطاط اور زوال کا ہونا یقینی ہے۔ اقبال مرحوم نے یورپ سے اپنی پہلی واپسی کے بعد علی گڑھ میں ایک خطبہ دیا تھا، جس کا ترجمہ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے ''ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے عنوان سے کیا تھا، اس میں ڈاکٹر اقبال نے امت کے عمومی مزاج اور اس کی تعلیم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ ''ہم سے زیادہ ہمارے آباؤاجداد ہماری ملی نفسیات سے واقف تھے جنھوں نے ہماری تعلیم کی بنیاد قرآن کریم کو بنایا تھا۔'' اس موقع پر اقبال نے اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا ایک شعر پڑھا:

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آیا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

امت کا ملی نفسِ ناطقہ جن اقدار پر استوار ہے، اس میں سب سے پہلی بنیاد وہ دینی حاسہ ہے جس نے ملت کا رابطہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور انور ﷺ کی ذاتِ پاک سے جوڑ دیا ہے۔ امت کی تشکیل بھی اسی جذبۂ واحدہ پر ہوئی ہے، جو کہ اس امت کو تمام اطراف سے توڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسولِ انور ﷺ کی ذات سے جوڑتا ہے، اس کو آپ اسلام، دین یا وحدتِ ملت کہہ لیں، جس نام سے پکاریں، امت کی وحدت کا رشتہ اس کا وہ مابعد الطبیعاتی دینی نظریہ ہے جس نے ان کے مختلف اللّسان، مختلف الالوان اور مختلف الاوطان اشخاص کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ مشہور پولیٹیکل سائنٹسٹ موسیو ریناں نے ایک مقام پر لکھا تھا کہ قوموں کی تشکیل اصلاً اس باطنی رابطہ اتصال پر ہوتی ہے، جو انھیں آپس میں جوڑ کر ایک نقطۂ ارتکاز پر اکٹھا کر دیتا ہے۔ وہ رابطہ زبان، وطن، رنگ ونسل، روایات یا ذہنی اشتراک، غرض کوئی ایک رشتہ ہوسکتا ہے۔'' ریناں کے اس نظریہ کو دیکھتے ہوئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ نکتۂ متحاسکہ جو امت کو ایک نقطہ پر جوڑتا ہے وہ دینی ادراک، قلبی اشتراک اور ذہنی اتصال ہے جس نے اس کو حضرت محمد ﷺ کی ذات، صفات اور آپ کی ختمِ نبوت پر جوڑ دیا ہے۔ جامی نے کہا تھا:

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کُن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اے جامی! تو عشق کا بندہ ہے، نسب کو چھوڑ۔ اس راستے میں فلاں فلاں کا بیٹا ہونا کوئی چیز نہیں۔

یہ عشقِ محمدی ﷺ، امتِ محمدیہ ہونے کا شعور وہ رابطۂ اتصال ہے جس نے عرب وعجم، گورے و کالے، مشرق ومغرب کے ہر طبقہ کے انسان کو ایک نقطہ پر متحد کر دیا ہے، جیسے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا نسب کیا ہے، تو اسلامی جذبۂ ملت میں سرشار و اسلام کے اس فدائی نے یوں کہا:

اَبِیْ الْاِسْلَامُ لَا اَبَالِیْ سِوَاہُ اِذَا اَفْخَرُوْا بِقَیْسٍ وَ تَمِیْمٍ

میرا باپ اسلام ہے، اسلام کے سوا میرا کوئی باپ نہیں، جبکہ لوگ قیس وتمیم کے قبیلہ میں سے ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

ایک موقع پر کسی نے باپ کا نام پوچھا تو کہا: سلمان ابنِ اسلام ابنِ اسلام ابنِ اسلام۔

ملت کا بنیادی نظریہ جب نگاہوں سے اوجھل ہوگا، اور اس کی بنیاد پر جو نظامِ تعلیم قائم کیا جائے گا، وہ ملت کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دے گا۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے ہمارے ہاں جو نظامِ تعلیم ہندوستان یا اسلامی ممالک میں رائج تھا، وہ اس دور کے لحاظ سے ہماری مذہبی، دینی، معاشی ودنیاوی جملہ حاجتوں کا کفیل تھا۔ اس کی بنیاد دین اسلام کے بنیادی نظریات پر تھی۔ ہر ہر فن میں دین کو سمو دیا گیا تھا۔ اس نظامِ تعلیم کا بچا کھچا حصہ اب بھی مدارسِ اسلامیہ میں درسِ نظامی کے نام سے جاری ہے۔ ناواقف اسے صرف دینی کتابوں اور دینی تعلیم پر منحصر سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں پچھلے دور کی منطق، تاریخ، فلسفہ، عمرانیات اور حساب کے کئی علوم اس میں شامل ہیں، لیکن اس مدرسۂ فکر اور نظامِ تعلیم نے، گو اس میں پرانا فلسفہ اور علوم شامل تھے، ہماری دینی قدروں کو متزلزل نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان جب تیسری، چوتھی صدی ہجری ومابعد میں یونانی، ہندی، ایرانی اور دیگر فلسفوں اور نظریات سے دوچار ہوئے تو سوائے معدودے چند کے، مسلمانوں کے اجتماعی ذہن نے ان کو قبول اور ہضم نہیں کیا تھا، بلکہ اس زمانے کے اہلِ فکر امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان تمام فلسفوں کو اولاً مسلمان کیا، پھر نظامِ تعلیم میں شامل کیا۔ غیروں کے ان مکاتیبِ فکر کے وہ نظریات جو دین سے مطابقت نہیں رکھتے تھے ان کی تصحیح اور درستی فرمانے کے بعد نظامِ تعلیم میں داخل کیا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کر!!

وہ امت کے مزاج سے واقف تھے، ذہنی طور پر مرعوب نہیں ہوئے تھے، اس لئے امت کی بنیادیں متزلزل نہیں ہوئیں، بلکہ جو محدود طبقہ (معتزلہ وغیرہ) متأثر ہوا تھا، وہ بھی امت کے عمومی دینی مزاج کو نہیں بگاڑ سکا اور آخرش امت کی وحدت میں گم ہو کر رہ گیا۔ لیکن موجودہ دور میں اولاً مغربی استعمار اور برطانوی فتح مندیوں کے نشہ سے سرشار حکومتِ انگلشیہ نے جو نظامِ تعلیم برِّ کوچک ہندو پاک کو دیا اور رائج کیا، وہ کلیۃً ہمارے دین، مزاج اور ملی و ذہنی افتاد کے مطابق نہیں تھا، بلکہ اس نے اپنے مفاداتِ خاصہ کے تحت جو نظام رائج کیا اس کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ ملت کے اندر ایسے اشخاص کو پیدا کیا جائے جن کا رنگ اور نسل تو ہندوستانی ہو، لیکن ذہنی افتاد اور مزاج کے لحاظ سے وہ یورپین ہوں تا کہ وہ انگریز کے مفادات کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کر سکیں۔ لارڈ میکالے اور ولیم ہنٹر نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے اور اجتماعی فلسفہ و نفسیات کے مشہور ماہر موسیو لیبان فرنساوی نے اپنی کتاب ''تمدنِ ہند'' میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ ''انگریزوں نے جس نظامِ تعلیم کو ہندوستان میں رائج کیا اس سے بابوؤں کی ایک نئی نسل پیدا ہو گئی جو کہ نسلاً ہندی ہیں، لیکن فکر اور ذہنی افتاد کے اعتبار سے انگریز ہیں، اور انگریز کے مفادات کے لئے انگریزوں سے زیادہ وفادار ہیں''۔

اقبال نے اسی تعلیم کے پروردہ اشخاص سے خطاب کرتے ہوئے موسیو لیبان کے اس نظریہ کی تائید کی ہے اور عجیب پُر درد انداز میں کہا ہے:۔

علم غیر آموختی اندوختی
روئے خویش از غازہ اش افروختی

(تو نے غیر کا علم سیکھا اور جمع کیا۔ گویا اپنے چہرے کو ان کے غازے (یعنی میک اپ کے سامان) سے روشن کیا)

ارجمندی از شکارش می بری
من نہ دانم تو توئی یا دیگری

(تو ان کے شکار سے کامیابی چاہتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تو تو ہی ہے یا کوئی اور ہے۔)

عقلِ تو زنجیریٔ افکارِ غیر
در گلوئے تو نفس از تار غیر

(تیری عقل غیروں کے خیالات کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے اور تیرے گلے سے نکلنے والا سانس غیر کا ہے۔)

بر زبانت گفتگو ہا مستعار
در دلِ تو آرزو ہا مستعار

(تیری زبان پر جو گفتگو ہے وہ مانگی ہوئی ہے اور تیرے دل کے ارمان بھی مانگے ہوئے ہیں)

بادہ می گیری بجام از دیگرم!
جام ہم گیری بو ام از دیگرم!

(اپنے پیالے میں دوسروں کی شراب ڈال رہا ہے بلکہ پیالہ بھی دوسروں سے مانگ رہا ہے)

قمریانت را نواہا خواستہ!
سروہایت را قباہا خواستہ!

(تیری قمریوں کی آواز بھی مانگی ہوئی ہے اور تیرے سروں کا لباس بھی مانگا ہوا ہے)

(رموزِ بے خودی:۱۶۰)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ
ظلمت آباد و ضمیرش بے چراغ

(یہ مسلمان کی روشن دماغ اولاد ایسی ہے کہ اس کا ضمیر روشنی کے بغیر ہے)

در جوانی نرم و نازک چوں حریر
آرزو در سینۂ او زود میر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(جوانی میں حریر کپڑے کی طرح نرم و نازک لیکن اس کے سینے کی آرزوئیں جلدی مرنے والی)

ایں غلام ابن غلام ابن غلام

حریت اندیشہ او را حرام

(یہ غلام، غلام کا بیٹا، غلام کا پوتا۔ آزادی اس کی سوچ کے لئے ایک حرام کام ہے)

مکتب از وئے جذبۂ دین در ربود

از وجودش ایں قدر دانم کہ بود

(مکتب یعنی نظامِ تعلیم اس سے دین کا جذبہ لے گیا۔ اس کے وجود سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ کسی وقت اس میں یہ جذبہ تھا۔)

ایں ازخود بیگانہ ایں مستِ فرنگ

نانِ جو می خواہد از دستِ فرنگ

(یہ اپنے سے بیگانہ، یہ انگریز کا مستانہ، یہ انگریز کے ہاتھ سے جُو کی روٹی چاہتا ہے)

نوجواناں تشنہ لب خالی ایاغ

شستہ رو تاریک جان روشن دماغ

(نوجوان خشک ہونٹ، خالی پیالے، صاف چہرے اور روشن دماغ والے لیکن تاریک دل والے ہیں)

کم نگاہ و بے یقین و نا امید

چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید

(کم نگاہ، بے یقین اور ناامید ہیں۔ ان کی آنکھ نے دنیا میں کچھ نہ دیکھا)

مکتب از مقصود خویش آگاہ نیست

تابِ جذبِ اندرونش راہ نیست

(مکتب اپنے مقصد سے آگاہ نہیں ہے اور اس کے باطن میں جذب کی طاقت نہیں ہے)

خشت را معمار ما کج می نہد

خوئے بط با بچۂ شاہیں دہد

(میری بنیاد معمار نے ٹیڑھی رکھی ہے اور شاہین کے بچے کو بطخ کی خو سکھلائی۔)

بانگِ درا میں مغربی تعلیم جو مسلمانوں میں سرسید مرحوم کے واسطے سے عام ہوئی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے

لیکن نگاہِ نکتہ بیں دیکھے زبوں بختی میری

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

(میں گیا کہ اپنے پیر سے کانٹا نکالوں لیکن محمل (اونٹ کا وہ کجاوہ جس میں عورتیں بیٹھتی ہیں) میری نظروں سے چھپ گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے غافل ہوا جس کی وجہ سے سو سال میری منزل دور ہوگئی)

ایسے پاؤں سے کانٹا نکالنے والے کے بارے میں کسی رند نے کہا ہے:

ٹھہر کے پاؤں سے کانٹا نکالنے والے

یہ ہوش ہے تو جنوں کامیاب کیا ہوگا

ہندو پاک کے مسلمانوں کی ایک کم نصیبی یہ بھی ہے کہ انگریز نے جو نظامِ تعلیم رائج کیا وہ ہمارے ملی مزاج اور فطرت سے تو سراسر بیگانہ تھا ہی، اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی وہ تعلیم جس سے مغرب میں صنعتی انقلاب کی بنیادیں استوار ہوئی تھیں اسے بالکل رائج ہی نہیں کیا، جس سے افکار میں پراگندگی تو پیدا ہوئی لیکن دورِ حاضر کی ترقی، جو صنعتی پیداوار پر منحصر تھی، وہ بھی میسر نہ آئی اور ملی پراگندگیٔ فکر و زبوں حالی کے ساتھ ہم دنیاوی ترقی سے بھی محروم رہ گئے۔

اس کے بالمقابل جاپان میں ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان تعلیمی انقلاب آیا۔ انہوں نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مغرب کے عمرانی علوم کو کما حقہ نہیں لیا، بلکہ سائنسی اور ٹیکنیکل علوم کو رائج کیا اور اس سے صنعتی ترقی میں اتنے آگے بڑھے کہ ۲۵ سال میں یعنی ۱۹۰۵ء میں اس دور کے زار روس کی عظیم سلطنت کو شکست دے دی۔

دوسری مصیبت جو اس امت کے لئے سب سے بڑا المیہ تھا، وہ مغرب کی ظاہری تہذیبی چکاچوند سے مرعوبیت تھی، جس کی وجہ مغربی تمدنی علوم ہی کو علم وحکمت وترقی کا واحد ذریعہ مان لیا گیا اور ملت کا رابطہ اپنے موروثی ورثۂ علمی سے منقطع کر دیا گیا۔ موجودہ نظامِ تعلیم میں اخلاق کے بچاؤ یا سنوارنے کے لئے کوئی بنیاد قائم نہیں تھی، جو مغرب کے بے خدا اور بے حیا نظامِ تعلیم کا ایک خاصہ ہے۔ اس کے چلن و رواج سے ہمارے نوجوانوں میں اخلاقی انتشار اور بے راہ روی پیدا ہوگئی۔ ہمارے مرحوم نظامِ تعلیم میں جو فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، ان میں گلستان، پنج گنج، بوستان جیسی اخلاق کے پیدا کرنے والی کتابیں تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہم اپنے علمی، اخلاقی ورثہ اور اقدارِ ملی سے محروم ہوگئے اور مغرب کی تعلیم نے ہمارے اس اخلاقی خلا اور دینی اضمحلال کا مداوا نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت کا تعلیم یافتہ، ذہین طبقہ ایسی ذہنی کشمکش اور انتشار میں مبتلا ہوگیا، جس نے مذہب کے بارے میں ہولناک، خطرناک اور بھیانک ارتیاب اور تذبذب کی کیفیت پیدا کر دی اور ایک جدید فرقہ ارتیابیہ (Agnostics) پیدا ہوگیا اور اسلام جو نرا الیقین تھا اور جس کی کتاب مُنَزَّل کا پہلا فقرہ "لا ریب فیہ" تھا، اس طبقے نے اسے ریب وشک سے دیکھا اور یقین کی بے بہا دولت سے محروم ہوگیا اور وہ ورثۂ ملی اور دینی اقدار جس سے ملت کا نظام قائم تھا، اس کی نگاہوں میں مضمحل ومتزلزل بلکہ اوجھل ہوگیا اور یہ اتنا بڑا ملی حادثہ ہے جس سے ملت کی چولیں ہل گئیں اور امت بے زمام و بے مقصد ہو کر رہ گئی۔

حضورِ حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا
ندا آئی کی آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا

غرض ہماری تعلیم اس وقت تک صحیح، مستقیم، سلیم الطبع اور اپنی ملت اور دینی اقدار پر یقین کرنے

والے افراد کو پیدا نہیں کر سکتی، جب تک مروجہ تعلیم میں بنیادی تبدیلی پیدا نہ کی جائے اور اسے ملی اقدار و مزاج کے مطابق نہ ڈھالا جائے۔

ملی تشخص سے محرومی: ایک عظیم المیہ

میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

عمومی طور پر اس عظیم المیہ کا سبب معدودے چند افراد کے علاوہ ہماری قیادت کی قومی مزاج سے بے خبری، امت کے عروج وزوال کی حقیقت سے ناشناسی، امتِ محمدیہ مرحومہ کے تشخص خاصہ سے ناواقفیت اور ملت کے عمومی ذہن سے بے خبری اور دینی بے حسی ہے۔ مزید برآں عامۃ الناس میں اس جذبہ اور ولولہ اور احتساب کی قوت کا فقدان ہے، جو ہر قیادت کو مجبور کر دے کہ وہ امت کے مزاج ملی کو جان کر اس کے تشخص کی بقا کے لئے ان راہوں کو تلاش کرے جن سے ملت کا قوام اور بقا وابستہ ہے۔ ہمارے ملک میں گو حکومتیں اور افراد بدلتے رہے، نظام ہائے حکومت مختلف صورتیں اختیار کرتے رہے لیکن جن عناصر سے ہر دور میں قیادت وحکومت نے تشکیل پائی وہ نہ بدلے اور یہ وہ طبقہ تھا جو ذہنی اور فکری لحاظ سے مغرب کا پروردہ اور ان کے تعلیمی نظام کا پیدا کردہ تھا۔ جن کی غالب اکثریت کے بارے میں اکبر الہ آبادی مرحوم کے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے:

گزر ان کا ہوا کب عالم اللہ اکبر میں!
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

پہلے انگریز حاکم رنگ ومزاج وذہن ہر اعتبار سے "گورے" تھے اور اپنے مفاداتِ خاصہ کے نمائندے۔ اب رنگ ونسل بدل گئی، لیکن عام حاکم مزاج وذہن ہر اعتبار سے گوروں کے ناقل اور مثل بنے رہے اور یہ سیاہ فام "حاکم" ظاہر کے علاوہ مغربیت کی باطنی سیاہی کے حامل بن گئے۔

مغربی تہذیب امتِ محمدیہ کے مزاج سے قطعاً ناشناس وبیگانہ ہے۔ اس کا آوردہ نظامِ تعلیم اور اس کی تیار کردہ تعلیم یافتہ کھیپ نہ تو امت کے مزاج کو جانتی ہے اور نہ امت کے حقیقی تشخص سے واقف ہے۔ جب تک کہ یہ طبقہ کمال اخلاص، جستجو اور محنت سے اپنے ملی تشخص کے جاننے کی کوشش نہیں کرے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گا اس وقت تک ان پر اقبال کا یہ حکیمانہ اور حقیقت پر مبنی شعر نہیں کھلے گا۔

چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش افرنگ

موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ خلوص اور اسلام سے عقیدت کے باوجود اپنی تربیتی پرورش اور اس کی پیدا کردہ افتادِ طبع کی بنا پر مجبور و معذور ہے کہ وہ یورپ کے درآمدہ نظریات اور علوم پر اس ملتِ بیضا کو پرکھے، جیسے انگریزی کی ضرب المثل ہے کہ مشرق مشرق ہے، مغرب مغرب ہے، یہ نہ ملے ہیں اور نہ ملیں گے۔

" East is East and West is West. They never meet and had never met".

مزاجِ امت اپنی تشکیل میں مشرق و مغرب کے ہر مزاج اور نظریۂ فکر سے جداگانہ ہے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے علوم، قرآن و سنت اور عصرِ سعادت یعنی دور صحابہ اور تاریخِ امت پر گہری اور عمیق نظر نہیں ہوگی، مزاجِ ملت سے آشنائی نہیں ہو سکے گی۔ بڑا المیہ یہی ہے کہ جدید طبقہ اپنی علمی میراث سے محروم اور مغرب کے آوردہ علوم کے ایک حصہ سے سطحی حد تک واقف ہے۔ یہ طبقہ دین، ملت اور حقائق اسلامیہ سے آشنا نہ ہو سکا اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ مغرب کو بھی کلیتاً نہ پا سکا۔

اس اعتبار سے سب سے پہلی بات جدید طبقہ کو ملت کے خصائص، اس کے اجزائے ترکیبی، اس کے قوام اور بقا کے بنیادی حقائق سے روشناس کرنا ہے۔ جب تک ہم مغرب کے آوردہ نظریات پر قیاس کرتے ہوئے اپنی ملت کو بنانے، سنوارنے اور ابھارنے کی کوشش کرتے رہیں گے، ہمیشہ ہم ناکام رہیں گے۔ جیسے زرخیز اور مرطوب آب و ہوا میں پھلنے پھولنے والے پودے کو خشک و گرم فضا موافق نہیں آسکتی، اسی طرح اسلام کے پودے کی ہریالی اور سرسبزی، دینی اور اسلامی نظریاتی ماحول میں قائم رہ سکتی ہے۔ حکیمِ مشرق (علامہ اقبال مرحوم) نے خوب کہا تھا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

پس ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم مغربی تہذیب و تمدن سے اپنے دین و ملت اور مذہب کو پرکھیں۔ اپنے معیار اور جانچ کے سانچے قطعاً اسلامی رکھیں اور اس کے مطابق ملت کے تشخص کی کوشش کریں تو کامیابی یقینی ہے۔ ورنہ رومی کی مثنوی کی کینزک کی طرح ہر علاج الٹا اثر کرے گا۔

ہر چہ کردند از علاج و از دوا
گشت رنج از فزوں و حاجت ناورا

(جتنا انھوں علاج نے کیا اور دوا دی اس سے بیماری بڑھتی گئی اور مطلب حاصل نہ ہوا)

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود
روغن بادام خشکی می نمود

(تقدیر کا فیصلہ کہ سرکہ اور شہد جو صفرا کو کم کرتے ہیں ان سے صفرا بڑھ گیا اور بادام سے خشکی پیدا ہوگئی)

از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت
آب آتش را فزود ش ہمچو نفت

(ہریڑ سے قبض پیدا ہوا، اور پانی سے آگ ایسے بڑھی جیسے پٹرول سے بڑھتی ہے)

اس سلسلے میں نوکر شاہی کا تصور اور رکاوٹیں، قیادت کی کوتاہی سے کسی صورت کم نہیں۔ یہ ایک المناک داستان ہے، جس نے تیس سال کے عرصے تک قوم کو نہ صرف دینی و ملی تشخص سے محروم رکھا بلکہ اپنی قومی زبان تک کو اپنانے نہ دیا۔

موجودہ نظامِ تعلیم میں تبدیلی کیسے؟

جب کوئی قوم تبدیلی اور تعمیر کا ارادہ کرتی ہو اور خیر کی طرف آنا چاہتی ہو اور اس میں مخلصانہ عزمِ صمیم رکھتی ہو تو کوئی رکاوٹ اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔ عامیانہ محاورہ ہے: ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔'' اگر ہم موجودہ نظامِ تعلیم کو بدلنا چاہیں اور سچ مچ اس بارے میں مخلص ہوں تو کوئی رکاوٹ اور کوئی وجہ ایسی نہیں کہ ہم اس بے خدا مغربی نام نہاد نظامِ تعلیم سے نکل کر اپنے مزاج اور اسلامی نظریات اور اقدار کے مطابق نظامِ تعلیم نافذ نہ کر سکیں۔ اگر یہ ممکن ہے کہ ایک شخص ترکیہ میں خلافتِ عثمانیہ کے پانچ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سوسالہ رائج شدہ اسلامی نظام کی بیخ و بن نکال دے، یہاں تک کہ عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی رسم الخط اور فرانسیسی قانون اور مغربی تمدن کو پانچ سات سال کے عرصے میں رائج کر دے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اس کج نہاد اور بے خدا، اپنے افکار و نظریات سے بیگانے نظریے اور نظامِ تعلیم کو بدل سکیں؟ یہ سب ممکن ہے، ارادہ کی دیر ہے، جہاں تک ارادہ و عزم کے بعد عملی نفاذ کا تعلق ہے، اس کے لئے ہمیں ابتدائی مراحل میں شروع ہی سے اپنا خاص نظام قائم کرنا ہوگا۔ ہم اس نظامِ تعلیم کو تین مرحلوں میں مختلف صورتوں سے نافذ کر سکتے ہیں:

الف۔ ابتدائی تعلیم

ب۔ ثانوی تعلیم

ج۔ جامعاتی تعلیم

الف۔ ابتدائی تعلیم:

تفصیلات کا موقع نہیں، صرف اشارۃً عرض کرتا ہوں کہ بچوں کی تعلیم کے اس ابتدائی مرحلے پر اردو اور علاقائی زبان کی ایسی تعلیم جس کا چربہ اور خاکہ اسلام کے مزاج کے مطابق اور دینی رنگ سے مطابقت رکھتا ہو، زبان دانی کے طور پر پڑھایا جائے۔ باقی عمرانی علوم میں جو ابتدائی نصاب تعلیم میں دنیاوی رخ سے رائج ہے، اس میں معمولی تغیر و تبدل کی ضرورت ہوگی اور دینی تعلیمی اعتبار سے ان چار پانچ سالوں میں ناظرہ قرآن کریم، پچھلے دو پاروں کا حفظ، عقائد اسلام، پانچ ارکان، ان کے فضائل و مسائل، بچوں کے ذہن کے مطابق سیرت النبی ﷺ، اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تاریخِ اسلام کے خاص خاص واقعات آسان زبان میں حکایتوں کے رخ سے بیان کئے جائیں۔ اس مرحلے میں سب سے بڑی چیز بچوں کے ذہن میں یہ چیز پیدا کرنا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام ہی ہمارے دینی و دنیوی مسائل کا واحد حل ہے۔

ب۔ ثانوی تعلیم:

اس مرحلے پر مروجہ عمرانی علوم میں خلاف اسلام اگر کوئی چیز ہو اس کو خارج کر کے ہر فن کو اسلامی

ذہن کے مطابق بنا کر کتابوں کی نئی تالیف کر کے انہیں رائج کریں۔ جہاں تک دینی تعلیم کا تعلق ہے عربی کو وہ بنیادی اور اہم مقام دیا جائے جو آج انگریزی کو حاصل ہے۔ اگر عربی کی تعلیم صحیح اور حکیمانہ رخ سے دی جائے تو اس کا سیکھنا انگریزی کے سیکھنے سے بدرجہا آسان ہے۔

اس مرحلے میں انگریزی جو کہ موجودہ سائنسی علوم کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے اس کے مقابلے میں اگر عربی کو لانا مشکل معلوم ہوتا ہے تو اس کا علاج اور آسان راہ یہ ہے کہ ہم عربی کو دینیات کا جزو قرار دیں اور پانچویں سے لیکر آٹھویں جماعت تک ہماری دینیات دو حصوں پر مشتمل ہو، ایک حصہ عربی کی ریڈروں سے عبارت ہو، جو قرآن کریم، احادیث نبویہ، واقعات سیرت اور اسوۂ صحابہ کے آسان آسان جملوں پر مشتمل ہو، ایک پرچہ عربی کے ساتھ متعلق ہو اور ایک پرچے میں اردو میں فضائل دین و اعمال و مسائل ہوں۔ دونوں پرچوں میں کامیابی لازمی قرار دی جائے، نویں دسویں میں کلیتاً دینیات کی زبان عربی ہو، میٹرک تک عربی اتنی آجائے کہ طالب علم جلالین، ریاض الصالحین اور کنز یا قدوری تک کتابوں کو پڑھ سکے، اگر اس سطح پر ممکن نہ ہو تو ایف اے کے نصاب میں ان کتابوں کو لیا جا سکتا ہے۔ اس سے عربی اور دینیات دونوں آجائیں گے۔ انٹر تک دینیات پیشہ ورانہ فنی علوم اور عمرانی علوم کے سب طلبا کیلئے لازمی ہو۔ اس کے بعد دینی تعلیم میں تخصیص و ہی طالب علم کر سکے گا جو اسے خاص طور پر لینا چاہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے ملک میں دینی و دنیاوی تعلیم کی دوئی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی۔ ہماری دینی تعلیم کے مدارس اپنی جگہ رہتے ہوئے حکومت سے آزاد، تخصص علوم دینیہ کے مراکز بن کر رہ سکتے ہیں۔

ج۔ جامعاتی تعلیم:

جامعاتی سطح پر دینی اور عربی علوم کا نصاب اس طرح سے بنایا جائے کہ عمرانی علوم کے طلباء مستقلاً مصادر اسلامیہ سے عربی میں استفادہ کر سکیں۔ جو علوم خالص دینیات سے متعلق نہیں مثلاً فلسفہ، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات اور دیگر عمرانی علوم، ان کی چھانٹ پھانٹ ان علوم کے ماہرین اور علوم کی مشترکہ کمیٹیوں سے کرائی جائے اور جو خلافِ اسلام نظریات ہیں ان کو یا خارج کر دیا جائے یا ان کے ساتھ اسلامی دلائل کو اس رخ سے پیش کیا جائے کہ اس کا تریاق ہو جائے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہمارے قدیم علما کا ایک نظریہ اور قول ہے کتاب سے زیادہ بچوں کی تعلیم میں استاد اثر انداز ہوتا ہے۔ اس بنا پر اساتذہ کی جو الحاد، بے دینی اور غلط نظریات کے داعی ہیں، دماغی صفائی (Brain Washing) کی جائے، یا ان کو تعلیمی مناصب سے ہٹایا جائے۔

سائنسی اور فنی علوم:

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

ہمارے نزدیک سائنسی اور فنی علوم کے بارے میں محض ناواقفیت اور اسلام کی بنیادی قدروں کو نہ جاننے کی بنا پر بعض طبقات نے ان علوم کو اسلام کے مقابل سمجھا ہے، اس لئے یہ مغالطہ پیدا ہو گیا کہ سائنسی اور فنی علوم ابتداء سے انتہا تک غیر اسلامی ہیں۔ حالانکہ جہاں تک نظریاتی اور فکری نہاد کا تعلق ہے، اسلام سائنس اور فنی علوم کا نہ صرف یہ کہ مخالف نہیں، بلکہ اس کا حامی، داعی اور صدیوں تک اس کو آگے بڑھانے والا رہا اور یہ صرف مبالغہ آرائی یا سخن سازی نہیں، بلکہ ہماری قدیم میراثِ علمی ہند سے لے کر اندلس تک اور سمرقند و بخارا سے لے کر استنبول تک اس چیز پر شاہدِ عدل ہے کہ کبھی ہم ہی علوم وفنون وسائنس وصنعت کے امام تھے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمیں دوسو سالہ غلامی نے نہ صرف اپنی میراثِ علمی سے محروم کیا، بلکہ اس کے جاننے سے بھی محروم ہو گئے کہ ہم بھی کبھی کچھ تھے۔ اقبال نے ایک موقع پر ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلّم سے کوئی چارہ
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ
غنی روز سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

(اے غنی کنعان کے بوڑھے یعنی یعقوب علیہ السلام کے تکلیف دہ دن کا تماشہ کر کہ اس کی آنکھ کی روشنی یعنی یوسف علیہ السلام زلیخا کی آنکھوں کو روشن کر رہی ہے)

اسی طور پر اقبالؔ نے اپنی فارسی تصنیف (پس چہ باید کرد) میں یہ بات کھول کر سنائی ہے۔ یہ سائنس ہماری ہی پروردہ تھی۔ بات غیر متعلق اور طویل ہو جائے گی، ورنہ بتایا جاتا کہ ہم نے دنیا کو سائنسی اور فنی لحاظ سے کیا دیا اور اس میدان میں گیارہ سو سال تک امامت کے کس نقشے کو قائم رکھا اور یہ امامت ہمارے ہاتھوں سے کیوں چھن گئی۔ یہ ایک دردناک داستان ہے، جس کے ذکر کا یہ محل نہیں۔ جہاں تک کہ سائنسی، فنی اور دنیاوی علوم کا تعلق ہے، قرآن نے خلقت آدم کے وقت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ:۳۱) کا جو اشارہ نقل فرمایا ہے کہ وہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ فطرتِ بشری میں اشیاء کے خواص اور ان سے استفادہ کے علوم کو ڈال دیا گیا۔ اس کے ذریعے مؤمن و کافر کی تخصیص نہیں رکھی گئی، جو بھی حواس کے ذریعے حاصل کردہ اشیاء کے علوم کو حاصل کر کے اپنے ذہن اور فکر کو تجربہ کے رخ سے چیزوں سے استفادہ کی لائن پر لگا دے گا، وہ فنی اور سائنسی اشیاء والا بن جائے گا، اور نو بہ نو ایجادات بنانے والا بن جائے گا کہ اشیا سے نفع مندی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو حواس، عقل اور تجربہ کے آلات عطا فرمائے ہیں۔

پتوں سے جسم کو ڈھانپنے اور مٹی کے پیالہ بنانے اور کوّں سے مُردوں کے دفنانے کا علم سیکھنے سے لے کر جتنے بھی سائنسی اور فنی علوم ہیں سب کی بنیاد حواس سے حاصل کردہ علوم اور ان پر بنا کردہ قیاسات و استقرا، تجزیہ اور چیزوں کے جوڑ توڑ سے ایجادات کا ظہور میں لانا ہے، اسلام اشیا سے استفادہ کو نہیں روکتا۔ قرآن کریم کی بیسیوں آیات اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسانی تسخیر کا میدان بنایا ہے۔ اسلام علوم وفنون، سائنس، صنعت کاری سے صرف اس وقت روکتا ہے، جب یہ اشیاء انسان کی ہلاکت کا سامان بن جائیں، ورنہ خود اس کا داعی ہے۔ فکری اعتبار سے کئی جدید نظریات کے بانی، پیش رو اور مؤجد مسلمان ہیں۔ بیشتر ہمارے علما ان پر بہت کچھ کہہ چکے ہیں، بہرحال اس کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تجرباتی علوم کو فطرتِ انسانی سمجھتے ہوئے قدغن (پابندی) نہیں لگائی، بلکہ فرمایا: اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ، تم دنیائی امور کو فطرتی افتاد اور تجربہ کی بنا پر زیادہ سمجھتے ہو۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لیکن ایک چیز ذہن میں رکھنی چاہئے کہ سائنس دان ہوں، یا فلاسفہ یا دیگر مکاتب فکر کے اشخاص، ان کے سائنسی فنی علوم اور ٹیکنیکل ایجادات اگر ایسے مفروضوں پر استوار کی جائیں جو وحیٔ الٰہی سے ظاہراً خلاف معلوم ہوتے ہوں، تو ان کو ارشاداتِ الٰہیہ سے تطبیق دی جائے گی، یا ان کی تاویل کی جائے گی (یعنی درست کیا جائے گا)، ورنہ ان کا ابطال ورد کیا جائے گا۔ انسانی علوم خواہ سائنسی ہوں یا فکری سب ترقی پذیر ہیں، آج ان کا ایک مسلمہ نظریہ کل جا کر غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ وحی الٰہی ایک غیر متبدل حقیقتِ ثابتہ ہے اور انسانی علوم تغیر پذیر اور دھوپ، چھاؤں کی طرح بدلنے والے ہیں، اس لئے اسلامی غیر متبدل علوم کو سائنسی علوم کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔ یہی وہ غلطی ہے جو آج سے سو سال پہلے ہندوستان میں انگریزی علوم کے ورود کے وقت ایک طبقہ سے ہوئی۔ انہوں نے سائنس کو غیر متبدل سمجھ کر قرآنی حقائق کو بدلا اور جو چیز سائنس کے خلاف تھی، اس کا انکار کیا، حالانکہ وہی افکار پچاس، ساٹھ سال بعد داستانِ پارینہ بن گئے۔ (یعنی امت نے نہ انھیں قبول کیا نہ عمل میں لائے) اس بات کو زیر نظر رکھتے ہوئے سائنس اور ٹیکنیکل علوم کو اسلامیانے کا فریضہ دو بنیادوں پر ہوگا۔

۱۔ آج جن چیزوں کو آخرش قانونِ فطرت یا Natural Phenomenon کہہ کر ختم کیا جاتا ہے اور ہر بات کی تان نیچر پر آ کر ختم ہو جاتی ہے، جو خود ایک اندھی بہری اور نامعلوم چیز ہے جیسا کہ پرانے فلاسفر نے کہا: معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد اور نئے سائنس دانوں نے کہا: مادہ کیا ہے؟ ایتھر۔ اور ایتھر کیا ہے؟ ایک نامعلوم حقیقت۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان تخلیق کائنات کا مسئلہ حل نہیں کر پایا۔ فلسفی ہزار سلجھاتا ہے مگر ڈور کا سرا نہیں ملتا۔ انسانی نظریات زوال پذیر ہیں لیکن خالق کی بات ایک لازوال حقیقت۔

ہر چند فلاسفہ کی چناں وچنیں رہی!

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! (اکبر رحمۃ اللہ علیہ)

عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ نیچر جیسی ایک نامعلوم حقیقت کو کائنات کے تمام سببوں کا سبب اور ''علۃ العلل'' کیوں قرار دیا جائے اور اس مردہ اور لایعقل ''نیچر'' کی بجائے اس قادر اور توانا، حیّ وقیوم اور صفاتِ حسنہ سے متصف ایک خالق کائنات کو پوری مخلوق کا کیوں خالق اول نہ گردانا جائے۔ عقل سلیم

کا فیصلہ ہے کہ مردہ، بے ارادہ اور بے حس مادہ کے بجائے ایک ہمہ کامل ومکمل، اچھے اوصاف سے بھرپور خالق کا عقیدہ اپنایا جائے۔ چیزوں کو اسلامیانے کے لئے صرف اتنا کچھ کرنا پڑے گا کہ اشیا کو خدا کی پیدائش اور صنعت گیری قرار دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾. (النمل:۸۸)

(یہ خدائی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے)

قرآن نے بے شمار جگہوں پر اس پورے نظام کو آیت اللہ قرار دیا ہے اور اس میں تدبر اور فکر کی دعوت دی ہے، دوسری بات یہ ہوگی کہ لادینی اور بے خدا اذہان کے پیدا کردہ جو غیر فطری لادینیت کے جراثیم اور نظریات گھس آئے ہیں ان کو باہر نکالا جائے اور یہ کام وقت طلب نہیں، چند بنیادی چیزوں کو مان کر اور حقائق کا اعتراف کر کے پورے کا پورا خزانہ معرفتِ حق کا سبب بن سکتا ہے اور عارف شیرازی کے لفظوں میں کائنات کا ہر ذرہ خدا کی تخلیق اور کاریگری کی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔

مادر پیالہ عکس رخِ یار دیدہ ام

اے بے خبر زلذت شرب مدام ما!

(میں نے پیالے میں محبوب کی تصویر دیکھی ہے۔ میرے ہمیشہ پینے کی لذت سے تو بے خبر ہے)

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الٰہیات کے بارے میں سائنس اور فلسفہ کی نگاہ اندھی ہے۔ میں تو مشہور (جرمن) مابعد الطبیعیاتی فلاسفر کانٹ (Immanuel Kant) کے لفظوں میں کہوں گا کہ مابعد الطبیعیاتی حقائق کو معلوم کرنے کے لئے حواس کا علم کام نہیں کرتا۔ جب حواس مابعد الطبیعیاتی علوم کے بارے میں بے دست و پا ہیں تو الٰہیات ومغیبات تک رسائی کیسے ممکن ہے، پس مادہ سے وراء الوراء الٰہی علوم اور حقائق غیبیہ تک، سائنس اور علم انسانی کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانی علوم اور الٰہی علوم میں سے ہر ایک کا اپنا میدان ہے۔ ایک ہمہ تن ترقی پذیر اور متبدل، حواس واشیا کا علم ہے، دوسرا غیر متبدل عرفانی حقائق وخدا کا علم ہے۔ ایک علم ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (اور سکھائے ہم نے آدم علیہ السلام کو ساری دنیا کی چیزوں کے نام) کا ظہور ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دوسرے علم کے اعتبار سے انسان "وَعَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ" (سکھائے ہم نے انسان کو وہ علم جن کو وہ نہیں جانتا تھا) کا مظہر ہے۔علوم وحقائق دینی عَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ کی حقیقت کا ظہور اور وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ (اور سکھایا وہ جسے تو جان نہیں سکتا تھا) کا اعلان ہیں۔دونوں انسان کی کرامت وفضلیت کا منہ بولتا ثبوت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی دلیل ہیں۔

انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔کائنات کی تسخیر اس کی کرامت ہے۔قرآن

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾. (بنی اسرائیل:۷۰)

(اور ہم نے عزت دی ہے آدم علیہ السلام کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں)

کہہ کر شہادت دیتا ہے اور الٰہی علوم اس کی حقیقی خلافت اور تشریعی فضلیت پر شاہدِ عدل ہیں۔وہ بیک وقت زمان ومکان کا راکب اور خلیفہ الٰہی اور احکام ومعرفت ربانی کا حامل ہے۔

انگریزوں کی بالادستی اور اردو کی کسمپرسی کب تلک؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ طلبہ کی ایک کثیر تعداد محض انگریزی زبان کی وجہ سے ناکام رہتی ہے۔اس ناکامی کی پہلی وجہ تو انگریزی کا قومی افتادِ طبیعت کے مطابق نہ ہونا ہے، دوسرا بڑا سبب انگریزی کا ناقص طریقۂ تعلیم وتدریس ہے۔وہی زبان جو غیر ممالک میں تھوڑے عرصے میں ضرورت کے درجے میں سیکھ لیتے ہیں یہاں برس ہا برس پڑھا کر بھی نہیں سکھی جاتی ہے۔اصل سوال یہ ہے کہ آیا ملت اسلامیہ پاکستان کو ایک غیر ملکی زبان کی ایسی لابدی (لازمی) ضرورت ہے کہ اس کے لٹریچر اور زبان دانی کو ہر ایک کیلئے لازم قرار دیا جائے؟ انگریزی قدردان جو اپنی انگریزی حمایت میں انگریز پرستی کی حد تک پہنچ چکے، ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ موجودہ دور سائنسی اور دیگر علوم کی معیاری یافت انگریز کی محتاج ہے کہ اس میں علوم وفنون کے خزائن ہیں، لیکن اگر عمیق نظر اور ملی جذبہ سے دیکھا جائے تو یہ نظریہ صرف غلامانہ ذہنیت اور حقائق سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔

دنیا کے اکثر ممالک جو سائنس اور علوم وفنون میں آگے بڑھ چکے ہیں، انہوں نے اپنی ہی زبان کے واسطے سے ان علوم وفنون کو حاصل کیا، کسی آزاد ملک میں کسی غیر ملک کی زبان کا ایسا استیلا (چھا جانا)

نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے۔چھوٹے چھوٹے ترقی پذیر ممالک بھی اپنی قومی زبان کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں ذریعۂ تعلیم ان کی قومی زبان ہے۔چین ہم سے ایک سال بعد جدید انقلاب سے دوچار ہوا۔وہاں تمام علوم وفنون چینی زبان میں ہیں۔جاپان سے بڑھ کر مشرقی ممالک میں کون سا ملک ترقی یافتہ ہوگا لیکن وہاں کی تمام تعلیم وتربیت جاپانی زبان میں ہے۔

یہاں تک کہ افغانستان، ایران، اور عرب ممالک بھی قومی زبانوں میں ان علوم کی تدریس کر رہے ہیں، دور کیوں جایئے؟ آج سے پچاس سال پہلے ہندی جو ایک اپاہج بلکہ مردہ قومی زبان تھی، بھارت نے اس کی سرپرستی کر کے تمام علوم وفنون کو اعلیٰ جامعاتی سطح تک ہندی میں پڑھنا شروع کر دیا۔جہاں تک کہ اردو کی صلاحیت کا تعلق ہے، یہ انتہائی بودہ بلکہ بیہودہ نظریہ ہے کہ اردو میں علوم وفنون کے اعلیٰ نظریات وافکار اور سائنسی علوم کے پڑھانے کی استعداد اور صلاحیت نہیں۔مرحوم جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۱۷ء میں قائم ہوا اور بھارت کے قبضہ دکن تک تمام علوم وفنون اردو میں تھے۔اگر تیس سال کے عرصے میں ہماری نام نہاد قومی حکومتیں ملی نظریہ سے سرشار ہوتیں اور مغرب زدہ قیادت اور نوکر شاہی آڑے نہ آتی، کوئی وجہ نہیں تھی کہ اردو آج ان تمام علوم وفنون، سائنس اور ٹیکنالوجی کے مضامین کو پوری جانداری اور وضاحت کے ساتھ پڑھانے کے قابل نہ ہو جاتی، ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ عرب ممالک میں عربی، ایران میں فارسی، ہندوستان میں ہندی میں اور علیٰ القیاس ہر ترقی پذیر ملک میں ان کی قومی زبان ان کا ذریعۂ تعلیم وتدریس وفنی زبان ہے، انہوں نے دیگر زبانوں کے خزائن کو اپنی زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ہمارے ہاں دارالترجمہ حیدرآباد دکن کے اردو میں منتقل کردہ ذخائر کو درخور اعتناء نہ سمجھا گیا (یعنی فائدہ لینے کے قابل) اور اپنے طور پر بھی اس میں کوئی مؤثر اقدام آگے نہ اٹھایا گیا، ہم غیر ملکی زبانوں کے پڑھنے پڑھانے کے مخالف نہیں اور نہ انگریزی کو ایک غیر ملکی زبان کے درجے میں پڑھنے کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن انگریزی کا وہ استیلا جس نے اپنی زبان کا گلا گھونٹ دیا ہے، کسی صورت میں ایک زندہ، آزاد اور غیور قوم کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔اولاً انگریزی کو ہر ایک کے لئے لازمی اور لابدی قرار دینا ملکی اور قومی مفاد سے اعراض و اغماض (منہ موڑنا) ہے، بلکہ ایک حد تک غداری کے مترادف ہے۔تحریک پاکستان اور قائداعظم کے زیر قیادت جو برکوچک (متحدہ ہندوستان) میں ملی استقلال

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(قوم کی آزادی) کی جنگ لڑی گئی، اس کے مقاصد میں قومی زبان کی حیثیت سے اردو ایک بیّن اور نمایاں مقصد تھا، جو ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے۔ ملک کے دونیم ہونے کا ایک سبب اردو سے مجرمانہ اغماض (غفلت) بھی تھا۔

غیر ملکی ناآشنا زبان کی ایسی تعلیم وتدریس جو صرف انگریزی زبان دانی اور ادب پر مشتمل ہو، نئی پود کے ایک بڑے طبقہ کی صلاحیتوں کو ضائع کرنا ہے۔ اگر ہم علوم وفنون کیلئے اس زبان کو باقی رکھنا چاہتے، تو ہمیں انگریزی صرف ان لوگوں کیلئے واجبی درجے میں ضروری قرار دینی چاہئے جو کہ ان علوم وفنون کو حاصل کرنا چاہتے ہوں، جن کی کتابیں فی الحال اردو میں منتقل نہیں ہوئیں، لیکن ہمیشہ کے لئے انگریزی پر ہی تکیہ کرنا درست نہیں۔

کوئی قوم اپنی زبان کو چھوڑ کر دوسروں کی زبان پر انحصار نہیں کرسکتی۔ (جو کہ دوسروں کی تہذیب وتمدن اور معاشرت کی حامل ہوتی ہے) انگریزی کا یہ لزوم وشغف قوم میں ایک ایسے طبقے کی پیدائش کا موجب وذریعہ ہے جو پاکستانی ہونے کے باوجود اپنی ذہنی ساخت کی بناء پر غیر ملکی ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور وجہ ہے کہ اردو طریقۂ تعلیم والے مدارس کے مدمقابل مستقلاً انگلش میڈیم سکول کے نام سے ایسے مدارس قائم کئے گئے ہیں اور کئے جارہے ہیں جو ہمارے اندر غیر ملکی استیلا اور غیر معاشرہ کی افزائش کا سبب ہیں۔ یہ انگریزی طریقۂ تعلیم پر مبنی سکول شجر ملت کے اندر ایسا زہریلا پیوند ہے، جو قومی نشوونما کے بجائے اس کے ملی تشخص کو ہمیشہ کے لئے زہر آلود کردے گا اور حقیقی ملی امنگوں اور آرزوؤں کے خلاف ایسے افراد جنم دیتا رہے گا، جو ذہنی، فکری، معاشرتی لحاظ سے انتشار کا شکار ہوں گے اور نتیجۃً ملت ذہنی افراتفری (Anarchy) میں مبتلا رہے گی۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ پیشہ ورانہ سکولوں، کالجوں کے لئے ان مقصودہ علوم سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری کام چلاؤ یعنی Functional انگریزی کا اہتمام کیا جائے، جس سے یہاں تعلیم حاصل کرنے والے اپنے پیشہ ورانہ علوم وفنون میں استفادہ کرسکیں اور کیا ضروری ہے کہ صرف انگریزی ہی سے وفاداری کا ثبوت دیا جائے۔ انگریزی کی اس افادیت کے پیش نظر اور (دوسو سالہ) غلامانہ تعلق کی بناء پر ایک حد تک ہمارے لئے آسان ہے، لیکن یہ زبان باوجود علوم وفنون کے خزائن کے بنیادی طور پر ایک تجارتی اور بنیا قوم کی زبان ہے۔ فرنچ، جرمن، جاپان اور

روسی زبانیں بھی علوم وفنون کے لحاظ سے اپنے اندر جدید سائنسی اور ٹیکنیکل علوم کے کثیر حصے کو لئے ہوئے ہیں، بلکہ جہاں تک عُمرانی علوم کا تعلق ہے، بلکہ بعض سائنسی علوم میں بھی جرمن زبان کا کوئی زبان مقابلہ نہیں کرسکتی۔ فرنچ زبان علومِ عُمرانی میں دنیا کی پہلی زبان ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تمام ملکوں کی زبانوں سے بے اعتنائی برتی جائے اور انگریزی کو صرف اوڑھنا بچھونا بنایا جائے، سوا اس کے کہ ابھی تک انگریز کا ذہنی اقتدار ہماری نوکر شاہی اور قیادت کے ذہنوں سے دور نہیں ہوا۔ اصلاح کا پہلا قدم ہے کہ ہمت اور جرأت سے کام لیتے ہوئے قومی زبان کو پوری طرح ابتدائی مدارس سے لے کر جامعاتی تعلیم تک ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس نہ کتابیں ہیں، نہ رسائل ہیں، نہ ٹائپ رائٹر ہیں، نہ مختصر نویس، اس کے لئے کیا کیا جائے۔ زندہ قومیں جب غیر ملکی غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینک دیتی ہیں، تو ہمت اور جرأت کے پیروں سے وہ پرواز اختیار کرتی ہیں، جن کے سامنے یہ مشکلات کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ جب تک اس فرسودہ پرانی غلامانہ راہ کو نہیں چھوڑتے اور نئے آزاد خاص قومی مفاد پر مبنی راستے پر قدم نہیں اٹھاتے نہ اس راستے کی مشکلات وضروریات سامنے آئیں گی اور نہ اس کا مداوا (علاج) اور تکمیل ہوسکے گی۔

غلامی کے دور میں ۱۹۴۷ء تک کہا جاتا ہے کہ مسلمان حساب نہیں جانتا، یہ میزانیہ (Budget) کیسے بنائیں گے۔ ہندوؤں کے بعد تجارت کیسے چلے گی۔ جب سر پر آئی تو تمام کام سنبھال لئے۔ بلکہ لیاقت مرحوم نے انٹیرم گورنمنٹ میں چودھری محمد علی کے ذریعے ایسا میزانیہ (Budget) تیار کروایا کہ پٹیل جیسا آدمی بوکھلا اٹھا اور گاندھی کو تقسیم ہند پر مجبور کردیا۔ بات یہ ہے ؎

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آسان!
جو دشوار سمجھو تو دشواریاں ہیں!

باقی حیلہ جُو اور بہانہ ساز طبیعتوں کے بارے میں ہم اتنا کہیں گے کہ رکاوٹوں کا جو مرثیہ اور ماتم کیا جارہا ہے، اس کی حیثیت سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کیسی گلی رقیب کی کیا طعن اقربا !!
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں
میری میں فقیری میں، شاہی میں، غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا ہے بے جرأت رندانہ !!

دوسرے جز کا جواب تو اصلاً اہل اقتدار سے پوچھنا چاہئے، ہمارے نزدیک تو جب تک مغرب کی مرعوبیت اور قیادت اور بیوروکریسی (نوکر شاہی) کی انگریز نوازی بلکہ انگریزی پرستی اور ذہنوں سے یورپ کا استیلا ختم نہیں ہوتا، نہ انگریزی کی بالا دستی ختم ہوگی، نہ اردو کو اس کا صحیح مقام ملے گا۔ هٰذَا مَا عِنْدِیْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمّ۔

اللہ کرے کہ اس ژولیدہ بیان کی یہ پریشان خیالی، آپ کے سوالات کی گرہ کشائی کر سکے۔ اقبال مرحوم کے ایک شعر پر اپنے مفروضات کو ختم کرتا ہوں۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

❀❀❀

209

(۱۶)

علوم دینی اور دنیوی کا تلازم

ہماری دینی تعلیم کا اصل سرمایہ ''علوم معاد'' ہیں، جن کا مبنیٰ و منبع وحی الٰہی اور سینہ نبوت ہے اور جن کا گنجینہ ہمارے پاس کتاب و حدیث (سنت) کی صورت میں محفوظ ہے اور چونکہ حکمتِ الٰہی نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا دورِ نبوت قیامت بلکہ ابدالآباد تک ممتد و مستمر فرما دیا ہے۔ اس لئے ''کتاب وسنت'' کا یہ خزینہ تا قیامِ قیامت جملہ جن وانس کی ہدایت یابی کا واحد ذریعہ ہے، جس میں علوم ہدایت اور طریقہ ہدایت کو منحصر فرما دیا گیا ہے۔ کتاب وسنت کی اس ''امانت'' کو حضور انور ﷺ اپنی اُمت مسلمہ کو الٰہی حفاظت کی ضمانت کے ساتھ سپرد فرما کر تشریف لے گئے اور اُمت کا عموماً اور علمائے اُمت کا خصوصاً یہ فریضۂ منصبی قرار دیا گیا کہ ''علوم نبوت'' کی اس الٰہی امانت کو کمال حفاظت و اتقان کے ساتھ دوسروں کی طرف منتقل کرتے رہیں اور ''اصل امانت'' میں کسی خیانت و کمی بیشی کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ اس اعتبار سے ''علوم دینیہ'' کے اصل مأخذوں (قرآن وسنت) کو ہر قسم کی تحریف و ترمیم، تغیر و تبدل، تنسیخ و اضافہ سے محفوظ فرما دیا گیا اور ان علوم کی تحصیل کا مقصود منشائے الٰہی اور مرادِ نبوت کو زیادہ سے زیادہ سمجھ کر اس کے افہام و تفہیم، توضیح و تشریح، تعلیم و تعلم، تعمیل و اتباع اور تبلیغ و دعوت قرار پایا۔ اُمت کے علوم دینیہ کے بحورِ لامتناہیہ کے ذخائر اسی ''تفقہ فی الدین'' کے آثار و نتائج ہیں، جو علومِ قرآنیہ و علومِ حدیث، علومِ فقہ، علومِ تصوف و اخلاق، علومِ کلامیہ اور دیگر علومِ اسلامیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ان شاء اللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے اور دین کی اس امانت کے ''انتقال'' کے فریضہ کی ادائیگی ہوتی رہے گی، تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہو۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

﴿وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۚ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾. (الانفال،8:42)

ترجمہ: تاکہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے۔وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ (یعنی ہدایت یافتہ) ہونا ہے۔وہ (بھی) نشان آئے پیچھے زندہ ہو۔(ترجمہ از تفسیر بیان القرآن از حضرت تھانوی)

اور ارشاد نبوت:

فلیبلغ الشاهد منکم الغائب۔ (صحیح البخاری باب خطبة ایام المنی،ج:2، ص:169،رقم الحدیث:1741،دار طوق النجاة)

تم میں جو حاضر ہیں غائب تک (میرا پیغام) پہنچا دیں۔

کے ارشاد نبوی کی تعمیل ہوتی رہے۔

ظاہر ہے کہ دین ایک اَن مٹ حقیقت اور قرآن وحدیث لازوال وغیر متبدل حقائق ہیں۔لیکن زمانہ ہر آن تغیر پذیر وانقلابات کا محل ہے، ہر جدید دور کے تقاضے نئے نئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔انسانی افکار وخیالات بدلتے رہتے ہیں۔نفسیات میں فرق آجاتا ہے۔علوم دنیاوی کی ترقیات جدید ایجادات واکتشافات دنیا کا رنگ بدلتے رہتے ہیں اور ہر جدید ہر قدیم کی جگہ لے لیتا ہے اور اس ''تغیر آباد عالم'' میں ان لازوال علوم کی امین وحامل امت کو نئے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور علوم نبوت کی محافظ وداعی ہونے کی حیثیت سے ہر زمانہ کے تقاضوں، اس کی للکار وتحدی (چیلنج) کا مقابلہ اس صورت سے کرنا پڑتا ہے کہ ''اصل علوم نبوت'' پر آنچ نہ آنے پاوے۔چنانچہ ہر دور میں اساطین امت نے زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کے باوجود تعلیمی خاکوں میں جو رنگ بھرا اور حذف واضافہ، حک وترمیم کا جو عمل بھی اختیار فرمایا۔انہوں نے اس میں اصل امانت یعنی ''منصوص ومنقول'' علوم معاد کی لفظاً ومعناً کلی حفاظت کی اور اس کی روح کی بقا کا پورا پورا اہتمام فرمایا اور کسی صورت ''علوم نبویہ'' کے مقام وحیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔یہ علوم مُطاع، مراد ومقصود رہے۔باقی علوم سے انتفاع ان کے خادم، وسیلہ، مددگار، آلہ وذریعہ کی حیثیت سے رہا، یعنی اصل علوم دینیہ رہے، باقی علوم کی حیثیت ثانوی رہی۔

210

دوسرے علوم میں تغیر وتبدل ہوتا رہا، لیکن اصل اپنی جگہ قائم ودائم رہے کہ:

گر من و تو ہلاک شویم چہ باکہ
کہ اندر ہلاکئ من وتو سلامت اوست

چنانچہ تیسری صدی اور مابعد کے زمانہ میں جب یونانی وہندی، ایرانی علوم تراجم کے ذریعے مسلمانوں میں در آئے اور ان کا ایک طبقہ ان سے متاثر ہونے لگا۔تو اس کے ازالے کے لئے علمائے امت نے ان علوم کا ازالہ فرما کر ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کے اصول کے مطابق فلسفہ ومنطق ودیگر عقلی علوم کو داخل نصاب کرلیا اور پھر ان علوم میں خداداد ذہانتوں سے بیش بہا اضافے کئے۔حضرت سید الملۃ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

''یہ معقولات کا بے پایاں دفتر جو عربی میں افلاطون وارسطو کے تراجم سے وجود میں آیا تھا۔اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں نے درس میں شامل کیا تو اس سے دو مقصود تھے: ایک یہ کہ معتزلہ اور باطنیہ کی تعلیم واشاعت سے یہ علوم عقلیہ عوام میں رواج پذیر ہوگئے اور علمائے دین کی طرف سے ان علوم کی ناواقفیت کے سبب سے لوگوں کو بے التفاتی تھی، وہ دور ہوجائے اور دوم یہ کہ جو مذہبی شکوک وشبہات ان کی وجہ سے پھیل رہے تھے، ان کا ازالہ ہوجائے''۔(معارف:6،ج:54،ص:243)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے سب سے پہلے فقہ کے خادم کی حیثیت سے اپنی کتاب ''المستصفیٰ'' میں منطق کا استعمال فرمایا اور پھر منطق ہماری کتابوں میں سرایت کرتی چلی گئی۔اس طرح فلسفہ نے علم کلام وتصوف ودیگر علوم میں بار پالیا۔اس طرح فلسفہ ومنطق ہمارے دینی نصاب میں داخل ہوگئے۔ظاہر ہے کہ دورِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بھی دینی علوم تھے، جو فلسفہ ومنطق کے بغیر اپنی حیات آفرین تعلیمات سے انسانیت کو زندگی بخش رہے تھے۔عوارض زمانہ کی وجہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام نے ان علومِ عقلیہ کو داخلِ درس کیا۔مقصود دین کی خدمت، حمایت یا لادینی علوم سے حفاظت تھی۔تاہم کسی دور میں بھی علمائے ربانیین نے ان علوم کو بالذات دینی علوم نہیں سمجھا اور نہ اصل دین کا ان پر مدار جانا۔عوارض کی بنا پر ان کی ضرورت مسلم سمجھی گئی۔جب بھی وہ عوارض باقی نہیں رہیں گے ان کی ضرورت نہیں رہے گی۔یا جس قدر عوارض کم ہوجائیں گے اسی کے بقدر ان کی ضرورت میں کمی ہوجائے گی۔یہی وجہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے کہ ہر دور میں فلسفہ ومنطق اور دیگر علوم عقلیہ ومعاش کے نصاب اور کتابوں میں کمی بیشی اور تغیر وتبدل ہوتا رہا کہ جیسے یہ انسانی علوم ہر دم تغیر پذیر ہیں، اسی طرح ان کے ''مادہ علم ومتن'' میں تبدیلی ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی اور یہ ایک فطرتی حقیقت وعملی ضرورت بھی ہے کہ ارتقا پذیر اور ہر آن متبدل علوم کے نصاب میں تبدیلی ہوتی رہے۔ چنانچہ اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ ہمارا نصاب تعلیم بے شمار مراحل وتغیرات سے گذرا۔

چونکہ مسلمانوں کے دور عروج میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق نہ تھی اور ایک ہی نصاب رائج تھا، اس لئے ہمارا نصاب تعلیم مختلف ادوار ومختلف مقامات میں تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ علوم معاد وعلوم معاش (جس میں علوم عقلیہ بھی شامل تھے) دونوں پر مشتمل تھا۔

آج سے تقریباً دوسو سال پہلے ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے کی دینی ودنیاوی ضرورتوں کو دیکھ کر جو نصاب تعلیم مرتب فرمایا، اسے کچھ ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ ہندو پاک کے اکثر مدارس میں درس نظامی کے نام سے تقریباً وہی نصاب نافذ ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ دور جو تغیرات کی سبک رفتاری کا سب سے بڑا دور ہے، درس نظامی اپنی بنیادوں پر قائم ہے۔ اسی طرح اصول کے اعتبار سے غالباً اسلامی تاریخ کا معمر ترین نصاب ہے جو تغیر وتبدل کی انقلابی اور بنیادی تبدیلیوں سے محفوظ چلا آ رہا ہے۔ علوم دینیہ کی بحث تو علیحدہ ہے لیکن ''علوم عقلیہ'' کی جو عمارت قائم کر دی گئی تھی۔ زمانہ کے علی الرغم وہ انہیں بنیادوں پر مضبوط سے مضبوط تر اور بلند تر ہوتی گئی۔ مثلاً: منطق کو لیجیے! ملا نظام الدین صاحب نے جو کتابیں نصاب میں رکھی تھیں، وہ فقط علم العلوم، میر زاہد اور ملا جلال تھیں، لیکن حوادثِ زمانہ کی وجہ سے ان کی تعداد پندرہ تک پہنچ گئی، جو کسی نہ کسی صورت میں مختلف مدارس میں رائج ہیں۔

علامہ حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نزہۃ الخواطر اپنے رسالہ ''ہندوستان کا نصابِ درس اور اس کے تغیرات'' میں ارقام فرماتے ہیں: ''اس زمانے میں جو نصاب رائج ہے، وہ درس نظامیہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ کیونکہ درس نظامی میں منطق میں مندرجہ ذیل کتابوں کا اضافہ بغیر غور وفکر کے خود بخود ہو گیا ہے۔ غلام یحییٰ، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک اور بعض مقامات پر شرح سلم عبدالعلی بحر العلوم اور حاشیہ عبدالعلی بر میر زاہد رسالہ، اور کہیں کہیں شرح سلم ملا مبین بھی۔

اس اضافے کی تاریخ بہت دلچسپ ہے۔ مولوی محمد فاروق صاحب چڑیا کوٹی اپنے استاذ مفتی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے بچپن میں شرح سلم علی العموم رائج نہیں تھی بلکہ قاضی مبارک کے شاگرد مولوی مدن وغیرہ اپنے شاگردوں کو سلم کے ساتھ شرح سلم قاضی مبارک بھی پڑھاتے تھے اور ملا حسن کے شاگردوں شرح سلم ملا حسن پڑھاتے تھے اور بحر العلوم کے خاندان میں شرح سلم بحر العلوم رائج تھے اور حمد اللہ کے تلامذہ اپنے استاد کی شرح پڑھاتے تھے۔ پڑھانے میں ایک دوسرے پر نوک جھونک بھی ہوتی رہتی تھی۔ اس لیے ایک دوسرے کی کتاب کا دیکھنا ضروری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ سب کتابیں درس میں داخل ہو گئیں۔ جن کو ہم اگر کہنا چاہیں تو صحیح طور پر ناخواندہ مہمان یا سبزہ خودرو سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

(اسی طرح) منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ شروع سے لیجئے تو پندرہ کتابیں صرف منطق کی اس نصاب میں ہیں۔ صغری، کبری، ایساغوجی، قال اقول، میزان، منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، ملا حسن، حمد اللہ، میر زاہد، رسالہ غلام یحییٰ، میر زاہد جلال، قاضی مبارک۔ منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں، ان میں خلط مبحث ہے۔ (ص:22،23)

یہی حال حکمت، ہیئت وفلسفہ اور قدیم ریاضیات کا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس دور میں یہ نصاب تجویز کیا گیا تھا۔ اس دور کی دینی اور دنیوی ضروریات کے لئے کافی تھا اور طلبہ کی استعدادوں کو جلا بخشتا اور اس دور کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا اور وقت کا مفید نصاب تھا۔ یہ اس کا کمال ہی تو تھا کہ دوسو سال تک بے شمار فقید المثال نابغہ روزگار علمی شخصیتوں کو پیدا کرتا رہا اور اب بھی اگر زمانے کے اثرات وضرورتوں نے نئے تقاضے پیدا نہ کر دیے ہوتے اور اساتذہ وطلبہ تک کا رنگ نہ بدل گیا ہوتا، تو اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن دور حاضر نے بیشمار نئے تقاضے پیدا کر دیے، طبیعتوں میں انقلاب آ گیا، اذواق وافکار بدل گئے، نئے علوم، نئی معلومات، نئی طبیعیات، جدید ریاضیات، جدید اکتشافات و ایجادات نے فکر ونظر میں تبدیلی پیدا کر دی اور دنیا کا رنگ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ بقول سید الملۃ: رحمۃ اللہ علیہ

''اب یورپ کے اثر سے دنیا میں انقلاب آ گیا ہے۔ یونانی علوم عقلیہ کا چہ بچہ اب سمندر بن گیا ہے۔ اب نئے علوم، نئے مسائل اور نئی تحقیقات ہیں اور جو پرانے علوم بھی ہیں۔ وہ بڑھ کر اب بحر ناپید

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اکنار ہو گئے ہیں۔ ریاضیات کو چھوڑ کر علوم عقلیہ کا جو سرمایہ صرف شفا، اشارات اور نجات کے چند اوراق میں محدود تھا اور ایک ایک علم ایک ایک فصل میں آ جاتا تھا۔ اب بڑھ کر دفتر اور کتب خانہ ہو گیا ہے۔ طبعیات، حرکیات، سکونیات، جویات، معدنیات، حیوانات، نفسیات، بشریات وغیرہ۔ جن کی بحثیں گذشتہ زمانہ میں چند صفحوں سے زیادہ نہ تھیں۔ اب وہ مستقل علوم ہو گئے ہیں۔

(معارف، 6، ص:243، ج:54)

ایسی حالت میں کیا قدیم عقلی علوم اور اس کے قدیم نصاب پر اکتفا کفایت کر سکتا ہے؟ ضرورت ہے کہ عقلی علوم کے نصاب کا پورے غور وفکر سے جائزہ لیا جائے اور جو کتابیں ہمارے دینی علوم کے قدیم ذخیرہ سے استفادہ کے لئے کلیتہً لابدی نہیں ہیں۔ انہیں خارج کر دیا جائے۔ مثلاً منطق وقدیم فلسفہ و ہیئت کی تعلیم اسی قدر نصاب میں شامل ہو جو ہماری دینی کتب میں ان علوم کی مصطلحات کو سمجھنے کے لئے کافی ہو۔ جو طلبہ قدیم فلسفہ ومنطق وغیرہ سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ ان کیلئے علیحدہ کتابیں ''تخصص'' کے درجے میں رکھی جا سکتی ہیں۔ عام طالب علم کو اس پابند نہ بنایا جائے۔ مزید برآں متاخرین کی مغلق، مشکل، موجز کتابوں کی بجائے متقدمین کی کتابوں کو ترجیح دی جائے اور ان کی تعداد بھی ضرورت کے بقدر ہو۔ حقیقت ہے کہ قدیم فلسفہ ومنطق و ہیئت وغیرہ کی اصطلاحات وطرز اگر ہمارے دینی علوم فقہ و کلام وغیرہ کی کتابوں میں سرایت نہ کر گیا ہوتا، تو اس ''دفتر پارینہ'' کو محض یادگار قدیم کی حیثیت سے گوارا کیا جاتا۔ چونکہ ان علوم کی ایک دو جامع کتابیں ہی نصاب میں برداشت کی جا سکتی ہیں، لیکن جس کثرت سے متأخرین کی کتابیں ہمارے نصاب میں داخل ہو چکی ہیں، ان کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی دراز نفسی کا مدعا یہ ہے کہ ''معقولات'' کے علوم میں حک وترمیم واضافہ کا عمل اسی طرح اختیار کیا جائے۔ اولاً جن علوم کی دور حاضر میں ازبس ضرورت نہیں رہی ان علوم کی کتابوں کو اس حد تک نصاب میں باقی رکھا جائے کہ قدیم دینی وعلمی وفنی ذخائر کتب سے استفادہ کی استعداد وقوت باقی رہے اور چونکہ طبائع میں وہ پہلی سی ہمت و جفاکشی، محنت وجستجو اور ذوق علم نہیں رہا۔ اس لئے اصل فن اور مغز سخن پر مشتمل ایسی کتابوں کو داخل نصاب کیا جائے جو ژولیدگیٔ بیان، خلط مبحث، تعقیداتِ لفظی، دور از کار ابحاث، گنجلک وانتہائی موجز و مغلق عبارات سے پاک ہوں۔ دقت ونکتہ آفرینی کی بجائے سہولت ووضوح ضرورت وقت بھی ہے اور

اعلم الناس نفسیات بشری کے سب سے بڑے رمز آشنا حبیب پاک ﷺ کا ارشاد عالی کی تعمیل بھی۔

یسروا ولا تعسروا۔

آسانی پیدا کرو اور سختی مت کرو۔

(صحیح البخاری، ج:2، باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا، ص:904)

علوم عربیہ:

مروجہ علوم عقلیہ پر اس ژولیدہ بیان کو دک نادان کہ یہ چند گذارشات تھیں۔ علوم معاد یا علوم دینیہ کے لئے عربی بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ علوم قرآنیہ ہوں یا علوم حدیث، علوم فقہ ہوں یا دیگر علوم دینیہ میں امعان نظر، کمال ورسوخ بغیر علوم ولغاتِ عربیہ اور فنونِ ادب کی مہارت کے ممکن نہیں۔ معمولی عربی دانی ایک درجہ تک مفید رہ سکتی ہے، لیکن قرآن کریم (جس کی صفت ''قرآنا عربیاً'' اور جس کی شان ''لاتنقضی عجائبہ'' ہے) کے حقائق ومعارف، اس کا اعجاز، وجوہِ اعجاز اور ان کے اثبات، اس کے الفاظ ومحاورات و معانی، اس کی بلاغت، اس سے احکام ومسائل کا استخراج واستنباط بغیر علوم عربیہ اور ادبیاتِ عربیہ کی مہارت کے ممکن نہیں۔ ہمارے حضرۃ الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرماتے تھے کہ

''میری اعجاز القرآن پر تقریر وہی سمجھ سکتا ہے جسے جاہلی شعرا کے دس ہزار اشعار یاد ہوں۔''

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن دانی کے لئے عربی ادب ولغت و زبان دانی کی کس قدر ضرورت ہے؟ یہی حال دوسرے علوم دینیہ کا ہے، کہ فنون ادب میں مہارت اور عربی زبان دانی کے کمال کے بغیر ہر قدم پر لغزش پا کا اندیشہ ہے، جس کی مثالیں اس دور میں کمیاب نہیں۔ اسی طرح عربی میں مؤثر تصنیف وتالیف بغیر زبان دانی، مہارتِ فن اور ادیبانہ ممارست کے مشکل ہے۔ اس لئے ''دینی نصابِ تعلیم'' کا تصور عربی کی اعلیٰ وعمیق تعلیم کے بغیر ممکن نہیں، مزید برآں موجودہ دور میں جب کہ تمام دنیا مواصلات کی آسانی وکثرت کی وجہ سے انتہائی قریب ہو گئی ہے۔ اسلامی ممالک کے درمیان عربی زبان نے ایک عالمگیر ومشترک زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ علما کے لئے قدیم عربی میں دسترس بلکہ جدید اور روزمرہ کی عربی میں تقریر وتحریر ومحادثہ میں حذاقت بھی ضروری ہو گئی ہے کہ اگر قدیم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عربی زبان وفنونِ ادب میں مہارت ''علوم دینیہ'' میں کمال ورسوخ کے لئے لابدی ولازمی ہے۔تو جدید عربی ''عرب ممالک'' سے تعلقات اوران جدید الفاظ وزبان کو جاننے کے لئے ضروری ہے،جنھیں تمدنی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی تقاضوں نے وجود بخشا ہے اور جنہیں ضروریات زندگی کی نئی چیزوں، نئے آلات، نئے طریقوں، جدید علوم وفنون نے جنم دیا ہے۔جدید دور میں رہتے ہوئے دین ودعوت کے عالمگیر تقاضوں وذمہ داری کے پیش نظر علما کے لئے ''جدید عربی'' ایک اہم ضرورت بن چکی ہے۔زبان دانی کا ابلاغ میں جو مقام ہے اہل نظر اس سے ناواقف نہیں۔افصح العرب ﷺ کے وارثین کے لئے زبان وکلام کی تنگ دامانی عذر نہیں بن سکتی۔غرض عربی قدیم ہو یا جدید اس میں مہارت اورفنونِ ادب میں دسترس دینی تعلیم کا ایک اہم تقاضا ہے۔مدعا یہ ہے کہ نصاب تعلیم میں عربی زبان وادب، انشاء و تحریر، خطابت وتقریر، محادثہ وتکلم کو وہ اہمیت ومقام دیا جائے جو وقت کی ضرورت وتقاضا ہے۔تاہم یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بقول سید الملۃ قدس سرہ:

''ادبی ولسانی عربی ہماری دینی تعلیم ومدارس کا مقصود بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے۔''

مقصود تو علوم دینیہ ہیں اور یہ ادبیات ان کی رونق کا سامان اور علوم دینیہ کی تحریر وتقریر، تالیف و تصنیف، اظہار وبیان کا آلہ۔ظاہر ہے کہ آلہ کو ذی آلہ اور اصل کا مقام نہیں دیا جاسکتا۔غرض،صرف رسوخ علم دین اور خدمت دین ہے۔دیگر ہیچ

غرض زمسجد ومیخانہ ام وصال شماست

جز ایں خیال ندارم خدا گواہ من است

یہاں یہ بات بھی بے محابا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ''دور زوال'' کے اسالیبِ ادب اور مقاماتی طرزِ نگارش سے بھی جتنا جلد رہائی پاسکیں بہتر ہوگا۔اہل علم سے مخفی نہیں کہ ''احادیث نبویہ'' کا اسلوب بیان فصحائے عرب کا طرز کلام،خطباءِ عرب کے خطبات اپنے اندر جو برنائی،شیرینی،فصاحت و بلاغت وجاذبیت وتاثیر رکھتے ہیں، بلکہ تیسری وچوتھی صدی ہجری، بلکہ قرون مابعد کے بعض ادبا میں دورِ زوال سے پیشتر جو زور بیان، روانی، برجستگی اور فصاحت پائی جاتی ہے۔(مثلاً ہم جاحظ، ابن مقفع، ابن قتیبہ وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں) وہ بدیع الزمان ہمدانی کے مقاماتی اسلوب اور حریری کی مرصع ومسجع

عبارت آرائیوں میں کہاں میسر آسکتی ہے؟ جدید نثری ادب بھی اپنے اسالیب میں قدیم ومشابہ ہے۔ ''مقاماتی ادب'' کی طرح پرتکلف نہیں۔ترصیع وتنسیق سے عاری اور طبعی، پرکشش وسلیس ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے نصاب میں قدیم وجدید جملہ اصنافِ نثر کی بھرپور نمائندگی ہو اور منتخبات کا ایسا گراں مایہ سرمایہ ادب طلبہ کے مطالعہ میں آئے جو ہر دور کے ادب کی عکاسی کرتا ہو۔بلکہ ادب کے ساتھ دینی اقدار کی بھی پرورش کرتا ہو یا کم از کم دین کے مخالف نہ ہو۔اس باب میں مخدومی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ''مختارات فی الادب العربی'' وغیرہ ایک اچھی مثال ونمونہ ہے۔

اسی طرح علوم آلہ میں صرف ونحو میں ''تسہیل واختصار'' کی راہ اختیار کی جائے اور ادق ومشکل کتابوں کی بجائے واضح اور آسان کتابیں نصاب میں داخل کی جائیں۔ممالک عربیہ کی جدید کتابوں سے استفادہ کیا جائے اور جہاں ہمارے غیر اہل زبان ہونے کی وجہ سے حذف واضافہ کی ضرورت ہو۔وہاں اس کا اہتمام کیا جائے۔علوم بلاغت میں بھی متاخرین کی مغلق کتابوں کی بجائے متقدمین کی سہل، واضح کتابوں یا جدید معیاری کتابوں کو داخل درس کیا جائے۔غرض ہمارا ''عربی ادب'' کا نصاب نظر ثانی کا محتاج ہے۔حماسہ ابوتمام اور سبع معلقات کے علاوہ دیگر کتب کی تبدیلی پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

علوم دینیہ:

علوم معاد یا علوم دینیہ ہمارے دینی مدارس وتعلیم کا اصل سرمایہ ومقصود ہے۔بحمداللہ تعالیٰ جہاں تک فن حدیث کا تعلق ہے۔کتبِ عشرہ یا تسع کا داخل نصاب ودرس ہونا بہت ہی باعث سعادت وبرکت ہے،جس کے اثرات ظاہر وباہر ہیں۔خدا کرے کہ ہمارے اسلاف کی طرح یہ علم اپنے پورے مالہ وما علیہ کے ساتھ عمق وبسط سے پڑھایا جاتا رہے۔تاکہ ہندوپاک میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس علم شریف کا جو علَم اس خطہ کے ہاتھ میں ہے، وہ اسی طرح بلند رہے۔نصاب میں اصول حدیث ورجال کی کتابوں میں اضافہ ہونا چاہیے۔

قرآن کریم کے علوم نہایت نہیں، ضرورت ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم پر مزید وقت صرف کیا جائے۔جلالین وبیضاوی کے ڈھائی سیپارے کفایت نہیں کرسکتے۔دورہ حدیث کی طرح دورہ تفسیر کا تمام بڑے عربی مدارس میں اہتمام کیا جائے۔جس میں مختلف مہم اور امہات تفاسیر کو سامنے رکھ کر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پورے قرآن کریم کی تفسیر کرادی جائے۔مختلف تفاسیر سے استفادہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مختلف اجزا کے لئے مختلف تفاسیر کا متعلقہ حصہ نصاب میں رکھا جائے۔تاکہ مختلف تفاسیر کے مطالعہ کا ذوق اور قرآنی علوم کا شوق طلبہ میں پیدا ہو۔ہمارے حضرت والا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے چھتیس سال پہلے ایک جگہ پر ارقام فرمایا تھا:

''دنیا کے نظری وعلمی واعمالی،نفسی وآفاقی حالات میں جو انقلاب آ گیا ہے۔قرآنی علم کلام،قرآنی علم اجتماع،قرآنی علم عُمران،قرآنی علم اخلاق،قرآنی آثار واخبار اور قرآنی اسماء واعلام کی تحقیقات میں عظیم الشان تبدیلیاں پیش آ گئی ہیں۔آج نئے سرے سے،نئی صورتوں سے،نئی تعبیروں سے اور نئی تقریروں سے اس زمانہ کے نوجوانوں پر قرآن کو پیش کرنا اور ان کے نئے خدشوں اور اعتراضوں کا جواب دینا صرف جلالین اور بیضاوی سے ممکن ہی نہیں۔

اس زمانہ میں قرآن پاک کے متعلق جو سوالات دنیا کے سامنے ہیں،ان سے تغافل سے نوجوانوں کی نئی نسل کی بربادی کس طرح ہو رہی ہے۔کیا اب بھی وقت نہیں کہ قرآن پاک کے طریق تعلیم و مباحث تعلیم میں نئی ضروریات کی تکمیل کی طرف کوشش مبذول کی جائے اور دوسری طرف اس کام کو نامستند،غیر معتمد،غیر معتدل مؤلین ومفسرین کے ہاتھوں سے بچایا جائے۔

(معارف:6،ج:54،ص:244)

عصر جدید میں اپنی مسحور کن تہذیب وتمدن،علوم ونظریات،ایجادات واکتشافات کے ساتھ سرعت وبرق رفتاری سے جدید مسائل وحالات پیش کرتا جاتا ہے اور دین حق جو صرف اسلام ہے،اس کے لئے فکر ونظر اور عملی زندگی میں ہر روز نئے مسائل پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔عقائد اور پورا نظام زندگی اس کے تابڑ توڑ حملوں کی زد میں ہے اور یہ حملے صرف مذاہب و ادیان کی طرف سے نہیں بلکہ معیشت و معاشرت،اقتصادیات وسیاسیات،تہذیب وتمدن،سائنس وٹیکنالوجی ہر رخ سے ہیں۔بحمد اللہ تعالیٰ اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا،لیکن عالم اسباب میں ہمیں ایسے رجالِ کار پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو غزالی رحمۃ اللہ علیہ ورازی رحمۃ اللہ علیہ،مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ وشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی طرح نہ صرف ان اعتراضات کا جواب دیں،بلکہ اسلام کی حقانیت کو ہر اعتبار سے ثابت کرسکیں۔

ظاہر ہے کہ اس کے لئے ہمیں ایسے متکلمین وفقہا کی ضرورت ہوگی جو سلف کی راہ سے سرمُو تجاوز نہ کرتے ہوئے احقاقِ حق وابطالِ باطل کرسکیں اور علماء راسخین کی طرح اسلامی اصولوں کے مطابق ''تجدد ومداہنت'' سے بچتے ہوئے مسائل کا شافی ووافی جواب دے سکیں۔فقہ وعقائد وکلام کی موجودہ نصابی کتابیں اس ضرورت کے لئے کافی نہیں ہوسکتیں۔اس کیلئے جس ہمہ جہتی مطالعہ،رسوخ علم،ایمان و پختگی،وسعتِ نظر،فقاہت ومجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہے،وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔علوم قرآن و حدیث کے عمیق ووسیع علم کے علاوہ فقہ واصول فقہ،کلام وعلم کلام وعقائد کی قدیم وجدید کتب کا مطالعہ، حالات زمانہ اور عصری علوم سے گہری واقفیت ضروری ہے۔مزید برآں تربیت ایسے محقق و ماہر فنون علمائے ربانیین کی چاہیے۔جن کے لئے دین کے عقائد وحقائق علم وخبر نہ ہوں،بلکہ حال وحقیقت اور نظر ومسلمات بن چکے ہوں۔علوم جدیدہ کی چکاچوند وتلمیع انہیں متاثر نہ کرسکے،بلکہ ہر حال میں حق کی حمایت ان کا شیوہ ہو اور دین کی صحیح تمثال پیش کرنا ان کا وطیرہ۔عام نصاب میں تو اس کی گنجائش مشکل ہے،لیکن ابتدا ایسی ہو کہ ''تخصص'' میں اس رخ پر تکمیل ہوسکے۔

محولہ بالا گذارشات سے نصابِ تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت تو ظاہر ہو چکی ہے۔مزید برآں ہماری دینی تعلیم اور دینی مدارس علومِ نبوت کے وارث ہیں اور فرائض سہ گانہ نبوت (تلاوت قرآن یعنی دعوۃ بالقرآن،تزکیہ وتعلیم کتاب وحکمت) اس کی اصل میراث ہے۔میراثِ نبوت کے کسی ایک چیز کا فقدان یا کمی یا اس سے اہمال واعراض دینی تعلیم کی شایانِ شان نہیں،دین اور علوم دین کا بنیادی مقصد ہی للّٰہیت ومعرفتِ ربانی،تعلق الٰہی واحوال مع اللہ،حب وخشیت رحمانی،دل کی اصلاح،باطن کی تعمیر،تزکیہ نفس، اخلاص وتقویٰ،نسبتِ احسانی،یادِ سبحانی،طلب وقربِ رضائے حق،اعتماد واتکال علی اللہ،تفویض وتوکل، زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔

اس مقصودِ حقیقی کی یافت یا تلاش وجستجو آج کس حد تک ہے۔اس کی سنگینی کا احساس اور اس کا مداوا و علاج ہماری دینی تعلیم کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ضرورت ہے کہ اہل دل حضرات کی صحبت اور تحقق، اہلِ حق صوفیہ کی کتابوں اور ملفوظات کا شوق ورغبت طلبہ کے دلوں میں پیدا کیا جائے کہ تزکیہ کی راہ کشادہ ہوسکے۔پرانے بزرگوں کی مسندیں ایک ایک کرکے خالی ہوتی جارہی ہیں،نئے حضرات میں ان کی جگہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کون پر کر رہا ہے؟

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

ہمارے مدارس علوم دینی و دنیوی کے عظیم الشان ادارے بن جائیں۔ علوم جدیدہ وقدیم کے سمندر ہوں، علوم باطلہ کے ابطال کے مضبوط قلعے ہوں۔ لیکن اہل مدرسہ کے دل کمالِ یقین وایمان، معرفت و للّٰہیت، اخلاص وتقویٰ، حبِ الٰہی، خشیتِ ربانی اور فکرِ آخرت وطلبِ رضائے حق سے سرشار نہ ہوں، تو کیا مدرسے پھر کامل دینی مدارس کہلائے جاسکتے ہیں؟

وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

❀❀❀

(۱۷)

تعلیمی پالیسی اور چند مشورے

موجودہ حکومت پاکستان کی تعلیمی پالیسی کا تجاویز کا جو خاکہ نظر سے گزرا، اس بارے میں معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ موجودہ پالیسی کی اکثر تجاویز حوصلہ افزا ہیں، مشنری سکولوں کو حکومت کی تحویل میں لینا قابلِ قبول ہے۔

۲۔ **اسلامیات کی تعلیم:** بندہ کے نزدیک میٹرک کی بجائے بی اے تک آرٹس کے طلبہ کے لئے اسلامیات کی تعلیم لازمی ہونی چاہیے اور دوسری کلاس میں ترقی کے لئے اسلامیات میں کامیاب ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ جو اہمیت اس وقت انگریزی تعلیم کو دی جارہی ہے کہ کم از کم وہی اسلامیات کی تعلیم کو دی جائے۔

۳۔ سائنس اور پیشہ وارنہ کالجوں کے طلبہ کے لئے میٹرک یا PRE-MEDICAL اور PRE-ENGINEERING تک تو اسلامیات کا کورس ایک ہی ہو، اس کے بعد بھی آخر تک پیشہ وارانہ اور دوسرے مضامین میں ایک پرچہ اسلامیات کا ضرور رکھا جائے تاکہ اسلام (جو کہ پاکستان کی بنیاد ہے) سے مضبوط اور قوی تعلق رہے۔

۴۔ **عربی اسلامیات کے جزو کی حیثیت سے:** چوتھی جماعت تک ناظرہ قرآن اور ضروری اخلاقی مسائل بچوں کے ذہن نشین کرادیے جائیں اور پانچویں جماعت سے آٹھویں جماعت تک عربی کو اسلامیات کا لازمی جزو قرار دیا جائے اور اس کی تقسیم اس طرح ہو کہ مثلاً اگر سو نمبر اسلامیات کا پرچہ ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تو پچاس نمبر خاص دینیات کے لیے اردو یا بنگلہ زبان میں ہوں اور پچاس نمبر عربی زبان دانی (جو قرآن و حدیث پر مبنی ہو اور درجہ کے معیار کے مطابق ہو) کے لئے مقرر ہوں میٹرک کی کلاسوں میں سو نمبر دینیات اور سو نمبر عربی زبان کے ہوں، جو ادبیات، قرآن، حدیث اور سیرت وغیرہ پر مبنی ہو۔ میٹرک کے بعد اسلامیات عربی کتاب کے ذریعہ پڑھائی جائے۔

عربی اسلامیات پڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ

(۱) ہم قرآن وسنت کو اپنے ماخذوں سے معلوم کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

(۲) اسلامی قانون وتاریخ اور اپنے دینی ورثہ سے ہمارا تعلق قائم ہوجائے گا اور قدیم علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں جو خلیج حائل ہے وہ کم ہوجائے گی۔

(۳) اسلامی خصوصاً عرب ممالک اور انڈونیشیا سے ہمارا رابطہ قوی ہوجائے گا۔

(۴) ہمارے مختلف فنون کے ماہرین کی مانگ عرب ممالک میں ہے، انہیں ملازمت کے مواقع زیادہ میسر آئیں گے اور عرب ممالک میں زندگی گزارنے میں آسانی ہوجائے گی۔ نیز ان ملکوں کو ہماری عربی زبان دانی کی وجہ سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

۵۔ اسلامیات کا نصاب قومی پیمانہ پر مرتب کیا جائے یعنی پہلی سے لے کر انتہائی جماعتوں تک مشرقی ومغربی پاکستان کے دونوں حصوں میں ایک ہی نصاب رائج کیا جائے، تاکہ پاکستانی ملت ''اسلامی وحدت'' کے ایک ہی نظریہ کے مطابق نشوونما پائے۔

۶۔ **عربی مدارس و دارالعلوم:** مختلف عربی مدارس و دارالعلوم ملک کے دونوں حصوں میں اسلامی تعلیمات کے مرکز ہیں، ان مدارس کو موجودہ نظام تعلیم میں کلیۃً مدغم نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کے خاص معیار کو علماء کی نگرانی میں قائم رکھتے ہوئے ان کا مستقل وجود باقی رکھا جائے اور انہیں اسلامی تعلیم کی مہارت اور تکمیل کے مراکز قرار دے کر ان کی سندات کو تسلیم کیا جائے۔ دینی مدارس اور دارالعلوموں میں جدید دنیاوی علوم پڑھانے کے لئے دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف: ان مدارس میں داخلہ کے لئے عام سکولوں کے آٹھویں پاس طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور ان کے کورس میں معاشرتی وعمرانی علوم، اقتصادیات، سیاسیات (POLITICAL SCIENCE)

معلومات عامہ (تاریخ وجغرافیہ) اور کوئی ایک مغربی قانون اور مطالعہ تقابل ادیان کو شامل کرلیا جائے۔ لیکن یہ علماء کرام کے مشورے کے بعد ہو۔

ب: دارالعلوم اور دینی مدارس اپنا نصاب اسی طرح مکمل کراتے رہیں۔ (یہ بات یاد رہے کہ اکثر مدارس عربیہ میں کل زمانۂ تعلیم آٹھ یا نو سال ہوتا ہے۔) فراغت کے بعد تین سال کا ایک خاص نصاب ان کے اساتذہ کے مشورہ سے مقرر کیا جائے جس میں فارغ التحصیل حضرات کو علوم حاضر سے شناسا کرایا جائے اور محولہ بالا علوم کی تعلیم دی جائے جن مدارس میں دینیات کے خاص شعبوں کے تخصص کا سلسلہ قائم ہے، ان میں تخصص کے بعد یہ چیزیں شامل کی جاسکتی ہیں۔

نوٹ: پاکستان کی بنیاد اسلام اور اسلامی نظریہ حیات پر قائم رہے، اس کے لیے پاکستان میں ایسے مدارس کا قیام و بقا مملکت کی بقاو حفاظت کا ضامن ہے، جو پاکستانی نظریہ حیات یعنی اسلام کی صحیح تعلیمات میں مہارت رکھنے والے حضرات کو پیدا کرسکیں۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی علوم کے ماہر اور عربی کے سکالر انہیں مدارس سے پیدا ہوتے رہے اور اسلامی رہنمائی ملت نے انہیں سے حاصل کی اور عامۃ الناس کا دینی علوم کے بارے میں اعتماد بھی انہیں مدارس کے فارغ التحصیل علماء پر رہا، بہرحال دنیاوی علوم کی جو کمی محسوس کی جاتی ہے اس کا ازالہ یوں ہوسکتا ہے کہ ان مدارس کے نصاب میں نئے علوم کو شامل کرلیا جائے اور ان میں سے خاص اور مقتدر دارالعلوموں کو مستقل یونیورسٹیاں قرار دے کر دینی علوم کے مراکز کا درجہ انہیں دیا جائے اور ان کی سندات کو معیار ہی قرار دے کر قبول کر لیا جائے۔ اس بارے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان مدراس کے اخراجات عموماً عام لوگ PRIVATE طور پر مہیا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ملک کا خزانہ عامرہ بھی ان اخراجات کے بوجھ سے بچا رہتا ہے اور افراد امت علم سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔

لہٰذا سرکاری خزانے پر مزید بوجھ ڈالنے کی بجائے ان کا نظم ونسق اور ذریعہ آمدن پبلک باڈیز اور انتظامیہ کمیٹیوں کے ہاتھ میں بحال رکھا جائے۔ خصوصی طور پر یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ ان مدرسوں میں دینی فضا اور دینی رجحانات دنیاوی علوم سے زیادہ ہوں اور ان کا نظم ونسق بھی باعمل علماء کے ہاتھ میں ہو۔

۷۔ اردو اور بنگالی کی تعلیم اور رسم الخط: ذریعہ تعلیم کی نگرانی سے قومی زبانوں میں تبدیلی قابل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مبارک باداور مستحسن تجویز ہے۔اس طرح قومی یکجہتی کے لئے مغربی پاکستان میں بنگالی تعلیم (چھٹی سے دسویں تک) اور مشرقی پاکستان میں اردو کی تعلیم کی تجویز بھی خوش آئند ہے۔اس سلسلے میں اگر اردو (جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے) اور بنگالی (جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے) کو عربی رسم الخط میں لکھا جائے تو طلبہ جو کہ قرآن کے حروف سے آشنا ہو چکے ہوں گے ان کے لئے پڑھنے میں آسانی ہوگی، مزید برآں یہ اقدام قومی یکجہتی میں ممد ہوگا اور مرورایام کے ساتھ ایک نئی پاکستانی زبان (جس پر قرآنی اور عربی الفاظ کی چھاپ زیادہ ہوگی) پیدا ہوجائے گی۔(اگر ضرورت سمجھی جائے تو کچھ عرصہ کے لئے اردو کی نصابی کتب کو عربی اور فارسی رسم الخط اور بنگالی کو عربی اور بنگلہ رسم الخط دونوں میں چھاپا جائے اور طلبہ کو اختیار دیا جائے کہ جس رسم الخط میں وہ ان زبانوں کو پڑھنا چاہیں پڑھیں)۔

نوٹ: جو حروف عربی رسم الخط میں نہیں اور ادائیگی تلفظ کے لئے ان کی ضرورت لابدی ہے وہ عربی میں نکتوں یا دیگر نشانات کے ذریعہ سے پڑھائے جاسکتے ہیں، جیسے جدید عربی میں انگریزی کے سامنے ''V'' کے لفظ کو ایک نئے لفظ ''ق'' سے ادا کیا جاتا ہے۔''ق'' پر ایک نقطہ مزید بڑھا دیا جائے۔اس بات پر ماہرین فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۸۔**انگریزی میڈیم کے پبلک اسکول:** ایسے اسکولوں کا بالکلیہ خاتمہ ضروری ہے کہ وہ 'پاکستانی قومیت' میں ایک ایسی 'نئی قومیت' کو پیدا کرنے کا سبب ہے، جس کا ذہنی پس منظر پاکستانی اور اسلامی روایات سے جداگانہ ہوتا ہے اور ایک طرف 'احساس برتری' کا شکار ہو کر قوم کے عام طبقات سے اپنے کو مافوق سمجھتے ہیں، دوسری طرف خصوصی مراعات کی وجہ سے ملک کے اہم عہدوں پر فائز ہو کر قومی احساسات وضروریات سے ناواقف ہونے کی بنا پر ملک کے عوام وحکومت کے لئے مشکلات ومسائل پیدا کرتے جاتے ہیں۔

۹۔**اسلامی تربیتی دارالاقامے:** کنڈرگارڈن سے لے کر یونیورسٹی تک جہاں وسائل مہیا ہوں اور ہاسٹل موجود ہوں، طلبہ کے لیے اساتذہ کی نگرانی میں ایسا ماحول مہیا کیا جائے جہاں ان کی نگہداشت و پرداخت اسلامی اور ملی نظریات کی حامل اور اسلامی طرز وقومی ثقافت و ورثہ کے مطابق ہو۔ان تمام چیزوں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو پاکستان کے بنیادی نظریہ کے خلاف ہیں، خصوصاً ابتدائی زمانہ تعلیم

میں مضامین کا بوجھ لادنے کی بجائے قرآن کریم، اخلاقیات، زبان دانی اور سیرت وکردار کی اہمیت پر زور دیا جائے۔

۱۰۔'قومی تعلیمی کور' کے بارے میں 'عورتوں' کی شمولیت ہمارے خاص ماحول کی بنا پر محل نظر ہے۔ عورتیں اپنے خاص ماحول میں 'عورتوں' ہی میں یہ خدمت انجام دے سکتی ہیں۔عمومی 'تعلیمی کور' ان کی شمولیت مختلف مسائل کا سبب بن جائے گی۔'قومی تعلیمی کور' کی بنیاد پر 'قومی تبلیغ کور' کا قیام بھی مستحسن ہو گا کہ اسلامی نظریات واخلاق (جو پاکستان کی بنیاد ہے) کا پرچار ملک کے کونے کونے میں کیا جائے چونکہ پاکستان دشمن ممالک سے گھیرا ہوا ہے اور لڑائی کا ہر وقت خطرہ موجود ہے، اس لیے یہ بہت مناسب ہوگا کہ ہر پاکستانی کو اسکولوں اور کالج کے زمانہ تعلیم میں فوجی تعلیم وتربیت دی جائے تاکہ اچانک لڑائی کے موقع پر وہ ملک وقوم وملت کے دفاع میں حصہ لے سکے۔یا ترکی کی طرح فوجی تعلیم ہر شخص کے لیے لازمی قرار دی جائے، اس سے دفاعی مقاصد کے علاوہ قوم میں نظم، طاعت امر اور اتحاد بھی پیدا ہوگا۔

امید ہے ان گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا اور اب جب کہ تعلیم کو نئی بنیادوں پر استوار کیا جارہا ہے ان تمام چیزوں سے بچنے کی کوشش کی جائی گی، جو قومی یکجہتی اور اسلامی نظریات کے لئے کل دردسر بن جائیں کہ بقول اکبرالہ آبادی:

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آیا
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

❀❀❀

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱۸)

دیوبندی مدرسۂ فکر

اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری پیام تھا، جو پُورے عالم کی ہدایت اور پُوری انسانیت کی اصلاح و فلاح ونجات کے لئے آیا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور رسوُل تھے، جن کے دائرہ نبوت کو ہر زمان ومکان پر محیط اور ابدالآباد تک مُستمر کر دیا گیا، نبی انور حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس کارِ رسالت کی ادائیگی اور اپنے دین کی دعوت و پیام کو عام کرنے کے لیے جن فرائض نبوت سے نوازا، ان کا تذکرہ قرآن کریم نے کئی مقامات پر کیا ہے۔

سب سے پہلے امت مسلمہ کے مؤسس اول سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا الصلوۃ والتسلیم، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾. (البقرۃ:129)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! اس جماعت کے اندر ان ہی میں ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجیے، جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں، بلا شبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت، کامل الانتظام۔ (بیان القرآن، از مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

دعائے خلیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی صورت میں قبول ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنا احسان جتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾. (آل عمران:164)

ترجمہ: حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے یک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وُہ ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل اس سے صریح غلطی میں تھے۔ (بیان القرآن، از تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

دوسری جگہ سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾ (الجمعة:2)

ترجمہ: وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کُھلی گمراہی میں تھے۔ (بیان القرآن، از تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا کام بحیثیت نبی کے یہ تھا کہ آپ لوگوں پر اللہ کی آیات پڑھ کر اُنہیں اللہ تعالیٰ کے دین اور احکام کی طرف بُلائیں اور جو اس دعوت کو قبول کر لیں، اُنہیں قرآن کریم، حکمت (یعنی ارشاداتِ نبوی ﷺ اور کتاب و سنت کی سمجھ فقہ و احکام و فرائض) سے بہرہ مند فرمائیں اور اپنی صحبت اور تربیت سے ان کے نفوس و ارواح کو پاک فرمائیں، اُنہیں فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں حضورِ انور ﷺ کو جہد و جہاد اور دعوت وارشاد کے دیگر احکام مرحمت فرمائے گئے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾. (الفرقان:52)

ترجمہ: تو کافروں کا کہانہ مان اور بذریعہ قرآن کے تو اُن سے جہاد کر، بڑا جہاد۔

گویا جہاد بالقرآن والعلم کو اللہ تعالیٰ نے جہادِ کبیر قرار دیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (التحریم:9)

ترجمہ: اے نبی، کفار سے (بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

نبی انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس جہاد کا حق ادا فرمایا اور عالم کو ہدایت سے بقعۂ نور بنا دیا اور امت کو نیابۃً یہ فرائض سونپ کر تشریف لے گئے اور ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسل اُمت ان فرائض کو ادا کرتی رہی کا شانہ اسلام کی رونق اُنہیں فرائض سرگانۂ نبوّت کے لئے جدو جہد سے قائم تھی اور قُرونِ اولیٰ سے لے کر اب تک دین کی سرسبزی واشاعت انہیں فرائض کی بجا آوری کے لئے جہدو جہاد سے باقی وقائم رہی۔

غربت کدۂ ہند میں اسلام کے قدم صحابہ کے عصر سعادت میں پہنچ چکے تھے، غزنوی وغوری کے خانوادوں کی ترکتازیوں اور ایبک والتمش کی معرکہ آرائیوں نے اقصائے ہند تک سلطنت اسلامیہ کا پرچم لہرا دیا تھا۔ دوسری طرف علماء وصوفیہ کرام کی کاوشوں نے ساکنانِ ہند کے لیے اسلام میں داخلے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اسلام کے ظاہری و باطنی استیلا کو خاندانِ مغلیہ کے بعض فرمان رواؤں کی غلط سیاست واقدامات سے زک پہنچی اور اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب تھم گیا، لیکن رحمت حق کو جوش آیا اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے سیاسی کوتاہیوں کے مداوا کے لیے گیارھویں صدی ہجری میں قطبیت تشریعیہ کا مرکز زمین ہند کو قرار دیا اور امام ربانی مجدّد الف ثانی احمد سرہندی نور اللہ مرقدہٗ سے ہدایت اور نیابت نبوت کا وہ کام لیا، جس کی مثال قرونِ متاخرہ میں نہیں ملتی، اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دورۂ تجدید سے دین کی بقاوفروغ ونیابت وفرائض رسالت کی بجا آوری انہیں کے منتسبین کے سپرد ہے۔ دارالعلوم دیوبند بھی اسی سلسلے کی وہ سنہری کڑی ہے، جسے من حیث الجماعت فرائض سرگانۂ نبوت کی ادائیگی اور جہد وجہاد فی سبیل اللہ کی سعادت اور تصلبِ دینی اور احقاقِ حق اور ابطال باطل، اشاعتِ اسلام اور ردّ بدعات کی دولت نصیب ہوئی کفر واستعمار کے مقابلہ میں دیوبند ایک عظیم قلعہ ثابت ہوا اور

گزشتہ ایک سو سال سے دیوبند میراثِ نبوت کا حامل وامین اور داعی ہے، جو نہ صرف برصغیر ہند و پاک میں بلکہ پورے عالم اسلام میں ہمہ جہتی، فرائض نبوت کا وارث، دعوت وارشاد، جہد و جہاد، حفاظت علوم رسالت، تعلیم ودعوت، کتاب وسنت، تدریس واشاعت، فقہ وکلام، تزکیۂ قلوب وتربیت وتصفیۂ نفوس کا علمبردار ہے۔ دارالعلوم دیوبند کو برملا ''قاسم العلوم والخیرات'' و ''ام الفحول والتوبغ'' کہا جاسکتا ہے، جس کے فیوضِ عامہ سے بحمد اللہ تعالیٰ نہ صرف پورا پاک وہند سیراب ہے، بلکہ اس کا سایۂ برکت ونور اور ظل سعادت ورحمت اقصائے عالم پر محیط ہے۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾.
(یوسف:38)

اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور بانیان دارالعلوم کا اخلاص وتقویٰ ہے، جس نے اس شجرۂ طیبہ کو

﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۔ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ م بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾۔
(ابراھیم:24_25)

ترجمہ: جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اُونچائی میں جارہی ہو وہ خُدا کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہے۔ (بیان القرآن از حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

کا مصداق بنایا ہوا ہے۔

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود
زانکہ از اخلاصات ابراہیم بود

فقیر کے نزدیک دارالعلوم نرا ایک جامعہ، درسگاہ یا مرکز تعلیم وتربیت نہیں بلکہ ایک مستقل تحریک و دعوت ومدرسۂ فکر ہے۔ آج دیوبند کا اطلاق نہ صرف دارالعلوم دیوبند پر ہوتا ہے، بلکہ وہ تمام مدارس و ادارے جو دیوبند کے رنگ میں رنگ چکے ہیں اور مسلک دیوبند کے ترجمان بن چکے ہیں، انہیں دارالعلوم دیوبند کی شاخ قرار دیا جائے گا۔ اس اعتبار سے دیوبندی مدرسۂ فکر کے دائرہ میں سہانپور، وڈابھیل، دہلی ومیرٹھ، کراچی ولاہور، ملتان وپشاور، اکوڑہ وٹنڈوالہ یار وہند وپاک کے بے شمار مدارس و ادارے آجاتے ہیں، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جس طرح درخت کا اپنی جڑ کی مضبوطی واستواری پر انحصار ہوتا ہے اور وہ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس طرح کوئی دینی ادارہ اور جماعت اپنے بانیوں کے اخلاص وتقوی کے بعد بقدر پھلتا پھولتا اور قائم رہتا ہے اور اس کے تربیت یافتہ افراد سے اس کی کارکردگی، کمال وخوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس معیار پر جب ہم دارالعلوم دیوبند کو جانچتے ہیں، تو اس کی بنیادوں کو اُٹھانے والی وہ قدسی الصفات ہستیاں دکھائی دیتی ہیں، جن کی پیشانیاں علم وتقویٰ، زہد وقناعت، للّٰہیت وتعلق مع اللہ، محبت الٰہی، خشیت الٰہی، حب للہ اور بغض فی اللہ کے نور سے چمکتی تھیں۔ جو سنت کے کمالِ اتباع کے ساتھ متصف، حب نبوی ﷺ میں ڈوبے ہوئے، دین کی محبت وحفاظت کے نشے سے سرشار اور کفر وضلالت، الحاد ومعصیت کے ہر ذرہ سے بیزار تھے، جو اسلام کے دفاع میں جان کی بازی لگائے ہوئے جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے عملی میدانوں میں سرگرم رہ چکے تھے، جو دنیاوی جاہ ومنصب، مال ودولت، عزت وشہرت، نام ونمود، ذاتی آرام وآسائش سے کنارہ کش اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے جذبے میں ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام:162) کا پیکر تھے۔

اگر ان کے ظاہری اعمال وکردار احکام الٰہی اور سنت نبوی ﷺ سے مزین تھے، تو ان کے سینے عُلوم نبوت سے معمور اور ان کے دل معرفتِ الٰہیہ، حب الٰہی اور حب نبوی ﷺ سے منور تھے، گویا ان کے ظاہری وباطنی اعمال سیرت طیبہ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کے انوار کا آئینہ، ہدایت الٰہیہ کا گنجینہ اور فیوضِ نبویہ کا خزینہ تھے۔ فیضانِ نبوت محمدیہ ﷺ کے ظاہری وباطنی سوتوں سے ان کے ذواتِ عالیہ سیراب اور منہاج نبوت پر استقامت ان کا امتیاز تھا، وہ ظاہر وباطن کے جامع، علم وعمل کے سنگم، مدرسیت وخانقاہیت کی یکجائی کے مظہر ﴿مرج البحرین یلتقیان﴾ معقولات ومنقولات کے بیک وقت بحرِ ذخار، رات کو عابد شب زندہ دار، دن کو دفاع حق میں تیغ آب دار، تدریس علوم کے وقت ان سے یعلمھم الکتاب و الحکمہ کی جلوہ ریزیاں نمایاں اور تربیت نفوس کے وقت "یزکیھم" کی نور افزائیاں ہویدا تھیں۔ گویا ان میں سے ہر ایک بیک وقت کمالات دینی کا مجمع البحار تھا، دورِ آخر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نائبین حق کی یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فیضان باطنی وظاہری پاکر بقدر ظرف واستعداد ان قرآنی آیات کی مصداق تھی۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَا ھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾. (الفتح:4)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کی صحبت یافتہ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں۔ ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہرے پر نمایاں ہیں۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

دارالعلوم دیوبند کے مورثِ اعلیٰ حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور خانوادۂ دہلی کے دیگر شموس بازغہ کا تذکرہ سورج کو چراغ دکھانا ہے، اسی طرح دیوبند کے جد روحانی شیخ العرب والعجم اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ پچھلے دور میں ہدایت ربانی، سلوک صمدانی کے لئے کھلی امدادِ الٰہی اور اللہ کی نشانی تھے، دیگر سلاسل حقہ سے انکار نہیں لیکن پچھلی ایک صدی میں وراثت نبوت کی تقسیم اور تصوّف وسلوک اور اصلاح باطنی کا کام ان کے سلسلے سے جو لیا گیا اس کی نظیر نہیں ملتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ ملاء اعلیٰ کی توجہات کا خاص مرکز ہے اور ان کی نسبت کا شیوع اپنے سایۂ رحمت میں اقصائے عالم کو لیے ہوئے ہے، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز بانیانِ دیوبند کے مرشد اور اس باطنی روح کے منبع ہیں جو قالب دیوبند کی جان ہیں۔

اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور بانیانِ دارالعلوم کا ذکر باعث برکت ہوتا، لیکن یہ عجالہ تطویل کا متحمّل نہیں ہوسکتا اور تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں، صرف آسمانِ دیوبند کے مہر وماہ قطب الارشاد حضرت علامہ رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں چند اقتباسات پیش کرتا ہوں تاکہ معدن کی اصالت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

اولاً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تحریر تبرکاً نقل کرتا ہوں۔ شیخ سے بڑھ کر اپنے مریدوں کا حالات جاننے والا کون ہوسکتا ہے۔

"فقیر کی طرف سے مشتہر کرا دو کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی، فاضل حقانی ہیں، سلف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صالحین کا نمونہ ہیں، جامع بین الشریعۃ والطریقہ ہیں، شب و روز خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی میں مشغول رہتے ہیں۔ حدیث شریف پڑھانے کا شغل رکھتے ہیں۔ مولانا محمد اسحاق صاحب کے بعد میں اس قسم کا فیض علم دین کا مولوی صاحب سے جاری ہوا ہے، ہندوستان میں مولوی صاحب ایک فرد احد ہیں، مسائل مشکلہ کی عقدہ کشائی مولوی صاحب سے ہوتی ہے، ہر سال میں پچاس آدمی کے قریب حدیث پڑھ کر مولوی صاحب سے سند لیتے ہیں، اتباعِ سنت رسول اللہ ﷺ میں محو ہیں، محبت رسول کریم ﷺ اور عشق خداوندی میں مستغرق ہیں، حق گو ہیں، ﴿لا یخافون لومة لائم﴾ کے مصداق ہیں، خدا کے اوپر پورے طور سے توکل رکھتے ہیں، بدعات سے پورے طور سے مجتنب ہیں، اشاعت سنت ان کا پیشہ ہے، بدعقیدوں کو خوش عقیدہ بنانا ان کا حرفہ ہے، ان کی صحبت اہل اسلام کے واسطے کیمیا اور اکسیر اعظم ہے، ان کے ساتھ بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہے، یہی اللہ والوں کی علامت ہیں، متقی اور تارک الدنیا ہیں، راغب الی الآخرۃ اور تصوف اور سلوک میں کامل ہیں، امیر و غریب ان کے نزدیک یکساں ہیں، سب کی طرف توجہ برابر ہے، لاطمع ہیں، فقیر نے جو کچھ ان کی ثنا میں تحریر کیا ہے، وہ حق ہے۔ (اور وہ یہ ہے:)

دنیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ ومولوی محمد قاسم صاحب سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند۔ بجائے من راقم اوراق بمدارج فوق از من شمارند۔ اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کے اوشاں بجائے من ومن بمقام اوشاں شدم وصحبت اوشاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند واز خدمت بابرکت ایشاں فیضیاب بودہ باشند۔

ترجمہ: جو شخص اس فقیر سے محبت، عقیدت وارادت رکھے، مولوی رشید احمد صاحب و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو کہ تمام کمالات ظاہری و باطنی ان میں موجود ہیں مجھ راقم کی جگہ سمجھیں، بلکہ مجھ سے بھی فائق فی المدارج جانے، اگرچہ ظاہر میں معاملہ برعکس ہوگیا کہ میں ان کی جگہ اور وہ میری جگہ ہو گئے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں اور ان کی بابرکت خدمت سے فیضیاب ہوتا رہے۔

اور اب فقیر کا حسنِ ظن اور محبت بہ نسبت پہلے کے ان کے ساتھ بہت زیادہ ہے۔ فقیر ان کو اپنے

واسطے ذریعہ نجات سمجھتا ہے اور میں صاف کہتا ہوں کہ جو شخص مولوی صاحب کو برا کہتا ہے وہ میرا دل دکھاتا ہے۔ میرے دو بازوں ہیں، ایک مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم اور دوسرے مولوی رشید احمد صاحب۔ ایک جو باقی ہے اس کو بھی نظر لگاتے ہیں، میرا اور مولوی صاحب کا ایک ہی عقیدہ ہے، میں بھی بدعات کو برا سمجھتا ہوں۔ جو مولوی صاحب کا امور دینیہ میں مخالف ہے، وہ میرا مخالف ہے اور خدا اور رسول کا مخالف ہے۔''

اسی والا نامہ کے آخر میں فرماتے ہیں: ''اور میں چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی نسبت مجھے کوئی کلمہ بے ادبی کا نہ سنائی دے اور نہ تحریر کریں، مجھ کو ان امور سے سخت ایذا ہوتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ میرے لخت جگر کو ایذا پہنچائے اور اپنے آپ کو میرا دوست سمجھیں، ہرگز نہیں، مولوی صاحب پکے حنفی المذہب، صوفی المشرب باخدا ولی کامل ہیں، ان کی زیارت کو غنیمت سمجھیں۔''

دستخط: امداد اللہ مکہ معظمہ

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

(موازنہ علماء حق وعلماء سوء، ص: ۷۴ تا ۷۶)

سرسید (بانی تحریک و مدرسہ علی گڑھ) نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ میں جو مضمون لکھا حضرت کے علم وتقویٰ پر ایک ایسے معاصر کی شہادت ہے جو کئی مسائل وعقائد میں ان سے اختلاف رکھتا تھا۔ اس لیے اس سے قوی شہادت کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی:

''افسوس کہ جناب ممدوح (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) نے ۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء کو ضیق النفس کی بیماری میں بمقام دیوبند انتقال فرمایا۔ زمانہ بہتوں کو رویا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا، لیکن ایسے شخص کے لیے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آوے، نہایت رنج اور غم اور افسوس کا باعث ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دلّی کے علماء میں سے بعض لوگ جیسے کہ اپنے علم وفضل اور تقویٰ اور ورع میں معروف اور مشہور تھے، ویسے ہی نیک مزاجی، سادہ وضعی اور مسکینی میں بے مثل تھے، لوگوں کا خیال تھا کہ بعد مولوی محمد اسحٰق صاحب کوئی شخص ان کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں ہے، مگر مولوی محمد قاسم مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دینداری اور تقویٰ اور ورع سے ثابت کر دیا کہ اس دہلی کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تعلیم وتربیت کی بدولت مولوی محمد اسحٰق صاحب کی مثل اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے، بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ بہت لوگ زندہ ہیں، جنہوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کو نہایت ہی کم عمر میں دہلی میں تعلیم پاتے دیکھا ہے۔ انھوں نے جناب مولوی مملوک علی صاحب مرحوم سے تمام کتابیں پڑھی تھیں۔ ابتداء ہی سے آثار تقویٰ اور ورع اور نیک بختی اور خدا پرستی کے ان کے اوضاع اور اطوار سے نمایاں تھے اور یہ شعر ان کے حق میں بالکل صادق تھا

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ ذہانت اور عالی دماغ اور فہم وفراست میں معروف اور مشہور تھے۔ ویسے ہی نیک بختی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل وکمال تھے، ان کو جناب مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت راغب کر دیا تھا اور حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فیض صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت اعلیٰ درجے کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند سنت وشریعت تھے اور لوگوں کو بھی پابند سنت وشریعت کرنے کی زائد از حد کوشش کرتے تھے۔ بایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا بھی ان کو خیال تھا۔ انھیں کی کوششوں سے علوم دینیہ کے لیے نہایت مفید مدرسہ دیوبند قائم ہوا اور نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی، علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی اور کوشش سے مسلمانی مدرسے قائم ہوئے، وہ کچھ خواہش پیر اور مرشد بننے کی نہیں کرتے تھے، لیکن ہندوستان میں اور خصوصاً شمال مغربی اضلاع میں ہزار ہا آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا اور مقتدا جانتے تھے۔

مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے، مگر جہاں تک ہماری سمجھ میں ہے ہم مولوی محمد قاسم صاحب کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو خواہ کسی سے خوشی کا ہو کسی طرح ہوائے نفسانی، ضد اور عداوت پر محمول نہیں کر سکتے، ان کے تمام کام جس قدر کہ تھے بلاشبہ للّٰہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے۔ ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے واسطے تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی صرف خدا کے واسطے تھا۔ کسی شخص کو مولوی محمد قاسم اپنی ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ صرف اس خیال سے کہ وہ برے کام کرتا ہے، یا بری بات کرتا ہے، خدا کے واسطے

برا جانتے تھے، مسئلہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ خاص ان کے برتاؤ میں تھا، ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خلصتیں تھیں اور ہم ان کے ساتھ دل سے محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہے۔ اس زمانے میں سب لوگ تسلیم کرتے ہیں اور شاید وہ لوگ بھی جو ان سے بعض مسائل میں اختلاف کرتے تھے، تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمد قاسم صاحب اس دنیا میں بے مثل تھے، ان کا پایہ اس زمانے میں شاید معلومات علمی میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ کم ہو اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی اور نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی محمد اسحٰق صاحب سے بڑھ کر نہ تھا تو کچھ کم بھی نہ تھا، درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے اور ایسے شخص کے وجود سے زمانے کا خالی ہو جانا، ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد زندہ ہیں، نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے، افسوس کہ ہماری قوم بہ نسبت اس کے کہ علمی طور پر کام کرے، زبانی عقیدت وارادت بہت زیادہ کرتی ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے شخص کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد صرف چند کلمے حسرت وافسوس سے کہہ کر خاموش ہو جائے، یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رومال سے پونچھ کر چہرے کو صاف کر لیں، بلکہ ان کا فرض ہے کہ ایسے شخص کی یادگار کو قائم رکھیں۔

دیوبند کا مدرسہ ان کی ایک نہایت عمدہ یادگار ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ وہ مدرسہ قائم اور مستقل رہے اور اس کے ذریعے تمام قوم کے دل پر ان کی یادگار کا نقش جما رہے۔

''علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ'' مورخہ ۲۴/اپریل ۱۸۸۰ء صفحہ: ۴۶۷۔۴۶۸

منقول از رسالہ دارالعلوم بابت ماہ جمادی الاوّل ۱۳۶۶ھ

(موازنہ علماء حق وعلماء سوء، ص: ۷۷ تا ۸۰)

صاحب نزہۃ الخواطر نے حضرت الشیخ گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں جو لکھا ہے، قابل دید ہے:

الشیخ الامام العلامة المحدّث رشید احمد احد العلماء المحققین والفضلاء المدققین۔ لم یکن مثله فی زمانه فی الصدق والعفاف والتوکل والتفقه والشهامة ،والاقدام فی المخاطر والصّلابة فی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

الدّين والشدة فی المذهب وكان اٰية باهرة و نعمة ظاهرة فی التقوىٰ واتباع السنة النبوية ﷺ والعمل بالعزيمة والا ستقامة على الشريعة و رفض البدع و محدثات الموردِ محاربتها بكلّ طريق و الحرص على نشر ا لسنة و اعلاء شعائر الاسلام و الصدع بالحق و بيان ا لحكم الشرعی،ثم لا يبالی بمايتقاول فيه الناس لا يقبل تحريفا،ولا يتحمل منكرا و لا يعرف المحاباة والمداهنة فی الدين مع مطابعة الله عليه من التواضع و الرّفق واللين دائرا مع الحق حيث ما دار۔ يرجع عن قوله اذاتبين لهٗ الصواب، انتهت اليه الامامة فی العلم والعمل و رئاسة تربية المريدين و تزكية النفوس والدعاء الى الله و احياء السنة و اماتة البدع وقد رزقه الله من التلاميذوالخلفاء ما يندر وجود امثالهم فی هذ العصر فی الاستقامة على الدين،و اتباع الشريعة الغراء ونشر العلم النافع و احياء السنن و اصلاح المسليمين ونفع بهم خلائق (لا)تحصى بحد وعدّ۔

(نزهته الخواطر،ص:149۔151۔ج:8)

ترجمہ: حضرت شیخ امام،علامہ محدث رشید احمد گنگوہی محققین علماء اور مدققین فضلاء میں سے ہیں، آپ صدق وعفت،توکل وتفقر،تیزفہمی اور خطرات کا سامنا کرنے میں،دین میں مضبوطی اور مذہب میں سخت ہونے میں لاثانی تھے،آپ تقویٰ میں،اتباع سنت نبوی ﷺ میں اور عزیمت پر عمل کرنے میں،شریعت پر استقامت میں اور ہر طریقے سے بدعات کو مٹانے میں،سنت کی اشاعت میں،اور شعائر اسلام کے بلند کرنے کے لئے حریص ہونے میں اور حق کو واضح کرنے میں اور شرعی حکم کے بیان کرنے میں ایک روشن نشانی اور ظاہر نعمت تھے۔ آپ لوگوں کی باتوں کی پروا نہیں کرتے تھے،نہ کسی تحریف کو قبول کرتے اور نہ کسی منکر کو

برداشت کرتے،باوجود اس کے کہ اللہ نے آپ کی طبیعت میں تواضع ونرمی کو ودیعت کیا تھا،آپ دین کے بارے میں کسی قسم کی جانبداری اور مداہنت کو نہیں جانتے تھے،جدھر کو حق ہوتا تھا،آپ اس کے ساتھ ہوتے،آپ پر علم وعمل،مریدین کی تربیت،نفوس کا تزکیہ کرنے،اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے،سنت کو زندہ کرنے اور بدعات کو مٹانے کی ریاست و امامت ختم تھی۔(یعنی آپ جملہ امور میں امام وقت اور رئیس الملت تھے) آپ کو اللہ نے ایسے شاگرد اور خلفاء بخشے تھے کہ اس زمانے مین دین پر استقامت،روشن شریعت کی اتباع،علم نافع کے پھیلانے،سنن کو زندہ کرنے اور مسلمانوں کی اصلاح کرنے میں،ان جیسوں کا وجود نادر ہے۔ان کے ذریعے خلائق کو اتنا نفع پہنچا کہ جس کا کوئی حساب وشمار نہیں۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے،نمونہ اس کا کچھ درج کرتا ہوں:

الشيخ الامام العالم الكبير قاسم بن اسد على الصديقی النانوتوی احد العلماء الربانيّين و كان ازهد الناس واعبدهم و اكثرهم ذكرا و مراقبة و ابعدهم عن زی العلماء و لبس المتفقهة من العامة و الطيلسان و غيره،وكان فی ذٰلك الزمان لا يفتی ولا يذكر بل يشتغل فی ذكر الله سبحانهٗ و مراقبة حتى فتحت عليه ابواب الحقائق والمعارف فاستخلف الشيخ امداد الله المذكور و مدحه بان مثل قاسم لا يوجد الا فی العصر السالف۔ (ص383،ج۔8)

ترجمہ: حضرت شیخ،امام،عالم کبیر قاسم بن علی صدیقی نانوتوی ربانی علماء میں سے ہیں۔آپ لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد،عبادت گزار،بکثرت ذکر ومراقبہ کرنے والے اور علماء کی طرح لباس،عمامہ و چادر(وغیرہ) پہننے سے دور بھاگنے والے تھے۔اس زمانے میں نہ آپ فتوے دیتے تھے اور نہ وعظ کرتے تھے،بلکہ اللہ سبحانہٗ کے ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔حتیٰ کہ آپ پر حقائق ومعارف کے دروازے کھلے اور حضرت شیخ امداد اللہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت سپرد کی اور آپ کی مدح فرمائی کہ قاسم جیسا شخص سوائے زمانہ سلف کے کہیں نہیں پایا جاتا۔

محدث کبیر حضرت الاستاد علامہ سید محمد یوسف البنوری مدظلہٗ نے لامع الدراری کے مقدمہ میں "بیان ما لاهل الهند من الخصائص" کے زیر عنوان ایک عجیب اور اچھوتی بحث میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

بل هو الذی جمع مع علوم العرفاء ارباب القلوب علوم المحدثین و ارباب الظواهر و استجار مدهش فی علوم الرّواية و دقة مدهشة فی فنون الدراية علوم ناضجة و افكار ثاقبة و انوار من الغيب لامعة ساطعة وعلیٰ بصيرة اقول: ان الله سبحانهٗ و تعالیٰ خلق شخصا من شخصين احدهما جمع بين اشتات علوم الظاهر روايتها ودرايتها، منقولها و معقولها،وهو الحافظ ابن تيمية الحرانی و ذٰلك البحر المندق الذخار والآخر جمع بين الحقائق الالهية وعلوم العارفين الرّبانية مع حظ وافر من علوم الظاهر و علوم غريبة من العلوم دقيقه ،و هو الشيخ الاكبر الاندلسی محی الدين ابن العربی جمع من هذين الشخصين العظيمين شخصية كبيرة بارزة وهو الشيخ الحجة عبد العزيز الدهلوی لا يقوم بمثله الافراد من الائمة الافذ اذ،فكان الحجة الدهلوی نظير اولئك الافذاذ والجهابذة۔"

ترجمہ: بلکہ آپ تو وہ شخص ہیں کہ جو اہل دل عارفین کے علوم کے ساتھ ساتھ محدثین اور اہل ظواہر کے علوم کے بھی جامع ہیں اور جو علوم روایت کے حیران کن تبحر کے ساتھ ساتھ فنون روایت میں بھی حیرت انگیز مہارت کے جامع ہیں، راسخ علوم اور روشن افکار کے ساتھ ساتھ غیب کے روشن وظاہر انوار کے بھی جامع ہیں، اور میں بصیرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے دو شخصوں سے ایک شخص کو بنایا، جن میں سے ایک شخص گوناں گوں ظاہری

علوم اور ان کی روایت و درایت اور منقول و معقول کے جامع ہیں اور وہ شخص حافظ ابن تیمیہ حرانی ہیں جو کہ ایک بحر ناپیدا کنار ہیں اور دوسرے وہ جو ظاہری علوم کے ایک حصہ وافر سے بہرہ منداور دقیق علوم میں سے عجیب عجیب علوم سے بہرہ یاب ہونے کے ساتھ حقائق الٰہیہ اور عارفین کے ربانی علوم کے بھی جامع ہیں، وہ شیخ اکبر اندلسی محی الدین ابن عربی ہیں، ان دو بڑی ہستیوں سے ایک دوسری بڑی ہستی بنائی گئی اور وہ حضرت شیخ الحجۃ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے، ایسا کام امت کے چند نادر افراد کے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا اور حضرت شیخ وحجۃ دہلوی ان ہی چند نادر ہستیوں کی نظیر تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"و ورث علوم الشيخ عبد العزيز الدهلوی عالمان جليلان: الامام الحجة محمد قاسم النانوتوی والمحدث الفقيه الحجة الشيخ احمد الكنكوهی، بيد انه غلب علی النانوتوی علوم المتكلمين و علوم الحقائق و غلب علی الشيخ الكنكوهی علوم الفقهاء وعلوم السنة،مع حظ وافر بين الجانبين،ولكن اصبحت جهة الحقائق مغلوبة فی واحد، كما ان جهة علوم الفقهاء مغلوبة فی الاٰخر ،شبه ضئيل لانقسام علوم النبوة ﷺ و كمالاتها فی الخلفاء الراشدين۔ فكان المحدث فقيه هذه العصور الشيخ رشيد احمد كنكوهی الانصاری ﷺ جمع مع العلوم الرائجة علوم ارباب القلوب ووهب نورا فی القلب يلمع به ما اظلم علی الناس،فكان يأتی بتوجيهات فی مشكلات الفقه و معضلات الحديث ما خلت عنها الاسفار الضخمة والمجلدات الكبيرة و كان موفقا لطلبة حياة المباركة لدرس المهات الست طول النهار غير فترة قليلة فی البين و بقی نصف قرن يدرس الحديث و كتب السنة لا يلحقه ملل ولا ضجر ولا سامة ولا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تعب مع اشتغاله بتربية النفوس و تربية القلوب بالاذكار و التوجه، فكان نفسه الزكية تتجلى كل حين وهذا ما عدا افتاء فى النوازل والمسائل حيث كان مرجعالارشاد وتربية النفوس و تدريس الصحاح الستة من الامهات۔"(مقدمة لامع الدراری،ص:5 تا 6)

ترجمہ:"اور حضرت شیخ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے وارث دوجلیل القدر عالم ہوئے،اور وہ حضرت امام وحجۃ محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محدث وفقیہ وحجت،شیخ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ہاں دونوں اماموں کے ہر دونوں جانب سے بہرہ مند ہونے کے باوجود،حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر متکلمین کے علوم اور حقائق کے علوم کا غلبہ ہے اور حضرت شیخ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر فقہاء کے علوم اور سنت کے علوم کا غلبہ ہے،لیکن ایک میں حقائق کا پہلو مغلوب ہے،جب کہ دوسرے میں فقہاء کے علوم کا پہلو مغلوب ہے اور یہ خلفائے راشدین کے ساتھ علوم نبوت اور اس کے کمالات کی تقسیم میں ادنی سی مشابہت ہے۔پس فقیہ زمانۂ حاضرہ،حضرت محدث شیخ رشید احمد گنگوہی انصاری رحمۃ اللہ علیہ مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ اہل دل کے علوم کے بھی جامع ہیں اور انہوں نے دلوں کو ایسا نور بخشا،جس سے لوگوں پر اندھیرا روشن ہوگیا۔آپ فقہ اور حدیث کے مشکلات کی ایسی ایسی توجیہہ فرماتے کہ جس سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی خالی ہیں،آپ اپنی ساری عمر مبارک میں سارا سارا دن سوائے تھوڑے سے درمیانی وقفے کے صحاح ستہ کی درس وتدریس کی توفیق سے سرفراز رہے اور نصف صدی تک حدیث وکتب سنت کی اس طرح تدریس فرماتے رہے کہ جس سے نہ آپ کبھی شکستہ خاطر ہوئے اور نہ کبھی تھکے،باوجود اس کے کہ آپ کو ذکر کے ذریعے نفوس کی تربیت وقلوب کے تصفیہ اور توجہ کے ساتھ مشغولی ہوتی تھی،پس آپ کا پاکیزہ نفس ہر وقت متجلّی رہتا تھا اور یہ کام حوادث مسائل میں افتاء کے علاوہ تھا۔آپ جس طرح کہ ارشاد وتربیت نفوس اور صحاح

ستہ کے درس وتدریس کے لئے مرجع خلائق تھے،اسی طرح آپ حوادث کے مشکل مسائل کے لئے بھی مرجع خلائق تھے۔"

بانیان دیوبند میں سے صرف دو بزرگوں کے بارے میں چند آراء محض نمونہ کے لیے نقل کر دی گئی،ورنہ

این خانہ ہمہ آفتاب است

شاید اس بات میں مبالغہ نہیں ہوگا کہ "دیوبندی مدرسۂ فکر" نے پچھلے سو سال میں جس قدر عظیم دینی و روحانی شخصیتوں کو وجود بخشا،اس کی مثال ماضی قریب میں کسی دوسرے ادارے میں دکھائی نہیں دیتی، بقول مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کہ ہمیں وہ دور یاد ہے کہ مہتمم سے لے کر ادنیٰ چپڑاسی تک صاحب نسبت بزرگ ہوتا تھا۔

از سر تا بقدم ہر کجا می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

دیوبند کی یہ بارآوری جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم،ملاء اعلیٰ کے فیضان خاص اور بانیان مدرسہ کے اخلاص وتقویٰ کا نتیجہ تھی،وہاں نیابت نبوت کی اس جامعیت کا ثمرہ تھی،جو روز اول سے ہی 'دارالعلوم' کے لیے مقدر تھی۔حقیقت یہ ہے کہ دین کا کوئی کام اس وقت تک استوار اور پائیدار نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بناونشوونما منہاج نبوت کے مطابق نہ ہو اور وہ جامعیت نبوت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کا پرتو وعکس اپنے میں لیے ہوئے نہ ہو اور عقائد وتعلیمات واعمال نبویہ کا ظاہراً وباطناً آئینہ دار نہ ہو۔اہل دیوبند پر اللہ کا خصوصی کرم تھا کہ جامعیت کبری محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف الصلوٰۃ والتحیۃ) کی نیابت کا شرف انھیں میسر آیا۔ان کے علوم ظاہرہ نے انہیں باطنی روحانیت اور "یزکیھم" کے نبوی صفت سے غافل نہیں ہونے دیا اور "باطن کا سوز وحقیقت" علوم ظاہرہ اسلامیہ میں رسوخ سے مانع نہیں ہوا،علوم عقلیہ کا حصول علوم نبویہ کی عظمت کو ماند نہ کرسکا۔نہ یونانی علوم ودانش افرنگ انہیں مسحور کرسکی،بلکہ دائرہ علوم نبوت کے باہر سے جو بات بھی آئی،وہ دین وعلوم نبوت کی خادم بن کر آئی، جوش طریقت ہو یا ہوش علوم وعقلیت،ہر بات شریعت مطہرہ کی تابع ہی رہی،نہ غلبۂ محبت نے سنّت کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

راہ مستقیم کونگاہوں سے اوجھل ہونے دیا، نہ ہوش وخرد نے حریم نبوت کے انوار و برکات سے محروم رکھا۔ حقیقتاً دیوبندیت کا طرہ امتیاز وکمال، اعتصام وتمسک بالکتاب والسنہ اور جادۂ اعتدال ہی ہے۔

؎ درکفے جام شریعت و درکفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

تیرے میخواروں کے ساقی کچھ عجب انداز ہیں
دل سراپا جوش ہے لیکن زباں خاموش ہے

بوعلی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

بسا اوقات علوم کے شناور عمل کے دریا میں بے دست و پا ہو جاتے ہیں، لیکن دیوبند کے ''اولی الا یدی والابصار'' کے لیے یہ بحر ذخار بھی قدرتِ الٰہیہ نے پایاب کر دیا اور علم کی وسعت ورسوخ کے ساتھ اعمالِ صالحہ وتقویٰ کے نور نے بھی ان سے فروغ پایا، علم وعمل کے سوتے ان کی ذواتِ عالیہ سے یکجا بہتے رہے اور ظاہر و باطن کا جمال وکمال ان کی جلوت وخلوت کی آرائش رہا۔ اتباع نبوت کی برکت سے فریضۂ دعوت وارشاد کی ادائیگی اور ہدایت وخیر و برکت کا جو فیضانِ عام ان نفوسِ قدسیہ سے جاری وساری رہا۔ اس سے انکار کی گنجائش ممکن نہیں، دین کی اس ہمہ جہتی اشتغال کے باوجود ''دیوبند'' نے رہبانیت کو اپنا کیش نہیں بنایا اور مسلمانانِ ہند و پاک کے جملہ سیاسی ومعاشرتی میدانوں میں اس کی حیثیت متبوع و امام کی رہی۔ سیاست کے خارزار میں خواہ وہ تحریک خلافت ہو یا تحریک پاکستان یا تحریک آزادئ ہند، ہم ہر جگہ دیوبند کے اساطین کو پہلی صف کے رہنماؤں میں پاتے ہیں اور یہ ''دیوبند'' کی اس جامعیت کا ایک ادنیٰ نشان ہے، جو اس کے تمام کمالات وخدماتِ دینی کی بنیاد ہے کہ دین کا ہر کام ''جامعیت محمدیہ'' کا پرتو پا کر ہی مکمل ہوا کرتا ہے۔ ذٰلك تقدير العزيز العليم۔

''مسلک دیوبند کی جامعیت پر اپنے دعوی کے بین دلیل کے طور پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کا مضمون نقل کرتا ہوں:

دارالعلوم کا مسلک:

''علمی حیثیت سے یہ ولی اللہی جماعت مسلکا اہل السنۃ والجماعۃ ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع وقیاس پر قائم ہے۔ اس کے نزدیک تمام وسائل میں اولین درجہ نقل وروایت اور آثار سلف کو حاصل ہے، جس پر پوری دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے یہاں کتاب وسنت کی مرادات اقوالِ سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر محض قوتِ مطالعہ سے نہیں، بلکہ اساتذہ اور شیوخ کی صحبت وملازمت اور تعلیم وتربیت ہی سے متعین ہو سکتی ہیں۔ اسی کے ساتھ عقل وروایت تفقہ فی الدین بھی اس کے نزدیک فہم کتاب وسنت کا ایک اہم جزو ہے۔ وہ روایات کے مجموعے سے حنفی فقہ کے روشنی میں شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور سب کو درجہ بدرجہ اسی طرح اپنے اپنے محل پر اسی طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع بین الروایات اور تعارض کے وقت تطبیق احادیث اس کا خاص اصول ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کر دینا نہیں چاہتا۔ جب تک وہ قابل احتجاج ہو۔ اسی بنا پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض اور اختلاف محسوس نہیں ہوتا، بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف سے مبرا رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے، جس میں ہر رنگ کے علمی وعملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے بیزار اور بری ہے، تزکیہ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے۔ اس نے اپنے منتسبین کو علم کی رفعتوں سے بھی نوازا اور عبدیت وتواضع جیسے انسانی اخلاق سے بھی مزین کیا اور اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغنا (علمی حیثیت سے) اور غناء نفس (اخلاقی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے۔ وہیں فروتنی، خاکساری اور ایثار وزہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور ہوئے، نہ رعونت اور کبر ونخوت کا شکار ہوئے اور نہ ذلت نفس اور مسکنت میں گرفتار، وہ جہاں علم واخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے لگے، وہیں عجز ونیاز، تواضع وفروتنی اور لاامتیازی کے جوہروں سے مزین ہو کر عوام میں ملے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جلے اور ''کاحدمن الناس'' بھی رہے، جہاں مجاہدہ اور مراقبہ سے خلوت پسند واقع ہوئے، وہین غازیانہ و مجاہدانہ اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات سے جلوہ آرا بھی ثابت ہوئے۔غرض علم واخلاق،خلوت و جلوت اور مجاہدہ و جہاد کے مخلوط جذبات و دواعی سے ہر دائرہ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک کا امتیازی نشان بن گئی جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے۔اسی لیے ان کے محدث ہونے کے معنی فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنی محدث سے بیزار ہوجانے یا نسبت احسانی (تصوف پسندی) کے معنی متکلم دشمنی یا علم کلام کی صداقت کا معنی تصوف بیزاری کے نہیں بلکہ اس کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدث،فقیہ،مفسر،مفتی،متکلم،صوفی، (محسن) اور حکیم ومربی ثابت ہوا۔جس میں زہد وقناعت کے ساتھ عدم تکشف،حیاوانکسار کے ساتھ عدم مداہنت، رأفت ورحمت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر،قلبی یکسوئی کے ساتھ قومی خدمت اور خلوت اور انجمن کے ملے جلے جذبات راسخ ہوگئے۔ادھر علم وفن اور تمام ارباب علوم وفنون کے بارے میں اعتدال پسندی اور حقوق شناسی نیز ادائیگی حقوق کے جذبات ان میں بطور جوہر نفس پیوست ہو گئے۔بنابریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل وکمال اور راسخین فی العلم خواہ محدثین ہوں، یا فقہا،صوفیا ہوں، یا عرفاء،متکلمین ہوں یا اصولیین،امراء اسلام ہوں یا خلفاء اس کے نزدیک سب واجب الاحترام اور واجب العقیدت ہیں۔اس لیے جذباتی رنگ سے کسی طبقے کو بڑھانا اور کسی کو گرانا یا مدح وذم میں حدود شرعیہ سے بے پروا ہوجانا اس کا مسلک نہیں۔اس جامع طریق سے دارالعلوم نے اپنی علمی خدمات سے (شمال میں) سائبیریا سے لے کر (جنوب میں) سماترا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلا دی،جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں،دوسری طرف سیاسی خدمات سے بھی اس کے فضلا نے کسی وقت بھی پہلو تہی نہیں کی،حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں،کسی وقت بھی ان بزرگوں کی سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا،بالخصوص تیرھویں صدی ھجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت سے حضرت شیخ المشائخ حضرت امداداللہ صاحب قدس سرہٗ کی سرپرستی

میں ان کے دو مریدان خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور ان کے منتسبین،متوسلین کی مساعیٔ انقلاب،جہادی اقدامات اور حریت اور استقلال ملی کی فداکارانہ جدوجہد اور گرفتاریوں کے وارنٹ پر ان کی قید وبند وغیرہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی جاسکتی ہیں،نہ بھلائی جاسکتی ہیں،جو لوگ ان حالات پر محض اس لیے پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اس راہ سرفروشی میں قبول نہیں کیے گئے تو اس سے خود ان ہی کی نامقبولیت میں اضافہ ہوگا،اس بارے میں ہندوستان کی تاریخ سے باخبر اور ارباب تحقیق کے نزدیک ایسی تحریریں خواہ وہ کسی دیوبندی النسبت کی ہو یا غیر دیوبندی،جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات کی نفی ہوتی ہو،لایعبا بہ اور قطعاً ناقابل التفات ہیں،اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ توجیہ صرف یہ کی جاسکتی ہیں کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجے میں محض ذاتی حد تک حزم واحتیاط کا مظاہرہ ہیں،ورنہ تاریخی اور واقعاتی شواہد کے پیش نظر نہ ان کی کوئی اہمیت ہے اور نہ وہ قابل التفات ہیں،ان خدمات کا سلسلہ مسلسل آگے تک بھی چلا اور ان ہی متوارث جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے اخلافِ رشید بھی سرفروشانہ انداز سے قومی اور ملی ذبات کے سلسلے میں آگے آتے رہے،خواہ وہ تحریک خلافت ہو یا استخلاص وطن۔۔۔اور بروقت انقلابی اقدامات میں اپنے منصب کے عین مطابق حصہ لیا۔مختصر یہ کہ علم و اخلاق کی جامعیت اس جماعت کا طرہ امتیاز رہا اور وسعت نظری اور ضمیر روشنی اور رواداری کے ساتھ دین وملت اور قوم ووطن کی خدمت اس کا مخصوص شعار،لیکن ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت میں مسئلہ تعلیم کو حاصل رہی ہے، جب کہ یہ تمام شعبے علم ہی کی روشنی میں صحیح طریق پر بروئے کار آسکتے تھے اور اسی پہلو کو اس نے نمایاں رکھا۔اس لیے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامع علم ومعرفت،جامع عقل وعشق،جامع عمل واخلاص،جامع مجاہدہ و جہاد،جامع دیانت وسیاست،جامع روایت و درایت،جامع خلوت وجلوت،جامع عبادت و مدنیت،جامع حکم و حکمت،جامع ظاہر وباطن اور جامع حال وقال ہے۔اس مسلک کو جو سلف وخلف کی نسبتوں سے حاصل شدہ ہے،اگر اصطلاحی الفاظ میں لایا جائے،تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیناً مسلم،فرقۃ اہل السنۃ و الجماعۃ،مذہباً حنفی،مشرباً صوفی،کلاماً اشعری،سلوکاً چشتی بلکہ جامع سلاسل،فکراً ولی اللّٰہی،اصولاً قاسمی،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فروعاً رشیدی اور نسبتاً دیوبندی ہے۔(اس سلسلے میں چونکہ ''مسلک دارالعلوم'' کے نام سے ہم نے ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے، اس موقع پر اس کی تفصیل کی زیادہ ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اس کے بعض جامع جمل اس تحریر میں لے لیے گئے ہیں، تفصیلات کے لیے اس رسالہ کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص: ۲۲/ ۲۳)

مباحث بالا سے یہ بات واضح ہے کہ ''دیوبندی مدرسۂ فکر'' جامعیت کبریٰ محمدیہ کا وارث اور سہ گانۂ نبوت کا نائب وامین وداعی ہے، دیوبندیت کی تشکیل جن پرنور ومبارک بنیادوں پر ہوئی اور منہاج نبوت کا جو عظیم ورثہ اسے میسر آیا، اس کی وجہ سے دیوبندیت کا ہیولیٰ قرآن وسنت کی سلف صالحین کے محتاط رنگ میں تشریح، فقہ حنفی کی محدثانہ طرز میں توضیح، سلوک وتصوف کی طریق نبوت وشریعت کے مطابق تصر یح اور معارف وحقائق دینی کی حکیمانہ پیش کش، توحید خالص، اتباع سنت، حب الٰہی عشقِ رسول اللہ ﷺ اور جملہ اہل سلاسل، حقانی علماوصوفیہ کے احترام سے وجود میں آیا۔غیرت ایمانی نے احقاق حق، ابطال باطل، اشاعت دین، حفاظت ناموس رسالت، ردّ بدعات اور حریت و جہاد کا جذبہ بخشا۔دیوبندیت کے ان بنیادی جواہر کی بنا پر دیوبند نے جن اعاظم رجال اور اساطین علم وعمل اور نفوس قدسیہ کو وجود بخشا، قرون متاخرہ میں اس کی مثال شاذ ہے۔بیسیوں ایسی ہستیوں کے نام بے تکلف لیے جا سکتے ہیں، جس میں ہر ایک بذات خود جامعہ علم، دائرہ فضیلت، مجمع الفضائل اور اپنی ذات میں انجمن، بلکہ امت تھی۔علوم وفنون کی امارت و ریاست انہیں زیبا تھی، ورع وتقوی نے ان سے زینت پائی تھی، حضرت شیخ الہند محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت امام العصر علّامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ روحہ، حضرت مولانا خلیل احمد امبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی اعلی اللہ مقامہٗ، شیخ الاسلام علّامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، رأس الاتقیاء مجاہد ملّت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، امام المبلغین حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت علّامہ مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، محدث کبیر حضرت مولانا علّامہ ظفر احمد عثمانی، استاد العلماء حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ، مفتی دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، متکلم وقت حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، ادیب شہیر حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری نور اللہ مراقدھم، کس کس کا نام لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے، ہر فرد ممتاز اور اپنے رنگ میں یگانہ ہے۔

اس وقت بھی ''دیوبندی مدرسۂ فکر'' کے اکابر میں بقیۃ السلف برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، محدث الکبیر حضرت علّامہ محمد یوسف البنوری، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک وغیرھم علم ودین کی مایۂ ناز شخصیتیں ہیں، استقصاء احتواء مقصود نہیں، چند نام جو زبان قلم پر آ گئے، لکھوائے گئے۔ورنہ ہمارے لیے ان میں ہر شخص قابلِ صد عزت واحترام ہے۔

دیوبندی مدرسۂ فکر کی یہی جامعیت اور نیابت محمدیہ کی برکت تھی کہ علوم نبوت کی جو تعلیم وتدریس و اشاعت ودعوت اور اس کے مطابق تربیت اور تزکیہ اس طبقہ کے حضرات سے ہوا۔اس کی مثال قرون متاخرہ میں شاذ ہی ملے گی۔اگر ایک طرف تعلیم کے رخ سے احادیث مبارکہ کا تداول اور چلن اور صحاح ستّہ بلکہ دیگر بعض کتبِ احادیث کا دورہ بستی بستی قریہ قریہ پھیل گیا۔قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کا ذوق گھر گھر پہنچا۔احناف کی فقہی مستند کتابوں کا چلن ہر مدرسہ کی ضرورت ٹھہرا۔علوم عقلیہ درس نظامی کا جزو قرار دے کر ہر مدرسہ میں چالو ہوئے تو دوسری طرف اکابر دیوبند کے سلاسل سلوک نہ صرف برکو چک ہندو پاکستان بلکہ اقصائے عالم میں پھیل گئے اور اگر یوں کہا جائے کہ سلسلہ مبارکہ امدادیہ کی وہ شاخیں جو قطب الارشاد حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر دیوبند کے ذریعے سے پھیلیں، آج ان کی وسعت، ہمہ گیری، اثر انگیزی اور اثر پذیری روز روشن کی طرح عیاں ہے، جس کی عصر حاضر میں نظیر نہیں ملتی، یا یوں کہیے کہ یہ شجر طوبی آج پورے عالم پر محیط اور تزکیہ نبوت کی سنت کو قائم رکھے ہوئے ہے۔اسی طرح تبلیغ و دعوت کے عمومی مراکز، وعظ وخطبات کی مجالس کے علاوہ صرف شاہ محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب جماعت تبلیغ کی تاثیر وقبولیت مشرق ومغرب، عرب وعجم کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے۔

﴿ذالك فضل الله يو تيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم﴾

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تیسری طرف علوم دینیہ کی تصنیف وتالیف کی کثرت، فضلائے دیوبند کے حصے میں جس طرح آئی اور جس کثرت سے علمائے دیوبند نے ہرنوع کے علوم دینیہ پر تصنیف وتالیف کے انبار لگادیئے۔ وہ انہی کا حصہ ہیں۔ ترجمہ اور تفسیر، حدیث اور علوم حدیث، فقہ وفتاویٰ، علم کلام اور ردفرق باطلہ، تاریخ وسیر ہر عنوان پر اکابر واصاغر دیوبند کی مستند کتابیں مل جائیں گی۔ صرف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تصنیف وتالیف کا وہ بے پایاں دفتر وکتب خانہ تالیف فرما گئے کہ ایک شخص کیا پوری پوری اکیڈمیاں اس کے مرتب کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ ایک ہزار سے اوپر کتابیں، چوبیس ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے مواعظ اور مکتوبات کا سلسلہ اس کے علاوہ ہیں، دیگر کئی بزرگوں کی کتابیں مثلاً مفتی محمد شفیع، قاری محمد طیب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سو سے متجاوز ہوچکی ہیں، کوئی فن، کوئی مسئلہ جدید ہو یا قدیم، شاید ہی ایسا رہا ہو جس پر علماء دیوبند نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ تراجم میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ، حضرت شیخ الہند قدس سرّہٗ کے تراجم بے نظیر ہونے کے علاوہ ہر مسلمان کے گھر کی زینت ہیں، علّامہ شبیر احمد عثمانی کا حاشیہ قرآنی، مفتی محمد شفیع صاحب کی معارف القرآن اور دیگر علمائے دیوبند کی قرآنی خدمات سے خلق کثیر مستفید ہوچکی ہیں، جہاں تک احادیث مبارکہ کی اردو میں خدمت کا تعلق ہیں، مولانا محمد منظور نعمانی کی معارف الحدیث، مولانا بدر عالم کی ترجمان السنہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا سلسلہ فضائل اپنے اپنے رنگ اور اپنے اپنے دائرے میں خوب مقبول ہوئے، بلکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہشتی زیور کی طرح حضرت شیخ کی کتب فضائل سے شاید ہی کوئی گھر خالی ہو۔ فتاویٰ میں فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ دیوبند اور فتاویٰ امدادیہ، دیوبند کی فقہی خدمت کا شاہکار ہیں۔ سلوک وتصوف کے بارے میں تصانیف کا جو سلسلہ حضرت حاجی امداد اللہ سے شروع ہوا تھا، وہ حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی اور دیگر اکابر دیوبند کی تصانیف سے ایک بحر ناپیدا کنار بن چکا ہے، جس کی مثال پوری اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ حضرات جنید وشبلی وبسطامی وجیلانی قدس اللہ اسرارھم کے علوم، غزالی ورازی ورومی کے حکمت ومعارف کو جس نے اس دور میں دیکھنا ہو، انہیں ان اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جدید مسائل اور ضروریات کے بارے میں بھی دیوبندی مکتبۂ فکر کی ہرنوع کی ہمیں کتابیں میسر آسکتی ہیں۔ متکلم وقت مناظر احسن گیلانی نے اپنے خاص رنگ میں جو جدید فتنوں کے بارے میں قلم اٹھایا ہے وہ بے مثل اور اثر انگیزی میں اپنی

نظیر آپ ہیں، مجلس علمی ڈابھیل اور کراچی، ندوۃ المصنفین دہلی اور اسی نوع کی متعدد دیگر مجالس کی علم دین کی خدمات کو کون نظر انداز کرسکتا ہے۔ غرض علمی میدان میں ہر رخ اور ہر ضرورت کے مطابق علمائے دیوبند نے اپنی علمی کاوشوں سے دین کی خدمت کا حق ادا کردیا ہے، جہاں تک حدیث کی عربی میں خدمت کا تعلق ہے، پورے عالم اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ صحاح ستّہ کے متعدد عربی حواشی، ان پر تقاریر کے علاوہ مستقل شروح کتب حدیث علما ہند و پاک کا امتیاز ہیں، یہاں تک کہ علّامہ رشید رضا مصری کو مفتاح کنوز السّنہ میں لکھنا پڑا:

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذه العصر لقضى عليها بالزوال۔

ترجمہ: اگر ہمارے برادران علماء ہندوستان نے اس زمانہ میں علم حدیث پر توجہ نہ کی ہوتی، تو اس علم کے زوال کا فیصلہ ہوچکا ہوتا۔

بخاری کی شرح فیض الباری {حضرت مولانا انور شاہ کشمیری} لامع الدراری {حضرت شیخ علّامہ زکریا سہانپوری} فتح الملہم شرح مسلم {علامہ شبیر احمد عثمانی} معارف السنن شرح جامع ترمذی {علّامہ محمد یوسف بنوری} بذل المجہود شرح ابی داؤد {مولانا خلیل احمد سہانپوری} امانی الاحبار شرح معانی الآثار طحاوی {مولانا محمد یوسف کاندھلوی} اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک {شیخ الحدیث مولانا زکریا سہانپوری} التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح {مولانا ادریس کاندھلوی} اعلاء السنن {مولانا ظفر احمد عثمانی} وغیرہم دیوبندی مدرسۂ فکر کی وہ خدمات جلیلہ ہیں، جن کی مثال اس دور میں دوسرے اسلامی ممالک بھی پیش نہیں کرسکتے۔

دیوبندی مدرسۂ فکر کے اصول وفروع کا مسلک حنفی ہے، اس لیے کتب حدیث کی شروح میں فقہ حنفی پر بحث واستدلال کرتے ہوئے فقہ حنفی کی ایک خاص نوع وطرز سے خدمت ہوگئی ہے کہ مذہب حنفی کے دلائل کو احادیث مبارکہ سے اس طرح مبرہن کردیا گیا ہے کہ فقہی لحاظ سے اقرب الی السّنہ حنفی مذہب ہی ثابت ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حنفیہ کے مفتیٰ بہا مسائل سب احادیث مبارکہ کے مطابق اور ان سے مستفاد ہیں، گویا دیوبندی مدرسۂ فکر کی ان کاوشوں سے حدیث وفقہ کی خاص خدمت کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکاشفہ ایک حد تک پورا ہو گیا جسے انہوں نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے:

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان فی المذھب الحنفی طریقة انیقة ھو اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت و نقحت فی زمان البخاری و اصحابہ و ذلك ان یؤخذ من اقوال الثلاثة قول اقربھم بھا فی المسئلة ثم بعد ذلك یتبع اختیارات الفقھاء الحنیفیین الذین کانوا من اھل الحدیث۔فرب شیئ سکت عنہ الثلاثة فی الاصول وما تعرضوا لنفیہ و دلت الاحادیث علیہ فلیس بد من اثباتہ والکل مذھب حنفی۔

(فیوض الحرمین:ص:20)

ترجمہ: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی میں ایک طریقہ بڑا عمدہ ہے، جو اس طریق سنت کے بہت موافق ہے جو بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں مدون اور منقح ہو چکا ہے۔ وہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ و ابو یوسف و محمد (رحمہم اللہ) کے اقوال میں سے اس قول کو لیا جائے جو اس مسئلہ میں حدیث کے زیادہ قریب ہو، پھر ان فقہائے حنفیہ کے جو محدثین میں سے تھے، اختیارات کا تتبع کیا جائے کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں، جن سے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر روایت میں سکوت کیا ہے اور ان کی نفی سے تعرض نہیں کیا اور احادیث ان پر دلالت کر رہی ہے، تو ان کو ثابت ماننا ضروری ہے اور یہ سب مذہب حنفی ہوگا (مذہب سے خارج نہ ہوگا۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہیں کہ اس نے سرزمیں دیوبند سے ہدایت ونور کا ایک بحر بے کراں جاری فرما دیا، جس سے پورا عالم بحمد اللہ سیراب ہوا اور ہو رہا ہے۔ اس مختصر مضمون میں ''دیوبندی مدرسۂ فکر'' کی جملہ خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، نمونتہً اس شجرہ طیبہ کی پاکیزہ جڑوں، اس کے پاک پھلوں اور اس کے آثار ونتائج کی طرف معمولی سا اشارہ کر دیا ہے۔

طوفان اشک لانے سے اے چشم فائدہ
وہ اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اللہ اسے ہمیشہ قائم ودائم رکھے اور انسانیت کو اس سے تا قیامت مستفید فرماتا رہے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین

۲۴/ذیقعدہ ۱۳۹۵ھجری

❀❀❀

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

231

(۱۹)

استعمار کی کہانی اور جامعہ امداد العلوم کی تاسیس

انگریزی استعمار نے تحتانی براعظم ہندو پاک پر جب اپنا منحوس سایہ ڈالا اور وہ اپنی سامراجیت اور حکمرانی کے ساتھ اپنی عمیق اسلام دشمنی، ورثہ اسلامی کا عناد، مسیحی تبلیغی ذہن بھی لے کر آیا۔ اس نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی۔ اس لئے مسلمانوں سے بطور خاص اس کی کدو عداوت تھی۔ انگریز اپنے ساتھ اپنی نئی مسحور کن ہوشربا تہذیب کو بھی لے کر آیا تھا۔ جس کی ظاہری چکا چوند نے ہندو پاک کے بہت سے رہنے والے کو متاثر کیا۔ انگریز جس تہذیب وتمدن کا وارث تھا۔ اور جن عناصر سے اس کی تشکیل ہوئی تھی اس میں پالوس (Stped) کی محرف شدہ عیسائیت مسخ شدہ یہودیت، قدیم یونانی و رومی ورثہ، جدید افکار ونظریات، اینگلوسکسن اقوام کی اپنی روایات شامل تھیں۔ نشہ اقتدار کی بدمستی سے وہ مفتوحہ ملک کی ہر چیز کو مٹانے اور اپنا نقش قائم کرنے کے درپے تھے۔ اس بارے میں انہوں نے نہ صرف توپ وتفنگ کی ظاہری قوت اور حاکمانہ زور آزمائی کے ہر حربہ کو استعمال کیا اور ظلم استبداد، ہلاکت و چنگیزی کی وہ مثالیں قائم کیں جس سے اوراق تاریخ خون چکاں اور انسانیت آنکھیں جھکاتی ہے۔ بلکہ حیلہ افرنگی یہودی سازشی ذہن، مسیحی روباہی تبلیغی کردار اور عصر حاضر کے پرفریب ہر طریقہ کو استعمال کیا۔

یہود کو اللہ تعالیٰ نے فطرتاً ذہن رسا، فکر بلیغ اور مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ لیکن یہودی تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں انہوں نے ان قومی فضائل اور فطرتی کمالات کو ہمیشہ شر کی حمایت اور دین وخیر کی مخالفت میں استعمال کیا اور ان کے ان اعمال کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انی فضلتکم علی العٰلمین کا تاج ان سے چھین کر ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ کا طوق ان کے گلے میں ڈال دیا اور سامری کے طلائی بچھڑے کی پرستش کے بعد سے محبت زران کے ریشہ ریشہ میں سرایت کر گئی اور

ان کی اقتصادی تاریخ قرآن کریم کی آیت واشربوا فی قلوبھم العجل کا ثبوت بن گئی۔ ان کا ذہن بجائے خیر کے شر کا مسکن بن گیا۔ اور دنیا کے لئے یہودی ذہن سازش کا گڑھ بن گیا۔ جس میں سب سے نمایاں 1896ء کے یہودی پروٹوکال ہیں جن میں پورے عالم پر یہودی غلبہ کے لئے ہر غلط وصحیح حربہ کو استعمال کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے۔ اپنی ان سازشوں کی وجہ سے وہ بار بار یسومو نھم اشد العذاب کا مورد بنتے رہے اور آخری بار "نازی جرمنی" نے انہیں اپنے کیے کی عبرتناک سزا دی۔

انگریز قوم یہود ونصاریٰ کا مجموعہ ہے۔ بڑے بڑے انگریز وزراء یہودی تھے اور آج بھی یہود کی سرمایہ داری کا ان کے مالیات پر قبضہ ہے۔ برکو چک ہند میں ان کی آمد واستعماری ریشہ دوانیوں میں یہود نے پورا حصہ لیا اور ان کا سازشی ذہن انگریز کی پوری مدد کرتا رہا۔

انگریز کی آمد کے بعد اس کا تجارتی لبادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ اور کلائیو کے ہاتھ سے یہ قبائے سالوس چاک ہوئی اور دیکھتے دیکھتے پورا ہندان کی ہوس ملک گیری کی نذر تھا۔ انگریز نے حکومت وسلطنت پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ حکومت کی داغ بیل پڑتے ہی انہوں نے اہل ملک کو عیسائی بنانے کی مہم شروع کر دی۔ مسلمانوں میں ان کی کوشش بحمداللہ تعالیٰ کامیاب نہ ہو پائیں۔ اور علماء کی محنتوں اور مسلمانوں کی دینداری نے ان کی اس سکیم کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ پادریوں کے مناظرے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور علمی چیرہ دستیاں حضرت مولانا رحمت علی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی کوششوں سے ناکام ہوگئیں۔

امیر شہید حضرت سید احمد شہید (رائے بریلوی) اور جماعت مجاہدین نے جو جہاد کا صور پھونکا تھا اس سے انگریز اس قدر خائف ہوگیا کہ جہاد کے ابطال کے لیے اسے ایک پیغمبر پیدا کرنا پڑا۔ جس کا مقصد ہی جہاد کی مخالف اور انگریز کی حمایت تھا۔ بہت سے مسلمانوں میں تفرقہ اور مذہبی منافرت پیدا کرنے کے لیے ضمیر فروش بعض نام نہاد مولویوں وغیرہ کو استعمال کیا۔

انگریز نے اپنی تہذیب وتمدن، افکار وخیالات پھیلانے کے لیے ایک گروہ ایسا پیدا کیا جو مدتوں برکات حکومت انگلیشیہ کے گیت الاپتا رہا۔ پورے ملک میں ایسا تعلیمی نظام کیا گیا جو ان کے مفادات کا حامل ونمائندہ اور ملک میں ایسے لوگوں کی پیدائش کا سب سے بڑا سبب تھا۔ جو ذہن وفکر، طرز ماندبود میں انگریزوں سے بڑھ کر ان کا حامی اور ان کی تہذیب کا گرویدہ تھا۔ جنہیں اپنی تہذیب وورثہ سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نفرت اور انگریز کی ہر چیز پیاری تھی۔ معیشت و ملازمت کی راہیں ان پر کھولی گئیں اور جو جس قدر ان کا وفادار اور اپنوں کا غدار رہا ان کا مقرب اور چہیتا تھا۔ تعلیم کی یہ جڑیں اس قدر مضبوط تھیں کہ ان کے چلے جانے کے بعد بھی اس میں تغیر کے آثار نظر نہیں آئے۔

عیسائیت کے فروغ کے لئے مشنری سکولوں، کالجوں کے علاوہ مشنری ہسپتال جگہ جگہ قائم کیے گئے جن کا مقصد خدمت کے بھیس میں عیسائیت کی اشاعت تھی۔ مسیحی عبادت گاہیں گرجے جگہ جگہ بنائے گئے۔ عیسائی آبادی گو نام کی ہو لیکن ان کی عبادت گاہیں عالیشان بنائی گئیں۔ بڑے بڑے شہروں میں جو سب سے اہم، پر رونق اور قیمتی جگہ ہوتی وہاں یہ گرجے بنائے جاتے۔ چنانچہ ہندو پاک کے بڑے شہروں میں گرجوں کی جائے وقوع سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دوسری طرف بعض ایسے ادارے اور انجمنیں جو مقتدر اور با اثر حضرات کو اپنا کر ملک و ملت کے خلاف خفیہ کام کرتی تھیں ان کا جال بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیا گیا۔ ان ہی میں فری میسنز کی تحریک کی شاخیں تھیں۔ جس کے ممبروں میں بہت سے شرفا کے نام بھی مل جائیں گے۔ جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے:

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ کل وہ مجھے کس کے گھر ملے

صوبہ سرحد برکو چک کا آخری حصہ ہے۔ جس کے غیور پٹھان کسی حد تک انگریز سے آخر وقت تک نبرد آزما رہے اور ان کے جذبہ حریت کو نہ انگریز کی سنگینی دبا سکی نہ اُن کی سازشیں، خصوصاً اس علاقہ کے علماء جنہیں انگریز اپنی کتابوں میں ''Fanalic Mullas'' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ان کے لئے ہمیشہ دردِ سر بنے رہے۔ یہاں بھی انگریز کالج، ہسپتال، گرجا، فری میسنز لاجز کے روپ میں اپنے مقاصد کو پھیلانے کی پیہم کوشش کرتا رہا۔ عجب بات ہے کہ صوبہ سرحد کا دارالسلطنت پشاور جب انگریزوں کی ان کارروائیوں کا آماجگاہ بنا تو یہاں کے کالج، مشنری ہسپتال وغیرہ میں مساجد کے طرز تعمیر کو ایک حد تک اپنایا گیا۔ تاکہ کسی راہ سے اس فریب سے فائدہ اٹھایا جائے۔ پشاور چھاؤنی میں مال روڈ کا

جو بہت قیمتی حصہ تھا۔ وہاں ایک ہی علاقے میں چار بڑے بڑے گرجے تعمیر کیے گئے اور کسی گرجا کو 44 کنال، کسی کو 32 کنال، کسی کو 24 کنال تک زمین دی گئی۔ حالانکہ وہاں عیسائیوں کی کوئی بستی نہ تھی۔ انہیں گرجوں کے دامن میں 23 کنال کی زمین میں فری میسن کا لاج 1865ء میں قائم کیا گیا جو اس علاقے کے ذہین، مالدار اور پر اثر لوگوں کو انگریز کا زلہ بار بنا کر اپنے مفادات کی حفاظت کرواتا تھا۔ عام لوگ اس لاج کو اس کی پوشیدہ سرگرمیوں کی وجہ سے جادو گھر کہتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد یہ ادارے قائم تھے۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ انہیں فری میسنز کے ممبروں میں سے بعض کا فقیر سے تعلق پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنے چند دیگر دوستوں کی مدد سے اس لاج کو جو پشاور کے ممبر خرید چکے تھے 1972ء کے وسط میں ایک عالیشان مسجد کی تعمیر کے لیے وقف کر دیا۔ اس میں جولائی 1973ء سے باقاعدہ نماز و جمعہ وغیرہ پرانی عمارت میں تھوڑی سی تبدیلی سے شروع ہو گئی۔ راہ میں شدید رکاوٹیں آئیں۔ آخرش جناب جنرل ضیاء الحق صاحب نے بندہ کے نام اپنے ایک حکم نامہ میں اسے مسجد بنانے کی اجازت صادر فرمائی۔ بحمد اللہ گو ابھی مسجد کی تعمیر شروع نہیں ہوئی تاہم پرانی عمارت میں جامعہ امداد العلوم پشاور کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر دیا گیا ہے۔ فی الحال دورہ حدیث اور شعبہ تحفیظ القرآن والقرآۃ شروع کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا حسن جان صاحب شیخ الحدیث ہیں۔ اس جامعہ میں مختلف علوم کے شعبے قائم کرنے کا بحسب توفیق باری ارادہ ہے۔ ''البیان'' میں تذکرہ کا سبب حصول دعا کی طلب ہے کہ ''انگریز کا یہ سازشی اڈہ اللہ تعالیٰ دین کا گڑھ بنا دیں''۔ آمین

وما ذلك على الله بعزيز و آخر دعوانا ان الحمد الله رب العٰلمين

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۲۰)

ارمغان سلیمان پر ایک نظر

سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی جلالتِ شانِ عظمت دینی، فضیلت علمی، رفعت عرفانی، گونا گوں فضائل وکمالات اور خدمات دینی وملی سے کون ناواقف ہے۔ عصر حاضر میں جامعیتِ علوم میں اپنی مثال آپ تھے..... ایک جامعہ علم، ایک دائرہ فضیلت، ایک مدرسۂ فکر، علم وعمل، فضائل وکمالات کا حیرت انگیز مجموعہ ونمونہ:

یـــدل بمـــعنی واحـــدٍ کل فـــاخر

وقـــد جمـــع الـــرحمن فیـــك المعانیـــا

اس قدر ومنزلت کے باوجود لوگ جانتے ہوں گے کہ اقلیم سخن بھی سید ذیجاہ کے سیادت سے باہر نہ تھی۔ سخن سنجی کا ملکہ ممتاز وخداداد تھا ہی، سخن گوئی میں بھی بلند ونمایاں مقام رکھتے تھے اور عجمی، عربی، فارسی تینوں میں اچھے اشعار کہہ لیتے تھے..... مہارت فن میں ان کی مثال علماء طبقہ میں کم ملے گی، فنِ عروض پر عبور کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ''رموز بے خودی'' جب منظر عام پر آئی تو کئی مقامات پر حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاحی مشورے دیے، جسے اقبال مرحوم کی بلندیٔ کردار نے خوش دلی سے قبول کرلیا۔ اس بارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط (اقبال نامہ، ج:۱، ص: ۸۴، ۹۷) کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک خط میں ہے:

''آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لئے نہایت ممنون ہوں، مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا، بالکل بجا ہے.....''

اسی طرح مولانا دریا آبادی اپنی ایک غزل کی اصلاح کے متعلق لکھتے ہیں:

''سید صاحب کی یہ اصلاح بالکل صحیح اور استادانہ تھی۔'' (مکتوبات سلیمان، ج:۱، ص:۷۹)

غرض شعر وسخن کی دنیا میں بھی سید صاحب کا خاص مقام تھا..... زیر نظر کتاب حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۂ کلام کا نام ہے جو ان کے مسترشد خاص مرید باختصاص برادرم مولوی شاہ غلام محمد صاحب حیدرآبادی کراچوی کو مل سکا اور ان کی ترتیب وتہذیب، تقریب اور تحشیہ کے ساتھ حسنِ طباعت سے اہل نظر اور مشتاقانِ سخن کے لئے نورِ دیدہ ودل بنا۔ فاضل مرتب حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اجل مسترشد ہونے کے علاوہ علم وادب کی بزم میں بھی مدت سے اپنے حسن ذوق کا ثبوت پیش کررہے ہیں۔ اس سے پیشتر حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کی عرفانی زندگی پر ''تذکرۂ سلیمان'' جیسی کتاب پیش کرچکے ہیں۔ اکابر کی تصنیفات کے مسودات کی کتابت، ترتیب وپیشکش کی سعادت انہیں بار بار نصیب ہوئی ہے اور اب تک مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مقالات احسانی وتدوین حدیث، مولانا عبدالباری ندوی کی 'اسلام کا نظام وصلاح و اصلاح' وغیرہ کتابیں مرتب کرچکے ہیں، جو اہل علم کے حلقہ میں مصنفین کرام اور لائق مرتب کے لیے داد و ستائش حاصل کرچکی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص ہے جس کا سبب ایک درویش باصفا کی نگاہ فیض ہے۔

ارمغان سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اور اس کی تقریب مرتب کی اپنے شیخ سے محبت ولگن کا نشان اور ان کے مذاق سلیم، سخن فہمی وسخن سنجی پر شاہد ہے۔ مجموعہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ادوارِ زندگی کی رعایت سے دو حصوں پر مشتمل ہے: ۱۔ غزل الغزلات۔ ۲۔ دورِ اول کا کلام۔

غزل الغزلات حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عارفانہ کلام کا نام ہے جو حکیم الامۃ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسے ارادت کے بعد کہا گیا۔ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفۂ عہد عتیق کے نام کی رعایت وموزونیت سے ''غزل الغزلات'' خود تجویز فرمایا تھا۔ یہ حصہ ارمغان کے صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے اپنی شاعری کا حاصل سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے ''میری شاعری (عارفانہ والہامی۔ اشرف) حضرت والا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے شروع ہوئی اور ان کے وصال پر ختم ہوگئی۔''

اس مجموعہ کے متعلق فرمایا: ''یہ میرا غزل نامہ نہیں بلکہ سفر نامہ ہے۔'' یعنی شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی سیر سلوک کی مختلف منازل کی واردات قلبیہ اشعار کے پیرایہ میں موزوں ہوگئی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جو شعر بھی سپردِ قلم کررہا ہوں میں سب وارداتِ عشق رقم کررہا ہوں میں
فیض ہے یہ کس ولیٔ وقت کا اب مرا جو شعر سے الہام ہے

کلام سید کا یہ حصہ ارمغانِ سلیمان کی معنوی حیثیت سے جان ہے اور اپنی عارفانہ وحکیمانہ حکمت و اہمیت اور عرفانی رموز ونکات کے لحاظ سے انتہائی عمیق اور وسعت معنی کا حامل ہے۔ارشاد ہے:

سمجھیں میرے کلام کو جو ہوشمند ہیں
مستی مری یہ بادۂ انگور کی نہیں

شیخ وقت سیدھے سادھے لیکن سہل ممتنع اشعار میں معارف ربانیہ اور الہامات الٰہیہ کو بیان کرتے جاتے ہیں جس سے شیخ محقق اور مرید صادق دونوں بقدر ظرف واستعداد استفادہ کر سکتے ہیں۔طریق کے مختلف مقامات واحوال کی نشاندہی اور سالکین کی مشکلات کی گرہ کشائی بفضلہٖ تعالیٰ کچھ اس انداز سے ہوگئی ہے کہ اس مجموعہ کا بغور بغرض استفادہ مطالعہ ہر ذی استعداد سالک کے لئے دلیل راہ اور روشنی کا مینار بن سکتا ہے.....مرتب کے حواشی بھی مسلک سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کی محتاط ترجمانی کررہے ہیں اور مرتب کے ایجاز قلم کا کرشمہ اور بصیرت باطنی کی دلیل ہیں۔گو شیخ کا پرحکمت وعمیق کلام مستقل شرح کا طالب ہے لیکن ارمغان کی پیش کش کا مقصد ''متن کلام'' ہے۔بیان ارمغان اور اس میں ماشاءاللہ مرتب خوب کامیاب رہے ہیں۔

اس جمال معنوی کے ساتھ کلام آرائش ظاہری وتزئین صوری سے بھی مالا مال ہے اور اس شعر کا مصداق:

بہارِ عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را بہوار باب معنی را

فقیر کا مقام نہیں کہ سیدی الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب اشعار پیش کرے تاہم ناظر کو قدم قدم پر معنوی اور صوری جمال کا مرقع نظر آئے گا ملاحظہ فرمایئے:

انہیں کے دینے سے ملتا ہے جس کو ملتا ہے
وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے

جیسے ماثورہ اللھم لامانع لما اعطیت ولامعطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد کس خوبی سے ادا ہوگیا ہے۔

جو آج لذت درد نہاں کا جویا ہے
وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغدار کرے

غالب کا شعر:

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیش عشق
رکھی ہے آج لذت درد جگر کہاں

تو جس درجہ کا ہے! ظاہر ہی ہے، لیکن سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بھی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

ذات کا ادراک محال اور مسالک کی دسترس سے وراء الورا ہے۔تاہم ایک ''نادیدہ تجلی'' اسے ہر آن شاد کام رکھتی ہے۔حضرت فرماتے ہیں:

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو
محال ہے جو انہیں کوئی ہمکنار کرے

پوری غزل انتخاب ہے اور حسنِ ادا کی خوبی برجستگی، معنوی عمق اور عارفانہ حقیقت کا اچھوتا نمونہ، ملاحظہ فرمایئے:

پلا دے ساغر شار مجھ کو وہ ساقی — خزاں کو ایک اشارہ میں جو بہار کرے
سنا تو دے اسے افسانۂ غم ہجراں — وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے
تیری نظر میں ہے تاثیر مستی صہبا! — تیری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے

چند اور شعر ملاحظہ فرمایئے:

اس کی دز دیدہ نگاہی کے نثار — آج ہی آغاز کا انجام ہے
اب در پیر مغاں چھوٹے نہیں — اس کی مٹی میں بھی کیف جام ہے
ہے ''نہیں'' بھی ربط پنہانِ نیازو ناز عشق — لن ترانی امتحان شوق کا پیغام ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک ''منتخب غزل'' کے چند شعر درج کرتا ہوں:

دل حریف نگہ یار کہاں سے لاؤں جو نہ بے خود ہو وہ میخوار کہاں سے لاؤ
اف رے دریائے معاصی کی تلاطم خیزی وہ سفینہ جو کرے پار کہاں سے لاؤں
فیضِ ساقی ہے بہ اندازہ ظرف میخوار دل حریف لیے بسیار کہاں سے لاؤں
قطرۂ اشک میں ہوں دل کے بھی ٹکڑے شامل
فطرت دیدۂ خونبار کہاں سے لاؤں

کچھ اور اشعار اہلِ ذوق کی نشاطِ طبع اور ازدیادِ بصیرت کے لئے پیش ہیں:

دامن کو آنسوؤں سے جو نم کر رہا ہوں میں شرح غم فراق رقم کر رہا ہوں میں
دیوانہ گانِ عشق کو دے کر صلائے عام سب واردات عشق رقم کر رہا ہوں میں
کہہ کہہ کے دلفریب دل آرا و دلنشین تردید قصہ ہائے ستم کر رہا ہوں میں

خدا جانے کہاں دل ہے، کہاں پر اس کی منزل ہے
نہیں ملتا سراغ دل، نہیں ملتا نشانِ دل
کوئی چوٹ ایسی لگ جائے الٰہی میرے سینہ میں
کہ فوارہ سا بن جائے یہ زخم خونچکانِ دل
اس تجلی گاہ کا ہر نازنیں
کشتۂ انداز الا اللہ ہے
ہے اسی کی سانس انفاس حیات
جو کوئی دمساز الا اللہ ہے
دجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں
جام مے آواز الا اللہ ہے

چشم ساقی میں بھری کیا بادۂ پرجوش ہے
جس طرف آنکھ اٹھ گئی وہ مست ہے مدہوش ہے
حبّذا پیر مغاں، دریا دل و دریا نواں
جمع ہیں میخوار، میخانہ میں نوشانوش ہے
جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جانفزا سے سروبال دوش ہے
ہر ضرب تیشہ ساغرِ کیفِ وصال دوست
فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں
جب سے اے دل اپنے عیبوں پر نظر اپنی پڑی
اپنے دعوائے ہنر سے شرم سی آنے لگی
الاماں اے سوزش داغ فراق
روزِ محشر تابش خورشید ہے
یاد آیا چشم ساقی کا کرم
پھر چھلکتے جام کی امید ہے
مہر ہو یا قہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے
میرے ہوش وخرد نے جمع جو خرمن کیا برسوں
لگا دے برقِ ایمن آگ تو اس میرے حاصل میں
عشق کا رہبر دلیل راہ جس دن سے بنا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بن رہا ہے آپ ہی انکار دل اقرار دل

وہ چشم محبت تو جویائے محبت ہے

دیکھے تو ذرا کرکے اس سے کوئی یارانہ

حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی

آدل میں مرے چھپ جا اسے صورت جانانہ

سما جا مرے دل میں ارمان ہو کر

دوئی دور کردے میری جان ہو کر

ستم بھی کرم ہے کہ شورِ محبت

مزہ دے رہا ہے نمکدان ہو کر

جہاں کو معطر بنائے ہوئے ہیں

وہ زلفِ معنبر پریشان ہو کر

اہل نظر جانتے ہیں کہ اصناف شاعری میں سب سے مشکل صنف نعت گوئی ہے۔'نعت گو'عشق نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عظمت وادب نبوی کا محرم ہو اور نسبت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب اور شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حق المقدور شناسا ہو کہ:

نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا

اس کے اشعار دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں موہم تنقیص نہ ہوں نہ ہی حریم توحید میں دراندازی یا واہمہ شرک پیدا کرنے والے ہوں اور ان نزاکتوں کی رعایت ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

برکف جام شریعت برکف سندانِ عشق

ہر ہوس نا کے نداند جام و سندان باختن

اسی لئے عرفی نے نعت کے بارے میں ٹھیک کہا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست

آہستہ کہ رہبر دم تیغ است قدم را

یہی وجہ ہے کہ ہر نعت گو کعب ابن مالک یا بصیری کی طرح ''بردیمانی'' کا مستحق نہیں۔مزید برآں یہ بھی لازم ہے کہ ان قیود کی رعایت ایسا پابند سلاسل نہ کردے کہ اس کا قافیہ ہی تنگ ہو جائے۔ بلکہ ان تمام نزاکتوں کا التزام مزید جولانی طبع اور عروض وقواعد شاعری کی پابندیوں کے اہتمام کا باعث ہو۔

سیرت نگار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے زیادہ اس گل کدۂ کی آبیاری کس کے بس کی بات تھی اور اس پُرخار کوچہ سے کون صحیح وسالم نکل سکتا تھا۔غزل الغزلات میں کل چار نعتیں ہیں۔ ہر نعت اپنے رنگ میں عظمت وعشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دال اور عارفانہ اور حکیمانہ.....اور ان عارفانہ حدود کی رعایت نعت گوئی کا کمال ہے۔نعت عظمت وعشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دال اور عارفانہ اور حکیمانہ طرزِ سخن کا کمال ہے۔

ہر جگہ ''ادب شریعت''،''جوش عشق'' پر غالب ہے اور وارداتِ قلبی کی رعایت قیود''سخن گوئی'' وآداب شاعری کی کامل پابندی کے ساتھ ہے۔ پُرشکوہ الفاظ بے ساختگی کے سانچے میں ڈھلتے چلے آتے ہیں۔ ترکیب کی ندرت وبرجستگی، بندش کی چستی، کلام کی روانی نے اعجازِ معانیٔ عمق ومطالب سے مل کر ان نعتوں کو لفظ ومعنی کا حسین امتزاج بنا دیا ہے۔پہلی نعت کے اشعار سے دل ودیدہ کو سکون بخشیے:

نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی علیٰ نورِ مجسم صل علیٰ

خد مورد صلی علیٰ قد ممدد صل علیٰ

رحمت عالم صلی علیٰ مفخر آدم صل علیٰ

مرسل اکرم صلی علیٰ، اسمک احمد صلی علیٰ

چہرۂ انور شمس ضحیٰ، زلف معنبر لیل سجیٰ

قلب مطہر نور ہدیٰ، ذکر ممجد صل علیٰ

شاہد عالم شاہ امم، ہادی اعظم شمع حرم

صاحب لطف وجود وکرم، حق سے مؤید صل علیٰ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شافع محشر نام ترا، سب کی شفاعت کام ترا
عرش معظم بام ترا، خلق کا مقصد صل علیٰ

گوہر والا پاک نسب، عنصر بالا پاک لقب
بہتر و اعلیٰ خلق و ادب سرور و سید صلی علیٰ

نسبت بیضا راہ تری چاہ خدا کی چاہ تری
شافع عاصی جاہ تری، رفرف مسند صل علیٰ

نورِ الٰہی نور ترا، غار حرا ہے طور تیرا
ہے ہوش میں مخمور ترا اے نور مجسد صلی علیٰ

کوچۂ جنت کوچے ترے، خار و خس در پھول ترے
خاک قدم ہے میرے لئے سرمد اشہد صل علیٰ

جی میں ہے عاشق سجدہ کرے تو نے جہاں پہ پاؤں دھرے
اور بشوق و ذوق پڑھے مخضر مرقد صل علیٰ

موسیٰ عمران مخبر مقدم، مژدۂ عیسیٰ شان درود
دعوت ابراہیم ترا باعث آمد صل علیٰ

شانِ نبوت کا اظہار کس جوشِ بیان و حقائق و حقوق کی رعایت کے ساتھ ہو رہا ہے:

آمد تری اے ابر کرم رونق عالم
تیرے ہی لئے گلشن ہستی یہ بزا ہے

فردوس و جہنم تری تخلیق سے قائم
یہ فرق بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے

237

لے جائے گا رہرو کو وہ منزل سے بہت دور
جو جادہ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے

ادب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازہ اس نعت سے کیجیے، جو مدینہ منورہ میں القاء ہوئی اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پیش کی گئی۔ چند شعر پیش ہیں:

پاکیزہ تر از عرش و سما جنت و فردوس
آرام گہ پاک رسول عربی ہے

آہستہ قدم، نیچی نگہ، پست صدا ہو
خوابیدہ یہاں روح رسول عربی ہے

اے زائر بیت نبوی یاد رہے یہ
بے قاعدہ یاں جنبش لب بے ادبی ہے

عشق والہیّت دیکھئے:

لو لاک لما عنوان ترا، فرمان خدا فرمان ترا
پیغام خدا فرمان ترا، ایمان خدا ایمان ترا

اے شاہ مدینہ در پہ ترے ہیں آج بھکاری بن کے کھڑے
لائق تو نہیں احسان کے میں پھر بھی جو ملے احسان ترا

تیری محبت دین مرا، اور دین ترا آئین مرا
ہر لفظ پہ تیرے یقین مرا، عرفانِ خدا عرفان ترا

مناجات سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ میں عبدیت و سوز و کرب ملاحظہ فرمائیے:

صدق احساس کی دولت میرے مولیٰ دیدے
غم امروز بھلا دے، غم فردا دیدے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی
دل دیوانہ وسودائی وشیدا دیدے
اپنے میخانہ سے اور دست کرم سے اپنے
دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر ومینا دیدے
دل بے تاب ملے، دیدۂ پر آب ملے
تپ آتش مجھے دیدے غم دریا دیدے
دردِ دل سینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے وہ درد خدا یا دیدے
ان کے کرم کے ہم نثار، ان کی عطا کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں
دل کو نصیب ہو گداز، جاں کو عطا ہو سوز وساز
ہے یہ دعاء بصد نیاز درگہ بے نیاز میں
دل جو ملا سیاہ کار آنکھ عطا ہو اشکبار
دھوئے جو دل کو بار بار خلوت خاص راز میں

''غزل الغزلات'' میں ایک استاذانہ فارسی غزل ہے جو معنویت وحقیقت کا جام لبریز اور صوری محاسن کا اعجاز ہے۔ آیات قرآنیہ اشعار میں ایسے دمک رہی ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ اس قند پارسی کا لطف پوری غزل کے مطالعہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

غزل الغزلات کے آخر میں شاعر الحاد جناب جوش ملیح آبادی کی ایک ملحدانہ نظم کے جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک فی البدیہہ نظم ہے جو بیک وقت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت وحمیت ایمانی، بصیرت باطنی، تاریخ پر نظر اور قادر الکلامی کا تابندہ گوہر ہے۔

238

''ارمغان سلیمان'' کا دوسرا حصہ (صفحہ ۶۷ تا صفحہ ۱۱۲) سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور اول (یعنی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق سے پہلے کے) اس کلام پر مشتمل ہے۔ جو فاضل مرتب (مولانا غلام محمد بی اے) کو دستیاب ہوسکا، جیسا کہ مرتب نے تصریح کردی ہے کہ اس دور کا یہ پورا کلام نہیں، مرتب تقریب میں لکھتے ہیں: 'دور اول کے ذخیرے کے متعلق یقین نہیں آتا کہ شعر وسخن کی گرم بازاری اور سخن سنجی کی جواں عمری کا حاصل صرف اتنا ہی ہوگا۔

یہ ایک تاریخی المیہ اور دردناک حقیقت ہے کہ ناگزیر حالات نے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے غیر مطبوعہ علمی وادبی ورثہ کو ہندو پاک کے مختلف مقامات پر منتشر کر کے رکھ دیا ہے اور یہ قیمتی قومی وراثت ہماری غفلتوں کی نذر ہو رہی ہے۔

ان نامساعد حالات میں فاضل مرتب کا اتنے کلام کو بھی جمع کر کے شائع کر دینا ان کی بلند ہمتی اور شیخ سے محبت وشغف کی دلیل ہے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور اول کے اس کلام کا تعارف کرانے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شاعرانہ ذہنی ارتقاء کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔

سید الملت قدس سرہ کا بچپن جس زمانہ و ماحول میں گذرا، اس وقت فضا شعر وسخن کی عطر بیزیوں سے مہک رہی تھی، مکاتب تک اس شمیم جانفزا سے معطر تھے۔ طلبہ کو مکتبی زندگی ہی میں باہمی بیت بازی سے شعر وسخن کا چسکا لگ جاتا تھا۔ جو رفتہ رفتہ بعض موزوں طبع اور ذہین حضرات کو شعر گوئی اور سخن سنجی تک پہنچا دیتا تھا۔ یہی مکتبی بیت بازی سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بھی مذاق سخن پیدا کرنے کا سبب بنی، اور بقول مولانا ابوظفر ندوی اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ علامہ موصوف کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہو گیا اور ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد ہو گئے۔ اس سلسلہ میں علامہ نے ایک بیاض تیار کی تھی، اس میں ہزاروں منتخب اشعار تھے۔ چونکہ بیت بازی میں حریف خود ساختہ اشعار بھی پیش کرتے تھے، اس لیے علامہ موصوف کو تقطیع کی طرف خاص توجہ کرنی پڑی جس سے ان کو فن عروض پر اس قدر عبور ہو گیا تھا کہ علماء میں ان کی مثالیں کم ہوں گی۔

(معارف سلیمان نمبر: ۴۹)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیسنہ ودربھنگہ کی مکتبی زندگی کے بعد بچپن ہی میں پھلواری شریف تعلیم کے لیے جانا ہوا۔ پھلواری شریف میں شاہ محی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں اور شاعرانہ ذوق نے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذاق سخن کو مزید جلا بخشی، ابتدائے جوانی لکھنؤ وندوہ کے قیام اور استاذ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض نے اسے اور چمکایا اور مہارت فن اور شعر گوئی میں ملکہ تام نصیب ہوگیا۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود ایک مقام پر لکھتے ہیں:

انگریزی کی بیسویں صدی کا پہلا سال تھا جب میری عمر ۱۶، ۱۷ سال کی ہوگی کہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں داخل ہوا۔ شعر وسخن کا چسکا مکتبی بیت بازی کے سبب سے پہلے سے تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیر وداغ کے زمزموں سے ہندوستان پرشور تھا اور خاکسار کا میلان امیر مرحوم کی طرف تھا اور ان کا دیوان مراۃ الغیب پیش نظر رہتا تھا۔

اسی زمانہ کی شاعری کے متعلق مولوی ابوظفر ندوی لکھتے ہیں:

اوپر گذر چکا ہے کہ ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں علامہ ممدوح بیت بازی میں پیش پیش تھے جس سے ان میں شعری ذوق پیدا ہوگیا جو لکھنؤ آکر اور تیز ہوگیا۔ لکھنؤ گذشتہ ادبی سرگرمیاں پوری طرح موجود تھیں۔ مرثیہ کی مجلسیں اور مشاعرے بکثرت ہوتے تھے۔ علامہ موصوف ان مشاعروں میں اکثر شرکت کرتے، آخر خود بھی شعر کہنے لگے اور انہیں اپنے احباب کو سنا کر داد لیتے، علامہ موصوف نے ایک بیاض بھی تیار کی تھی، اس کی ایک جانب عربی (سید صاحب کہ اپنے کہے ہوئے۔ اشرف) اور دوسری جانب اردو اشعار تھے۔ ان کے اردو اشعار مجھے بہت یاد ہوگئے تھے، جو ان کے دیوان یا بیاض سے نقل کئے تھے۔

وہ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور اپنی غزل بھی سناتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مشاعرہ کی خبر شام کو ملی، رات کو مشاعرہ تھا۔ غزل کہنے کی کوشش کی اور صرف ایک شعر کہنے پائے تھے کہ احباب آگئے اور ان کے ساتھ چل پڑے۔ ان کی صورت، شکل اور لباس کو دیکھ کر شمع ان کے سامنے بھی آئی، پہلے تو بہت پریشان ہوئے، لیکن انتقال ذہن نے پریشانی سے بچالیا، انہوں نے یہ معذرت کی کہ مجھے مشاعرہ کی مطلق خبر نہ تھی، ابھی احباب نے اطلاع دی، فوراً اٹھا چلا آیا، البتہ ایک شعر ذہن میں آیا ہے، وہ عرض کرتا ہوں:

سر سے قدم تلک ہے ردائے حیا پڑی
حاجت ہی کیا ہے، آپ کو صاحب نقاب کی

یہ شعر لکھنؤ کے رنگ کا تھا، خوب داد ملی۔

اردو کے مسلمہ ادیب وناقد مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہ ''معارف سلیمان نمبر'' میں لکھتے ہیں:

ذکر دسمبر ۱۹۱۳ء کا ہے..... دو شخص آس پاس لیٹے ہوئے وقت گذاری کے لیے شغل اردو شاعری سے کر رہے ہیں۔ امیر کو داغ سے ٹکرا رہے ہیں، ایک کو گرا دوسرے کو چڑھا رہے ہیں، یہ شعر پر شعر تا بڑ توڑ سنانے والا ہے۔ سید ذی جاہ سلیمان ندوی ۵۳ء کا شیخ طریقت نہیں ۱۳ء کا جوان عمر صاحب نظر و صاحب قلم اور سُن سُن کر بلا بیت بازی مات کھا جانے والا ہے۔ ان سطور کا راقم اثیم، پڑھانہ لکھا نام محمد فاضل!..... سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رسم وربط ایک مدت سے قائم تھا۔ ان کے علوم وفضل کا سکہ کئی سال سے دل پر بیٹھا ہوا!! یہ کیا خبر تھی کہ الندوہ کی ڈوبتی کشتی کو سنبھالنے والا اور الہلال کو وقت کی ظلمتوں میں چمکانے والا، کلام امیر کا حافظ نکلے گا۔ مراۃ الغیب کا آئینہ بردار صنم خانہ عشق کا پرستار! یہ پہلی بار کھلا کہ یہ حضرت بہ ایں زہد وتقویٰ اردو شعر وسخن کے رسیا ہیں اور اردو غزل وتشبیب کے متوالے!

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فاضل اجل، عالم بے بدل ہونے کا ایک زمانہ قائل ہے۔ دنیا کو مسلم ہے کہ وہ فنِ تاریخ میں امام وقت تھے اور سیرت نگاری میں اپنی نظیر آپ، لیکن آخر تک کم ہی لوگوں نے ان کے ادبی، شعری اور تنقیدی مرتبہ کو جانا اور کمتر ہی لوگوں نے انہیں ادیب، انشا پرداز اور سخن سنج کی حیثیت سے پہچانا!..... علم وادب کی تاریخ میں ایسی ناشناسی اور کم شناسی کی مثالیں نہ معدوم ہیں نہ غیر معلوم۔

اب آخر زمانہ میں تو ان کا عام مطالعہ یوں بھی بہت گھٹ گیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ سمٹ سمٹا کہ دینیات تک محدود رہ گیا تھا۔ لیکن جب شوق مطالعہ جوان تھا اور دن سن بھی جوانی کے تھے۔ تو اردو کی غزلیات کیا معنی ہزلیات تک کا دفتر بے معنی وبامعنی ان کی انگلیوں کی نوک پر تھا۔ دیوان کے دیوان پڑھ ڈالے، کلیات پر کلیات ختم کر دیے اور گلدستہ کا تو اب لفظ بھی تشریح طلب ہوگیا ہے۔ (اپنے وقت تازہ غزلوں کے ماہنامہ کو کہتے تھے۔ ایک زمانہ میں ان گلدستوں کی بہار تھی، لکھنؤ تو پھر لکھنؤ ہے، اور اور شہروں بلکہ قصبوں تک میں ان کے ورق ورقِ گل کی طرح کھلے ہوئے اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ ان کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے، پھر شاعروں کی باہمی نوک جھونک کے رسالے اپنی بوقلمونیوں میں مولوی صاحبان مناظرانہ رسالوں سے ٹکر لیتے ہوئے..... پٹنہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن خود ہی اردو شعر سخن کے حق میں گلزار اور پھر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لکھنؤ میں سالہا سال کا قیام، جو کور کسر رہ گئی تھی، پوری ہوگئی۔ سید

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس چمن کے ایک چہکتے ہوئے بلبل خوشنوا خود بن گئے۔

شاعر بھی تھے، تخلص رمزی کرتے تھے۔ کبھی قطعہ اور کبھی رباعی کہتے اور تفریحاً ہر بحر سخن میں شناوری کر لیتے، ان کی شاعری پر نقد و تبصرہ کے لئے ایک مستقل مقالہ درکار ہے اور یہ منزل تو پھر بعد کی ہے پہلے کوئی شاگرد ذرا تلاش و تفحص سے کلام لے کر ان کا سارا کلام یکجا تو کرے۔

بہر حال دورِ اول کا کلام جو فاضل مرتب کی مساعی سے مجموعہ کی زینت بن سکا ہے، وہ ایک نعت، چوبیس غزلوں، نو منظومات، چند رباعیات وقطعات اور طالب علمی کے ایک استاذانہ فارسی قصیدہ پر مشتمل ہے، جو اس ہونہار شاگرد نے اپنے استاذ شبلی مرحوم کی مدح میں کہا تھا۔ اس مجموعہ کے تعارف کا آغاز تبرکاً نعت کے دو شعروں سے کرتا ہوں:

تو ہے مجموعہ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں
مجلس شاہ میں ہے نغمۂ تسلیم وورد
شورِ تسبیح نہیں شورش اذکار نہیں

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور شعر ہے:

کششے کہ عشق دارد نگذار دست پدیشاں
بجنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ملاحظہ ہو:

دست نازک سے اٹھاتے ہیں وہ میت میری
بعد مرنے کے ٹھکانے لگی محنت میری

مزید اشعار نمونۃً درج کرتا ہوں:

چاہے تم آج نہ ہو میری وفا کے قائل
پر تمہیں یاد کبھی آئے گی الفت میری

یہی جی چاہتا تھا اٹھ کے سینہ سے لگالوں میں
ارادہ جب کیا تم نے میری میت اٹھانے کا
خطاب غیر میں گو لاکھ احترام رہے
مگر وہ لطف کہاں ہے جو لفظ تو میں ہے
دین میں تبلیغ کے اب بھی ہے تشنگی باقی
عجیب لذت پنہاں مرے لہو میں ہے
نگاہ لطف ادھر ہو کہ آ چلا ہے کیف
بچا نہ رکھ مرے ساقی جو کچھ سبو میں ہے
ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں!
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگ گلو میں ہے
الٹا مجھ ہی سے ترک ملاقات کا گلہ
طرز ستم نئی ہے تغافل شعار آج
اعلان کرکے قطع محبت کے راز کو
پھر سے بنادیا مجھے امیدوار آج
راہ لیلیٰ میں نہ کر آبلہ پائی کا گلہ
وادی نجد میں اے قیس کوئی خار نہیں
یہ دل وہ شیشہ نازک ہے میرے سینے میں
نظر سے بھی جو گرے پاش پاش ہوجائے
نگاہِ شوق ذرا دیکھ بھال کر اٹھے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چھپا ہے راز جو دل میں نہ فاش ہو جائے
شکستِ رونقِ بت خانہ ہو نہیں سکتی
خلیل خود ہی اگر بت تراش ہو جائے
اب اذن دفن ہو دل کا غبار دور کرو
کہ زیرِ خاک تو بیکس کی لاش ہو جائے
کیا سرِ کائنات کوئی فاش کر سکے
جو فاش ہے بھی کس کی سمجھ میں وہ آ گیا
ناامیدی نے مجھے دولت تسکیں بخشی
اب سرِ نازو نیازت بدخو نہ رہا
مضطر وہ برق وش تھا الٹنے کو خود حجاب
ہم آپ درمیان میں حائل تو ہو گئے
تعلیم نو، سیاست ملکی، فنون حال
اکسیر ہے مگر نہ دوائے دل وجگر
وہ جذاب مذہبی ہے وہ ملت کا جوش ہے
جو چشمۂ حیات ہے اور قوت بشر
درد اٹھ اٹھ کے مرے دل میں ٹھہر جاتا ہے
کیوں رگ دل کی جگہ سینہ میں نشتر نہ ہوا
تیرے جائے پہ گماں تھا کہ ہو محشر برپا
تو گویا اور بپا دہر میں محشر نہ ہوا

دور اول کے کلام میں جو منظومات ہیں وہ بھی شاعر کی غیرت وحمیت ملی کا نشان، حقائق کا بیان اور اصلاحی رنگ کو لیے ہوئے ہیں، سیاسی نظموں میں بلا کی ایمائیت ہے اور یہ نظمیں سیاسی فراست وبصیرت کا آئینہ ہیں۔

استاذ شبلی مرحوم اور اپنی پہلی زوجہ محترمہ کا مرثیہ بھی درد والفت کا گنجینہ ہے اور بعض اشعار تو قیامت کے ہیں۔ اصلاحی نظموں میں سے ایک نظم کے چند شعر نقل کرتا ہوں:

اگر کسی قوم میں آزادیٔ گفتار نہیں
اس کے جینے کے بظاہر ہیں بہت کم آثار
ٹوک دو پاؤں میں رہبر کے جو لغزش دیکھو
کہ نہ ہٹ جائے کہیں جادۂ حق سے رفتار
قوم "الفاظ" کے جوہر سے نہیں بنتی ہے
بلکہ اقوام کے جینے کا ہے معنی پہ مدار
قول اس وقت ہے ایمان کا رتبہ پاتا
جب کہ قلب اور جوارح سے ہو اس کا اقرار
دل ہستی مایہ ہے لیکن جو زبان کو دیکھو
لفظ لفظ اس کا ہے ہمپایہ در شہوار

قدیم وجدید طرزِ حکومت کے کچھ شعر جو ۱۹۱۹ء میں کہے گئے تھے، ملاحظہ ہوں:

ایک صاحب نے کہا مجھ سے کہ آئین کہن
منبع ظلم تھا اور مایۂ آلام و محن
نہ کوئی ملک میں قانون جہاں بانی تھا
نہ حکومت کے تھے آداب واصول احسن

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں نے کی عرض اجازت ہو تو کچھ میں بھی کہوں
میرے نزدیک صداقت سے ہے خالی یہ سخن
پہلے فرمانِ سلاطین جہاں جو کچھ تھا
اب بھی حکامِ ممالک کو وہی ہے قدغن
عدل واصلاح طلب کے لئے تیار رہے
قید وزنجیر وتفنگ وتبرو دار ورسن

بقول حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہٗ سید صاحب بطنی سعید تھے اور صوفی پیدا ہوئے تھے۔ بچپن ولڑکپن والد محترم اور برادر مکرم جناب شاہ سید ابوحبیب صاحب کی خدمت میں گذرا، جو دونوں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں مجاز بیعت تھے۔ ان کی توجہات اور نقشبندی سلسلہ کے اشغال سے بچپن میں ہی بہرہ مند ہوئے تھے۔ گو بعد میں قدرت نے مغربیت واستشراق کے دجالی فتنہ کے استیصال کا عظیم الشان کام ان سے لینا تھا۔ اس لئے مدتوں مسند علم وتحقیق کے صدر نشین کی حیثیت سے اسلام کا علمی دفاع واشاعت کرتے رہے۔ اور ایک زمانہ تک ''سلوک'' کی معروف راہ چھوٹ گئی لیکن حق یہ ہے کہ قلب سلیمانی ہمیشہ اپنی منازل طے کرتا رہا۔ اور الحاد و دہریت، استشراق و بے دینی کے خلاف کامیاب معرکہ آرائی ان کے لئے خود ایک طرز سلوک بن گئی، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کسی زمانہ میں بھی ''سالک'' نہیں تھے تاہم معروف سلوک کی ''باویہ پیمائی'' اور شیخ الکل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے تعلق سے پیشتر ان کا رنگ کچھ اور تھا۔ اس لئے اس دور کی شاعری کو ''رسمی شاعری'' قرار دیا گیا ہے تاہم اس رسمی شاعری کے دور میں بھی طبیعت کا باطنی رجحان اور طلب صادق کسی شیخ کی تلاش اور معروف طریقہ سے منازل سلوک طے کرنے کے لئے بے تاب تھی جن کے شواہد قدم قدم پر ملتے ہیں۔ ایک دور ایسا آتا ہے کہ شاعر اپنی وابستگیوں سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اپنے کو مجبور اور ''تحیر'' کے عالم میں پاتا ہے، اس قسم کے اشعار پہلے دور کے کلام میں کافی مل جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

دل میں آتا ہے کہ اب ترک مئے وساغر کروں
پھر یہ بتلا دے کوئی کیسے کروں کیونکر کروں

حسن کے جادو سے مجھ کو کیسے آزادی ملے
عشق کی تاثیر سے دل کو کس طرح باہر کروں
دل کے اس بت خانہ عشق وہوس کو توڑ دوں
اب نہ پیشانی کبھی ندربت کافر کروں
بت پرستی بھی کروں اور بت شکن بھی بنوں
کیش ابراہیم رکھ کر پیشۂ آذر کروں
کفر پر ہے دل کبھی مائل، کبھی ایمان پر
معرکہ نور وظلمت کا میں کیسے سر کروں
آنکھ میں توبہ کے آنسو دل میں اس برکت کی ہوس
ہائے گنگا جل کو کیسے زمزم وکوثر کروں
عقل کہتی ہے کہ ناداں نہ ہو گمراہ نہ ہو
عشق کہتا ہے کہ کیا لطف اگر چاہ نہ ہو
ہر قدم پر ہے یہ خطرہ کہ وہ بھٹکے نہ کہیں
رہنمائی کوئی مسافر کے جو ہمراہ نہ ہو
کوچۂ عشق میں آئے ہیں تو حضرت سن لیں
نام کا پاس نہ ہو ننگ کی پرواہ نہ ہو
آکہ اب جان کو قرار نہیں
دردِ فرقت سہا نہیں جاتا
یہ کیسی آگ ہے رہ رہ کے شعلہ جس کا اٹھتا ہو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کبھی وہ راکھ ہوجاتی ہے پھر وہ خود سلگتی ہو
نہ بجھ جانے کی فرصت ہے نہ جل جانے کی ہمت ہو
سلگ کر پھر وہ بجھتی ہے، وہ بجھ کر پھر سلگتی ہے
زباں سے شرح تمنا تو ہو نہیں سکتی
مگر جو بات ہے دل میں وہ کاش ہوجائے

غزل نمبر ۲۳ مندرجہ ص:۸۷ کا ایک ایک شعر معرفت باطنی کی دلیل ہے۔ دو ایک اشعار سنیے:

نقش رنگا رنگ عالم کو تصور سے مٹا
تجھ کو گر آرائش ایوانِ دل منظور ہے
جو حجاب اٹھتا گیا بنتا گیا وہ خود حجاب
جو نظر آتا ہے بے پردہ وہ بھی مستور ہے
مانع دیدار ہوجاتا ہے خود قرب نظر
جس قدر نزدیک جو ہے اس قدر وہ دور ہے

کتاب کی ظاہری صورت بھی دیدہ زیب ہے اور کتابت وترتیب نفیس وعمدہ۔ گو بشری کمزوری کی وجہ سے کتابت کی دو چار غلطیاں رہ گئی ہیں، جنہیں مرتب نے اپنے قلم سے درست فرمادیا ہے۔ اس طرح مرتب نے اپنی طرف سے ارمغانِ سلیمان کو ہمہ خوبی سے پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر دے کہ ناظرین واہلِ شوق کو کلام شیخ سے مرہون فرمایا جو حقیقت میں ارمغان سلیمانی نہیں بلکہ سرمۂ سلیمانی ہے۔ اور دیدہ دل کے لئے سامان راحت وبصیرت۔

امید ہے کہ ہر طبقہ کے حضرات اس خوانِ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضاب ہوں گے۔ خصوصاً اہل ذوق و سالکین کے لئے اس کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا..... "والحمد اولاً واخرا وظاھراً وباطناً"۔

آخر میں یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''ارمغان سلیمان'' کے دونوں حصے غزل

الغزلات اور دوراول کا کلام، ایک ہی سلسلۃ الذہب کی دو کڑیاں ہیں۔ سید صاحب کا دور آخر، دوراول کا ارتقائی نتیجہ اور منطقی لازمہ ہے، حضرت سید صاحب کی ذہنی وعرفانی زندگی پر جن لوگوں کی عمیق نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہی ''اسلامی صوفی'' ہوئے تھے اور زندگی کے مختلف مراحل میں انہوں نے جن منازل وگھاٹیوں کے طے کیا، وہ ''اسلامی سلوک'' ہی کی مختلف راہیں تھیں، جو حضرات صاحب معارف سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پچاس سالہ تصنیفی مجاہدات کو عارف سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وعرفانی خدمات سے جدا کر کے دیکھے ہیں، وہ اسلامی تصوف اور سلیمانی نظریہ سلوک کی جامعیت وہمہ گیری سے ناواقف ہیں۔ سیرت نگار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعظم گڑھ کے سلیمانی اورنگ، علم وتحقیق پر رونق افروز ہوں، یا تزکیہ وتربیت باطنی کی مسند ارشاد پر وہ استاذ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا حق ادا کر رہے ہوں یا شیخ وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت ہر حال میں ان کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل و جامع اسوہ تھا جسے دیکھ دیکھ کر وہ اپنے ظاہر و باطن کو سنوار رہے تھے اور اسی آئینہ میں عالم کو بھی حق کی تمثال بتا رہے تھے۔ حضرت سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذہنی وقلبی، روحانی وعلمی سوتوں کی اصلاً سیرابی انہی الٰہی سورتوں سے ہوئی تھی، جو سینہ نبوت سے پھوٹے تھے اور جو دین ودنیا، قلب وروح، جسم وجان اور ظاہر و باطن کی جامعیت کے حامل تھے۔ اس لئے اپنی زندگی کے ہر دور اور سعی وعمل کے ہر میدان میں وہ انہی الٰہی مقاصد واعمال کا جویا اور طالب رہے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا حاصل تھیں۔ حضرت سید صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کے بعد نہ تو آستانہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے دامن کو چھوڑا۔ نہ کسی شخص یا طبقہ کی رورعایت سے اپنی ذاتی تحقیقات (۱) سے دستبردار ہوئے اور نہ تو علمی کاموں سے دستکش ہوئے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کے بعد ہی حیات شبلی جیسی کتاب لکھی، اجتماعی دینی اور ملی خدمات میں بھی آخر دم تک سرگرم رہے۔ غزل الغزلات کے رموز و اشارات اور شاعرانہ استعاروں سے کسی ''صاحب فکر ونظر'' کا اس کے خلاف نتائج نکالنا سراسر زیادتی، حقیقت ناآشنائی اور حیران کن جسارت ہے (۲) سید صاحب کی جامعیت نے شبلوی علوم واشرفی حقائق ومعارف کو اپنے خداداد افکار عالیہ وفضائل ومزایا کے ساتھ اس طرح سمولیا تھا کہ وہ فکر سلیمانی ہی کا ایک حصہ بن گئے تھے۔ اور استاذ شبلی رحمۃ اللہ علیہ وشیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کی یکجا جلوہ نمائی حضرت سید صاحب کی ذات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گرامی سے آخر دم تک ہوتی رہی جس مدرسہ فکر کے وہ امام تھے۔اس کی قیادت ورہنمائی سے وہ دستبردار نہیں ہوئے بلکہ اس ''مدرسۂ فکر'' کی دلکشی وتابانی،حقیقت یابی، روحانیت ونمو میں سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جرأت انگیز ومردانہ قدم نے چار چاند لگادیے(۳) جب تک آپ دارالمصنفین میں رہے،آپ نے اسے اسلامی علوم ومعارف،سلفِ صالحین کے مسلک کا عظیم گڑھ بنائے رکھا اور اسلام کے ''تجدد'' کے نام پر جہاں کہیں بھی تحریف وتاویل کی کوشش کی گئی۔اس مردحق آگاہ نے اس کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا۔بعد میں انقلابات زمانہ نے گوانہیں دارالمصنفین سے جدا کردیا تھا لیکن ان کی علمی وتعلیمی اور ملی سرگرمیاں حتی المقدور جاری ہیں۔قیام پاکستان کے دوران میں بھی وہ مختلف تحقیقی وعلمی اداروں کے سربراہ اور افعال رکن رہے اور امت کی دینی وعلمی سیاسی وقانونی رہنمائی فرماتے رہے۔ماہنامہ فکرونظر کے فاضل مدیر نے ''سلیمانی مدرسۂ فکر'' کی شکست اور سید صاحب کی علوم شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے دستبرداری کی جو داستان تراشی ہے۔گووہ ''فکرونظر'' کے ''عمومی معیار'' کے عین مطابق ہے،لیکن اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے شبلی مدرسہ فکر ودارالمصنفین کو ''رجعت قہقہری'' پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ اپنی بصیرت افزا رہنمائی میں اسے ان بنیادوں پر ثبات وقرار بخشا، جو اسلام ودین کا اصل تقاضا اور نبوی تعلیمات اور سلف صالحین کے اسوہ کا اقتضا تھا۔یہ سچ ہے کہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین محکم اور اسلام کے لازوال اور غیر متبدل اور انمٹ احکام ونظریات کو نام نہاد تجدد کی بھینٹ چڑھا کر اسلام کے حقائق کو مسخ نہیں ہونے دیا اور نہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدیم وابدی دین کو استشراق و یہودیت ومسیحیت کے در پر ''جبہ سائی کرنے'' کی کریہہ کوشش کی۔سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کارنامہ تجدد پسندوں کی تاویل پسند طبیعتوں میں کتنا ہی کھٹکتا ہو اور اسے کیسا ہی حسرت ناک سانحہ قرار دیا جاتا ہو۔سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس کارنامہ پر پوری امت بلکہ خود اسلام کو فخر ہے۔

اس لحاظ سے ''ارمغان سلیمان'' سید صاحب کے انقلاب روحانی کے ''حسرت ناک (۴) سانحہ کی منظوم داستان''،نہیں بلکہ علم وفضیلت کے جملہ نام لیواؤں کے درسِ بصیرت اور حقیقت آشنائی،خدارسی، ایمان واخلاص،احسان وتقویٰ کی اس راہ پر گامزن ہونے کی دعوت ہے جس راہ خاصانِ امت کا قافلہ ہمیشہ چلتا رہا ہے اور جس میں ابوحنیفہ،جنید وشبلی،غزالی ورازی،سہروردی وجیلانی،مجدد سرہندی وشاہ ولی

244

اللہ رحمہم اللہ اجمعین جیسے اکابر شامل ہیں: "فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا".

حواشی:

(۱) معارف جنوری ۱۹۴۳ء کے شذرات میں اس کی تصریح ہے۔

(۲) یہ تبصرہ لکھا جاچکا تھا کہ ماہنامہ ''فکرونظر'' میں ارمغان سلیمان پر جناب محمد سرور صاحب کا ''انتقاد'' نظر سے گزرا آئندہ سطور اسی سلسلے میں لکھی گئی ہیں۔

(۳) یہ موقع اس اجمال کی تفصیل کا نہیں ''سلوک سلیمانی'' جب منظر عام پر آئے گی۔تو انشاء اللہ اس قسم کی اکثر غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجائے گا۔مزید یہ کام سید صاحب کے سوانح نگار کا ہے کہ ان حقائق سے پردہ اٹھائے۔

(۴) جیسا کہ ''ماہنامہ فکرونظر'' نے لکھا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com